ماہنامہ

دارالعلوم

حتیٰ کہ وہ آخری دنوں میں صرف ہڈیوں کا مجموعہ رہ گئے تھے ——— رمضان کے نصف آخر میں، میں گھر چلا گیا۔ ذیقعدہ کے اوائل میں واپسی ہوئی تو مولانا سال گذشتہ سے زیادہ ناتواں اور زندگی سے مایوس تھے۔ مہتمم صاحب مدظلہ نے انہیں مہمان خانہ میں قیام پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہاں ان کے کمرے سے زیادہ بعض سہولتیں تھیں، سوئے اتفاق کہ گھر سے آتے ہی ذیقعدہ کے وسط میں میرے بائیں ہاتھ کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور دیگر معذوریوں کے ساتھ ساتھ کپڑے پہننا بھی مشکل تھا۔ اسلئے مرض الموت میں بہت کم عیادت کی سعادت حاصل ہو سکی۔ عید الاضحیٰ کی نماز دارالعلوم کی مسجد کی بالائی منزل پر میں نے بائیں جانب ادا کی مولانا دائیں طرف پہلی صف میں تھے۔ نماز کے بعد دو طالب علم دونوں بازو پکڑ کر سہارے سے انہیں اٹھانا چاہ رہے تھے کہ جلدی سے پہنچ کر میں نے مصافحہ کیا۔ حیرت سے دیکھنے لگے اور میری کلائی کو دیکھ کر کہنے لگے تم نے یہ کیا کر لیا۔ جن دوستوں سے مل کر زندگی کے ان لمحوں میں خوشی ہوتی وہ بھی مجبوریوں اور معذوریوں کی نذر ہو گئے۔

ہم نے کسے کھو دیا مولانا کی وفات سے ہم نے درحقیقت وہ کڑی کھو دی ہے جو ہمیں ان اساتذہ ومشائخ دارالعلوم کے سلسلۃ الذہب سے مربوط کرتی تھی۔ جو علم وفضل کے منارے، ورع وتقوی کی مثال اور سادگی وقناعت، پاکدامنی اور پاک نفسی کا نمونہ تھے۔

ان کی موت سے اساتذہ اور ذمہ داران دارالعلوم نے ایک باوقار وروشن دماغ سرپرست اور امانت دار وصاحب لیاقت مشیر کار کھو دیا ہے۔ جو مضبوط رائے قائم کرنے، بروقت کسی الجھن کا حل ڈھونڈ نکالنے، بارآور طریقہ کار وضع کرنے اور تعلیمی وانتظامی صیغوں کے مفید ترین خاکوں کی ایجاد وتنفیذ پر ماہرانہ اور بصیرت افروز قدرت رکھتا تھا ——— مولانا کے ایسا پختہ رائے اور کسی نظریہ پر تادیر اور ہر حالت میں ثابت قدم رہنے والا آدمی میں نے زندگی اور تجربہ میں مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (متوفی شب ۳ رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء) کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا ہے ان کی رائے فولاد کی طرح ٹھوس ہوتی اور وہ اس پر پہاڑ کی طرح جم جاتے تھے۔

ان کی وفات سے دارالعلوم کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے ایک مخلص تجربہ کار اور دوررس رفیق کار کھو دیا ہے۔ باوجودیکہ مولانا اہتمام سے متعلق نہ تھے، لیکن مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دارالعلوم کے بہت سے مسائل ومعاملات میں مولانا کے مشوروں اور خیالات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ مطابق جنوری ۱۹۹۱ء

شمارہ نمبر ۱
جلد نمبر ۷۶

فی شمارہ ۵/-
سالانہ ۵۰/-

نگران — حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر — مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ	۱۸۰/- روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم	۱۰۰/- "
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم	۷۵/- "

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی، پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤدوالا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس اختر سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کمیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے (منیجر)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن اور مسلمانوں کا تشخص و امتیاز آج جن خطرات سے دوچار ہے ۱۹۴۷ء میں بھی شاید یہ صورتِ حال پیش نہ آئی ہو مغربی تہذیب، ترقی پسندی، سوشلزم، ہندو احیاء پرستی وغیرہ بہت سی تحریکیں ہیں جو ہماری تہذیب اور انفرادیت کے خلاف برسرپیکار ہیں، بالخصوص ہندو احیاء پرستی نے جو جارحیت کی صورت اختیار کرلی ہے، جو اپنے وسیع تر وسائل و ذرائع کی طاقت سے اسلامی تہذیب و تمدن کو مسخ کرکے اپنے اندر ضم کرلینے پر تلی ہوئی ہے، یونیفارم سول کوڈ کی تجویز، تعلیمی پالیسی میں مذہب بیزاری کا عنصر، نصابی کتابوں میں اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلامی تاریخ وروایات سے متعلق گمراہ کن غلط بیانیاں، قومی ثقافت اور کلچر کے نام پر ہندو عقائد و نظریات اور دیومالائی افسانوں کی حکومتی پیمانے پر اشاعت و ترویج اس جارحانہ تسلط پسندی اور انضمامی رجحان کے ادنیٰ مظاہر ہیں

یوں تو ہندو احیاء پسندوں کی دشمنی عیسائیت اور کمیونزم سے بھی ہے، لیکن بچند وجوہ انکے لئے سب سے بڑا چیلنج مسلمان اور ان کی تہذیب وروایات ہیں، کیونکہ مسلمانوں کی اپنے تشخص اور اپنی مذہبی انفرادیت کے ساتھ اتنی کثیر آبادی کو (جو مذہبی و تہذیبی اعتبار سے بین الاقوامی سطح پر مسلم دنیا سے وابستہ ہے) ہندو احیاء پسند اپنے سیاسی و مذہبی تسلط کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں، ہندو احیاء پسندوں نے تشدد و جارحیت کے ذریعہ ماضی میں ہندوستان کے اندر موجود دیگر ثقافتی و

مذہبی اکائیوں کو اپنے اندر یا تو ضم کرلیا یا معاشرہ میں انھیں بے اثر اور اچھوت بنادیا تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے سارے جارحانہ حربے بے اثر ثابت ہوئے۔ وہ انھیں اپنے اندر جذب کرلینے یا سوسائٹی میں بے اثر بنادینے میں کامیاب نہ ہوسکے، بلکہ اس کے برعکس اسلام کی انقلابی اور انسانی مساوات کی تعلیم عام ہونے سے ہندوستان میں آباد پسماندہ طبقات (جو غالب اکثریت میں ہیں) کا رجحان اسلام اور مسلمانوں کی طرف بڑھ گیا ہے جسے دیکھ کر ہندو احیار پسند غم و اضطراب سے بالکل پاگل ہوگئے اور ہر طرف سے یکسو ہوکر مسلمانوں کی بیخ کنی میں لگ گئے ہیں، علاوہ ازیں "بابری مسجد" کی بازیابی کے سلسلے میں ہمارے بعض ناعاقبت اندیش لیڈروں کی غلط حکمت عملی نے بھی جارح قوتوں کو مسلمانوں کے خلاف منظم و مستعد بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے، ایک بنگالی پجاری نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

.... ہمارا دیوتا ہے جو کام ہمارے لیڈر ہزار سال میں نہ کرسکے اسکو ......
نے ڈیڑھ سال میں کردیا سیکڑوں سال سے سوئے ہوئے ہندوؤں کو ....
نے ڈیڑھ سال میں جگادیا (الرسالہ جنوری ۱۹۸۹ء)

اس وقت ہمارے ملک میں ہندو احیار پسندی کا رجحان بڑی حد تک عام ہوگیا ہے، لیکن اس تحریک کی سب سے بڑی علمبردار آر، ایس، ایس ہے جس کی ذیلی تنظیموں میں سیاسی سطح پر "بھارتیہ جنتا پارٹی" سماجی و قومی سطح پر "وشو ہندو پریشد" اور "بھارتیہ جن مورچہ" اور تعلیم گاہوں کی سطح پر "اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد" ہیں۔ یہ آخر الذکر تنظیم اگرچہ کسی پارٹی سے منسلک ہونے کا انکار کرتی ہے لیکن اسکے اصول، خصوصیات، طرز عمل اور مطالبات صاف بتا رہے ہیں کہ اس کی تمامتر فکری غذا کا سرچشمہ آر ایس، ایس ہی ہے۔

آر ایس ایس کی سرگرمیوں کی وسعت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اسکی آخر الذکر تنظیم جو طلبہ پر مشتمل ہے اس کا دائرۂ عمل ملک کی اکثر عصری تعلیم گاہوں کو محیط ہے، خاص طور پر دہلی یونیورسٹی، مہاراشٹر کے انجینیرنگ کالجز، جھانسی، کانپور، بنارس، مرزاپور، گورکھپور کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسکے اثرات بہت قوی ہیں، علاوہ ازیں کرناٹک، کیرلا، حیدرآباد اور راجستھان کی تعلیم گاہوں میں بھی اس کی جڑیں نہایت مضبوط و مستحکم ہیں، آر، ایس، ایس اپنی اسی

فعال متحرک اور پرجوش تنظیم کے ذریعہ سرکاری محکموں اور حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض ہوتی جارہی ہے
آر ایس ایس کی ان تمام ترکوششوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں آباد دیگر اکائیوں بالخصوص مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کرکے اور انھیں معاشی طور پر بدحال بناکر ان کی خود اعتمادی کو ختم کردیا جائے اور اس طرح نفسیاتی دہشت میں مبتلا کرکے انھیں مجبور کردیا جائے کہ وہ ہندو تہذیب میں ضم ہوجائیں، تاکہ اکھنڈ بھارت کا اس کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے، باہمی منافرت کے بڑھتے ہوئے جذبات، آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات، قومی تہذیب کے نام پر اکثریتی فرقے کی تہذیب وثقافت کی ترویج وترقی، یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ پر اصرار اسی تہذیبی جارحیت اور انضمامی رجحان کے وہ چند اسباب وذرائع ہیں جنھیں زینہ بناکر یہ جارحیت پسند تنظیم اپنے اصل مقصد تک پہنچنا چاہتی ہے، اس کے اس رجحان کی ہلکی سی عکاسی "راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ" نامی کتاب میں ان الفاظ کے ذریعہ کی گئی ہے۔

"ہندو ہندوستان میں قدیم زمانہ سے آباد ہیں، یہاں ہندو ہی ایک قوم ہیں کیونکہ یہاں کی تہذیب وتمدن انھیں کی عطا کردہ ہے، غیر ہندو یا تو حملہ آور ہیں یا مہمان کی حیثیت سے یہاں آئے، غیر ہندو خاص طور سے مسلمان اور عیسائی ہر اس چیز کے دشمن رہے ہیں جس کا تعلق ہندوؤں سے ہے، اسلئے وہ ہمارے لئے خطرہ ہیں، ہندوؤں کی آزادی وترقی میں دراصل اس ملک کی ترقی وآزادی ہے، ہندوستان کی تاریخ ان بیرونی دشمنوں کی جارحیت سے ہندوؤں کی اپنے مذہب وتہذیب کے تحفظ کے سلسلے میں جدوجہد کی تاریخ ہے، ہندوؤں کا اتحاد اور ان کا استحکام وقت کا شدید تقاضا ہے، ہندوؤں کو جو چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ہیں ان کا مقابلہ مل کر کرنے اور ان سے بدلہ لینے کے لئے اپنی قوت بڑھانی چاہئے، جارحیت سب سے بڑی حفاظت (کی چیز) ہے۔"

یہ ہیں ہندو احیاء پرستی کے وہ مہلک وخطرناک عزائم جسکے حصار میں ہمارا ملی تشخص، ہماری مذہبی انفرادیت، ہماری اسلامی روایات اور خود ہمارا وجود گھرا ہوا ہے، اور یہ حصار دن بہ دن مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جارہا ہے، آج وقت کا شدید تقاضا ہے کہ ہمارے فضلاء، دانشور، رہبران ملت، نوجوانان قوم

اور خاص طور سے خاندان ولی اللہی سے منتسب علمائے دین میدان میں نکل کر اپنے اسلاف کے جہد وعمل کی تاریخ کو پھر سے زندہ کریں اس سلسلے میں پہلا کام یہ کرنے کا ہے کہ مسلمانوں کے ایک ایک بچہ کے اندر مسلمان ہونے کا احساس بیدار کردیں، یہ احساس اپنی تہذیب وتمدن کی حفاظت میں بہت اہم کردار کا حامل ہوگا، دوسرے جارح طاقت کا ہمت وجرأت، حکمت وتدبر اور صبر واستقامت کے ساتھ دفاع کریں، تیسرے اسلام کی اخلاقی وسماجی تعلیمات کو عام کرنے کی سعی بلیغ کریں، ان تدبیروں کے ساتھ خدائے کارساز سے امداد ونصرت کی دعائیں بھی کرتے رہیں، ظاہر ہے کہ یہ امور مسلسل جدوجہد کے طالب ہیں اور جذباتی نعروں اور اشتعال انگیز تقریروں کی طرح اپنے اندر شہرت کی کشش بھی نہیں رکھتے ہیں، اس لئے شہرت طلبی کے جذبات کو پس پشت ڈال کر صبر واستقامت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، خدانخواستہ اگر ہم نے وقت کے اس اہم طوفان سے چشم پوشی کی اور اپنی عافیت کوشیوں میں مبتلا رہے جسکے نتیجہ میں وہ ملی ورثہ جو آباؤ اجداد کے ذریعہ ہم تک پہونچا تھا اسے اپنی اگلی نسل تک منتقل کرنے میں ناکام رہے تو جان لیجئے کہ تاریخ اس جرم عظیم کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔

وہ بادۂ شبانہ سرمستیاں کہاں
اٹھئے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

قسط پنجم : مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی

سورۂ بقرہ کے رہنما اشارات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا
يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ
وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ
فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ
مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ
اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ
يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

(ترجمہ)

توکہدے جوکوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اُس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو ﴿۹۷﴾ جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا ﴿۹۸﴾ اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کرینگے ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں ﴿۹۹﴾ کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے ﴿۱۰۰﴾ اور جب پہونچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ﴿۱۰۱﴾ اور پیچھے ہولئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان، سلیمان کی بادشاہت کے وقت، اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو، اور اس علم کے پیچھے ہولئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو آزمائش کیلئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کرسکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے، اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا، اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ، اور بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے بیچا انھوں نے اپنے آپ کو اگر ان کو سمجھ ہوتی ﴿۱۰۲﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی ﴿۱۰۳﴾ اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا

اور کہو انظرنا اور سنتے رہو، اور کافروں کو عذاب ہے دردناک (۱۰۴) دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں، اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمھارے رب کی طرف سے، اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (۱۰۵) جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اسکے برابر کیا تجھکو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۰۶) کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی، اور نہیں تمھارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار (۱۰۷)

مقصدِ دوم اثباتِ رسالت

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ .... وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۔
(۹۷) ——— (۹۹)

یہاں سے ان شکوک اور اعتراضات کا جواب دیا جا رہا ہے جو یہود کی جانب سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر پیش کئے گئے تھے۔

اعتراض:۔ آیت ۹۷ تا ۹۹ میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لیکر آنے والے جبرئیل ہیں اور جبرئیل سے ہماری قدیمی عداوت ہے ان کے بجائے اگر میکائیل ہوتے تو ہم آپ کی رسالت کو مان لیتے۔

جواب:۔ کا حاصل یہ ہے کہ تمھارا یہ عذر بیجا ہے کیونکہ انزالِ وحی وغیرہ میں جبریل امین مستقل بالذات نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت ایک ایلچی اور قاصد کی ہے وہ اپنے تمام معاملات میں حکم خدا کے پابند ہیں اس لئے انھیں اپنا دشمن قرار دینا بعید از عقل ہے، اور اگر بالفرض تمھاری یہ بات مان لی جائے پھر بھی جبرئیل کی عداوت کی بنا پر اس کلام ہدایت نظام کا انکار کسی طرح سے مناسب نہیں ہے کیونکہ اولاً تو یہ تمھاری کتابوں کا مصدق ہے، اس کا انکار خود اپنی کتابوں کا انکار ہوگا ثانیاً یہ ہدایت کامل ہے اسے چھوڑ دوگے تو صحیح راستہ گم ہو جائے گا، ثالثاً یہ مجموعۂ نوید و بشارت ہے جس کی سماعت کے لئے ہر ذی ہوش سراپا گوش رہتا ہے، ایسے جامع صفات کلام سے روگردانی محض کسی کی عداوت کی بنا پر نری حماقت و جہالت ہے، علاوہ ازیں یہ بات بھی غور سے

سُن لو کہ جبریل ہوں یا میکائیل یا کوئی اور فرشتہ، سب اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن اللہ رب العزت کا دشمن اور منکر ہے، اور اللہ تعالیٰ منکرین حق کا دوست نہیں ہے، پھر آپ کی نبوت و رسالت کا انحصار صرف قرآن ہی پر نہیں ہے، جس پر یہ بیجا اور احمقانہ اعتراض کیا جا رہا ہے آپ کی رسالت کا ثبوت تو قرآن کے علاوہ ایسے بہت سے روشن اور ایمان افروز معجزات سے بھی ہوتا ہے جن کا انکار حد سے بڑھے ہوئے منکرین ہی کر سکتے ہیں۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا .... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ٥
(۱۰۰) ——————— (۱۰۳)

اعتراض ۲:۔ یہود کی جانب سے دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (انبیاء کے طریقہ کے برخلاف حق و باطل کی آمیزش کر رہے ہیں کہ سلیمان (علیہ السلام) کو حضرات انبیاءؑ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ ایک جادوگر اور ساحر تھے نبوت سے ان کا کیا تعلق[1]

ان چار آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیغمبرانہ جلالتِ شان کو نمایاں کرکے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی جانب جادو کی نسبت یہود کی بہتان طرازی ہے ان کا دامن سحر کی آلودگی سے بالکل پاک ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کیلئے شیاطین جن وانس نے سحر کو سکھایا اور اسے مدوّن کیا بنی اسرائیل اپنی کج رو شر پسند طبیعت کی بنا پر کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر جادو سیکھنے و سکھانے میں لگ گئے، بعد میں جب انھیں سمجھایا گیا کہ یہ سخت گمراہی اور کفر ہے اس سے باز آجاؤ، تو شیطانوں کے فریب میں آکر انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تو سلیمان کا آموختہ و آزمودہ عمل ہے اسی کے زور پر تو وہ کنگ سلیمانی تھے اور کائنات کی تمام چیزوں پر حکمرانی کرتے تھے

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ کی عمدہ ترین تفسیر۔

اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بہت سی کتب تفسیر میں بعض عجیب و غریب آثار صحابہ

[1] ابن جریر، عن حوشب، بیان القرآن ج ۱، ص ۷۸ حاشیہ، وعن محمد بن اسحاق القرطبی، ج ۲، ص ۴۱۔

نقل کئے گئے ہیں اور ایک مرفوع روایت بھی بیان کی گئی ہے، حالانکہ حقیقتاً نہ تو یہ آثار صحابہ ہیں اور نہ مرفوع روایت بلکہ کعب احبار اور دوسرے علماء یہود کے بیان کردہ قصے ہیں جو بنی اسرائیل کے ذخیرۂ خرافات کہے جانے کے مستحق ہیں، خلاف روایت و درایت ان قصوں کا اس آیت کی تفسیر سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اسی لئے محققین علماء نے آیت زیر بحث کی تفسیر اس انداز سے کی ہے کہ یہ ساری کہانیاں بے سود ہو کر رہ گئی ہیں، اس نوع کی ایک تفسیر مشہور امام نحو فرّاء سے منقول ہے اور دوسری تفسیر امام قرطبی نے اپنی نادرۂ روزگار تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۲ کے ص ۵ پر نقل کی ہے، جسے رأس المفسرین امام ابن جریر کی سند حاصل ہے، لیکن ان دونوں تفسیروں سے بھی وقیع وہ تفسیر ہے جسے ہمارے استاذ الاساتذہ محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی ادق ترین تصنیف "مشکلات القرآن" کے صفحہ ۲۵ پر درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب بنی اسرائیل کو شیاطین نے جادو میں مبتلا کر کے گمراہ کر دیا تو انھیں راہِ ہدایت دکھانے کے لئے اس معجزانہ طریقہ کے مطابق جو صدیوں سے بنی اسرائیل کے لئے حق تعالیٰ کی جانب سے جاری تھا ہاروت و ماروت دو فرشتے آسمان سے نازل کئے گئے، انھوں نے بنی اسرائیل کو تورات سے ماخوذ اسماء صفاتِ الٰہی کے اسرار کا ایسا علم سکھایا جو سحر کے مقابلہ میں ممتاز اور سحر کی اعتقادی و عملی گندگیوں سے پاک تھا، یہ فرشتے اسماء الٰہیہ کے اسرار سکھاتے وقت بنی اسرائیل کو یہ نصیحت بھی کرتے کہ اب جبکہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کو عملی تجربہ کے ذریعہ تم نے جان لیا ہے تو اب کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر سحر کی طرف رجوع کرو گے تو تم کافر ہو جاؤ گے، لیکن بنی اسرائیل کی کج فطرت نے اس موقع پر بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑا اور انھوں نے اس پاک علم کو بھی ناجائز اور حرام خواہشات کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، مثلاً میاں بیوی کے درمیان تفریق وغیرہ اس طرح حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے اس کو بھی ایک کرشمہ بنا دیا۔

کسی پاک جملہ کے خواص و اثرات کو ناجائز اور حرام کاموں میں استعمال کرنے کے متعلق علماء حق کی تصریحات موجود ہیں کہ یہ بھی ساحرانہ عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اسی لئے حرام و کفر ہے[1] یہ تفسیر معانی کی ترتیب، سیاق و سباق کی مطابقت اور حقائق و وقائع کی وضاحت کے

---

[1] تفصیل کے لئے قصص القرآن ج ۲، ص ۱۶۱ تا ۱۶۷ دیکھے جائیں۔

لحاظ سے بہت وسیع ہے جس کی وقعت واہمیت کا صحیح طور پر اندازہ اہلِ علم کر سکتے ہیں۔

سحر کی شرعی تعریف اور احکام :

(۱) قرآن و حدیث کی اصطلاح میں سحر صرف ان اعمال کو کہتے ہیں جن میں کفر و شرک اور فسق و فجور اختیار کر کے جنات و شیاطین کو راضی کیا جائے۔ اور ان سے مدد لی جائے اس لئے قرآن حدیث میں جسے سحر کہا گیا ہے وہ کفرِ اعتقادی یا کم از کم کفرِ عملی سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کفر و شرک اختیار کیا گیا ہے تو یہ کفرِ اعتقادی ہوگا اور اگر کفر و شرک کے بجائے دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہو تو یہ کفرِ عملی ہوگا۔ قرآن عزیز کی آیاتِ مذکورہ میں سحر کو کفر اسی عام معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔

(۲) جب یہ معلوم ہو گیا کہ سحر کفرِ اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا سب حرام ہے، البتہ اگر مسلمانوں سے دفعِ ضرر کے لئے بقدرِ ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

(۳) تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر شیاطین و جنات سے استمداد ہو تو یہ بھی بحکم سحر ہیں اور حرام ہیں۔ اور اگر اسکے الفاظ مشتبہ ہوں اور شیاطین و بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے

(۴) اگر قرآن و حدیث کے کلمات سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کیلئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں [۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا .... وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
(۱۰۴) ———— (۱۰۵)

یہودیوں کے ایک مکروہ فریب سے مومنین کو آگاہی :-

لفظ راعنا کے دو معنی ہیں (۱) ہماری رعایت کیجئے (۲) صاحب رعونت اور احمق۔ آنحضرت

---

[۱] معارف القرآن : ج ۱، ص ۲۷۹، ۲۸۰۔

لی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے وقت یہود یہی ذوجہت لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور اپنے جی
یں ازراہِ عناد دوسرے معنیٰ مراد لیتے تھے، اُن کی شناسی سادہ دل مسلمان بھی یہی لفظ کہنے لگے،
حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم اس لفظ کے بجائے اُنْظُرْنَا کہو اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی گفتگو غور سے سُنا کرو تاکہ اس قسم کے الفاظ کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑے، آخر میں
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" کا جملہ بڑھاکر اس اہم مسئلہ کی جانب رہنمائی کی گئی ہے کہ
جس بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا احتمال ہو وہ بھی کفر ہے۔ اس لیے مسلمانوں
کو اس قسم کے احتمالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دوسری آیت " مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا "الخ
یں مسلمانوں کو اس امر کی جانب متوجہ کیا گیا ہے کہ یہود اور اسی طرح مشرکین ازراہِ حسد وعناد
کے قطعاً یہ پسند نہیں کرتے کہ شرفِ رسالت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کنار رہیں، اسی بنا پر
یہ سارے اعتراضات اور فریب کاریاں کرتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ . . . . وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ
(۱۰۷) ——————— (۱۰۶)

اعتراض ۳ :- بندوں کے مصالح کے تحت شرائع واحکام میں نسخ یعنی ایک
حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنا اللہ تعالیٰ کی سنّت متوارثہ رہی ہے، صحیح مسلم میں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے " لم تكن نبوة قط الا تناسخت " یعنی جو بھی نبوت
آئی اُس نے احکام میں ردّ و بدل کیا چنانچہ اسی عادت اللہ کے مطابق جب شریعتِ محمدیہ
علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں بعض احکام منسوخ ہوگئے تو یہودیوں نے زبانِ طعن دراز کی،
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو ایک حکم دیتے ہیں پھر اسی سے منع کر دیتے ہیں، معلوم
ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ اپنی جانب سے کہتے ہیں۔

جواب دیا گیا کہ ہم کسی آیت کا جو حکم موقوف کر دیتے ہیں یا اُس آیت کو ذہنوں سے
فراموش کر دیتے ہیں تو یہ کوئی حیرانی یا اعتراض کی بات نہیں کیونکہ ہم اس آیت سے بہتر یا اسی
جیسی دوسری چیز اس کی جگہ لے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر

نہیں، اگر وہ ایک مرتبہ تمہاری ہدایت کے لئے حسبِ ضرورت احکام بھیج سکتا ہے تو یقیناً اس کے بعد بھی ایسا کرسکتا ہے۔ دوسرے تمہیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں یہ ولایت و نصرت بھی چاہتی ہے کہ احکام میں تمہاری مصلحت کی رعایت کی جائے۔ علاوہ ازیں جاڑا، گرمی، ربیع و خریف اور صبح و شام کے اوقات میں غور کرو تم کو یہی عمل نسخ کام کرتا ہوا نظر آئے گا۔ ویرانے آباد ہوتے ہیں، آبادیاں ویران ہوجاتی ہیں، غرض سب میں یہی قوتِ نسخ کارفرما نظر آتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیا کرتے ہیں۔ پہلا اس کے افعال ہیں اور یہ دوسرا اس کے اقوال ہیں، پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں مصلحت کی رعایت کرے اور اپنے اقوال میں اسے چھوڑ دے۔ اسی لئے اللہ نے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے بعد ہی اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ارشاد فرمایا کہ تم جس طرح ہمارے آسمان و زمین کی سلطنت میں تغیر و تبدل دیکھ رہے ہو اسی طرح ہمارے کلام میں بھی ردّ و بدل ہوسکتا ہے، آخر اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔
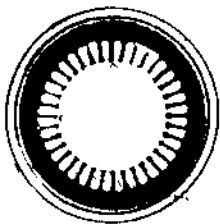
حضرت حکیم الامتؒ اور شان رحمۃ للعالمین

حافظ محمد اقبال رنگونی، مانچسٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمۃ للعالمین ہے اس میں کسی کو کلام نہیں، صفت اور خاصہ میں جو فرق ہے وہ بھی اہل علم حضرات سے مخفی نہیں، اگر کوئی شخص قرآن کریم کو بھی تمام جہانوں کے لئے رحمت کہدے۔ درحمۃ للمومنین بھی کہے تو اسے یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے رحمۃ للعالمین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں مانا، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نہیں مانتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمین ہے، اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا، اگر کوئی کرے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا، قرآن کریم میں ہے

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۷)

اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر جملہ اہل عالم کے لئے رحمت بناکر

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی لے کر تشریف لائے ہیں اس نے تمام جہاں کو ایک روشنی عطا کی ہے جو آپ پر ایمان لے آئے وہ تو رحمت خداوندی سے مستفید ہوگئے۔ لیکن جو ایمان نہیں لائے ان کو بھی کچھ نہ کچھ نفع ضرور پہنچا ہے، دیوبند کے ایک مقتدر عالم دین تحریر فرماتے ہیں کہ:-

یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید نہ ہونا چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب وانسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم وکافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام ومستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا میں تو

یہ کہتا ہوں کہ حضورؐ کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعۂ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے، اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلے میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی ایک حدیث میں ہے کہ والذی نفسی بیدہ لاقتلنھم ولاصلبنھم ولاھدینھم وھم کارھون انی رحمۃ بعثنی اللہ ولا یتوفانی حتی یظھر اللہ دینہ (تفسیر ابن کثیر) (ترجمہ) خدا کی قسم میں ان سے لڑوں گا انھیں سزا دوں گا، اور ان کو صحیح راہ دکھاؤں گا درآں حالیکہ وہ اس کو برا مانیں میں رحمت ہوں، اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور وہ مجھے اس دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا، یہاں تک کہ اللہ کا دین سب پر غالب آجائے (فوائد القرآن ص۴۳۸)

ان الفاظ سے آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات اکابرین دیوبند کے عقیدے میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے تھے اور اکابرین دیوبند اس شان رحمۃ للعالمینی کو اپنی تمام وسعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت مانتے ہیں۔

آئیے اب اس حقیقت کو حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی زبان سے سنیں۔

حضرت حکیم الامتؒ شان رحمۃ للعالمین بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" وہ نعمت جو اصل ہے تمام دینی و دنیوی نعمتوں کی ـــ اور وہ نعمت کیا ہے؟ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی نعمتوں کے تو فیوض دنیا میں فائز ہوئے ہی ہیں دنیوی نعمتوں کے سرچشمہ بھی آپ ہی ہیں، اور صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین دیکھئے عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان، مسلمان یا غیر مسلمان کی نہیں، پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہر شئی کیلئے

باعث رحمت ہے خواہ وہ جنس بشر سے ہو یا غیر جنس بشر سے، اور خواہ حضورؐ سے زمانہ متاخر ہو یا متقدم ـــــ پس حضور اولاً و آخراً تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوا

(وعظ السرور ۵)

ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں کہ :

"یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمین ہونے کی ظاہر ہوتی ہے کہ واقعی آپ مجسم رحمت ہیں اور آپ کی ہر بات میں رحمت ہے .... ثابت ہوا کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کیلئے رحمت ہیں (وعظ المور د الفرشی ۱۳۸)

ایک اور وعظ میں ارشاد فرمایا کہ :-

"ہمارے لئے بڑی بشارت ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عنایت الٰہی کے رکن ہیں، آپ نے فرمایا ہے کہ میں ایک رحمت ہوں کہ تحفہ بنا کر مجھ کو بھیجا ہے انا رحمۃ مھداۃ۔ (وعظ ثلث رمضان ۲۲)

قرآن پاک کی آیت قل بفضل اللہ و برحمتہ کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :

فضل و رحمت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدوم مبارک لیا جائے تو اس تفسیر کے مطابق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی اور اس میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائیں گی اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی، اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں، حتیٰ کہ ہم کو جو دو روٹیاں مل رہی ہیں اور عافیت اور تندرستی اور ہمارے علوم یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ہیں اور یہ نعمتیں تو وہ ہیں جو عام ہیں اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے غرض اصل الاصول مواد فضل و رحمت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برکات ہوئی۔ (وعظ السرور ۲۵)

ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :

حضورؐ میں تمام شانیں جمع تھیں ، غیظ و غضب علی الکفار بھی آپ کے اندر تھا اور رحمت و رآفت بھی اعلیٰ درجہ کی آپ میں تھی مگر آپ میں غلبہ رحمت ہی کو تھا، اس لئے جب کوئی بہانہ بھی رحمت کا ملتا تھا، آپ رحمت ہی کا برتاؤ کرتے تھے (وعظ المرابطہ ص۲۹)

حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :

ایک رحمت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ اس امت کے اوپر سے سخت سے سخت عذاب ٹل گئے جو پہلی امتوں پر آتے تھے ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تو برکت ہے کہ اس امت کے کفار پر ایسے عذاب نہیں آئے اور اس رحمت کو عام اس لئے کیا گیا کہ کفار کو بھی شامل ہے جو کہ امت اجابت میں داخل ہیں۔

حضرتؒ ایک اشکال کا جواب دیتے ہوئے آگے فرماتے ہیں کہ :

ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں رحمت میں داخل ہیں، اب کہئے کہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن گنہ گار مسلمانوں کے لئے جو کہ جہنم میں جائیں گے ، سفارش فرمائیں گے اگر یہ شفاعت نہ ہوتی تو ان کی میعاد زیادہ ہوتی ، تو میعاد کی کمی یہ رحمت سے ہوئی کوئی ہزار برس کے عقاب کا مستحق تھا اور حضورؐ کی سفارش سے اس میں کمی کر دی جائے مثلاً پانچ سو برس کے بعد وہ جہنم سے نکال دیا جائے ، تو رحمت ہونا اس کا ظاہر ہے .... مگر حضورؐ کی طرف سے تو رحمت ہونے میں شک نہیں رہا ، آپ کی رحمت تو ان کے ساتھ بھی پائی گئی ۔　　(وعظ شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ ص۲۵، ۲۷)

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ حضرات اکابرین دیوبندؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین ہی مانتے ہیں ، اس صراحت و وضاحت کے بعد بھی ان حضرات پر یہ الزام لگانا انصاف و دیانت کا خون کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟

وفاؤں کے دے چکے ہزاروں امتحاں اب تک
مگر وہ ہیں کہ اس پر بھی ہیں ہم سے بدگماں اب تک

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

"ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اُسے سُننے اور دیکھنے والا بنایا، ہم نے اُسے راستہ دکھا دیا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا" (سورۃ الدہر ۲،۳۔ رکوع ۱)

یہ ہے دنیا میں انسان کی اور انسان کے لئے دنیا کی اصل حقیقت، یعنی خدا نے اُسے اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ اس کا امتحان لے، اس کے لئے دنیا امتحان گاہ ہے، انسان جس چیز کو عمر سمجھتا ہے حقیقت میں وہ امتحان کا وقت ہے جو اُسے یہاں دیا گیا ہے، دنیا میں جو قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کو دی گئی ہیں جن چیزوں پر بھی اس کو تصرّف کے مواقع دیئے گئے ہیں، جن حیثیتوں میں بھی وہ یہاں کام کرتا ہے اور جو تعلقات بھی اسکے اور دوسرے انسانوں کے درمیان ہیں وہ سب اصل میں اس کیلئے امتحان ہیں اور امتحان کا یہ سلسلہ مرتے دم تک قائم رہتا ہے اور اسی امتحان کے نتیجہ کے طور پر آخرت میں یہ فیصلہ ہونا ہے کہ وہ کامیاب ہوا یا ناکام۔ اس امتحان میں کامیابی یا ناکامی کا سارا انحصار خود اس کے رویۂ زندگی پر ہے۔ اگر اس نے اپنے آپ کو خدائے واحد کا بندہ سمجھ کر اس طریقے پر کام کیا جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو اور آخرت کی جوابدہی کو پیشِ نظر رکھا تو وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا ورنہ ناکام رہا۔

اِس امتحان کے لئے جیسا اوپر کی آیت میں فرمایا گیا، خدا نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے علم و عقل کی طاقتیں دیں تاکہ وہ اِس آزمائش میں پورا اُترنے کے قابل ہوسکے انسان کے ہر حاسہ کے پیچھے ایک سوچنے والا دماغ موجود ہوتا ہے، جو اسکے ذریعہ سے آنیوالی

معلومات کو جمع کرکے اور ان کو ترتیب دے کر ان سے نتائج نکالتا ہے، رائے قائم کرتا ہے اور پھر فیصلوں پر پہنچتا ہے جن پر اس کا رویۂ زندگی مبنی ہوتا ہے۔

خدا نے انسان کو محض علم و عقل کی قوتیں دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساتھ ساتھ اسکی رہنمائی بھی کی تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ شکر کا راستہ کون سا ہے اور کفر کا راستہ کون سا اور اس کے بعد جو راستہ بھی وہ اختیار کرے اس کا ذمہ دار وہ خود ہو۔

زمین پر جو کچھ بھی سر و سامان ہے اسے خدا نے زمین کی زینت، انسان کے عیش و عشرت کے لئے نہیں بنایا ہے بلکہ یہ سارے سر و سامان وسائل امتحان ہیں جن کے درمیان انسان کو رکھ کر خدا کو روزِ آخر یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کون اپنی اصل کو فراموش کرکے دنیا کی دل فریبیوں میں گم رہا اور کون اپنے اصل مقام (بندگیٔ رب) کو یاد رکھ کر صحیح رویہ پر قائم رہا کیونکہ جس روز یہ امتحان ختم ہو جائے گا اس روز یہ بساطِ عیش الٹ دی جائے گی اور یہ زمین ایک چٹیل میدان کے سوا کچھ نہ رہے گی۔ فرمایا گیا ہے۔

> "واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے، آخر کار اس سب کو ہم ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں" (سورۃ الکہف ۱۸۔ رکوع ۱)

دوسرے موقع پر فرمایا گیا:۔

> "اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمھاری آزمائش کرے، لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو، آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمھیں اصل حقیقت بتا دے گا، جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو" (سورۃ المائدۃ ۵۔ ع ۷)

اس طرح اللہ کی بخشی دنیا کی ساری نعمتیں و عطا استدراج و امتحان ہیں تاکہ وہ اسے دیکھ سکے کہ بندہ ان پر شکر کرتا ہے یا ناشکری یا اپنی دولت پر قارون کی طرح یہ غرہ کرتا ہے کہ وہ معاش کا جو علم رکھتا ہے اس کے ذریعہ اس نے یہ ساری دولت کمائی ہے، ایسے ناشکروں کی نفسیات کے متعلق ایک موقع پر ارشاد ہے۔

" یہی انسان جب ذرا سی مصیبت اِسے چھو جاتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، اور جب ہم
اسے اپنی طرف سے نعمت دے کر ابھار دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے علم کی بنا پر
دیا گیا ہے۔ نہیں، بلکہ یہ آزمائش ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں "
(سورہ الزمر ۳۹ - آیت ۴۹)

خدا نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور اپنی مخلوقات میں بہت سی چیزیں انکی امانت میں دی اور ان پر تصرف کے پورے اختیارات بخشے، اِن خلیفوں میں مراتب کا بھی فرق خدانے رکھا ہے، مگر اگر کسی کو زیادہ چیزوں پر تصرف کا اختیار دیا گیا ہے یا کسی کو زیادہ قوت کارکردگی دی گئی ہے تو یہ صرف اس لئے کہ خدا کو دراصل ایسے لوگوں کا امتحان مطلوب ہے اور اسے یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس نے کس طرح خدا کی امانت میں تصرف کیا، کہاں تک امانت کی ذمہ داری کو سمجھا اور اس کا حق ادا کیا اور کس حد تک اپنی قابلیت یا نا قابلیت کا ثبوت دیا، اسی امتحان کے نتیجہ پر زندگی کے دوسرے مرحلے میں انسان کے درجے کا تعین منحصر ہے۔

اس امتحان کی غرض سے خالق نے ہر ایک کو عمل کا موقع دیا ہے تاکہ وہ دنیا میں کام کرکے اپنی اچھائی یا برائی کا اظہار کرسکے، اور عملاً یہ دکھا دے کہ وہ کیسا انسان ہے، جس شخص کا جیسا عمل ہوگا اسی کے مطابق اس کو جزا دی جائے گی کیونکہ اگر جزا نہ ہو تو سرے سے امتحان لینے کے کوئی معنی نہیں، دنیا میں انسانوں کے مرنے جینے کا سلسلہ اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ خدا یہ امتحان لے کہ کس انسان کا عمل زیادہ بہتر ہے، فرمایا گیا،

جس نے موت اور زندگی ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل
کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگذر فرمانے والا بھی "
(سورۃ الملک ۶۷، آیت ۲)

ایک اور موقع پر فرمایا گیا:

" اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، جب کہ اس سے
پہلے اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے"
(سورہ ہود ۱۱ - رکوع ۱)

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو اس لئے پیدا کیا کیونکہ اُسے انسان کو پیدا کرنا مقصود تھا، اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ اس پر اخلاقی ذمہ داری کا بار ڈالا جائے اور خلافت کے اختیارات سپرد کرکے یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے کون اِن اختیارات کی اور اس اخلاقی ذمہ داری کو کس طرح سنبھالتا ہے، اگر ان ساری تخلیق کی تہہ میں یہ مقصد نہ ہوتا اگر اختیارات کی تفویض کے باوجود کسی امتحان کا، کسی محاسبہ اور باز پرس کا اور کسی جزا وسزا کا کوئی سوال نہ ہوتا، اور اگر انسان کو اخلاقی ذمہ داری کا حامل ہونے کے باوجود یوں ہی بے نتیجہ مرکر مٹی میں مل جانا ہوتا تو پھر یہ سارا کارِ تخلیق بالکل ایک لا حاصل کھیل قرار پاتا، اور اس تمام ہنگامۂ وجود کی کوئی حیثیت ایک فعل عبث کے سوا باقی نہ رہتی، ان ہی سارے نکتوں کو اقبال نے "بانگ درا" کی نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" کے درج ذیل شعر میں سمودیا ہے۔

ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے

خدائے تعالیٰ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے اہل ایمان کو یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ خدا کے جو وعدے دنیا اور آخرت کی کامرانیوں کے لئے ہیں، کوئی شخص مجرد زبانی دعوائے ایمان کر کے ان کا مستحق نہیں ہوسکتا بلکہ ہر شخص کو آزمائشوں سے گذرنا ہوگا تاکہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت دے، ایک موقع پر فرمایا گیا کہ:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گذرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔" (سورۃ العنکبوت ۲۹۔ رکوع ۱)

ان ارشادات سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ خدا کے نزدیک آزمائش ہی وہ کسوٹی ہے جس سے کھوٹا اور کھرا پرکھا جاتا ہے، کھوٹا خود بخود اللہ کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور کھرا چھانٹ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ کے ان انعامات سے سرفراز ہو جو صرف صادق الایمان لوگوں کا ہی حصہ ہے۔

ایمان و تسلیم دراصل نفس کی ایک ایسی کیفیت ہے جو دین کے ہر حکم اور ہر مطالبے پر امتحان

میں پڑ جاتی ہے۔ دنیا کی زندگی میں ہر ہر قدم پر آدمی کے سامنے وہ مواقع آتے ہیں جہاں دین یا تو کسی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی چیز سے منع کرتا ہے یا جانی اور مالی اور وقت، محنت اور خواہشات نفس کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، ایسے ہر موقع پر جو شخص اطاعت سے انحراف کرتا ہے اس کے ایمان وتسلیم میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور جو شخص بھی حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے اس کے ایمان وتسلیم میں اضافہ ہوتا ہے، یہ کہ ہر ایسے موقع پر صادق الایمان اور جھوٹے دعوئ ایمان کی پرکھ صرف آزمائش کی کسوٹی ہی خدا کے نزدیک قرار دی گئی ہے۔ اسے خدائے تعالیٰ نے بہت صاف وصریح طور پر قرآن میں بہت سارے مواقع پر ذہن نشین کرایا ہے۔ نفس مضمون کے پیش نظر چند ایسی آیات کے ترجمے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

" پھر کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گذرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گذر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گذریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے حتی کہ وقت کا رسول اور اسکے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ) اللہ کی مدد قریب ہے " (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۴)

" دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو۔ اِس وقت (جنگِ بدر کے موقع پر) اگر تمھیں چوٹ لگی ہے تو اِس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں، تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مؤمن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی — (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں اور وہ آزمائش کے ذریعہ مؤمنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا، کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں " (سورۃ آل عمران ۳۔ رکوع ۱۴)

"اور ہم ضرور تمھیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ: ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔" انھیں خوش خبری دیدو، ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ"۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱۹)

"مسلمانو، تمھیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔"

(سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۸۶)

اسی سلسلہ میں بات آتی ہے دعوئ ایمان کی، تو ظاہری دعوئ ایمان ایک مومن اور منافق دونوں میں مشترک ہے مگر مومن اور منافق کے دعوئ ایمان کا فرق آزمائشوں میں ڈالنے سے کس طرح کھلتا ہے اس کی ایک مثال قرآن میں اس وقت دی گئی ہے جب کہ رسول اللہؐ کے وقت میں کوئی سال ایسا نہ گذرتا تھا جب کہ دعوئ ایمان آزمائش کی کسوٹی پر کسا نہ جاتا ہو اور اس کی کھوٹ کا راز فاش نہ ہو جاتا ہو، کبھی قرآن میں کوئی ایسا حکم آجاتا تھا جس سے ان کی خواہشاتِ نفس پر کوئی نئی پابندی عائد ہو جاتی تھی، کبھی دین کا کوئی ایسا مطالبہ سامنے آجاتا تھا جس سے ان کے مفاد پر ضرب پڑتی تھی، کبھی کوئی اندرونی قضیہ ایسا رونما ہو جاتا تھا جس میں یہ امتحان مضمر ہوتا تھا کہ ان کو اپنے دنیوی تعلقات اور اپنے خاندانی اور قبائلی دلچسپیوں کی بہ نسبت خدا اور اس کا رسول اور اس کا دین کس قدر عزیز ہے، کبھی کوئی جنگ ایسی پیش آجاتی تھی جس میں یہ آزمائش ہوتی تھی کہ جس دین پر ایمان لانے کا دعویٰ کر رہے ہیں اس کی خاطر جان، مال، وقت اور محنت کا کتنا ایثار کرنے کے لئے تیار ہیں، ایسے تمام مواقع پر صرف یہی نہیں کہ منافقت کی وہ گندگی جو ان کے جھوٹے اقرار کے پیچھے چھپی ہوئی تھی کھل کر منظرِ عام پر آجاتی تھی بلکہ ہر مرتبہ جب یہ ایمان کے تقاضوں سے منہ موڑ کر بھاگتے تھے تو ان کے اندر کی گندگی پہلے سے کچھ زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

آزمائش کے ایسے مواقع پر ایک مومن اور ایک منافق کی نفسیات اس طرح بیان کی گئی ہے۔

• جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ (مذاق کے طور پر مسلمانوں سے) پوچھتے ہیں کہ کہو، تم میں سے کس کے ایمان میں اس سے اضافہ ہوا؟ ۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں تو فی الواقع (ہر نازل ہونے والی سورت نے) اضافہ ہی کیا ہے اور وہ اس سے دلشاد ہیں، البتہ جن لوگوں کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا تھا ان کی سابق نجاست پر (ہر نئی سورت نے) ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک کفر ہی میں مبتلا رہے، کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟ مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں، جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں تم کو کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں، اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ (سورۂ توبہ ۹۔ رکوع ۱۲)

المختصر دنیا کی موجودہ زندگی دراصل امتحان کی زندگی ہے اور اس امتحان کے لئے انسان کے پاس بس اُتنی ہی مہلت ہے جب تک اس دنیا میں وہ سانس لے رہا ہے، اس وقت کو اگر انسان ضائع کر دے اور نبی کی ہدایت کو قبول کر کے امتحان کی کامیابی کا سامان نہ کرے تو پھر کوئی دوسرا موقع ملنے والا نہیں، اس نبی کا آنا اور قرآن کے ذریعہ انسان کو علم وحقیقت کا فہم پہنچایا جانا وہ بہترین اور ایک ہی موقع ہے جو انسان کو دیا گیا ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا تو بعد کی ابدی زندگی میں ہمیشہ کے لئے پچھتانا ہے، ہر آزمائش کا موقع انسان کے درمیان فیصلہ کن ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا عین مقتضٰی ہے کہ ایسے مواقع وقتاً فوقتاً آتے رہیں، ان مواقع پر جو کامیابی کی راہ پاتا ہے وہ اللہ ہی کی توفیق و رہنمائی سے پاتا ہے اور جو ناکام ہوتا ہے وہ اُسی توفیق و رہنمائی سے محروم ہونے کی بدولت ہی ناکام ہوتا ہے، اگرچہ اللہ کی طرف سے توفیق اور رہنمائی ملنے اور نہ ملنے کے لئے بھی ضابطہ ہے جو سراسر حکمت اور عدل پر مبنی ہے لیکن بہرحال یہ حقیقت اس جگہ ثابت ہے کہ آدمی کا آزمائش کے مواقع پر کامیابی کی راہ پانا یا نہ پانا اللہ کی توفیق وہدایت پر ہی منحصر ہے۔

(باقی بر ص۳۲)

حسین احمد ! کیا تم نے یہ کہا تھا " انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے " کراچی کے مقدمہ میں انگریز نے مولانا حسین احمد مدنی سے پوچھا۔

مولانا مدنی نے فرمایا " کہا تھا کہتا ہوں اور جب تک جیوں گا کہتا رہوں گا۔

حسین احمد ! آپ کو معلوم ہے کہ ان باتوں کا کیا نتیجہ نکلے گا ۔ انگریز جج نے پوچھا ۔

مولانا بولے : مجھے معلوم تھا کہ ان باتوں کا کیا نتیجہ نکلے گا ۔ اسی لئے دیوبند سے کفن کا کپڑا ساتھ لایا ہوں، آپ مجھے سزائے موت دیں تو کراچی والوں کو میرے کفن کا کپڑا تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی سب کچھ ساتھ لایا ہوں، تختۂ دار پر لٹک جاؤں گا لیکن کہوں گا یہی کہ انگریز فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے "

اعلائے کلمۃ الحق کی یہ روایت ہمارے اکابر کی شیوہ رہی ہے، اسلام کے دور اول سے لے کر آج تک کی تاریخ اس بات کی شاہد رہی ہے کہ علمائے کرام نے بے خوف اور نڈر ہو کر شرعی اور فقہی مسائل پر اپنے گرد و پیش کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے واضح اور دو ٹوک انداز میں اپنی رائے دی ہے، انھیں نہ حکومت وقت کی پرواہ رہی ہے اور نہ اس کا غم کہ مسلمانوں کی اکثریت ان کے خلاف ہو جائے گی، قرآن اور سنت ان کے احکامات کا منبع اور بدلے ہوئے حالات ان کے اجتہادات کا مخرج رہے ہیں، بابری مسجد کا مسئلہ بھی ایک شرعی مسئلہ ہے اور جب تک اسکے تحفظ یا اس سے دستبردار ہو جانے پر علمائے کرام کی مہر ثبت نہیں ہو جاتی، عام مسلمان کسی بھی فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا، اس لئے ضروری ہے کہ حکومت اور عوام دونوں انھیں کی طرف رجوع کریں اور ان کے احکامات کو ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔

جلوہ گہہ جبرئیل:

میں علم دین کا ماہر نہیں ہوں لیکن ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے یہ جانتا ہوں کہ رسول مقبولؐ کے نزدیک شہروں میں محبوب ترین مقامات ان کی مسجدیں ہیں اور آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی غرض سے مسجد تعمیر کی، اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا، یہی نہیں بلکہ قرآن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو بے خوف اور نڈر ہوکر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا، ان لوگوں کے لئے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی:

مسجدوں کی اس عظمت اور حرمت کی بناپر بقول مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی۔

"فقہاء اسلام کا فیصلہ ہے کہ کسی جگہ پر شرعی ضوابط کے مطابق مسجد بن جانے کے بعد وہ جگہ ہمیشہ کے واسطے مسجد کے لئے مخصوص اور نامزد ہوجاتی ہے، مسجد کی عمارت منہدم ہوجائے یا مسجد کے اطراف کی آبادی ختم ہوجانے پر بھی مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہ آئے گا بلکہ وہ بحالہ مسجد ہی رہے گی۔

امام زرکشی لکھتے ہیں، جب مسجد ویران ہوجائے (تو اس ویرانی کی وجہ سے) تو اس مسجد یا اس کی کسی چیز کا فروخت کرنا، نیز مسجد یا اس کے سامان کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔

محقق ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں اگر مسجد کے اردگرد کی آبادی ویران ہوجائے، اور وہاں کے لوگ اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے بے نیاز ہوجائیں (مثلاً) صورت یہ پیش آئے کہ جس محلہ یا بستی میں مسجد تھی وہ کھنڈر ہوکر کاشت کی زمین بن گئی پھر بھی قاضی القضاۃ امام ابو یوسف کے نزدیک اس مسجد کی مسجدیت اپنے حال پر برقرار رہے گی یہی فیصلہ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے:

ہمارے ملک کا مسلمان مذکورہ بالا تناظر میں بابری مسجد کو بھی دیکھتا ہے، اور تاوقتیکہ علمائے

کرام موجودہ حالات کے پیش نظر کوئی اور صورت مصالحت کی نہ پیدا کردیں۔ اس مسجد کو منتقل کردینے یا اس کے عوض دوسری مسجد تعمیر کردینے کی باتوں کو اسلامی نقطۂ نظر سے ناواقفیت پر محمول کرتا ہے۔

متاع دین و دانش لٹ گئی

بابری مسجد کی بازیافت کے سلسلہ میں اب تک جو تنظیمیں سرگرم عمل رہی ہیں ان کا یہ مثبت کارنامہ ضرور رہا ہے کہ یہ مسئلہ عالمی سطح پر موضوع گفتگو بن گیا ہے اور ساری دنیا کی نگاہیں اسکی جانب مبذول ہوگئی ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ ہندو فرقہ پرستی کی جارحیت اور قانون شکنی پر آمادگی کی وجہ سے ابھی تک اس مسئلہ کا نہ تو کوئی حل نکلا ہے اور نہ ہی مسجد کی طہارت کو ہم محفوظ رکھ سکے ہیں، ان باتوں کے علاوہ سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ انسانیت کے قتل عام کو بھی ہم روکنے سے قاصر رہے ہیں۔ اجودھیا میں کارسیوا کے دن جو کچھ ہوا اس سے حسب ذیل نتائج کا نکال لینا کوئی دشوار کام نہیں ہے

۱ — حکومت کے تمام تر انتظامی اقدامات کے باوجود ہزارہا کارسیوک اجودھیا پہونچ گئے۔

۲ — حکومت نے کم سے کم طاقت کا استعمال ان کے روکنے کے لئے کیا (بقول وزیراعلیٰ)

۳ — مسجد کی چہار دیواری، جنگلے اور گنبد کو کارسیوکوں نے نقصان پہونچایا۔

۴ — کارسیوکوں کی اچھی خاصی تعداد پولیس کی گولیوں سے مری یا زخمی ہوئی۔

۵ — قانون شکنی کرتے وقت جو لوگ مرے حکومت نے ان کے پس ماندگان کو اچھی خاصی امداد دینے کا اعلان کیا۔

۶ — بابری مسجد کے تحفظ کا دعویٰ کرنے والی تنظیمیں مصلحت یا فراست کی آڑ میں دور سے سارے واقعات کو دیکھتی رہیں، نہ ان کے جذبۂ ایمانی نے انھیں مسجد کے تحفظ پر آمادہ کیا اور نہ ہی ان کی مصلحت اندیشی نے اس مسئلہ کا کوئی حل نکالا۔

۷ — ملک کے تمام علمائے کرام صبر و سکون کی تلقین کرتے رہے انھوں نے کوئی واضح لائحۂ عمل مسلمانوں کے سامنے نہیں رکھا۔

۸ — اجودھیا کے واقعات کا جو ردعمل بنگلہ دیش میں ہوا، علمائے کرام نے اس کو تو شرعی طور پر غیر اسلامی بتایا مگر ملک کے اندر جو کچھ ہوا اس پر صرف صبر و سکون کی تلقین کی۔

۹ـــ ایک ہی پارٹی کی مرکزی اور اترپردیش کی ریاستی حکومت کے درمیان قانون شکن یاترا کے موضوع پر اختلافات ہوگئے۔

۱۰ـــ ملک کے حفاظتی قانون نے مسلم رہنماؤں کو بجنور میں مرنے والوں کی تعزیت کے لیے جانے سے روکا اور اسی قانون نے لال کرشن اڈوانی کو سومناتھ سے بہار تک فرقہ واریت کا زہر پھیلاتے ہوئے جانے دیا۔

یہ اور اسی طرح کے نہ جانے کتنے اور مظاہر ہم سب کی نگاہوں کے سامنے سے گزرے اور ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو فرقہ واریت کے حوصلے آئندہ کا لائحہ مرتب کرنے لگے اور انھوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ۔

۱ـ کارسیوا دسمبر میں پھر ہوگی اور ہوئی بھی۔

۲ـ مندر کی تعمیر متنازعہ زمین پر ہوگی۔

۳ـ بنارس اور متھرا کی مسجدیں بھی زیر غور ہیں۔

۴ـ سنگھل نے اعلان کیا کہ مسلمان جمہوریت میں نہیں بلکہ ہندو راج میں محفوظ رہیں گے۔

۵ـ رام چندر جی کی جائے پیدائش عدل و انصاف تاریخی شواہد اور عدالت عالیہ کے فیصلوں سے طے نہیں ہوگی، بلکہ یہ عقیدہ کا معاملہ ہے۔

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کرلے جا :

کوئی بھی سنجیدہ انسان چاہے وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا کیوں نہ ہو، مندر کی تعمیر کی مخالفت نہ کرے گا مگر ہر سنجیدہ اور معقول انسان اس بات کی مخالفت ضرور کرے گا کہ مسجد کو گرا کر مندر تعمیر کیا جائے نوبھارت ٹائمز لکھنؤ کے ایڈیٹر وشنو کھرے نے بڑے پتہ کی بات کہی تھی۔

"بابری مسجد کو گرانے کی کوشش ہندوستان کو نیست و نابود کرنے میں تبدیل ہوجائے گی تب ایسا خون خرابہ ہوگا جس سے ہٹلر اور اسٹالن کے ریکارڈ بھی ماند پڑجائیں گے، تب مسلمانوں کو اپنے لئے بھارت میں ایک آزاد ملک مانگنے کا حق ہوگا اور کم سے کم میں اس کی پوری حمایت کروں گا، افسوس یہی ہوگا کہ کئی ہندو فرقہ پرست ملک کے کئی ٹکڑے

کروانے پر راضی ہو جائیں گے۔ (بحوالہ دارالعلوم دیوبند ماہ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

سچی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے ابھی تک اس مسئلے کو ہندوستان کے دستور اور قوانین کے دائرے کے اندر رکھ کر حل کرنے کی کوشش کی ہے، انھوں نے بابری مسجد متنازعہ کی پوری تاریخ میں ہندو فرقہ پرستوں کی طرح نہ تو قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور نہ اسے توڑا ہے۔

انھوں نے اسے ابھی تک اپنے عقیدہ کا مسئلہ بھی نہیں بتایا ہے بلکہ انھوں نے یہ چاہا ہے کہ یہ مسئلہ ملک کے دستور اور قانون کے دائرے میں رہ کر خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرلیا جائے تاکہ ہماری جو مشترکہ تہذیبی میراث اور رواداری ہے اس پر کوئی آنچ نہ آئے مگر حالات اور واقعات کی رفتار اس مسئلہ کو جو رخ دے رہی ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ خود ہندوستان کے دستور اور سیکولر نظام کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور شاید اسی لئے ہماری ریاست کے وزیر اعلا مسٹر ملائم سنگھ یادو نے ایک مرد آہن کی طرح اس چیلنج کو نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ عملی طور پر فرقہ پرستی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور ملک کی تمام سیکولر جماعتیں اس طوفان کی آہٹ کو محسوس کر رہی ہیں، مگر فرقہ پرست تنظیموں کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے ہیں کہ وہ فرقہ واریت کے سیلاب میں پورے ملک کو ڈبو دینا چاہتی ہیں، وہ دن ہندوستان کی تاریخ کا بدترین دن ہوگا جس دن مسلمانوں کو یہ محسوس ہوگا کہ ملک کی سیکولر حکومت ان کا تحفظ نہیں کر سکتی بلکہ خود انھیں اپنا تحفظ کرنا ہے، ہندوستان کے سیکولر نظام پر یہ مسٹر ملائم سنگھ یادو کا ایمان و ایقان تھا کہ انھوں نے اجودھیا کے حالیہ واقعات میں مسلمانوں کو پارٹی بننے نہیں دیا بلکہ خود ایک پارٹی بن گئے اور کشت و خون جو بڑے پیمانہ پر ہو سکتا تھا وہ محدود ہو کر رہ گیا۔

ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز:

رام کی مسلمان بے پناہ عزت کرتے ہیں، چونکہ ہر بستی اور قریہ میں خدا نے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ ہندوستان کے لئے انھیں کا انتخاب کیا گیا ہو، اقبال نے ان کو "ملک سرشت" "امام ہند" "تلوار کا دھنی" "شجاعت، پاکیزگی اور جوش محبت" میں فرد اور "چراغ ہدایت" کے القاب سے یاد کیا ہے، مسلمانوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ان کا مندر تعمیر ہو بلکہ ہماری

یہ بھی خواہش ہے کہ شرافت، انسانیت، حفظ مراتب، آداب و احترام کے ان کے جو پیغامات ہیں اس کی بازگشت ساری دنیا میں سنائی دے، مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ کو توڑ کر ان کا مندر تعمیر کیا جائے، ہندو فرقہ پرستوں کا زور بقول ملائم سنگھ یادو مندر تعمیر کرنے پر کم اور مسجد کو توڑنے پر زیادہ تھا، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے بابری مسجد کے علاوہ اور بھی بہت سی عبادت گاہوں کو توڑنے کا مستقبل کیلئے لائحۂ عمل مرتب کر رکھا ہے۔ مسٹر وی، پی سنگھ نے شاید انھیں خطرات کے پیش نظر بہ حیثیت وزیر اعظم، اپنی الوداعی تقریر میں ایک کلیدی بات کہدی تھی کہ ایک بل کے ذریعہ کسی مخصوص تاریخ کو سرحدی نشان مان کر یہ قانون بنا دیا جائے کہ اس وقت جو مذہبی عبادت گاہوں کی پوزیشن تھی اسے برقرار رکھا جائے۔ مگر یہ بات ان کو اس وقت نہیں یاد آئی تھی جب وہ صاحب اقتدار تھے اور یہ قانون بنوا سکتے تھے، انھیں ہمیشہ کام کی باتیں وقت گذرنے کے بعد یاد آتی ہیں، اڈوانی کی رتھ یاترا جب پورے ملک میں فرقہ واریت پھیلا چکی تب انھوں نے اسے روکنے کی تائید کی، بھارتیہ جنتا پارٹی جب ان کی حکومت کو گرا چکی تب ان کو یاد آیا کہ وہ فرقہ پرست اور ضدی تنظیم ہے، خیر یہ تو سخن گسترانہ باتیں ہیں مسئلہ یہ ہے کہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا تنازعہ کس طرح حل ہو تاکہ خوف و ہراس کی جو فضا پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے وہ ختم ہو اور انسانیت کے قتل عام کے جو خدشات ہیں وہ موقوف ہوں، ایک عام انسان کے نزدیک مندر کی تعمیر یا مسجد کا تحفظ اگر انسانیت کے قتل عام پر ختم ہوتا ہے تو یہ مسئلہ اس کے لئے لمحۂ فکریہ بن جاتا ہے اس لئے کہ مسجد و مندر مذہبی فریضہ کی ادائے گی کے ساتھ ساتھ انسانیت کی اعلیٰ اور ارفع قدروں کا اشاریہ بھی ہوتے ہیں، لیکن اگر ہندو فرقہ پرستی کا جارحانہ رویہ مسجد کو مسمار کرنے پر تل جاتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہمارے ملک کا سیکولر کردار اور ہماری صدیوں کی مشترکہ تہذیب کا وقار ختم ہوگیا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ردعمل کے طور پر کشمیر، پنجاب، آسام اور ملک کے دوسرے علاقوں میں بہت سے مسائل سر اٹھالیں گے اس لئے بہتر ہے کہ جارحانہ اور دفاعی عمل اور ردعمل سے گریز کرکے ہندوستان کے ہندو اور مسلمان، مذہبی نمائندے اس مسئلہ کو خوشگوار فضا میں آپسی گفت و شنید اور ترک و قبول کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے طے کریں، اس کے لئے اب حسب ذیل رہنما اصولوں کی ضرورت ہے

۱۔ گفت و شنید اور آپسی بات چیت سے پہلے حکومت متنازعہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی مسئلہ

کوشش کرتے ہوئے ایک آرڈی نینس کے ذریعہ یہ قانون بنائے کہ عبادت گاہوں کی وہ پوزیشن برقرار رکھی جائے گی جو ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو تھی، اسکے بعد آپسی بات چیت کا آغاز ہو۔

(۲) جہاں راجیو گاندھی کے زمانے میں شلانیاس ہوا تھا، باوجود اس کے کہ وہ جگہ متنازعہ ہے رام مندر کی تعمیر کردی جائے۔

(۳) تاوقتیکہ عدالت کا فیصلہ نہیں ہوجاتا یا آپس کی بات چیت کا کوئی حل نہیں نکلتا مسجد کو اس کی موجودہ حالت میں برقرار رکھا جائے

(۴) اگر تاریخی شواہد اور قانون مسجد کا مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں تو ادب اور احترام کے ساتھ مسجد میں رکھی ہوئی مورتیاں منتقل کردی جائیں، اور اگر فیصلہ ہندوؤں کے حق میں ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ مسجد اسلامی ضابطوں کے مطابق نہیں بنی تھی تو مسلمان اس سے دست بردار ہوجائیں، لیکن اگر ہندو فرقہ پرست جارحیت ان باتوں کو نہیں مانتی تو پھر حکومت کو اپنا سیکولر کردار اور مسلمانوں کو اپنے آثار و مقابر کے تحفظ یا ان سے دست بردار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ حکومت کے سیکولر کردار کا فیصلہ ہندوستان کے عوام اور مسلمانوں کے آثار و مقابر کے تحفظ یا ان سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ قرآن اور سنت کی روشنی میں ملک کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے علمارِ کرام کو کرنا ہوگا۔

بقیہ ص۲۵ اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی۔

اِس نکتہ کو کہ دنیا انسان کے لئے امتحان گاہ (دار العمل) ہے اور اپنی تخلیق کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے یہ اس کا فرض ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کی اتباعِ کاملہ کی بدولت امتحان میں کامیابی حاصل کرے اقبال نے ان سارے ارشادات کو جن کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا۔ بانگِ درا، کی نظم "خضرِ راہ" کے ذیلی عنوان، زندگی، کے درجِ ذیل شعر میں ذہن نشین کرایا ہے۔

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حُباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

انقلاب

از مولوی نعیم احمد نعیم پوری

دنیا کی تاریخ بوقلموں، عجائبات، تغیرات، تجربات اور تخیلات کا مجموعہ ہے اس میں مختلف قسم کا مدوجزر روز ازل سے ہی جاری ہے، وہ انسان جو قانونِ فطرت سے ناآشنا اور نابلد ہیں ان کو نہ کبھی سکون میسر ہوا ہے اور نہ ہی مل سکتا ہے ان کا تو یہ مقدر بن چکا ہے، مشقتیں محنتیں، صعوبتیں برداشت کرتے رہنا، زلزلہ افگن جنگ و جدال اور لرزہ انگیز قتل و قتال اور فساد انگیز انقلابات ان کے خون کا جز بن چکا ہے۔

انسان کی اجتماعی زندگی عقیدہ، معاشرت، حکومت و سیاست کے مجموعہ کا نام ہے مگر یہ چیزیں ازل سے ابد تک زوال پذیری، کہنگی جیسے انقلابات سے یقیناً دوچار ہوتی رہیں گی۔ زمانۂ قدیم کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور بادشاہت میں بہت سے بادشاہوں کو دیوتاؤں کا درجہ مل گیا تھا اور ان کو پرتو خداوندی گردانا جاتا تھا، ان کا ہر قول و فعل ان کی پسند و ناپسند ایک قانون کی حیثیت کا حامل ہوتا بلکہ ان کی ذات ہی سراپا قانون قرار پاچکی تھی، اس بادشاہت و ملوکیت کا دور دورہ صدیوں چلتا رہا اور اس بارِ ملوکیت کے تلے انسانیت و شرافت سسکتی اور کسمساتی رہی اندر اندر ایک آتش فشاں بنتا رہا، اور بالآخر انسانی جذبات کا ایسا طوفان امنڈ پڑا کہ جس کے تھپیڑوں کے آگے بادشاہوں کو اپنی بساط ملوکیت لپیٹنی پڑگئی۔ حکومت اور طرز حکومت بدلا جس کے لئے نت نئے قانون وضع ہوئے اور بہت سے نئے اصولوں کی تدوین کی گئی مگر چونکہ یہ بھی انسانی عقل اور خرد کی روشنی میں بنائے گئے تھے اس لئے انقلاب کی زد سے یکسا نہ بچ سکے اور ہمیشہ یہ بھی زیر و بم کا شکار رہے، بڑوں نے چھوٹوں کو دبایا، امیروں نے غریبوں کا استحصال کیا اور کبھی جاگیرداروں نے رزق کے خزانوں پر قبضہ جماکر لاکھوں نفوس کو غربت و افلاس میں تڑپنے اور بلکنے پر مجبور کر دیا، ایسے حالات میں جب انسانی جذبات برانگیختہ ہوئے

تو فضا میں ارتعاش پیدا ہوا اور ایک ہل چل مچ گئی جس کے نتیجہ میں ایک ہیبت ناک تصادم کی نوبت پہونچ گئی اور ہزاروں نفوس کا کشت دخول کر کے جدید معیشت کا نیا باب قائم کر دیا گیا مگر زمانہ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مسئلہ اب بھی حل نہیں ہوا بلکہ اسکی راہیں پر پیچ اور راستے مزید پرخار ہو گئے اور آج بھی ردعمل باہم کشمکش کا ماحول جوں کا توں باقی اور موجود ہے۔

تاریخ ہمیں ایسے متعدد صاحبِ دل، ایثار کیش، جانباز انسانی مصلح اور انقلاب پیدا کرنے والی شخصیتوں کا پتہ دیتی ہے جنھوں نے انتہائی مخالف حالات اور ناموافق فضا میں حیات انسانی کے اندر ایک انقلاب پیدا کر دیا اور لوگوں کو معاشرتی ظلم وستم، سیاسی جبر واستبداد اور اقتصادی غصب وہڑپ سے نجات دلائی وہ اپنی قوم اور مظلوم انسانیت کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل گئے مگر حالات کے دھارے کو رخ بدلنے پر مجبور ومسحور کر دیا

ایسا انقلاب برپا کرنے والے اشخاص میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا نام نامی اسم گرامی سرِفہرست گردانا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا پیدا کردہ انقلاب صرف دنیائے عالم کے لئے نہیں بلکہ دنیائے انسانیت کے لئے کامل اور مکمل انقلاب شمار کیا جاتا ہے آپ کے انقلاب کی خصوصیات کیا ہیں؟ اور اس کا پس منظر کیا ہے؟ انسانی زندگی خواہ انفرادی ہو کہ اجتماعی اس کے تمام شعبوں میں آپؐ نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کے لئے ہمیں ذرا تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔

دنیا میں بہت سے انقلابات رونما ہوتے ہیں مثلاً معیشت وسیاست کا انقلاب، صنعت وثقافت کا انقلاب. نظام حکومت کا انقلاب مگر یہ انقلابات انقلابات نہیں بلکہ در اصل انقلاب تو وہ انقلاب ہے جو اجتماعی طور پر ان عناصر یعنی عقیدہ، معاشرت اور سیاست میں تبدیلی پیدا کر دے، اس اعتبار سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب ایک کامل ترین انقلاب تھا جو آپؐ کے دست مبارک سے پایۂ تکمیل تک پہونچ کر ساری دنیا کے لئے تزکیہ وتطہیر کا ذریعہ بنا،

جس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ دور خدا بیزاری، ظلم وتعدی فتنہ وفساد کے عروج کا دور تھا، قافلۂ انسانی اپنی منزل مقصود سے بے خبر حیوانیت ودرندگی کی راہوں پر اندھا دھند بھاگا چلا جا رہا تھا، فساد ہمہ گیر بھی تھا اور ہمہ جہت بھی، عرب وعجم مکمل طور

پر اس فساد کی زد میں تھے، اخلاق وعقائد تمدن ومعاشرت، اقتصاد ومعاشں، حکومت وسیاست غرضیکہ حیات انسانی کا کوئی شعبہ اس فتنہ وفساد کی گرفت سے بالاتر نہیں تھا، قرآن پاک نے اسکی تصویر اپنے الفاظ میں اس طرح کھینچی ہے ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدى الناس (سورہ روم) اس ہمہ جہتی فساد عالمگیر ظلمت اور گھٹا ٹوپ تاریکی میں آفتاب نبوت طلوع ہوکر اپنے نور سے سارے عالم کو منور کر دیتا ہے، ایسی مسموم فضا اور فساد زدہ معاشرہ میں یہ بے مثال عفت وعصمت، طہارت، پاکیزگی، راست گوئی اور پاسداریٔ حقوق، اخلاقی کمال وصفاتی جمال ملکوتی زندگی، صاف ستھرا کردار، خدائی تربیت کا ہی نتیجہ تھا اگر ایسا نہ ہوتا اور ایام جہالت کی ہلکی سی چھاؤں بھی آپ کی سیرت طیبہ پر پڑجاتی تو وہ عالمی اور انقلابی مہم جس کی ذمہ داری آپکے دوش مبارک پر ڈالی گئی تھی کامیاب نہ ہوتی اور مخالفین آپ کو مطعون اور مورد الزام ٹھہرانے سے قطعاً باز نہ آتے، اسی لئے دعوت وتبلیغ سے پیشتر ہی آپ کے حسن اخلاق، اعلیٰ کردار حکمت وبصیرت، عقل ودانش، وسیع النظری، دیانت وامانت، سچائی اور جذبۂ خیر خواہی کا سکہ ان لوگوں کے دل ودماغ پر بیٹھ چکا تھا جن کو آپ ایک اعلیٰ نصب العین کی دعوت دینے والے تھے۔

انقلاب عقیدہ :-

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از نبوت علی الفور جس چیز پر توجہ فرمائی وہ عقائد کی اصلاح ودرستگی تھی، چونکہ آپ کے لئے یہ بہت بڑا مرحلہ تھا کہ اس سربستہ راز کو کس پر افشا کیا جائے اور کس کے سامنے اس کو پیش کیا جائے، اس لئے خفیہ طور پر آپ نے سب سے قبل ان حضرات کا انتخاب فرمایا جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے اور آپ کے اخلاق وعادات کی ہر حرکات وسکنات سے بخوبی واقف ہو چکے تھے جو سابقہ تجربات کی بنا پر آپ کے دعوے کی صداقت پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد کر سکتے تھے، تین سال تک دعوت اسلام رازداری کے ساتھ جاری رہی مگر اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا، اس لئے صاف حکم آگیا فاصدع بما تؤمر! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کو واشگاف کر دیجئے۔ اس فرمان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا۔ یا معشر قریش الخ لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک

لشکر آرہا ہے تو تم یقین کروگے؟ سب نے کہا ہاں کیونکہ تم نے ہمیشہ سچ بولا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤگے تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا یہ سنکر سب لوگ برہم ہوکر واپس لوٹ گئے (بخاری ج۲ ص۷۰۲)

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب نسلی اور قدیمی بت پرست تھے بلکہ اس بت پرستی پر سارے نظام کا قیام تھا اسلئے نہ جانے کتنے پجاریوں اور پروہتوں کے مفادات اس سے وابستہ تھے چنانچہ عقیدۂ توحید سے براہ راست ان ہی اجارہ داروں اور مصنوعی ٹھیکیداروں پر ضرب لگ رہی تھی اسلئے اس میدان میں آپ کی زیادہ مخالفت بھی ہوئی۔ مگر جن نصیبہ وروں نے ایمان قبول کر لیا وہ ان بتوں کے نام سے بھی نفرت کرنے لگے جنکی وہ صدیوں سے پرستش کرتے چلے آرہے تھے۔

صفا مروہ کی سعی ایام جاہلیت میں بھی ہوا کرتی تھی مگر وہاں دو بت رکھے ہوئے تھے جنکی عظمت وحرمت کا عقیدہ قریش مکہ کے دلوں میں جاگزیں تھا مگر قبول اسلام کے بعد بہت سے مسلمانوں کو وہاں کا طواف شاق گذرا کہ کہیں ہمارا طواف ان بتوں کی تعظیم وتکریم کے لئے نہ ہو اسلئے اس خلجان کو دور کرنے کے لئے یہ آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ نازل ہوئی۔ بیشک صفا ومروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں اس فرمان الٰہی کے بعد انکا تردد دور ہوکر انشراح صدر نصیب ہوا (معارف القرآن ج۱ ص۲۴۴)

واقعہ معراج ایک نیا اور انوکھا واقعہ جو تھوڑے لمحہ کے لئے ہر صاحب عقل وخرد کو حیران وپریشان ہونے پر مجبور کر سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین سے آمد وشد اور اسی میں سیر وتفریح، بارگاہ ایزدی میں شرف یابی جسکے لئے اتنا قلیل وقت نہ جانے کن کن ذہنی شکوک وشبہات کو جنم دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے مگر واہ رے عقیدے کی پختگی کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا ہم تو اس سے زیادہ بعید از عقل بات انکی مان چکے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل آسمانوں کے اوپر سے ابھی آئے اور ابھی گئے۔ مطلب یہ کہ جبرئیل کی آمد ورفت چشم زدن میں ہم مان چکے ہیں تو آنحضرت صلعم کے جسم مبارک کی لطافت ونورانیت تو جبریل سے بھی فائق ہے لہذا آپ کی آمد ورفت میں ہم کو کیا شبہ ہو سکتا ہے (خلفائے راشدین ص۱۲)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جب دوران طواف حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھے تو فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو تجھ میں نفع دینے کی صلاحیت ہے اور نہ نقصان پہونچانے کی۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھے بوسہ دیتے تھے تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔
(بخاری شریف)

یہ تھی ان پتھروں سے نفرت وحقارت کی انتہا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تزکیہ وتطہیر کے نتیجہ میں رونما ہوئی تھی ورنہ ان ہی پتھروں کے آگے اہل عرب اپنی جبین نیاز کا تقدس بے محابا لٹایا کرتے تھے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ سے کون واقف نہیں، جس دور میں اہلِ حق کو سخت اذیتیں دی جاتی تھیں حضرت عمار کا گھرانہ بھی اس ظلم کے شکنجہ میں جکڑا ہوا تھا، چشم فلک گواہ ہے کہ یہ مظلومین عرب کی تپتی اور چلچلاتی ہوئی ریت پر پڑے اپنے سینوں میں تیر ستم برداشت کر رہے تھے پتھریلی زمین اور پتھروں کا سینہ سورج کی تپش سے اس طرح دہک رہا تھا جیسے دوزخ آگ کے شعلوں سے بھڑک رہی ہو حضرت عمار کے گھرانہ کو اس سورج کی آگ میں تپایا جارہا تھا، ان کی آہوں کا بازار گرم تھا سسکیوں کا طوفان بپا تھا اور آنسوؤں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، رحم طلب نظریں اوپر اٹھتیں مگر وہاں تو کوئی ترس کھانے والا نہ تھا، وہ درندوں کے نرغے میں تھے، ظلم کی شمشیروں کے سایہ میں وہ جھلس رہے تھے کہنے والے نے کہا اب بتاؤ محمد کا کلمہ چھوڑتے ہو کہ نہیں؟ یہ سنکر ان سسکتی روحوں کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ رقص کرنے لگتی ہے اور یہ مسکراہٹ ان ظالموں کی تصوراتی دنیا میں ہلچل مچادیتی ہے، جواب میں کہتے ہیں ظالمو! تم ہم سے کلمہ چھوڑنے کو کہتے ہو، اے بتوں کی پوجا کرنے والو! اگر تمہارے ترکش ستم میں ابھی اور کوئی تیر باقی ہے تو وہ بھی پھینک کر دیکھ لو تمہارے تیر ختم ہوجائیں گے تمہاری شمشیر ستم کند ہوجائے گی مگر خدا کی قسم ہماری زبانیں کلمۂ اسلام کبھی ترک نہ کریں گی، ہماری زبانیں ترانۂ اسلام کی حلاوت چکھ چکی ہیں، ہمارے قلوب اسلام کی روشنی سے منور ہوچکے ہیں، ہمارے دلوں نے آتش عشق میں جلنا سیکھ لیا ہے، نور اسلام سے منور دل باطل کے آگے سرنگوں نہیں ہوسکتے ہم اسلام کے بیٹے ہیں، ہم کبھی بھی اسلام ترک نہیں کرسکتے (بحوالہ اقرار ڈائجسٹ پاکستان)

یہ تھی ایمان اور عقیدہ کی پختگی کہ کل تک اسلام سے لاتعلقی تھی اور آج کفر سے بیزاری اور ایسی بیزاری کہ اس کا نام لینا بھی گوارہ نہیں، یہ وہ دلولہ تھا عشق تھا، جذبہ تھا اور استقلال تھا، جو براہ راست بارگاہِ نبوت سے ان کے قلوب میں جاگزیں ہوچکا تھا، جس کی وجہ سے موت و زیست ان کے لئے ایک درجہ میں تھی، ایک ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی اسلام کی خاطر اپنی جان کی بازی

لگانے میں دریغ نہیں کرسکتا تھا یہ تھا درحقیقت وہ حیرت ناک انقلاب جو آپ کی سعی پیہم سے ان پاک طینت اور پاک باطن روحوں میں سرایت کرچکا تھا، جس کو دنیا کی کوئی طاقت ادھر سے ادھر کرنا تو درکنار ذرا سی جنبش بھی نہیں دے سکتی تھی

انقلابِ معاشرہ:-

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے نظیر اخلاقی تربیت نے معاشرہ پر بھی ایسا اثر دکھایا کہ جو لوگ کل تک، جھوٹ، زنا، خیانت، قتل و غارتگری، حرام خوری کے خوگر تھے وہ آج ان تمام باتوں سے دور ہوگئے، آپؐ نے معاشرت کی ایسی مثال قائم فرمادی کہ جس سے کینہ پرور اور جنگ جو قبیلے آن واحد میں شیر وشکر ہوگئے، آپ کی زندگی کا مواخاۃ ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اخلاق وتمدن، معاشرہ اور تہذیب کی تاریخ میں ایسی مثال تقریباً ملنی ناممکن ہے۔

اہل عرب جس میں خاص طور پر اہل یثرب باہمی معرکہ آرائیوں کی بدولت بغض وحسد کینہ پروری کے اس درجہ خوگر ہوگئے تھے کہ وہ اپنے کسی فرد پر اعتماد نہیں کرتے تھے، اوس وخزرج کی باہم خانہ جنگی اس درجہ پہونچ چکی تھی کہ ایک دوسرے کی شکلوں سے بھی نفرت ٹپکتی تھی مگر آپ کی نگاہ فیض اور توجہ خاص نے ان کے زنگ آلود قلوب کو اس درجہ صیقل کردیا کہ انصار نے آپسی بغض وعناد ترک کرکے مہاجرین اور اجنبی مسلمانوں کے ساتھ وہ کرکے دکھلادیا جو اپنے بڑے سے بڑے رشتہ دار کے ساتھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔" انصار نے مہاجرین کے لئے اپنی جائدادیں وقف کردیں مگر آپ کے انکار پر یہ طے ہوا کہ مہاجرین کاشت میں محنت کرکے نصف پیداوار لے لیا کریں۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۹۶)

حضرت عبدالرحمن بن عوف جب سعد بن ربیع کے اسلامی بھائی بنائے گئے تو انھوں نے یہ پیش کش کی کہ وہ ان کا نصف مال لے لیں اور ان کی دو بیویوں میں سے ایک بیوی لے لیں، اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان کو خیر وبرکت کی دعا دی (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۶۱)

عربوں کی رسم دخترکشی معاشرہ کا کتنا بھیانک اور المناک واقعہ تھا مگر آپ کی تربیت کے نتیجہ میں دل ودماغ کے اندر ایسا انقلاب رونما ہوا کہ جو لڑکی ایام جاہلیت میں معززین اور رؤسائے قوم کے لئے باعث ننگ وعار تھی وہ آج ایسی محبوب اور عزیز ہوچکی ہے کہ جس کی تربیت اور پرورش

کے لئے آپس میں مقابلہ کی نوبت آجاتی ہے۔ مکہ مکرمہ سے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا قصد فرمایا تو سیدنا حضرت حمزہؓ کی چھوٹی صاحبزادی چچا چچا کرکے آپ کے پیچھے ہولی، حضرت علی نے اسے لے کر حضرت فاطمہ کے حوالہ کر دیا اور کہا دیکھو یہ چچا کی لڑکی ہے، مگر حضرت علی زید اور حضرت جعفرؓ میں مقابلہ ہو رہا ہے اور اس بچی کو اپنی آغوش محبت میں رکھنے کے لئے سب بے چین ہیں۔

(بحوالہ اقرار ڈائجسٹ پاکستان)

یہ تھی آپ کی نگاہ فیض جس کے صدقہ میں صرف معاشرہ کی اصلاح ہی نہیں بلکہ معاشرہ اپنے نئے رنگ وروپ اور نئے حوصلہ کے ساتھ جنم لیتا چلا گیا۔

آپ کی اس معاشرتی اصلاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب مسلمان اپنے آپ کو برابر کا سمجھنے لگے مساویانہ حقوق، انصاف سبھی کے لئے ترازو کی نوک پر تھا ہاں اگر برتری اور تفوق تھا تو فضیلتِ علم اور تقویٰ کی بنیاد پر، آپ نے نسلی تعصب خاندانی غرور، قبائلی امتیازات وخصوصیات، خاندانی فضیلت و عظمت کی اجارہ داری پر ضرب کاری لگا کر ان کو وحدت انسانی کا تصور عطا کیا۔ فرمایا اے لوگو تمھارا رب ایک ہے تمھارے جد امجد ایک ــــــ ، تم سب آدم کی اولاد ہو اور حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے تم میں سے معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے۔

آپ کی مجالس میں کسی گورے کو نہ تو کالے پر اور نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی امیر کو غریب پر اور نہ کسی آقا کو اپنے مولی پر تفوق حاصل تھا البتہ تفوق تھا تو صرف ایمان وتقویٰ کا: جو فضیلت وعظمت کے لئے مقیاس شمار ہوتا تھا، آپ کی اس حکیمانہ مدبرانہ طرز پر معاشرہ کی تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایثار وہمدردی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی، نفسانیت کوسوں دور چلی گئی اور جاہلیت کی تمام جبلتیں فنا ہوگئیں، خلاصہ یہ کہ انسانیت اپنے پایہ تکمیل تک پہونچ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی حیات مقدسہ کے بعد بھی عرصہ دراز تک اسی شمع کی ضوفشانیاں مدھم نہ ہوسکیں بلکہ دیئے سے دیا جلتا ہی چلا گیا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ بیعت خلافت کے دوسرے روز دو چادریں لئے ہوئے بازار تشریف لے جاتے ہیں، راستہ میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوجاتی ہے تو حضرت عمر دریافت فرماتے ہیں کہ کہاں جارہے ہیں جواب ملتا ہے بازار، اس پر حضرت عمر کہتے ہیں، اب آپ امیر ہوگئے ہیں یہ دھندے ترک فرمادیجئے، جواب ملتا ہے کہ پھر میرے اہل وعیال کہاں سے کھائیں (تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۱، ص ۲۶۳)

مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے سے قبل آپ محلہ کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے خلیفہ بننے کے بعد ایک لڑکی کو فکر دامن گیر ہوا کہ اب ہماری بکریوں کا کیا ہوگا، مگر خلیفۂ وقت نے جب یہ بات سنی تو فرمایا اب بھی دودھ دوہا کروں گا، خدا کی قسم یہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ (صدیق اکبر، اکبرآبادی صاحب ص۴۳)

خلیفہ دوم کی اپنے دور خلافت میں کسی مسئلہ پر حضرت عثمان غنی رضؓ سے آویزش ہوگئی دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھر یہ دونوں کبھی نہیں ملیں گے، لیکن جب دونوں نے مجلس برخواست کی تو دونوں اتنے مسرور تھے گویا کوئی تنازعہ ہوا ہی نہیں (تاریخ الخلفاء مترجم ص۱۸۱)

محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے خسر آپ کے پاس بیت المال میں سے کچھ لینے آئے تو آپ نے جھڑکی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے خیانت کرنیوالے بادشاہوں کی فہرست میں رکھے، اس کے بعد اپنی ذاتی مال و دولت میں سے ان کو دس درہم دیدیئے (تاریخ الخلفاء مترجم ص۱۸۱)

جب کبھی آپ کو قرض کی ضرورت ہوتی تو منتظم بیت المال سے قرض لیتے اگر تنگی کی وجہ سے بروقت قرض ادا نہ کرسکتے تو منتظم بیت المال آپ سے سخت تقاضا کرتا اور آپ اس سے مہلت مانگ لیتے اور پھر جب آپ کے پاس رقم آجاتی تو بیت المال کا قرض فوراً ادا کردیا کرتے (تاریخ الخلفاء مترجم ص۱۸۱)

جنگ قادسیہ کے بعد قبائل عرب کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ امیر المؤمنین ہیں اپنے آپ کو اولی درجہ میں رکھیں آپ نے صاف انکار کردیا اور فرمایا ما انا فیہ الا کاحدکم (کتاب الخروج بحوالہ اسلامی نظریہ سیاست) اس مال کے استحقاق میں میں ایک عام مسلمان کی طرح ہوں، یہاں تک کہ اپنے بیٹے عبداللہ کی تنخواہ ایک غلام زادہ اسامہ بن بن زید سے بھی کم مقرر کی، اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا، جہاں تک خدمات ملی اور شرکت جہاد کا تعلق ہے میں کسی موقعہ پر اسامہ سے پیچھے نہ رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اسامہ کے برابر بھی نہیں رکھا گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا انہ کان احب الی رسول اللہ منک وکان ابوہ احب الی رسول اللہ من ابیک (بحوالہ نظریہ سیاست) رسول خدا تجھ سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے

...رے باپ سے زیادہ اس کے باپ سے۔
جس وقت غسان کا بادشاہ جو مسلمان ہوگیا تھا حضرت عمرؓ سے کے لئے مکہ معظمہ آیا تو اتفاق
...ایک عرب نے نادانستہ اسے دھکا دیدیا، اس پر بادشاہ نے خفا ہوکر اس کے مار دیا، اس
...ب کی نالش پر حضرت عمر نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کر وہ بھی بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ
...ر کہا اے امیر المؤمنین کیا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک عامی شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے خلیفہ نے
...ب دیا، اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے اور نہ ذات کی (تمدن عرب ص۱۳۵)

انقلاب سیاست:-

سرکارِ دوجہاں ﷺ کی اس انقلابی تربیت نے ایسا گل کھلایا کہ صحابۂ کرام رضؓ میں ایسا
...جذبہ پیدا ہوگیا کہ جس سے وہ دنیا کو مسخر اور تمام باطل قوتوں کو زیر کرسکیں، مظلوم و بیکس کی اعانت
...دین کا نفاذ اور اس کی اقامت، اسلام کی بلندی اور اشاعت پورے حوصلہ اور طاقت کے ساتھ
...کرسکیں، صحابۂ کرام محض ذاکر و شاغل ہی نہیں بنے بلکہ وہ غازی اور مجاہد بھی بنے ان کی روحیں
...انقلابی جذبات سے سرشار تھیں، ان کی رات عبادت و ریاضت میں اور دن گھوڑوں کی پیٹھ
...پر بسر ہوتے، ہاتھ میں برق رفتار تلواریں اور ہونٹوں پر تکبیر کے بلند و بانگ نعرے، قربان ہونے
...کا جذبہ اور کٹ مرنے کی تمنا ہمہ وقت دامن گیر رہتی، ان کے مجاہدانہ نعروں سے کفر دہل کر رہ جاتا
اور یہ معلوم ہوتا کہ ان کو شہ سواری، قتل و قتال جہاں گیری اور جہاں بانی کے علاوہ کسی اور
چیز سے دلچسپی ہے ہی نہیں، متضاد صفات اور مختلف کیفیات کا اجتماع، دھوپ اور
چھاؤں، گرمی، سردی کا امتزاج و اختلاط ـــــ یہی بات رستم کے جاسوسوں نے بھی کہی تھی
کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ رات کو راہب اور دن کو شہ سوار، ان کی راتیں یاد خدا میں بسر ہوتی ہیں اور
دن جہاد فی سبیل اللہ میں، وہ نمازی بھی ہیں غازی بھی، مجاہد بھی ہیں زاہد و عابد بھی، شب بیدار بھی
ہیں اور شہ سوار بھی۔

آپ نے قلیل عرصہ میں انسانی فکر و عمل میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیا اور ایمانداروں کی
ایک ایسی جماعت تیار کردی جو ایمان و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے ـــــ

نوع انسانی کے لیے بہترین نمونہ بنی جس نے اطراف عالم میں پھیل کر عظیم الشان فکری انقلاب پیدا کر دیا اسطرح اسلام عرب سے اٹھا اور کائنات انسانی کے دل و دماغ پر چھاتا چلا گیا اور اسلامی نظریہ کی بنیادوں پر ایک نئی جماعت عالم وجود میں آگئی جس میں بلا لحاظ ملک و نسب ہر خاندان ہر قبیلہ کے انسان شامل ہونے لگے یہانتک کہ یہ نئے طرز کی جماعت دنیا کی عظیم الشان قوم بن گئی جو نظریۂ سیاست، اقتصاد و معیشت، تمدن و ثقافت اور مخصوص فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتی ہے۔

اسلام کے قوانین عدل و انصاف اور اصول مساوات کی پابندی اس جماعت کا جزو لاینفک ہی۔ آج جو حکومتیں پارلیمانی دستور اور جمہوری نظام کے تحت چل رہی ہیں اُدنیا جانتی ہے کہ اس میں عوام کو کتنا بے وقوف بنایا جاتا ہے ایک پارٹی بلند و بانگ دعوٰوں کے ساتھ میدان میں آتی ہے اور عوام کو اپنے سیاسی پروگرام سے آگاہ کرتی ہے مگر کون نہیں جانتا کہ ان کے دل اور زبان میں مطابقت نہیں ہو سکتی اور جو کچھ وہ لوگ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے اسکی وجہ اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کہ قول و عمل میں مطابقت پیدا کرنیوالی اگر کوئی چیز ہے تو وہ مذہب اور روحانیت ہے اور موجودہ سیاست اس دولت لازوال سے قطعًا محروم ہے۔

خاتم النبیین کی بعثت سے قبل دنیا ملوکیت کے سلاسل میں قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر رہی تھی زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جو اس لعنت میں مبتلا نہ ہو اور اس ساری کائنات میں کوئی تنفس بھی جمہوریت کے نام سے آشنا نہ تھا مگر ظہور اسلام کے ساتھ ہی اس کی سب سے پہلی ضرب ملوکیت کے باطل نظام پر پڑی اور کلمۂ توحید کی ایک ہی گونج نے مشرق و مغرب میں شہنشاہیت کی گرفت ڈھیلی کر دی اور چند دنوں میں خالص اسلامی سیاست کی بنیادوں پر ایک معیاری حکومت قائم ہو گئی، آنحضور ؐ نے اس قلیل مدت میں اپنے صحابہ کو جہانبانی اور جہانبانی کے ایسے اصول سکھلا دیئے کہ جن پر قصر سیاست کی تعمیر صحابۂ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کے لئے آسان سے آسان تر ہوتی گئی، اس پر طرہ یہ کہ ان کی بیدار مغزی سیاسی بصیرت، تفکر و تدبر معاملہ فہمی، قوت ارادی عزم مصمم جیسے اوصاف حمیدہ نے مزید چار چاند لگا دیئے، جدھر فوج کشی کرتے فتوحات ان کی قدم بوسی کیلئے

چشم براہ رہیں۔

آپ کی وفات کے بعد فوراً ارتداد و بغاوت کا سلسلہ جس تیزی سے اٹھا صحابہ کی کیا بساط تھی؟ کہ مدینہ میں محصور ہوکر اس کا مقابلہ کرسکیں اکابر صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کی جبین استقلال پر اضطراب و تشویش کی شکن پیدا ہوگئی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے جیش اسامہ کی عدم روانگی کا مشورہ دیا اور مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال نہ کئے جانے کا بھی مشورہ دیا مگر قربان جائیے اس خلیفۂ رسول پر کہ جس نے اس ہمت و استقلال، عزم و جوانمردی، اعلیٰ حوصلگی کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ عزم و استقلال میں ایک سنہرا باب ہے، سیاسی تدبر کا یہ عالم کہ ایک طرف اصرار پیہم کہ لشکر اسامہ کی روانگی مؤخر کردی جائے مگر اپنے سیاسی نظریہ کو شد و مد سے قائم رکھ کر اس لشکر کی روانگی کو ایک سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا اور جیش اسامہ روانہ کردیا گیا (صدیق اکبر مولانا اکبرآبادی) الغرض جیش اسامہ بھی جاتا ہے اور مانعین زکوۃ سے جنگ بھی ہوتی ہے اور پھر باغی و مرتدین کی سرکوبی بھی کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ارتداد کے وہ تیرہ و تاریک بادل چھٹ جاتے ہیں اور پورا عرب ایک ہی جھنڈے تلے جمع ہوجاتا ہے۔

حضرت عمرؓ اپنی خداداد سیاسی سوجھ بوجھ کے پیش نظر صرف مدینہ کے ہی حاکم نہیں تھے بلکہ پورے عرب کے حاکم بن گئے آپ کی حکومت مصر و شام عراق و ایران تک پھیل گئی جس وقت آپؓ شہید ہوئے تو ایران کی عظیم شہنشاہیت کا تھوڑا سا حصہ سرنگوں ہونے سے رہ گیا تھا اسے بھی لائق اور راشد جانشین حضرت عثمان غنی رضؓ نے اسلامی اقتدار کے تحت کردیا، حضرت عمر فاروقؓ نے اس وسیع و عریض اور لامحدود حکومت کو اس حد درجہ سیاسی بصیرت اور عدل گستری اور حسن تدبیر سے چلایا کہ آپ کے پورے دور میں آپ سے کوئی ایسا کام رونما نہیں ہوا جس پر آپ کی گرفت کی جاسکتی ہو پورے دور خلافت میں پوری طرح آپ کی اطاعت و فرمانبرداری ہوتی رہی اور لوگ اپنے امیر کے آگے سر تسلیم خم کرتے رہے، حضرت عمرؓ کی اس لیاقت و قابلیت کی نظیر نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں ملنی مشکل ہے۔

مذکورہ بالا چند مثالیں ہمارے سامنے بطور نمونہ موجود ہیں، اس سے ہم صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام کی صداقت و حقانیت میں کوئی ذرہ برابر کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اتنے قلیل عرصہ میں

کوئی دنیا کی طاقت اس مختصر سی جماعت کو متحد و منظم کر کے کلمۂ توحید کے پرچم تلے اکٹھا نہیں کر سکتی تھی، مزید برآں لوگوں کا فوج در فوج حلقہ بگوشِ اسلام ہونا اس کی حقانیت کا بین اور واضح ثبوت ہے۔ ظاہری اور باطنی تغیرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش و سعی کے ثمرات تھے جس کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے دین کی اشاعت کے لئے اس روئے زمین پر انقلابی صلاحیت کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔

بیان ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

رجسٹریشن ایکٹ فارم ۴ رول ۸

نام ـــــــ دارالعلوم

وقفہ اشاعت ـــــــ ماہانہ

پرنٹر پبلشر ـــــــ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

قومیت ـــــــ ہندوستانی

پتہ ـــــــ دارالعلوم دیوبند

ایڈیٹر ـــــــ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

قومیت ـــــــ ہندوستانی

پتہ ـــــــ دارالعلوم دیوبند

مالک ـــــــ دارالعلوم دیوبند

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق درست ہیں

مرغوب الرحمٰن

یو پی کے ضلع فیض آباد کے ایک چھوٹے سے قریہ جگن پور میں تین سو سال پہلے راجپوت خاندان کے ایک شخص رائے بسائے سنگھ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا اس شخص نے اپنا اسلامی نام بھیکن خاں رکھا، اسی کی نسل میں ایک ایسا صالح فرزند پیدا ہوا جس نے انتہائی غربت اور پریشانیوں کے باوجود تحصیل علم کیا، دیوبند سے فراغت حاصل کی اور فن قرات و تجوید میں کمال پیدا کیا، ابتدا میں اپنے وطن جگن پور میں گھر کے چبوترے پر بیٹھ کر قریہ کے بچوں کو برسوں قرآن پاک کی تعلیم دی، پھر برما کا سفر مقدر ہوا، وہاں کے قیام کے دوران علوم دینیہ کی ترویج کی، بدعات کے خلاف ہزاروں فتاوے مرتب کر کے شائع کئے، کئی کتابیں لکھیں یہ مرد درویش حضرت شیخ الہند سے بیعت تھا، اور مسلک دیوبند کا عاشق، ورع و تقویٰ میں منفرد، اخلاص و للہیت کا پتلا، خوش اوقات، اتباع سنت میں بے مثال،

اسی مرد خدا کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا جو اس کا اکلوتا بیٹا تھا، جس کو خود اس نے پالا، پڑھایا اور تربیت کی، تربیت کا اس پر کچھ ایسا رنگ چڑھا کہ وہ اپنے والد کا نمونہ بن گیا، بچپن ہی میں شفیق ماں کے سایہ سے محروم ہوگیا، ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا کہ مربی باپ بھی رخصت ہوگیا جو اس کے لئے سب کچھ تھا، اس بے سرو سامانی کے عالم میں کچھ دکھلائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کرے کہاں جائے کسی کی ترغیب پر تحصیل علم کے لئے سفر کیا، چند سال اس طرح گذرے کہ دوستوں اور اپنوں نے اس غربت کے مارے اور پرانی وضع قطع کے طالب علم کو اتنا ستایا کہ اس دور کے حالات سنکر کلیجہ منہ کو آتا ہے، طلبۂ مدارس کی مردم آزاری پر قلق ہوتا تھا، بالآخر کسی طرح دیوبند پہونچنے میں کامیابی ہوئی اور وہاں تعلیم مکمل کی، باپ کی وراثت فن قرات تھی لہذا اس میں جان توڑ کر محنت کی، مرحوم قاری

حفظ الرحمٰن صاحب سے حفص کے علاوہ سبعہ کی بھی تکمیل کی مگر اس فن کی پیاس باقی تھی، دیوبند سے لکھنؤ آیا، یہاں مدرسہ فرقانیہ جو اس وقت ملک میں فن قرات کا مشہور مدرسہ تھا، وہاں ماہر اساتذۂ کرام سے سبعہ عشرہ کی اہم کتابیں پڑھیں، پورے قرآن کا اجرار کیا اور طویل مدت اس کی تحصیل میں خرچ کی، اور بعد میں اسی ادارے ہی میں مجوّد کی حیثیت سے خدمت شروع کی، دس سال تک اس ادارے میں خدمت انجام دی۔

ادھر گجرات میں فلاح دارین ترکیسر کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کو اپنے ادارے میں قرات سبعہ کیلئے ایک ماہر استاذ کی ضرورت تھی، موصوف اس کے لئے ملک گیر دورہ کر رہے تھے اسی سلسلہ میں فرقانیہ جانا ہوا۔ دیکھا تو ایک قدیم وضع کا کرتا پہنے دوپلی ٹوپی لگائے مغلئی پاجامے میں ملبوس ایک نوجوان دنیا سے بے رغبت کم گو ایک چھوٹے سے حجرے کی چٹائی پر بیٹھا ہوا فن کی باریکیوں سے طلبہ کو آگاہ کر رہا ہے، گجرات تشریف لانے کو کہا گیا تو فرمایا اگر آپ کے یہاں اس فن سے طلبہ دلچسپی لیں تو خدمت سے انکار نہیں، بہرحال ترکیسر کا آب ودانہ لکھنؤ سے اٹھا لایا۔ ترکیسر آکر موصوف کے جوہر کھلے، پوری قوت کے ساتھ اس فن کو طلبہ میں مقبول بنانے کی کوشش کی، سبعہ کے اسباق جاری کئے، رائیہ، درّہ، تیسیر کے اسباق بھی بعض طلبہ کو پڑھاتے، قرار کی ایک بڑی تعداد پیدا فرمائی جو بالفعل تدریس کی اہلیت رکھتی تھی، ان میں سے بعض فی الحال بعض بڑے مدارس میں اس فن کے کامیاب اساتذہ ہیں۔

اسباق کی خصوصیات :۔ مرحوم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ طالبین وصادقین اور متواضع طلبہ ہی کو پڑھانے کے قائل تھے، ان کو اپنے فن سے اتنی محبت تھی کہ وہ ہر ایک کو آسانی سے یہ فن دینے کے قائل نہ تھے، وہ فرماتے تھے کہ یہ شریف علم شریف طلبہ ہی کو دیا جائے، اگر کوئی طالب صادق نظر آتا تو پھر خارج میں پڑھانے کے لئے تیار ہوجاتے، اور اس سے بے حد تعلق رکھتے، اور اس کی عزت کرتے، اس کی مالی مدد کرتے۔ وہ پرانی وضع کے آدمی تھے، شاگرد جب تک استاذ سے ایسا تعلق نہ رکھے جو ایک اطاعت شعار بیٹے کو باپ سے ہوتا ہے تب تک اس کو طالب علم ہی نہیں سمجھتے تھے، ان کا ماننا تھا کہ استاذ سے محبت ہی فیض کا ذریعہ ہوتی ہے، ان کو خود بھی اپنے اساتذہ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی، نام آتے ہی رونا شروع کر دیتے، اور ان

کے کمالات ذکر فرماتے، دوسری بات یہ تھی کہ وہ پورے قرآن مجید کا اجرا کرانے کے عادی تھے تکمیل کے بعد ہی سند دینے کے قائل تھے چنانچہ اس پر انھوں نے شدت سے عمل کیا۔ ان کے یہاں ریا و نمود، جلسے جلوس اور اسٹیج پر قراءت سے مکمل اجتناب تھا، اس کو پسند نہیں کرتے تھے، البتہ قرآن پاک کا اجرا مکمل ہوجانے پر بے حد خوش ہوتے اس موقع پر دعا کا اہتمام کرتے سب کو اجتماعی دعا میں شریک کرتے اور اس مجلس میں حضورؐ کی نعت پڑھوانے کے شوقین تھے، مٹھائی سے بے حد رغبت تھی جب کہ وہ ان کے مرض میں شدید مضر تھی۔

حضورؐ کی محبت مرحوم کے ریشہ ریشہ میں سمائی ہوئی تھی، سرکار کا نام سنتے ہی زار وقطار رونے لگتے، اگر نام آئے اور کوئی درود نہ پڑھے تو آگ بگولہ ہوجاتے۔

مرحوم نے بڑی مفید کتابیں حفص، سبعہ اور عشرہ کے طلبۂ کرام کے لئے تصنیف فرمائیں اور آخری تصنیف "شانِ مصطفیٰ" دو جلدوں میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل بیماری کے ایام میں رات رات بھر جاگ کر تحریر کی جس کی ہر سطر عشقِ مصطفیٰ میں ڈوبے ہوئے دل کی عکاسی کرتی ہے۔

مرحوم انتہائی گوشہ نشین، کم آمیز اور تنہائی کے خوگر تھے، پوری زندگی تجرد میں گذاری، اس معاملہ میں وہ اپنے کو معذور سمجھتے تھے، شاید بات جو انھوں نے خدا کی عبادت کے لئے وقف کر رکھی تھی اس میں دوئی گوارا نہیں تھی۔

مرحوم نے بہت کم عمری میں انتقال فرمایا، شکر کے مہلک مرض نے بہت جلد ان کو نڈھال کردیا تھا، علاج کرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، البتہ پرہیز کے قائل نہیں تھے، گذشتہ سال سے فلاح دارین سے گھر تشریف لے گئے وہیں صاحب فراش رہے، ۱۶ر نومبر بروز جمعہ وقت موعود آپہونچا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مدرسہ میں اطلاع آتے ہی صفِ ماتم بچھ گئی، ہر شخص اشکبار ہوگیا، ایصالِ ثواب ودعائے مغفرت کی مجلس ہوئی، تعزیتی تجویز پڑھی گئی، مسلم عوام سے اس مرد خدا کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی، پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس اختر سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کھیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ (منیجر)

۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے مغلیہ سلطنت جو اپنے تمام تر امتیازات و تشخصات کے باوجود ہندوستان کی سیاسی وحدت کی ضامن تھی یہاں پہنچکر دم توڑ دیتی ہے، اور اس کے ملبہ پر ایک جدید حکومت کا قصر عمارت تعمیر ہوتا ہے، اس انقلاب کو چشم ظاہر بیں نے اگرچہ ایک سیاسی کھیل سمجھا جیسے سیاست و اقتدار کے بازی گر زندگی کی فیلڈ میں کھیلتے رہتے ہیں ؎

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

لیکن ارباب بصیرت اور اور سیاسی عروج و زوال کے عوامل و محرکات پر نگاہ رکھنے والے واضح طور پر سمجھ رہے تھے اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ یہ محض سیاسی بازی گری اور اقتدار کا تبادلہ نہیں ہے بلکہ اس کے عوامل نہایت دور رس اور ہمہ گیر ہیں، یہ انقلاب زندگی کے پورے محور کو بدل کر رکھ دے گا، اس کی طوفانی موجیں معیشت و معاشرت تہذیب و تمدن افکار و نظریات اور اعمال و اخلاق کی پرانی قدروں کو ملیامیٹ کر دیں گی، سیاسی انقلاب کی اس ہمہ جہت شکست و ریخت کو قرآن حکیم نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں ملکۂ سبا بلقیس کی زبانی یوں واضح کیا ہے

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً۔

وہ بولی بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں اسکے سرداروں کو ذلیل۔ ـــــــ اب مسلمان ارباب فکر و علم کے سامنے دو راستے تھے یا تو وہ حالات کے

سامنے سرنگوں ہوکر اس سے سمجھوتہ کرلیتے، اور اطمینان وسکون سے اسی ڈگر پر چل پڑتے جس پر اس وقت کے حالات انھیں لے جارہے تھے، چنانچہ ایک مصلحت پسند مفکر قوم کو اسی بات کی تلقین کرتا ہے۔ ؎

سدا ایک ہی رخ نہیں ناو چلتی
چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور یا تو "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز" کے جرأت مندانہ فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے حالات کو بدلنے کے لئے اس سے برسرپیکار ہوجائے

تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ دارالحرب حالات سے نبرد آزمائی کا ایک کھلا ہوا اعلان تھا، "دارالحرب" تو دیکھنے میں ایک چھوٹا سا فقرہ ہے، لیکن جو لوگ اس کی اصطلاحی حقیقت اور ہندوستان کی دینی، علمی اور سیاسی بساط پر خاندان ولی اللّٰہی کے اثرات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کی اہمیت اور وسعت کو خوب سمجھتے ہیں، حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کی تحریک کی بنیاد درحقیقت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا یہی فتویٰ تھا، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے دونوں اصحاب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اسرارہم کو اسی فتویٰ نے مجبور کیا تھا کہ وہ تلوار لے کر شاملی کے میدان میں نکل پڑیں، یہی وہ فتویٰ ہے جس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لئے دیوبند میں ایک مرکز قائم کیا گیا جسے آج دنیا "دارالعلوم دیوبند" کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ یہی فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ ریشمی رومال کی تحریک مرتب فرمائیں اور اسے مؤثر بنانے کے لئے ضعف پیری اور کثرت امراض کے باوجود طویل طویل اسفار کی مشقتیں برداشت کریں اور پھر مالٹا میں اسیری کی زندگی گذاریں، یہی وہ فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو بے چین کرتا ہے کہ وہ مدرسہ وخانقاہ کے گوشۂ عافیت سے نکل کر خارزار سیاست کی بادیہ پیمائی کریں اور قید وبند وغیرہ کی دل فگار مصائب وآلام سے ہنستے ہوئے گذر جائیں ؎

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

برٹش حکومت جو ملک عزیز پر تسلط قائم کر لینے کے بعد یہ خواب دیکھنے لگی تھی کہ یہاں کے باشندوں کے مذہب و مسلک کو تبدیل کر کے سب کو اپنے مزاج و مذاق کے مطابق بنا لے، چنانچہ لارڈ میکالے نے ۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو تعلیمی کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے جو رپورٹ پیش کی تھی اس پر وہ صاف طور پر لکھتا ہے

" ہمیں ایک ایسی جماعت چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ (فکر) کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (علمارحق ج ۱ ص ۳۹)

زمانہ گواہ ہے کہ حضرات اکابر رحمہم اللہ نے اپنی پامردی، استقامت، جوش عمل اور جہد مسلسل سے نہ صرف یہ کہ اس ظالم حکومت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا بلکہ ایک دن وہ بھی آیا کہ اپنی تمام تر قوت و شوکت کے باوجود اس جابر و متکبر قوم کو بے نیل و مرام یہاں سے جانا پڑ گیا، اور اس طرح سے ایسے عظیم فتنہ سے جس میں ملت اسلامیہ گھر گئی تھی اور قوی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس سیلاب بلاخیز میں وہ اپنے امتیازات و تشخصات کو محفوظ نہ رکھ سکے گی نجات ملی (شکر اللہ سعیہم وجزاہم عنی وعن سائر المسلمین جزاءً حسناً)

آج کل حالات بتا رہے ہیں کہ اسلام مخالف طاقتیں ایک بار پھر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کے درپے ہیں سے

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

اسلام دشمن طاقتوں کو ملک عزیز میں مسلمانوں کا وجود کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اور اس کانٹے کو دور کرنے کیلئے وہ پوری قوت سے میدان میں آگئی ہیں، مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی، علمی، اور دینی اعتبار سے بے جان کر کے انھیں ہضم کرنے کی فکر میں ہیں اسی لئے مسلمانوں کے اقتصادی مراکز کو تاک تاک کر نشانہ بنایا جا رہا ہے اور دیکھتے دیکھتے لاکھوں اور کروڑوں کی املاک کو خاکستر کے ڈھیر میں بدل دیا جاتا ہے، اور یہ عمل ایسے مرتب اور منظم طریقے پر انجام دیا جاتا ہے کہ ایک جگہ کے مسلمان ابھی سنبھلنے نہیں پاتے کہ دوسری جگہ خاک و خون کا کھیل شروع ہو جاتا، کرنیل گنج، بجنور، شاملی، علی گڈھ، جہانگیر پور کانپور، جے پور، دہلی، حیدرآباد، احمد آباد اور گجرات کے متعدد قصبات اور شہروں میں ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے جو کچھ ہوا ہے وہ کھلا ہوا ثبوت ہے کہ یہ سب ایک مرتب اسکیم اور طے شدہ منصوبے کے تحت ہو رہا ہے

اسی کے ساتھ اب تو مسلمانوں کی مشہور اور قدیم مساجد پر بھی نگاہیں اٹھنے لگی ہیں، اور باقاعدہ تنظیم کے تحت یہ کوشش کی جارہی ہے کہ ان مسجدوں کی قدیم اور تاریخی، دینی و مذہبی حیثیت کو ختم کرکے انھیں اپنے قبضہ میں لے لیا جائے، مسلم اوقاف کا جو حشر ہو رہا ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، مسلم پرسنل لا خطرے کی زد سے محفوظ نہیں ہے، تعلیمی اور سیاسی اداروں سے مسلمانوں کو جس طرح بے دخل رکھا جارہا ہے وہ سب پر عیاں ہے، سب سے تشویش ناک امر یہ ہے کہ حکومت جس کے اولین فرائض میں ملک کے باشندوں کے جان ومال کی حفاظت ہے وہ خود بلاواسطہ یا بالواسطہ ان مسلم کش سرگرمیوں میں شریک ہے۔ یہ تمام کارروائیاں ایک عظیم طوفان کا پتہ دے رہی ہیں۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو

تمھارا تذکرہ تک بھی نہ ہوگا داستانوں میں

ان حالات میں ہمارے سامنے بھی دو ہی راستے ہیں ایک یہ کہ ہم حالات کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور ہوائے زمانہ جس سمت لے جانا چاہتی ہے بغیر کسی مزاحمت کے ہم اسی رخ پر چل پڑیں، دوسرا راستہ ہے کہ اپنے دین، اپنے تہذیب وتمدن اور اپنی جان ومال کی حفاظت اور بقاء کے لئے اپنے اکابر و اسلاف کے اسوہ کے مطابق استقامت وپامردی اور ہمت جرأت کے ساتھ ہر مخالف قوت کا مقابلہ کریں، بطور خاص حضرات علماء کرام کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ملت کی کشتی کو کس سمت لے جائیں گے کیونکہ خود رائی وخود پسندی کی عمومی فضا کے باوجود آج بھی بڑی حد تک ملت کی زمام قیادت علماء ہی کے ہاتھ میں ہے اور انھیں کے سامنے اپنے اکابر کے جدوعمل کی مکمل تاریخ بھی ہے، اس لئے شدید ضرورت ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ایثار وقربانی اور استقامت وپامردی کی تاریخ کو پھر سے زندہ کریں، یہی اسلاف کا راستہ ہے اور یہی اور صرف یہی حیات و نجات کا راستہ ہے۔ ع

یہ مصرع کاش نقش ہر در و دیوار ہو جائے

جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

قسط ششم — مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ
الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ
مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ
فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ
عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا
مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ
شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ
كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ
اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ
يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ
اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱۱۶) بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۱۱۷) وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۱۱۸) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (۱۱۹) وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ
قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۱۲۰) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ (۱۲۱) يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۲) وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا
يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۱۲۳)

ترجمہ

کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے
پہلے، اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے (۱۰۸) دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب
کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنادیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا
ان پر حق، سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ، جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے
(۱۰۹) اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس
کو اللہ کے پاس، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے (۱۱۰) اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے
جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی، یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انھوں نے، کہدے لے آؤ سند اپنی
اگر تم سچے ہو (۱۱۱) کیوں نہیں جس نے تابع کردیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے، تو اسی
کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۱۱۲) اور
یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی راہ پر، باوجودیکہ
وہ سب پڑھتے ہیں کتاب، اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں انہی کی سی بات، اب اللہ حکم

کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے (۱۱۳) اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا. اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں، ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے (۱۱۴) اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ بے شک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے (۱۱۵) اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد، وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں، سب اسی کے تابعدار ہیں (۱۱۶) نیا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا، اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے (۱۱۷) اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے، کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات، ایک سے ہیں دل ان کے بیشک ہم نے بیان کردیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں (۱۱۸) بے شک ہم نے تجھکو بھیجا ہے سچا دین دیکر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی (۱۱۹) اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ، جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا تو کہدے جو راہ اللہ بتلائے وہ راہ سیدھی ہے اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھکو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار (۱۲۰) وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اسکے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں، اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں. (۱۲۱) اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر (۱۲۲) اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائیگا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے (۱۲۳)

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ ــــــــــ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ •
(۱۰۸)

اعتراض ۔ بعض یہودیوں نے شرارتاً یہ سوال کیا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو جس طرح

موسیٰ علیہ السلام پر مکمل توراۃ یک بارگی نازل ہوئی تھی اسی طرح آپ قرآن مجید مجموعی طور پر کیوں نہیں پیش کرتے؟ جواب میں فرمایا گیا کہ تم اپنے رسول وقت سے اسی طرح کا سوال کر رہے ہو جس طرح تمہارے اسلاف نے حضرت موسیٰ سے کیا تھا کہ "ارنا اللہ جہرۃً"۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ایسے سوالات جن سے رسول پر محض اعتراض کرنا اور مصالح الہیہ میں مزاحمت کرنا مقصود ہو سائل کو سیدھے راستے سے ہٹا کر کافر بنا دیتے ہیں، فکر و دانش کا تقاضا ہے کہ اس قسم کے سوالات سے احتراز کیا جائے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ـــــــ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝
(۱۰۹) ــــــــــ (۱۱۰)

مومنین کو ایک ضروری ہدایت :-

یہودیوں پر سچائی ظاہر ہو جانے کے باوجود از راہِ حسد وہ قرآن اور صاحبِ قرآن پر طرح طرح کے بیجا اعتراضات و شبہات پیش کرتے رہتے تھے جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ مومنین کے دلوں میں شکوک پیدا کر کے انھیں دین اسلام سے برگشتہ کر دیں، اپنے اس اضلالی عمل کو موثر بنانے کے لئے ان اعتراضات کے علاوہ دیگر حربے بھی استعمال کرتے رہتے تھے، جس پر مسلمانوں کو غصہ آنا ایک فطری امر تھا اور عین ممکن تھا کہ مسلمان ان سے دست و گریباں ہو جائیں، اس لئے ان آیتوں میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی ان مذبوحی حرکتوں پر اللہ تعالیٰ کے فیصلۂ انتقام کے ظاہر ہونے تک عفو و درگذر سے کام لو اور اپنی روحانی و اخلاقی نشو و نما و ترقی کے لئے صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام کو قائم رکھو کیونکہ جس جماعت میں قلبی، بدنی اور مالی عبادت کی سرگرمی موجود ہو اسے کوئی دین حق سے برگشتہ نہیں کر سکتا، اور نہ اس کی اجتماعی قوت میں اضمحلال اور کمزوری آسکتی ہے۔

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا ـــ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ
(۱۱۱) ــــــــــ (۱۱۷)

ایک غیر معقول دعویٰ اور اس کی تردید :-

یہود اور ان کی سناسی نصاریٰ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور دین حق سے برگشتہ کرنے کیلئے

یہ بھی کہا کرتے تھے کہ تم نے جنت کی خواہش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کیا ہے حالانکہ جنت میں تو صرف یہودی (اور بقول نصاریٰ صرف نصاریٰ) جائیں گے۔ ذیل کی آیتوں میں ان کے اس دعویٰ باطل کی مختلف انداز سے تردید کی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(الف) ان کا یہ خیالِ خام صرف دل بہلانے کی باتیں ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

(ب) اگر تم اپنے زعم میں سچے ہو تو ثابت کرو۔ تمہارے دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟

(ج) دخولِ جنت کا قانون یہ ہے کہ جس کسی نے بھی خدا کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نکوکار بھی ہو تو وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر ضرور پائے گا۔ اس قانون کو سامنے رکھ کر جائزہ لو! فکر و عمل میں کون اس معیار پر پورا اتر رہا ہے، تم یا مسلمان؟

(د) یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کا دین غلط ہے، عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ دونوں فریق اللہ کی کتاب توراۃ و انجیل پڑھتے ہیں، جن میں دونوں کے دین کی تصدیق موجود ہے، یہود و نصاریٰ کی اس لن ترانی کو سن کر عرب کے جاہل مشرکوں کو جوش آیا اور انھوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا کہ سب اہل ادیان باطل پر ہیں، بس ہمارا ہی طریقہ سچائی کا طریقہ ہے، بزعم خویش اگر یہ سب سچے ہوں تو پھر کوئی بھی سچا نہیں، کیونکہ ہر گروہ دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔

(ہ) یہ تینوں گروہ یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین حق پرستی کے مدعی ہیں، جب کہ خود ان کا عمل ان کے دعویٰ کی تردید کر رہا ہے، کیونکہ عقلاً و نقلاً یہ بات مسلم ہے کہ وہ لوگ سب سے بڑے ظالم ہیں جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکیں اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہوں جب کہ انھیں ان مساجد میں بیباکانہ قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا اس جرم عظیم کے تینوں گروہ مجرم ہیں، کیونکہ رفع عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ستر سال بعد یہود کی دعوت پر عیسائی خاندان کے ایک بادشاہ طیطوس (ٹیٹس) نے بیت المقدس کو ویران و منہدم کر دیا تھا، اور مشرکین مکہ بیت اللہ میں خدا کا ذکر کرنے سے مسلمانوں کو روکتے تھے، اس عملِ بد کے ساتھ سچائی اور دخولِ جنت کا دعویٰ "انفٌ فی الماء واست فی السماء" کا مصداق ہے۔ اسی ذیل میں مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو! اگر یہ اولیاء شیاطین تمھیں مسجدِ حرام یا مسجدِ اقصیٰ میں ذکر خدا سے روکیں تو ملول خاطر مت ہونا، اللہ نے تمام روئے زمین کو تمھارے لیے مسجد بنا دیا ہے، تمہاری نماز و عبادت ہر جگہ درست ہے۔

(۵) پھر یہ ظالمین شرک جیسے ظلم عظیم میں بھی مبتلا ہیں، کیونکہ یہ تینوں گروہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے (بعض یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے، ابنیت کے اس عقیدے کے ابطال پر پانچ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) سبحان اللہ! کیا مہمل بات ہے کیونکہ خدا کے لئے اولاد ہونا عقلاً ناممکن ہے۔

(۲) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے مملوک ہیں، اور ملکیت و ابنیت میں اجتماع نہیں ہوسکتا۔

(۳) سب اسکے محکوم ہیں جس کی یہ شان ہو اس کا کوئی ہم جنس و مماثل نہیں ہوسکتا، جبکہ بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ وہ باپ کا ہم جنس اور مماثل ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے موجد ہیں، یعنی مادہ، مدت اور آلات کی احتیاج کے بغیر پیدا کرنے والے ہیں جبکہ ولادت کے لئے مادہ، مدت اور آلات و اسباب کی ضرورت ہے۔

(۵) جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسی وقت وہ پیدا ہوجاتی ہے، تو پھر اسے کسی کو ولد بنانے کی کیا ضرورت ہے۔

غرضیکہ فکر و عمل اور عقیدہ و کردار کسی لحاظ سے بھی یہ لوگ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اس لئے۔ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى۔ کا دعویٰ محض خیالِ خام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ــــــــ وَمَنْ يَّكْفُرْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔
(۱۱۸) ــــــــ (۱۲۱)

اعتراض بعض نادان یہود و نصاریٰ اور مشرکین کہتے ہیں: خدا ہم سے براہ راست یہ کیوں نہیں فرما دیتے کہ یہ ہمارے رسول ہیں، یا کوئی اپنی عجیب و غریب نشانی بھیج دیتے، اگر ایسا ہوجاتا تو ہم ان کی رسالت کے قائل ہوکر اطاعت کرنے لگتے۔

جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ کوئی نیا سوال نہیں ہے، ایسی ہی جاہلانہ بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، اس معاملہ میں پہلوں اور پچھلوں کے دل ایک ہی طرح کے ہیں، چونکہ اس اعتراض کا جزو اول۔ لولا یکلمنا اللہ۔ حماقت محض تھا کہ اپنے کو انبیاء و ملائکہ کا ہم پلہ

وہم مرتبہ بنانا چاہتے تھے، اس لئے اس احمقانہ بات کو نظر انداز کر کے اعتراض کے دوسرے جزء یعنی۔ اوتاتینا آیۃ" کا جواب دیا گیا کہ تم ایک دلیل کو لئے پھرتے ہو، ہم نے تو ماننے والوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں نمایاں کر دی ہیں، آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلّی کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اے رسول! یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے تمھیں دینِ حق دے کر بھیجا ہے کہ ایمان و عمل کی برکتوں کی بشارت دو اور انکارِ حق کے نتائج سے متنبہ کر دو۔ جو لوگ اپنی شقاوت سے دوزخی ہو چکے ہیں تم ان کے لئے خدا کے حضور جواب دہ نہیں ہو گے، تمھیں کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر سے بے نیاز ہو کر پیغام حق پہنچاتے رہنا چاہئے، ان یہود و نصاری کا تمھاری پیروی سے اعراض اس بنا پر نہیں ہے کہ دلائلِ نبوت میں کسی قسم کا خفا یا قصور ہے بلکہ یہ لوگ تو اس غرّہ میں ہیں کہ ہم تو اولادِ انبیاء اور کتبِ الٰہیہ کے علوم کے حامل اور علم بردار ہیں، اس لئے مذہبی قیادت و سیادت کے ہم مالک ہیں، لوگ ہماری اتباع و پیروی کریں، ہم کسی کی پیروی کیونکر کر سکتے ہیں، فریبِ نفس میں مبتلا ان لوگوں سے صاف صاف کہدو کہ حقیقت میں راہ ہدایت وہی ہے جس کو خدا کہہ دے کہ یہ راہِ ہدایت ہے۔ اب "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے انداز پر نبیٔ رحمت پیکرِ عصمت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ علم و یقین کی روشنی آجانے کے باوجود اگر تم نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو خدا کے قہر سے بچانے والا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا، البتہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ فریبِ نفس کے شکار نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو راستبازی و اخلاص کے ساتھ کتابِ الٰہی کو پڑھتے ہیں، یہ لوگ آپ کے لائے ہوئے دین حق اور علمِ وحی پر ایمان لائیں گے، ہوائے نفسانی میں گرفتار نامراد تو انکار ہی کریں گے کیونکہ ان کے لئے محرومی ثابت ہو چکی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ ـــــــ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔
(۱۲۲) ـــــــ (۱۲۳)

بنی اسرائیل سے آخری خطاب :-

بنی اسرائیل کو ایک بار پھر اجمالاً اپنی نعمتوں کو یاد دلا کر دعوتِ ایمان و عمل دی جا رہی

ہے کہ فکر وکردار کا یہی اثاثہ کل قیامت میں کام آئے گا، بغیر ایمان کے نہ وہاں بزرگوں کی سفارش مفید ہوگی اور نہ کوئی بدل ومعاوضہ قابلِ قبول ہوگا، امام ابوحیان اندلسی اپنی مشہور تفسیر البحر المحیط میں رقم طراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں تین مرتبہ یہود کو یا بنی اسرائیل کے معزز خطاب سے مخاطب فرمایا اور اس عظیم نسبت کو یاد دلاکر انھیں ایمان واطاعت کی دعوت دی، لیکن انھوں نے اس تلطفانہ خطابت کی کوئی قدر نہیں کی تو حق تعالیٰ نے بھی اعراض فرمایا، اور پھر اس معزز خطاب سے انھیں مخاطب نہیں فرمایا اور دینی قیادت وسیاست کا وہ شرف ومجد جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے انھیں حاصل تھا وہ بھی ان سے سلب کرکے ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ بنواسماعیل میں منتقل کردیا۔ جس کی تفصیل آئندہ آیات میں بیان کی گئی ہے۔

از:- مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

کسی کتاب کی اہمیت اور عظمتِ شان کا اندازہ لگانے کے لئے حسب ذیل امور پر نظر ڈالنا
ری ہے۔

(۱) مصنف کا فضل وکمال۔

(۲) صحت کا التزام

(۳) حسن ترتیب اور موضوع سے متعلق تمام اہم مباحث کا استیعاب۔

(۴) قبولیتِ عام اور شہرت۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ان تمام اوصاف کے لحاظ سے "کتاب الآثار" فقہ یعنی علم سنن و احکام کی جملہ
انیف سے فائق ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صنف کا فضل وکمال

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ کتاب الآثار کے سوا آج ہمارے پاس سنن کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جس کے
سنف کو تابعیت کا شرف حاصل ہوا اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ اس عہد کے تمام
معاصر ائمہ میں ممتاز ہیں، چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ شارح مشکوٰۃ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے فتاویٰ سے
قل ہیں:

نہ ادرک جماعۃ من الصحابۃ
کانوا بالکوفۃ بعد مولدہ بہا سنۃ
نین فہو من طبقۃ التابعین ولم
ت ذلک لاحد من ائمۃ الامصار

امام ابو حنیفہؒ نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا
جو کوفہ میں تھے جبکہ ۸۰ھ میں وہاں پیدا ہوئے
لہذا وہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ بات ان
معاصر ائمہ امصار میں سے کسی کی نسبت جیسے کہ

المعاصرین له کالاوزاعی بالشام والحمادین بالبصرة والثوری بالکوفة ومالك بالمدینة المشرفة واللیث بن سعد بمصر۔

(الخیرات الحسان، فصل سادس، از علامہ ابن حجر مکی)

اوزاعی کی نسبت جو شام میں تھے اور حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کی نسبت جو بصرہ میں تھے، اور سفیان ثوری کی نسبت جو کوفہ میں تھے اور مالک کی نسبت جو مدینہ شریف میں تھے اور لیث بن سعد کی نسبت جو مصر میں تھے ثابت نہیں ہوئی۔

امام ممدوح کی جلالت قدر کے لئے اس سے زیادہ کیا درکار ہے کہ وہ امت میں امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے اجتہادی مسائل پر اسلامی دنیا کی دو تہائی آبادی بارہ سو برس سے برابر عمل کرتی چلی آرہی ہے، تمام اکابر ائمہ آپ کے فضل وکمال کے معترف ہیں۔ ابن مبارک کا بیان ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا، ایک بزرگ آئے اور جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو امام موصوف نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں (اور میں ان کو پہچان چکا تھا) فرمانے لگے:

هذا ابوحنیفة النعمان لوقال هذه الاسطوانة من ذهب لخرجت کما قال لقد وفق له الفقه حتی ماعلیه فیه کثیر مونة[1]

یہ ابوحنیفہ نعمان ہیں جو اگر یہ کہدیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ویسا ہی نکل آئے، ان کو فقہ میں ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اس فن میں انہیں ذرا مشقت نہیں ہوتی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه[2] (لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں) ابوبکر مروزیؒ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا

لم یصح عندنا ان اباحنیفة قال القرآن مخلوق۔

ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں کہ ابوحنیفہؒ نے قرآن کو مخلوق کہا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ "الحمدللہ" اے ابوعبداللہ (یہ امام احمد کی کنیت ہے) ان کا تو علم میں بڑا مقام ہے۔ فرمانے لگے

سبحان الله هو من العلم والورع و

سبحان اللہ وہ تو علم، ورع، زہد اور عالم آخرت

---

[1] "مناقب ابی حنیفہؒ" از محدث صمیری۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہے۔

[2] "مناقب ابی حنیفہؒ" از حافظ ذہبی ص۱۸ طبع مصر۔

ایثار الدار الآخرة بمحل لایدرکہ احد۔[1] | کو اختیار کرنے میں اس مقام پر فائز ہیں کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

امام سفیان بن عیینہ شہادت دیتے ہیں کہ ماقلبت عینی مثل ابی حنیفة[2] (میری آنکھوں نے ابوحنیفہؒ کی مثل نہیں دیکھا) وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ العلماء ابن عباس فی زمانہ والشعبی فی زمانہ وابوحنیفہ فی زمانہ[3] (علماء تو یہ تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں، شعبیؒ اپنے زمانہ میں اور ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں) عبدالرحمٰن بن مہدی جو فن رجال کے مشہور امام ہیں فرماتے ہیں

کنت نقالاً للحدیث فرایت سفیان الثوری امیر المؤمنین فی العلماء وسفیان بن عیینة امیر العلماء وشعبة عیار الحدیث وعبد اللہ بن المبارک صراف الحدیث و یحیی بن سعید قاضی العلماء وابوحنیفة قاضی قضاة العلماء ومن قال لک سوی ھذا فارمہ فی کناسة بنی سلیم[4] | میں حدیث کا بڑا ناقل تھا سو میں نے دیکھا کہ سفیان ثوری تو علماء میں امیر المؤمنین ہیں اور سفیان بن عیینہ امیر العلماء اور شعبہ حدیث کی کسوٹی ہیں اور عبداللہ بن مبارک اس کے صراف اور یحییٰ بن سعید قاضی العلماء ہیں اور ابوحنیفہ قاضی قضاة العلماء اور جو شخص تمہیں اس کے سوا کچھ اور بتائے تو اس کی بات کو بنی سلیم کے گھورے پر پھینک دو

شیخ الاسلام یزید بن ہارون کا قول ہے۔

کان ابوحنیفة تقیاً نقیاً زاھداً عالماً صدوق اللسان احفظ اھل زمانہ سمعت کل من ادرکتہ من اھل زمانہ انہ ما رأی افقہ منہ۔[5] | امام ابوحنیفہ متقی، پاکیزہ صفات، زاہد، عالم، زبان کے سچے اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، میں نے ان کے معاصرین میں سے جتنے لوگوں کو پایا سب کو یہی کہتے سنا کہ ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا گیا۔

یہ بھی انہی کا بیان ہے کہ لم أر اعقل ولا افضل ولا اورع من ابی حنیفة[6] (میں نے ابوحنیفہ

---

[1] مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص۔ [2] ایضاً ص۱۹۔ [3] مناقب صیمری۔ [4] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمة مکی جلد ۲ ص۵۱ طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن۔ [5] مناقب صیمری۔
[6] مناقب ذہبی ص۲۱۔

سے زیادہ عاقل، ان سے افضل اور ان سے زیادہ پاکباز نہیں دیکھا)

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ

انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ ورسولہ[۲]	واللہ ابو حنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے ایک بار ان کے شاگرد احمد بن محمد البغدادی نے ابو حنیفہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ فرمانے لگے عدل ثقۃ ماظنک بمن عدلہ ابن المبارک و وکیع[۳] (سراپا عدالت ہیں، ثقہ ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جس کی ابن مبارک اور وکیع نے توثیق کی ہے)

امام عبداللہ بن مبارک کہا کرتے تھے لولا ان اللہ تدارکنی بابی حنیفۃ وسفیان لکنتُ بدعیاً[۴] (اگر اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میرا تدارک نہ کیا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا)

شیخ الاسلام ابو عبدالرحمٰن مقری، امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کرتے تو ان الفاظ میں کیا کرتے حدثنا ابو حنیفۃ شاہ مرداں[۵]۔ ائمہ اعلام کی ان شہادتوں سے جو صحیح ترین مآخذ سے منقول ہیں آپ ابو حنیفہؒ کی جلالت علمی کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امت محمدیہ میں ان کا مقام کیا ہے۔ امام اہل بلخ خلف بن ایوب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ

صار العلم من اللہ تعالیٰ الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم صار الی اصحابہ ثم صار الی التابعین ثم صار الی ابی حنیفۃ واصحابہ فمن شاء فلیرض ومن شاء فلیسخط[۶]	اللہ تعالیٰ سے علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو، صحابہ کے بعد تابعین کو، پھر تابعین سے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو ملا۔ اس پر کوئی چاہے خوش ہو یا ناراض۔

---

[۱] مقدمہ کتاب التعلیم از مسعود بن شیبہ سندی بحوالہ تاریخ امام طحاوی، اس کتاب کا قلمی نسخہ مجلس علمی کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ [۲] مناقب الامام الاعظم از علامہ کردری ج ۱ ص ۹۱ طبع دائرۃ المعارف [۳] مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص ۱۸ [۴] مناقب للامام الاعظم انصدر الائمہ ج ۲ ص ۲۲ [۵] تاریخ بغداد از محدث خطیب بغدادی ترجمہ امام ابو حنیفہ

صحت کا التزام پہلے اس پر غور کیجئے کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ ہے، شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کان اعلم اھل عصرہ بالحدیث[1] (وہ اپنے معاصرین میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے) شیخ الاسلام یزید بن ہارون المتوفی ۲۰۶ھ جن کے بارے میں علی بن المدینی کہا کرتے کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا) اور سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ (جن کے بارے میں ابن المدینی کا قول ہے کہ ان سے بڑھ کر رجال کا عالم میری نظر سے نہیں گذرا) کی تصریحات اس سلسلہ میں ابھی آپ کی نظر سے گذریں، پھر اس امر کو نظر میں رکھئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار[2] احادیث کے مجموعہ سے چن کر اس کتاب کو مرتب کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی، امام الائمہ بکر بن محمد زرنجری المتوفی ۵۱۲ھ کے حوالے سے جو بڑے پایہ کے محدث گذرے ہیں ناقل ہیں۔

وانتخب ابوحنیفۃ رحمہ اللہ الآثار من اربعین الف حدیث[3]	امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے مسند ابی حنیفہ میں بہ سند متصل یحییٰ بن نصر بن حاجب کی زبانی نقل کیا ہے کہ

دخلت علی ابی حنیفۃ فی بیت مملوء کتباً فقلت ما ھذہ قال ھذہ احادیث	میں ابوحنیفہ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے دریافت

---

[1] اصول الفقہ از امام سرخسی ج ۱ ص۳۵۰ طبع مصر ۱۳۷۲ھ۔ [2] یہ چالیس ہزار متون احادیث کی تعداد نہیں اسانید کی ہے، اور اس تعداد میں صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاوی بھی داخل ہیں کیونکہ سلف کی اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا تھا، امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں احادیث کے طرق و اسانید کی تعداد چالیس پچاس ہزار سے زائد تھی، بعد کو بخاری و مسلم کے عہد میں یہی تعداد لاکھوں تک جا پہونچی، کیونکہ ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا تو اب محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس حدیث کی دس اسنادیں اور دس طریقے ہوگئے چنانچہ اگر آپ "کتاب الآثار" اور "موطا" کی احادیث کی تخریج بقیہ کتب احادیث سے کرنے بیٹھیں تو ایک ایک روایت کے دسیوں بیسیوں بلکہ سینکڑوں طریقے اور اسنادیں مل جائیں گی۔

[3] مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص۹۵

كتبها وما حدثت به الا اليسير الذی ينتفع به۔[۱]

کیا کریہ کیا کتابیں ہیں فرمایا یہ سب حدیثیں ہیں اور میں نے ان میں سے صرف تھوڑی سی حدیثیں بیان کی ہیں جن سے انتفاع ہو۔

پھر یہ دیکھئے کہ بڑے بڑے محدثین نے امام ابوحنیفہ کی اس احتیاط کا کن لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابو محمد عبد اللہ حارثی بسندِ متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں کہ

اخبرنا القاسم بن عباد سمعت يوسف الصفار يقول سمعت وكيعا يقول لقد وجد الورع عن ابی حنيفة فی الحديث مالم يوجد عن غيره[۲]

جیسی احتیاط امام ابوحنیفہؒ سے حدیث میں پائی گئی، کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔

اسی طرح علی بن جعد جوہری سے جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری و ابوداؤد کے شیخ ہیں نقل کیا ہے کہ

قال القاسم بن عباد فی حديثه قال علی بن الجعد ابوحنيفة اذا جاء بالحديث جاء به مثل الدر[۳]

امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہیں۔

اور امام یحییٰ بن معین جن پر فن جرح و تعدیل کا دار و مدار ہے، فرماتے ہیں۔

كان ابوحنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا بما يحفظه ولا يحدث بما لا يحفظ[۴]

ابوحنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو یاد ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے۔

---

[۱] عقود الجواہر المنیفہ، ج ۱ ص ۲۳ طبع مصر۔ [۲] مناقب صدر الائمہ، ج ۱ ص ۱۹۷۔
[۳] جامع مسانید الامام الاعظم از محدث خوارزمی ج ۱ ص ۳۳۔ [۴] تاریخ بغداد، تہذیب التہذیب از حافظ ابن حجر اور طبقات الحفاظ امام سیوطی میں امام ابوحنیفہؒ کا ترجمہ دیکھو۔ سیوطی کی طبقات الحفاظ کا قلمی نسخہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گذرا ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک جن کی جلالتِ شان پر سارے محدثین کا اتفاق ہے، انھوں نے امام ابوحنیفہ کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں "کتاب الآثار" کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

روی آثارہ فاجاب فیہا ۔۔۔ کطیران الصقور من المنیفۃ

انھوں نے آثار کو روایت کیا تو اس سرعت سے رواں ہوئے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اڑتے ہیں

فلم یك بالعراق لہٗ نظیر ۔۔۔ ولا بالمشرقین ولا بکوفۃ[1]

سو نہ تو عراق میں ان کی نظیر تھی نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفہ میں۔

اسی طرح امام اہل سمرقند ابومقاتل سمرقندی اپنی ایک نظم میں جو انھوں نے امام ممدوح کی منقبت میں کہی ہے، فرماتے ہیں

روی الآثار عن نُبُلٍ ثقات ۔۔۔ غزار العلم مشیخۃ حصیفۃ[2]

انھوں نے الآثار کو ان نبلاء ثقات سے روایت کیا ہے جو بڑے وسیع العلم اور پکے مشائخ تھے۔

حسن ترتیب اور استیعاب مباحث

تاریخ و رجال کی کتابوں میں علم حدیث کے متعلق صحابہ و تابعین کے بہت سے نوشتوں اور صحیفوں[3] کا ذکر ملتا ہے جو اس کثرت سے تھے کہ محدث ابونعیم اصفہانی کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا مکان ان سے بھرا ہوا تھا۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ کوفہ میں علم حدیث کا جس قدر تحریری سرمایہ تھا وہ سب امام ممدوح نے اپنے پاس جمع کر لیا تھا، تاہم نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرے بلاد اسلامیہ میں اور کس قدر ذخیرہ موجود ہوگا لیکن اس کثرت کے باوجود ابھی تک حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے تھے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جس قدر حدیثیں ان کو یاد تھیں قلم بند کر لیا تھا، تمام امت میں امام ابوحنیفہؒ کو اس بارے میں شرف اولیت حاصل ہے کہ انھوں نے علم شریعت کو باقاعدہ ابواب پر مرتب فرمایا اور اس خوبی و خوش اسلوبی سے مرتب فرمایا کہ آج تک سنن و احکام کی تمام کتابیں انھی کی فقہی ترتیب کے مطابق مدوّن و مرتب ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ سب سے پہلے امام مالکؒ نے موطا کی ترتیب میں امام ابوحنیفہ کا تتبع کیا اور بعد کو تمام ائمہ نے اسی طریقہ کو

---

[1] مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۹۰ [2] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۱۱۔ [3] ان صحیفوں میں سے مشہور تابعی ہمام بن منبہ کا صحیفہ جو ۵۸ھ سے پہلے کی تالیف ہے اردو ترجمہ کے ساتھ گزشتہ سال ہی حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے۔

اختیار کرلیا۔ حسن قبول اسی کا نام ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علامہ سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دوّن علم الشریعۃ ورتّبہ ابوابا ثم تبعہ مالک بن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق اباحنیفۃ احد۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفۃ[1]

امام ابوحنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں انھی کی پیروی کی اور اس امر میں ابوحنیفہ پر کسی کو اولیت حاصل نہیں ہے

امام ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی رحمہ اللہ نے جن کا شمار متقدمین فقہاء میں ہے، اس سلسلے میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ

فاذا کان اللہ تعالیٰ قد ضمن لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حفظا لشریعۃ وکان ابوحنیفۃ اول من دوّنھا فیبعد ان یکون اللہ تعالیٰ قد ضمنھا ثم یکون اوّل من دوّنھا علی خطاء[2]

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی شریعت کے متعلق حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کو مدوّن فرمایا تو اب یہ بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی حفاظت کی ضمانت لیں اور پھر اس کا پہلا مدوّن ہی غلط تدوین کردے۔

قبولیت عام اور شہرت

قبولیت عام اور شہرت دوام کا یہ حال ہے کہ امت مرحومہ کا سواد اعظم جس کی تعداد کا اندازہ دو ثلث اہل اسلام کیا جاتا ہے، فقہ میں جس مذہب کا پیرو ہے وہ مذہب حنفی ہے، اور اس مذہب کے مسائل فقہ کی بنا اسی کتاب الآثار کی احادیث و روایات پر ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں "کتاب الآثار" کو حنفیوں کی امہات کتب میں شمار کیا ہے[3] اور تصریح کی ہے کہ

"مسند ابی حنیفہ و آثار محمد بنائے فقہ حنفیہ است"[4] (فقہ حنفی کی بنا مسند ابی حنیفہ و آثار محمد پر ہے)

---

[1] طبع دائرۃ المعارف، ص ۳۰۔ [2] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۳۹۔ [3] کتاب مذکور ص ۱۸۵ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ

امام ابوحنیفہ کی تصانیف سے امام مالک کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں بصراحت مذکور ہے

قاضی ابوالعباس محمد بن عبداللہ ابن ابی العوام اپنی کتاب "اخبار ابی حنیفہ" میں بسند ناقل ہیں۔

حدثنی یوسف بن احمد المکی ثنا محمد بن حازم الفقیہ ثنا محمد بن علی الصائغ بمکۃ ثنا ابراھیم بن محمد عن الشافعی عن عبدالعزیز الدراوردی قال کان مالک بن انس ینظر فی کتب ابی حنیفۃ وینتفع بھا۔[1]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز دراوردی کا بیان ہے کہ امام مالک بن انس امام ابوحنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔

خود امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے کہ

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفۃ لم یتبحر فی الفقہ[2]

جو شخص امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف کو نہیں دیکھے گا فقہ میں متبحر نہیں ہوگا۔

ابومسلم مستملی نے ایک بار شیخ الاسلام یزید بن ہارون سے بغداد میں سوال کیا کہ

یا ابا خالد ما تقول فی ابی حنیفۃ والنظر فی کتبہ۔

اے ابوخالد ابوحنیفہ اور ان کی تصانیف کے مطالعہ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے جواب دیا،

انظروا فیھا ان کنتم تریدون ان تفقھوا[3]

اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو ان کا مطالعہ کیا کرو۔

ایک اور موقع پر جب یزید بن ہارون حدیث کا درس دے رہے تھے طلبا کو خطاب کرکے کہنے لگے

ھمتکم السماع الجمع لو کان ھمتکم العلم لطلبتم تفسیر الحدیث ومعانیہ ونظرتم فی کتب ابی حنیفۃ واقوالہ فیفسر لکم الحدیث[4]

تمہارا تو مقصد بس حدیث کا سننا اور جمع کرلینا ہے اگر علم تم لوگوں کا مقصد ہوتا تو حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی کی تلاش رکھتے اور ابوحنیفہ کی تصانیف اور ان کے اقوال میں غور کرتے تب حدیث کی تشریح تم پر کھلتی۔

---

[1] تعلیقات الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الفقہاء، از محدث کوثری ص۱۳ طبع مصر۔ [2] مناقب ابی حنیفہ، از صیمری۔ [3] تاریخ بغداد، از خطیب۔ [4] مناقب صدر الائمہ، ج ۲ ص۳۲۔

اور حافظ عبداللہ بن داؤد خریبی فرماتے ہیں۔

من اراد ان یخرج من ذل العمی والجهل ویجد لذة الفقه فلینظر فی کتب ابی حنیفة[1]	جو شخص چاہتا ہے کہ نابینائی اور جہالت کی ذلت سے نکلے اور فقہ کی لذت سے آشنا ہو اس کو چاہئے کہ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھے

حافظ ابو یعلی خلیلی نے "کتاب الارشاد" میں امام مزنی کے ترجمہ میں جو امام شافعی کے اجل تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں لکھا ہے کہ امام طحاوی، مزنی کے بھانجے تھے، ایک بار محمد بن احمد شروطی نے ان سے دریافت کیا کہ۔

لم خالفت خالک واخترت مذهب ابی حنیفة۔	آپ نے اپنے ماموں کے خلاف ابوحنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا۔

امام طحاوی نے فرمایا:

لانی کنت اری خالی یدیم النظر فی کتب ابی حنیفة فلذلک انتقلت الیه۔	اس لئے کہ میں اپنے ماموں کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ ہمیشہ ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے لہٰذا میں نے بھی انھیں کے مذہب کو اختیار کرلیا،

(تاریخ ابن خلکان، ترجمہ امام طحاوی)

یہ تھیں ائمہ فقہ وحدیث کی تصریحات اور یہ تھا ان کا طرز عمل امام ابوحنیفہ کی تصانیف کے بارے میں، اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالئے کہ کتاب الآثار کی تصنیف نے اس فن کی تدوین پر کیا اثر ڈالا، روایات کی تبویب اور حسن ترتیب کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا، بعد کے تمام مؤلفین نے اسی کو قائم رکھا، موطا کی ترتیب اسی کو سامنے رکھ کر کی گئی، اسی طرح روایات کے انتخاب اور ان کی صحت کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے جو معیار قائم کیا تھا بعد کے ارباب صحاح نے باوجود اختلاف ذوق کے اس کا پورا پورا خیال رکھا، روایت سے احتجاج کے باب میں امام ابوحنیفہ نے اپنا طرز عمل یہ بتلایا ہے۔

انی اخذ بکتاب الله اذا وجدته وما لم	میں مسئلہ کو جب کتاب اللہ میں پاتا ہوں تو

---

[1] مناقب صیمری۔

اجدہ فیہ اخذت بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والآثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات[۱]۔

وہاں سے لیتا ہوں، اور جو وہاں نہ ملے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت اور آپ کی ان صحیح احادیث سے لیتا ہوں کہ جو ثقات کے ہاتھوں شائع ہو چکی ہیں۔

اور امام سفیان ثوریؒ نے آپ کے اس طرز عمل کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے۔

یاخذ بما صح عندہ من الاحادیث التی کان یحملها الثقاۃ وبالآخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۲]

جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور جن کو ثقات روایت کرتے چلے آتے ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہوتا ہے اسی سے لیتے ہیں

"کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہ نے ان ہی "آثار صحاح" کو جن کی اشاعت ثقات کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جمع کر دیا ہے، امام ممدوح نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری افعال وہدایات کو منار اول اور آثار صحابہ وتابعین کو منار ثانی قرار دیا ہے۔

غور کیجئے بعینہ یہی طرز امام صاحب کے تتبع میں امام مالک نے موطا میں اختیار فرمایا ہے جو بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "اصل وام صحیحین است" اس اعتبار سے "کتاب الآثار" صحیحین کی "ام الام" ہوئی۔ شاہ صاحب موصوف نے "عجالۂ نافعہ" میں یہ بھی لکھا ہے

صحیح بخاری وصحیح مسلم ہر چند در بسط وکثرت احادیث دہ چند "موطا" باشند لیکن طریق روایت احادیث وتمیز رجال وراہ اعتبار واستنباط از موطا آموختہ اند[۳]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہر چند کہ بسط وکثرت احادیث کے اعتبار سے موطا سے دس گنی ہیں لیکن روایت حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز اور اعتبار واستنباط کا ڈھنگ موطا ہی سے سیکھا ہے۔

ادھر فقہاء محدثین کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے ترتیب مضامین تو درکنار اپنی تصنیفات کے نام تک تجویز کرنے میں اس کی ہم آہنگی کی، چنانچہ امام شلبی نے اپنی کتاب کا نام "تصحیح الآثار" اور امام طحاوی نے "معانی الآثار" اور "مشکل الآثار" اور امام طبری نے "تہذیب الآثار" رکھا۔

---

[۱] مناقب صیمری۔ [۲] الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء از حافظ ابن عبدالبر ص۱۴۲ طبع مصر [۳] عجالۂ نافعہ طبع مجتبائی

حتیٰ کہ وہ آخری دنوں میں صرف ہڈیوں کا مجموعہ رہ گئے تھے ـــــــ رمضان کے نصف آخر میں، میں گھر چلا گیا۔ ذیقعدہ کے اوائل میں واپسی ہوئی تو مولانا سال گذشتہ سے زیادہ ناتواں اور زندگی سے مایوس تھے۔ مہتمم صاحب مدظلہٗ نے انہیں مہمان خانہ میں قیام پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہاں ان کے کمرے سے زیادہ بعض سہولتیں تھیں، سوئے اتفاق کہ گھر سے آتے ہی ذیقعدہ کے وسط میں میرے بائیں ہاتھ کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور دیگر معذوریوں کے ساتھ ساتھ کپڑے پہننا بھی مشکل تھا۔ اسلئے مرض الموت میں بہت کم عیادت کی سعادت حاصل ہو سکی۔ عید الاضحٰی کی نماز دار العلوم کی مسجد کی بالائی منزل پر میں نے بائیں جانب ادا کی مولانا دائیں طرف پہلی صف میں تھے۔ نماز کے بعد دو طالب علم دونوں بازو پکڑ کر سہارے سے انہیں اٹھا رہے تھے کہ جلدی سے پہنچ کر میں نے مصافحہ کیا۔ حیرت سے دیکھنے لگے اور میری کلائی کو دیکھ کر کہنے لگے تم نے یہ کیا کر لیا۔ جن دوستوں سے مل کر زندگی کے ان لمحوں میں خوشی ہوتی وہ بھی مجبوریوں اور معذوریوں کی نذر ہو گئے۔

ہم نے کسے کھو دیا | مولانا کی وفات سے ہم نے درحقیقت وہ کڑی کھو دی ہے جو ہمیں ان اساتذہ و مشائخ دار العلوم کے سلسلۃ الذہب سے مربوط کرتی تھی۔ جو علم و فضل کے منارے، ورع و تقویٰ کی مثال اور سادگی و قناعت، پاکدامنی اور پاک نفسی کا نمونہ تھے۔

ان کی موت سے اساتذہ اور ذمہ داران دار العلوم نے ایک باوقار و روشن دماغ سرپرست اور امانت دار و صاحب لیاقت مشیر کار کھو دیا ہے۔ جو مضبوط رائے قائم کرنے، ہر وقت کسی الجھن کو سلجھا لینے، بار آور طریقۂ کار وضع کرنے اور تعلیمی و انتظامی صیغوں کے مفید ترین خاکوں کی تنقید و تنفیذ، ماہرانہ اور بصیرت افروز قدرت رکھتا تھا ـــــ مولانا کے ایسا پختہ رائے اور کسی نظریہ پر تا دیر اور ہر حالت میں ثابت قدم رہنے والا آدمی میں نے زندگی اور تجربہ میں مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (متوفی شب ۴ رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۹۱ء) کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا ہے ان کی رائے فولاد کی طرح ٹھوس ہوتی اور وہ اس پر پہاڑ کی طرح جم جاتے تھے۔

ان کی وفات سے دار العلوم کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے ایک مخلص تجربہ کار اور دور رس رفیق کار کھو دیا ہے۔ باوجودیکہ مولانا اہتمام سے متعلق نہ تھے، لیکن مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دار العلوم کے بہت سے مسائل و معاملات میں مولانا کے مشوروں اور خیالات سے فائدہ اٹھاتے تھے

كتبت كتب ابي حنيفة غير مرة كان يقع فيها زيادات فاكتبها۔[1]

میں نے امام ابو حنیفہ کی تصانیف کو کئی بار نقل کیا کیوں کہ ان میں اضافے ہوتے رہتے تھے اور مجھے انھیں لکھنا پڑتا۔

محدثین نے کتاب الآثار کے جن نسخوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں

(۱) کتاب الآثار بروایت امام زفر بن الہذیل المتوفی ۱۵۸ھ

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا المتوفی ۴۷۵ھ نے اپنی مشہور کتاب "الاکمال فی رفع الارتیاب[2] عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب" کے باب الحمیسی والجعیسی میں کیا ہے، چنانچہ محدث احمد بن بکر جعیسی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

احمد بن بكر بن سيف ابو بكر الجصيني ثقة يميل ميل اهل النظر روى عن ابي وهب عن زفر بن الهذيل عن ابي حنيفة "كتاب الآثار"

احمد بن بکر بن سیف ابو بکر جصینی ثقہ ہیں، اہل نظر یعنی فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وہب سے روایت کرتے ہیں۔

امام زفر کے اس نسخہ کا ذکر حافظ ابو سعد سمعانی شافعیؒ نے کتاب الانساب[3] میں اور حافظ عبدالقادر قرشی حنفی نے "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ[4]" میں بھی کیا ہے۔

واضح رہے کہ امام زفر سے "کتاب الآثار" کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے ایک یہی ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی، دوسرے شداد بن حکیم بلخی جن کے نسخے سے "جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی" میں "مسند حافظ ابن خسرو بلخی" وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں، اور

---

[1] مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۰۱۔
[2] اس کتاب کے قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست ٹونک اور کتب خانہ حیدرآباد دکن میں ہماری نظر سے گذرے ہیں
[3] ملاحظہ ہو کتاب الانساب نسبت الجصینی یہ کتاب لیڈن (ہالینڈ یورپ) میں چھپا ہے
[4] الجواہر المضیہ میں احمد بن بکر کا تذکرہ دیکھو۔

تیسرے حکم بن ایوب، پہلے دو نسخوں کا ذکر محدث حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی مشہور کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں بایں الفاظ کیا ہے۔

نسخة لزفر بن الهذيل الجعفي تفرد بها عنه شداد بن حكيم البلخي ونسخة ايضا لزفر بن الهذيل الجعفي تفرد بها ابو وهب محمد بن مزاحم المروزي عنه[1]	زفر بن ہذیل جعفی کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے صرف شداد بن حکیم بلخی روایت کرتے ہیں، اور زفر ہی کا ایک نسخہ اور ہے جس کو ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی روایت کرتے ہیں۔

امام زفر کے تیسرے نسخے کا ذکر حافظ ابوالشیخ بن حبان نے اپنی کتاب "طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا"[2] میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں کیا ہے، چنانچہ ان کی عبارت درج ذیل ہے

احمد بن رستة بن بنت محمد المغيرة كان عنده "السنن" عن محمد عن الحكم بن ايوب عن زفر عن ابي حنيفة۔	احمد بن رستہ محمد بن المغیرہ کے نواسے ہیں ان کے پاس "سنن" تھی جس کو وہ اپنے نانا محمد سے وہ حکم بن ایوب سے وہ زفر سے اور وہ اس کو امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تھے۔

حافظ ابوالشیخ نے یہاں "کتاب الآثار" کو السنن کے نام سے ذکر کیا ہے اور چوں کہ وہ اس کتاب میں ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی روایت سے ایک دو حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں اس لئے اپنے معمول کے مطابق اس نسخہ سے بھی دو حدیثیں درج کی ہیں، اسی طرح حافظ ابونعیم اصفہانی نے بھی "تاریخ اصبہان"[3] میں اس نسخہ کی روایتیں نقل کی ہیں۔ امام طبرانی کی "المعجم الصغیر"[4] میں بھی اس نسخہ کی ایک روایت موجود ہے۔

(۲) کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف المتوفی ۱۸۲ھ

اس نسخہ کا ذکر حافظ عبدالقادر قرشی نے "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ" میں کیا ہے چنانچہ

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۶۴ طبع دارالکتب المصریۃ۔ [2] اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہماری نظر سے گذرا ہے۔ [3] یہ کتاب اب یورپ میں طبع ہو چکی ہے میں نے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں دیکھا ہے۔ [4] ملاحظہ ہو ص۲۲ طبع انصاری دہلی۔

امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں رقم طراز ہیں۔

روی "کتاب الاثار" عن ابیہ عن ابی حنیفۃ وھو مجلدٌ ضخم۔

یہ اپنے والد کی سند سے امام ابوحنیفہ سے "کتاب الآثار" کی روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا ابوالوفا افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کو کہ انھوں نے بڑی تلاش اور کوشش سے اس نسخہ کو فراہم کرکے تصحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر ۱۳۵۵ھ میں مصر سے طبع کراکر شائع کیا۔

امام ابویوسف سے بھی کتاب الآثار کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں ایک یہی ان کے صاحبزادے امام یوسف مذکور اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو محدث خوارزمی نے عمرو کی روایت کو "جامع المسانید" میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے اور اس کتاب کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابویوسف تک نقل کردی ہے۔

ظلمت کدۂ ہند میں نشاۃ اسلامی کا علمبردار

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ || مولوی علیم الدین اجمیری

ہندوستان میں حضرت خواجہ سے قبل چشتی بزرگوں کی آمد کا ذکر اگرچہ تاریخ میں ملتا ہے لیکن صحیح معنوں میں سرزمین ہند میں شجر چشتی کو نصب کرنے اور اسے ایک تناور درخت بنانے میں حضرت خواجہ اجمیری کے ہاتھوں کا کرشمہ ہے۔

ولادت ونام ونسب آپ کا نام نامی حسن اور لقب معین الدین ہے، ۵۳۷ھ میں آپ کتم عدم سے عالم وجود میں آئے، آپ کا نسب نامہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا کر ملتا ہے، نسب نامہ ملاحظہ کیجئے۔

خواجہ معین الدین بن سید خواجہ غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد ادریس بن امام حسن عسکری بن امام تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن حضرت زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

آپ کا اصل وطن مالوف سجستان ہے اسی لئے آپ کی نسبت سجزی ہے، عرف عام میں سنجری غلط مشہور ہوگیا ہے، آپ کی تعلیم وتربیت خراسان میں ہوئی۔

ابھی آپ نے عمر کی پندرہ بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے، یہ جانگداز حادثہ ماہ شعبان ۵۴۴ھ میں پیش آیا، وراثت اور بابوتی میں ایک پن چکی اور ایک باغ آپ کے حصہ میں آیا جن کی آمدنی سے زندگی بسر کرتے تھے۔

زندگی میں انقلاب آپ کی زندگی کا وہ دن کتنا مبارک تھا جس میں آپ کی قسمت کا ستارہ دنیوی ظلمتوں کے بادل کو چیرتا ہوا آپ کے افق حیات پر روشن ہوگیا، حسب معمول باغ کی آب پاشی اور سینچائی میں مصروف تھے کہ اچانک شیخ ابراہیم قندوزی

نامی مجذوب وہاں وارد ہوئے، جود و سخاوت اور ضیافت و مہمان نوازی آپ کی عادت ثانیہ تھی، آپ نے شیخ کا پرتپاک استقبال کیا اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے لے گئے اور باغ سے انگور کے خوشے لے کر آئے، شیخ ابراہیم ایک صاحب نظر بزرگ تھے، انھوں نے حضرت خواجہ کی پیشانی پڑھ لی اور بخوبی سمجھ گئے کہ آج کا یہ معمولی نوجوان جو ایک باغ کو سیراب کر رہا ہے، کل یہی انسانیت کی سوکھی کھیتی کی تشنگی بجھائے گا، جو خوش نصیب بھی اس کے ہاتھوں سے جام محبت نوش کرے گا عشق الٰہی میں مست و سرشار ہو جائے گا، بہرکیف شیخ قندوزی نے برغبت انگور کھائے اور خواجہ کی مہمان نوازی، حسن اخلاق، خلوص و محبت کے برتاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اپنے گریبان سے کوئی شئی نکال کر پہلے اس میں سے قدرے خود تناول فرمایا بقیہ حضرت خواجہ کی جانب بڑھا دیا، اس کا کھانا تھا کہ آپ کی حالت میں ایک عظیم انقلاب آگیا، اب آپ پہلے جیسے نہ رہے بلکہ آپ پر انوار الٰہی منکشف ہونے لگے، حجابات اٹھتے دکھائی دیئے، ماحصل یہ کہ آپ کا دل دنیا اور اہل دنیا سے اچاٹ ہو گیا، وہی باغ جس کو زیادہ سے زیادہ ثمرآور بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اس سے دل متنفر ہو گیا، چنانچہ چکی اور باغ جس پر بظاہر معیشت کا مدار تھا اسے فروخت کر کے اللہ کی راہ میں صرف کر دیا، یہیں سے آپ کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، تلاش حق میں گھر سے نکل پڑے، پہلے سمرقند پہنچے۔

ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل

آپ کے تعلیمی سلسلہ کی ابتدا سمرقند سے ہوتی ہے یہیں آپ سب سے بڑی نعمت یعنی حفظ کلام اللہ سے سرفراز ہوئے، پھر آپ نے عراق کا رخ کیا، بعدازاں ہرون نامی ایک موضع میں جو نیشاپور کے نواح میں ہے جا کر حضرت خواجہ عثمان ہرونی کی زیارت و بیعت کا شرف حاصل کیا اور شیخ کی صحبت میں ایک طویل عرصہ تک رہ کر ان کی حسب ہدایت ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہے۔ تا آنکہ تزکیۂ نفس کے بعد خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء تحریر کرتے ہیں۔

جب مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت سے نوازا تو سر پر کلاہ چار ترکی رکھتے ہوئے فرمایا، چار ترکی سے مراد چار چیزوں کا ترک کرنا ہے، اول دنیا کو ترک کرنا، دوسرے عقبیٰ کو ترک کرنا کہ سوائے ذات باری کے کوئی چیز مقصود نہ ہو، تیسرے غذا اور نیند کا ترک کرنا مگر تھوڑی سی سد رمق کے لئے چوتھے خواہشات

نفسانی کا ترک کرنا یعنی نفس کی خواہش کے خلاف کرنا، جو شخص ان چار چیزوں کو ترک کرے کلاہ چار ترکی پہننا اسی کو مناسب ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ص۱۵۹ ج۱)

سیر و سیاحت اور بزرگان وقت کی خدمت میں حاضری | خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے

بعد آپ ایک مدت تک سیروا فی الارض پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بلاد اسلامی کی سیر و سیاحت کرتے رہے، دوران سفر حضرت ہرونی کی معیت حاصل رہی، اسی سفر کے دوران سنجان پہنچے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضری دی، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے اور ان دونوں مقامات مقدسہ کے سینکڑوں علماء سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، مزار اقدس پر حاضری کے وقت جب پیر و مرشد نے آپ کیلئے دعا کی تو غیبی ندا آئی "معین الدین دوست ماست اورا قبول کردم و برگزیدم" گویا کہ بارگاہ رسالت سے سفر ہند کی اجازت مل گئی۔

پھر ۵۵۰ھ مطابق ۱۱۵۵ء میں قصبہ گیلان حاضر ہو کر پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے شرف نیاز حاصل کیا، صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ آپ کی اور شیخ عبدالقادر رح کی معیت ستاون روز رہی اور حضرت شیخ جیلانی نے بوقت ملاقات بطور پیشین گوئی کے فرمایا: یہ مرد مقتدائے روزگار ہے بہت سے طالب حق اس کے ذریعہ منزل مقصود کو پہونچیں گے۔
(سیر الاقطاب ص۱۰۲ احسن السیر ص۱۳۳)

دوران گفتگو حضرت جیلانی سے ہندوستان کے سفر کا ارادہ ظاہر کیا، تو شیخ نے فرمایا: معین الدین! ہندوستان سرحد پر ایک شیر بیٹھا ہوا ہے اس سے ہوشیار رہنا۔ (اضافات حمید ص۱۲)
حضرت شیخ جیلانی کا یہ کنایہ شیخ ہجویری داتا گنج بخش کی طرف تھا۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے مرشد شیخ ضیاء الدین سے بھی آپ کا ربط و ضبط رہا، اسی طرح خواجہ اوحد الدین کرمانی سے ملاقات اور شیخ کرمانی کا حضرت خواجہ سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کا ذکر بھی سیر العارفین میں ملتا ہے، یہاں سے آپ نے شام کی طرف کوچ کیا اس سفر کی تفصیل بزبان حضرت خواجہ بقلم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی " ملاحظہ فرمایئے

ایک مرتبہ میں ایک شہر میں پہونچا جو شام کے نزدیک ہے، یہاں ایک بزرگ احمد محمد الواحد غزنوی ایک غار میں رہا کرتے تھے کمزور و لاغر، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دو شیران کے سامنے کھڑے تھے دعاگو (خواجہ اجمیری) شیروں کے خوف سے نزدیک نہیں گیا، جب شیخ غزنوی نے دیکھا تو فرمایا چلے آؤ، ڈرو نہیں اور کہنے لگے اگر کسی کو ضرر رسانی کا قصد نہ کروگے تو وہ بھی تمھیں کوئی نقصان نہیں پہونچائیگا شیر کیا چیز ہے جو اس سے خوف کیا جائے۔ جو خدا سے ڈرتا ہے اس سے سب ڈرتے ہیں، پھر پوچھا کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے کہا بغداد سے، کہنے لگے: خوب آئے درویشوں کی خدمت کیا کرو تاکہ تم مرد بزرگ بن جاؤ۔ (دلیل العارفین از خواجہ قطب الدین ص۱۹)

پھر آپ ہمدان میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کرتے ہوئے تبریز پہونچے، وہاں سے یہ مرد خدا اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی سے فیض حاصل کرکے استرآباد وارد ہوا وہاں شیخ ناصر الدین استرآبادی کی زیارت کی (جو حضرت بایزید بسطامی کی اولاد میں ہیں) بعدازاں بخارا کو زینت بخشی دوران سفر آپ کو اصفہان میں ایک ایسا نوجوان ملا جو مرشد کی تلاش میں شہر شہر کی خاک چھان رہا تھا، بعد میں یہی نوجوان آپ کے فیض تربیت سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور عالم ہوا، شیخ قطب الدین اسی وقت حضرت خواجہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے اس سفر میں جتنے بھی عقیدت مند ساتھ تھے بجز حضرت خواجہ قطب الدین کے سب کو رخصت کیا اور فرمایا میں اب اس مقام کا سفر کر رہا ہوں جہاں میرا مدفن ہے، پھر آپ بلخ ہوتے ہوئے غزنی کے راستے ہندوستان پہونچے۔

ہندوستان میں آمد

آپ نے سب سے پہلے لاہور کو زینت بخشی، یہاں کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت خواجہ نے داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کشی کی ہے پھر لاہور سے ملتان میں قدم رنجہ ہوئے، بعدازاں دہلی کی طرف کوچ کیا اور بالآخر ۱۰ محرم الحرام ۵۶۱ھ میں دہلی کو تشنہ کام چھوڑ کر اپنے مدفن یعنی اجمیر کی طرف چلدیئے۔

اجمیر میں قیام

خوب منجھ سنجھا کر دنیا کو روندتا ہوا یہ مرد کامل اور اللہ کا ولی اجمیر پہونچا اس وقت اجمیر دار السلطنت کی حیثیت رکھتا تھا اور تخت شاہی پر چوہان خاندان کا مشہور و معروف راجہ رائے پتھورا براجمان تھا، چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا

ہوا یہ شہر راج گھر ہی نہ تھا بلکہ مذہبی اعتبار سے بھی اس کو ایک اہم مقام حاصل تھا، حقیقت یہ ہے کہ اجمیر راجپوت سامراج کا عظیم مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا، دور دور سے ہندو اپنی مذہبی رسومات پوری کرنے کے لئے اجمیر آتے تھے، آپ نے اجمیر کو اپنے قیام کے واسطے شاید اسی لئے منتخب کیا تھا کہ اجمیر اس وقت سیاسی و مذہبی دونوں حیثیتوں کا حامل تھا۔

اس حق پرست نے جب ضلالت و تاریکی کے اس عظیم مرکز میں قیام کیا تو تمام باطل قوتیں اس کی مخالفت پر مجتمع ہوگئیں اور ہر چہار طرف سے مخالفتوں کے طوفان امنڈ پڑے لیکن عزیمت واستقامت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا اور بڑے عزم وحوصلہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتا رہا، جوگیوں اور نجومیوں نے رائے پتھورا کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ ایک دنیا سے بیزار درویش تیری حکومت کا قلع قمع کرے گا، شاید یہی وجہ تھی کہ آپ کے پہنچنے پر آپ کو قیام کے لئے ایک جھونپڑی کی جگہ تک دینے کا رائے پتھورا روادار نہ ہوا۔

بہرحال آپ مشکلات ومصائب کو نظر انداز کر کے یاد الٰہی اور خلق خدا کی ہدایت میں زندگی کے دن گذارنے لگے، لیکن راجہ اور اس کے حکام آپ کو نت نئے طریقے سے پریشان کرتے رہے تاکہ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں، انھیں جب اپنی خواہش کسی طرح پوری ہوتی نظر نہ آئی تو ہندو جوگیوں کو خواجہ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ اپنے جادو اور شعبدوں سے انھیں مغلوب کریں، لیکن خدا نے حضرت خواجہ کی نظر میں وہ تاثیر رکھی تھی کہ جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتے وہ آپ کی محبت کا اسیر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو جاتا۔ احوال پیران چشت میں تحریر ہے

نظر شیخ بر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے باز گرد معصیت نگشتے :

چنانچہ جب اجمیر ہی کا نہیں بلکہ پورے ہندوستان کا مشہور جوگی جے پال (جس گھاٹی میں رہتا تھا آج بھی اسے جے پال گھاٹی کے ساتھ موسوم کرتے ہیں) سے حضرت خواجہ کا معرکہ ہوا، معرکہ کیا گویا حق و باطل کی جنگ تھی، نتیجۃً جوگی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور آپ اپنی کرامت و روحانی قوت سے اس پر غالب آگئے اور وہ تائب ہو کر آپ کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوا جس کا اسلامی نام عبداللہ گیا، جے پال کے مشرف باسلام ہونے سے بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے

ایسے نازک حالات، بھیانک ماحول اور پرخطر جگہ میں آپ نے جو دینی و اصلاحی خدمت انج

دی وہ آپ کی قوت تاثیر کا پتہ دیتی ہے نیز جس پر آشوب شہر کو آپ نے اپنی اصلاحی تحریک کے لئے منتخب کیا وہ آپ کے عزائم کی پختگی اور خود اعتمادی کا بین ثبوت ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، رقم طراز ہیں۔

ایک ایسے زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحب کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ ان کی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار ہے (اخبار الاخیار ص۲۲)

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس وقت اجمیر کی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی حالت ناگفتہ بہ تھی، اوہام پرستی اپنے عروج پر تھی، انسان اپنی انسانیت کے وقار کو کھو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے حیوانات و جمادات حتی کہ گوبر کے سامنے بھی اپنی جبیں جھکانے میں ذرا بھی عار محسوس نہ ہوتی ہر شخص نہ صرف من و تو کی بلا میں اسیر بلکہ ایک دوسرے سے برسر پیکار، ہمہ وقت جنگ پر تیار تھا اخوت و اتحاد عنقا تھی، چھوت چھات کا عام رواج تھا، زندگی کی ساری لذتیں ٹھاکروں، راجاؤں اور راجپوتوں کے لئے مخصوص تھیں، اس دور میں غریب عوام کو جن مصائب و آلام سے گذرنا پڑ رہا تھا اس کی دردناک تصویر ابوالریحان البیرونی نے کتاب الہند میں یوں کھینچی ہے۔

زندگی ان کے لئے بوجھ تھی، اللہ نے انھیں آدمی بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

لیکن آپ کی اجمیر آمد سے ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب برپا ہو گیا لامذہبیت و لادینیت کا جنازہ نکل گیا، چھوت چھات کے بالمقابل آپ نے نظریۂ توحید کو عملی حیثیت سے پیش کیا، اور بتایا کہ یہ صرف نظری چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کرنے پر ذات پات کی تفریق بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، اس نظریے کو سن کر جو لوگ زندگی کو ایک بوجھ سمجھتے تھے وہ زندگی کو ایک عظیم نعمت سمجھنے لگے، لیکن جوں جوں پروانے شمع کی طرف لپکتے، اور بھٹکی ہوئی انسانیت راہ راست پر آتی راجہ کے دل میں کڑھن اور زیادہ ہوتی اور اس کے ظلم و ستم کے جذبات بھڑکنے لگتے چنانچہ اس نے بے محابا ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے اور اس شمع کو جسے آپ نے باد مخالفت کے تیز و تند جھونکوں میں روشن کیا تھا بجھانے کی ناکام کوشش کرتا لیکن اب وہ ایک شمع نہ تھی بلکہ ایک شعلۂ جوالا بن چکی تھی جس کی ایمانی شعاعوں سے راجہ کے

درباریوں کی نگاہیں بھی چکا چوند ہونے لگی تھیں، اس لئے راجہ نے خواجہ صاحب کے ساتھ آپ کے حلقۂ
ارادت میں داخل ہونے والوں کو بھی ستانا شروع کردیا، چنانچہ واقعہ مشہور ہے کہ شیخ کے وابستگان
میں سے ایک راجہ کا نوکر تھا، اس نے راجہ کے مظالم کی داستان سنا کر خواجہ کے پاس فریاد کی، خواجہ صاحب نے
راجہ پرتھوی راج کے پاس اس مظلوم کی سفارش کی، سفارش قبول کرنا تو درکنار اپنے شیخ کو جلی کٹی باتیں کہہ کر
اپنے دل کی بھڑاس نکالنی چاہی اور آپ کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، راجہ کی اس بیہودہ حرکت پر
اللہ کے اس ولی کامل کو جلال آگیا۔ اور فرمایا "پتھورا را زندہ گرفتیم دادیم" خدائے علیم وقدیر نے اپنے
ولی کی اس بات کو حرف بہ حرف صادق کردیا، چنانچہ سلطان معز الدین معروف بہ شہاب الدین غوری کا راجہ سے مقا
ہوا، بالآخر راجہ کو شکست ہوئی اور زندہ پکڑا گیا، اس کے بعد آپ کے راستے میں کوئی روڑا نہ تھا، آپ
اپنی سرگرمیاں تیز کردیں، جس کی بنا پر ایمان واسلام کی خنک خنک ہواؤں سے پورا ہندوستان جھوم اٹھا

رشتۂ ازدواج اور اولاد

وقت اور حالات نے ابھی تک آپ کو النکاح من سن
کے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا موقع
دیا تھا، جب حالات کچھ موافق ہوئے تو اجمیر ہی میں آپ اس سنت سے بھی عہدہ برآ ہوئے اور
کے بجائے دو شادیاں کیں، ایک حاکم اجمیر سید وجیہ الدین (اجمیر کی فتح کے بعد سلطان
نے انھیں یہاں کا گورنر مقرر کیا تھا) کی صاحبزادی عصمت اللہ بی بی سے، اور دوسری شادی ا
نو مسلم راجکماری سے جو آپ کے ہاتھ پر اسلام لاکر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئی تھیں،
تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئیں (۱) سید فخر الدین جو کہ آپ سے خلافت یافتہ تھے ا
مزار سرواڑ ضلع اجمیر میں ہے اور یہیں آپ کا قیام بھی تھا، زیارت گاہ خاص وعام ہے (۲) سید ض
(۳) سید حسام الدین، اور صاحبزادی کا اسم گرامی بی بی حافظہ جمال ہے انھیں بھی حضرت سے خ
ملی تھی، ان تینوں بھائی بہنوں کا مزار حضرت خواجہ کے مزار کے احاطہ میں ہے۔

سادگی اور تواضع

اس مقبولیت عامہ اور ہر دلعزیزی کے باوجود خواجہ کی زندگی نہا
سادہ تھی جس کا نقشہ تاریخ مشائخ چشت میں یوں کھینچا ہے
خواجہ اجمیری کی زندگی سادہ لیکن دلکش تھی ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی
کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا رہتا تھا، پانچ مثقال سے

کی رونق کبھی میسر نہ آئی۔

وفات بالآخر اللہ کے اس محبوب کا خدا کے دربار سے بلاوا آگیا، اور حضرت خواجہ بفحوائے دلوآیتہ کے فریضہ کو زندگی بھر انجام دے کر دوشنبہ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ م ۱۲۳۵ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین جزاءً حسناً۔

مزار کی تعمیر اور مرجعیت خواجہ کی قبر پہلے اینٹ کی تھی، بعد میں پتھر کی صندوق اسی پہلی قبر پر بنادی گئی اسی وجہ سے قبر فی الحال بہت بلند ہے، خواجہ کے مقبرے کی تعمیر سب سے پہلے خواجہ حسین ناگوری کے ہاتھوں محمود شاہ خلجی کے زمانہ میں ہوئی جس کی تفصیل شیخ اکرام نے یوں لکھی ہے

حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان کی نعش مبارک اسی حجرے میں دفن کر دی گئی جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے، لیکن پختہ مزار کوئی تعمیر نہ ہوا اور آپ کی وفات کے کوئی ڈھائی سو سال تک بیرونی دنیا نے اجمیر اور خواجہ اجمیر کو فراموش کئے رکھا، فقط شیخ حمید الدین ناگوری کے جانشین کبھی کبھی راجپوتانہ کے دوسرے بڑے اسلامی مرکز ناگور سے آتے اور زیارت و دعا، فاتحہ سے فیض یاب ہوتے ۱۴۶۴ء میں خواجہ حسین ناگوری نے مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود خلجی سے استدعا کی اور خواجہ کا پختہ مزار تعمیر ہوا۔ (آب کوثر ۲۱۵)

یہ مرد حق ہیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن دلوں میں ہنوز اس کی تصویر نقش ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہند بلکہ پورے ایشیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں کی تعداد میں ہندو مسلمان زیارت کے لئے آتے ہیں، آج کی بات نہیں بلکہ ہر زمانے میں عام لوگ ہی نہیں بلکہ فرماں روایان وقت بھی حضرت خواجہ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے آئے ہیں۔

چنانچہ مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے راجپوتوں سے جنگ کے وقت خواجہ صاحب کے مزار پر حاضری دی، اور جب فتح ہوئی تو اس خوشی میں مزار شریف کے احاطہ میں ایک مسجد بنوائی جو اب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے، بلند دروازہ اور دیگر عمارتیں بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

شہنشاہ اکبر کا لڑکا شہزادہ سلیم جب پیدا ہوا تو اس خوشی میں سلطان وقت پا پیادہ روپے اشرفیاں لٹاتا ہوا اجمیر حاضر ہوا، ایک مسجد بنوائی جس کی مضبوط دیواریں اور شان و شوکت آج بھی

برقرار ہے اور خانقاہ کے لئے کئی عمارتیں اور شہر کے اردگرد چونے اور پتھر کی شہرپناہ بنائی جہانگیر کے آٹھویں سنہ جلوس میں اجمیر حاضری کی کیفیت خود اس کی زبانی اس کی تزک میں پڑھئے، لکھتا ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپے کے صرفہ سے مزار مبارک کے گرد طلائی محجر تیار کروایا۔

شاہجہاں بھی اجمیر حاضر ہوا اور روضۂ مبارک کے پاس سنگ مرمر کی ایک حسین مسجد بنوائی، جو خوبصورتی میں شاہجہاں کے حسن ذوق کی ایک یادگار ہے۔ عالمگیر اورنگ زیب بھی کئی مرتبہ اپنے مستقر سے پاپیادہ اجمیر تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ کی ادبی حیثیت

قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ کے ہر تذکرہ نگار اس پہلو کو بیان کرتے ہیں جو مبلغانہ ومصلحانہ کوششوں اور روحانی عظمت کا حامل ہے لیکن اسکے ساتھ آپ کی زندگی کا یہ پہلو بھی علم وادب کے شائقین کے لئے پرکشش ہے کہ آپ ایک اونچے درجے کے شاعر بھی تھے، شیخ اکرام کے بیان کے مطابق آپ کے اشعار کی تعداد ساٹھ ہزار ہے۔ (آب کوثر ص۲۰۱)

فارسی کے مشہور تذکرہ آتشکدہ میں آپ کی مندرجہ ذیل دو رباعیاں نقل ہوئی ہیں۔

عاشق ہردم فکر رخ دوست کند — معشوق کرشمۂ کہ نکو ست کند

ما جرم وگنہ کنیم و او لطف وعطا — ہر کس چیزے کہ لائق او ست کند

اے بعد نبی برسر تو تاج نبی — اے دادہ شہاں زتیغ تو باج نبی

آئی تو کہ معراج تو بالاتر شد — یک قامت احمد زمعراج نبی

علامہ اقبال نے اپنی ایک تصنیف میں ذیل کا شعر حضرت خواجہ بزرگ سے منسوب کیا ہے۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

تصنیفات

صحیح طور پر یہ فیصلہ کرنا آج دشوار ہے کہ آپ نے کوئی تصنیفی یادگار چھوڑی ہے یا نہیں، البتہ یہ چند کتابیں آپ کی طرف منسوب ہیں، رسالہ در کسب نفس، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوان معین، دلیل العارفین، انیس الارواح (جس میں حضرت خواجہ نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہرونی کی اٹھائیس مجلسوں کے ملفوظات جمع کئے ہیں) واللہ

خواجہ صاحب کے مشہور خلفاء

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت خواجہ کے علوم و معارف سے پورا ہندوستان فیضیاب ہوا لیکن چند حضرات وہ ہیں جو نہ صرف فیضیاب ہوئے بلکہ خرقۂ خلافت حاصل کیا اور معروف زمانہ ہوئے وہ یہ ہیں

قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ المتوفی ۶۳۳ھ مزار مبارک مہرولی دلی میں ہے

شیخ حمید الدین سنوالی ناگوری، مزار مبارک ناگور میں ہے

شیخ وجیہ الدین المتوفی ۶۹۱ھ مزار اجمیر میں ہے.

خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند المتوفی ۶۹۲ھ مزار سرواڑ ضلع اجمیر میں ہے

عبداللہ المعروف جے پال المتوفی ۶۶۶ھ مزار اجمیر میں ہے

بی بی حافظہ جمال صاحبزادی، مزار اجمیر میں ہے۔

حکمت و نصیحت

ذیل میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے چند ملفوظات اخبار الاخیار سے نقل کئے جا رہے ہیں جس پر آج بھی عمل کر کے دین و دنیا دونوں کی بھلائی حاصل کی جاسکتی ہے اور خالق و مخلوق دونوں سے تعلقات آستوار کئے جاسکتے ہیں

(۱) فرمایا! میں نے حضرت شیخ عثمان ہرونی کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ جس شخص کے اندر یہ تین باتیں پائی جائیں، یقینی طور پر جان لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہے. اول دریا کی طرح سخاوت، دوم آفتاب کی طرح شفقت، سوم زمین کی طرح تواضع۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دریا بغیر کسی امتیاز و تفریق کے ہر شخص کو سیراب کرتا ہے، اسی طرح جب انسان دوسروں کو اپنی ذات سے فائدہ پہونچائے. جس طرح آفتاب ہر دور و نزدیک کو اپنی روشنی اور گرمی سے بہرہ ور کرتا ہے اسی طرح جب آدمی اپنے علم و مرتبہ کے ذریعہ بلا کسی تفریق کے نفع پہونچائے اور جس طرح زمین کو حیوانات جیسے چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں کوئی اسے پھاوڑوں سے کھودتا ہے، کوئی اس پر غلاظت اور گندگی ڈالتا ہے لیکن زمین ان سب باتوں کو فراموش کر کے سب کے لئے فرش و بچھونا بنی رہتی ہے اسی طرح جب بندہ خدا خلق کی اذیتوں کو برداشت کر کے ان سے تواضع و انکساری کا معاملہ کرے، ان تینوں صفات کا حامل انسان اللہ کا محبوب و مقرب بندہ بن جاتا ہے، حضرت خواجہ اجمیری کے حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت خواجہ کے اندر یہ تینوں باتیں پورے طور پر موجود تھیں اور وہ واقعی اللہ کے محبوب بندہ تھے۔

(۲) فرمایا! محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ مالک کی اطاعت و فرماں برداری میں لگے رہنے کے باوجود ڈرتا رہے کہ کہیں میری کسی حرکت پر اپنے در سے نہ بھگادے۔

تشریح:۔ یہی عین محبت ہے اور اس کی تعبیر شریعت اسلامی میں الایمان بین الخوف والرجاء سے کی گئی ہے، یعنی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے جلال سے ہر وقت خوف زدہ رہتا ہے اور ساتھ ہی اس کی صفت جمال سے عفو و رحمت کی لو بھی لگائے رہتا ہے

(۳) فرمایا! گناہ انسان کو اتنا نقصان نہیں پہونچاتا جس قدر کہ کسی مسلمان کی اہانت اور بے عزتی کرنے سے انسان کو نقصان پہونچتا ہے۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ایسی عظیم دولت ہے کہ پوری کائنات اس کے مقابلہ میں ایک کوڑی کا درجہ بھی نہیں رکھتی، چونکہ بندۂ مومن کا قلب اس دولت سے مالا مال ہوتا ہے اسلئے اس کی توہین اور بے حرمتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

(۴) فرمایا! بدبختی و بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول ہونے کے ساتھ مقبول و محبوب ہونے کی بھی امید لگائے رکھے۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ان کے حکم کی مخالفت چھوڑ دے، پھر اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہو کر مجھے اپنا مقرب اور مقبول و محبوب بندہ بنالیں، یہی عقل کا بھی تقاضا ہے

(۵) فرمایا! دنیا میں سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ اللہ کے نیک اور صالح بندے ایک دوسرے کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اور بدترین بات یہ ہے کہ اللہ والے باہم دور رہیں۔

تشریح:۔ چونکہ اللہ کے نیک بندوں کے قلوب آئینہ کی طرح ہوتے ہیں، لہذا جب ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھیں گے تو ہر ایک کے دل پر دوسروں کے نور کا عکس پڑے گا، اس طرح ان کی نورانیت میں اضافہ ہوگا اور جب باہم دور دور رہیں گے تو یہ بات حاصل نہ ہوگی، اسی لئے حدیث میں فرمایا ہے المؤمن مرآۃ المؤمن۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے مثل آئینہ کے ہے کہ جس طرح آئینہ سے چہرے کی اچھائی اور برائی نظر آجاتی ہے، اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کے اعمال کے آئینہ میں اپنے کاموں کی اچھائی اور برائی معلوم کرلیتا ہے۔ (اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص۳۰-۲۹)

دوسری قسط

قرآن کی تسہیل وتحسین کے مراحل

از:- قاری ابوالحسن اعظمی، استاذ تجوید وقرارت، دارالعلوم دیوبند۔

فمی بشوق حضرت اوس بن حذیفہ ثقفیؓ نے صحابۂ کرام سے دریافت فرمایا: **کیف تحزبون** القرآن، قالوا ثلث وخمس وسبع وتسع واحدی عشرۃ وثلث عشرۃ وحزب المفصل وحدہ یعنی آپ حضرات قرآن کے منازل کے حصے اور اس کا ورد کس طرح کرتے ہیں؟ صحابہ نے بتایا۔ ایک دن شروع کی تین سورتیں (بقرہ سے نساء تک) دوسرے دن اس کے بعد پانچ سورتیں (مائدہ سے برأت تک) تیسرے دن اس کے بعد سات سورتیں (یونس سے نحل تک) چوتھے دن اس کے بعد نو سورتیں (بنی اسرائیل سے فرقان تک) پانچویں دن اس کے بعد گیارہ سورتیں (شعراء سے یٰسین تک) چھٹے دن اس کے بعد تیرہ سورتیں (والصّٰفّٰت سے حجرات تک) اور ساتویں دن تمام مفصلات (قٓ سے آخر تک) (ابو داؤد شریف باب فی کم یقرأ القرآن)

پھر حجاج کے زمانہ میں انھیں احادیث سے اخذ کر کے فَمِیْ بِشَوْقٍ (میرا منہ مبتلاء شوقِ قرآن ہے) کی اصطلاح مقرر ہوگئی اور اس طرح ایک ہفتہ میں جمعہ سے شروع ہو کر جمعرات تک قرآن کریم ختم ہوجاتا تھا، اسی طرح سات منازل بھی مقرر کی گئیں۔

سیدنا حضرت عثمان رضؓ، حضرت زید بن ثابت رضؓ، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا معمول بھی یہی تھا، یہ اعراب وتنقیط اور تجزیہ وغیرہ کی قرآنی خدمات عہد بنو امیہ میں انجام پائیں، پھر اہل مصر ومغاربہ نے قرآن کو ساٹھ حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے انھیں حزب کے نام سے موسوم کیا جو تقریباً نصف پارہ ہوتا ہے، پھر ہر حزب کے چار حصے بنالئے جن میں سے ہر ایک کو ربع حزب کہتے ہیں۔

رکوع:- رکوع کی علامات تقریباً [illegible] کے آغاز میں ماوراء النہر کے علماء اور مشائخ وفقہاء

نے مقرر کی ہیں، اس سے پہلے لوگوں نے تراویح میں پڑھنے کے لئے دس دس آیتوں (تعاشیر) کی نشانیاں لگا رکھی تھیں مگر ان میں مضامین اور معانی کا کوئی لحاظ نہیں تھا، پانچ سو چالیس رکوع مقرر کئے گئے، مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد شاید ابتدائی تھی، موجودہ تعداد پانچسو ستاون ہے۔ بہرحال رکوع کی اس وضع میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا، اوّل یہ کہ کوئی رکوع نماز کے اندر قرارت کی فرض مقدار سے کم نہ ہو، دوسرے اس بات کی کوشش کی گئی کہ ہر رکوع ایک مکمل مضمون پر مشتمل ہو، واضعین رکوع اس سعی میں کامیاب ہیں، باستثنار سورہ واقعہ کہ اس سورہ کا پہلا رکوع جو آیت ۳۸ لفظ الْيَمِينِ ۝ پر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ رکوع دو آیت کے بعد آیت ۴۰ کے لفظ مِنَ الْآخِرِينَ ۝ پر ہو۔

کتابت وطباعت قرآنی کے مراحل

عہد نبویؐ سے لے کر آج تک قرآن عزیز کی کتابت وطباعت میں دنیا بھر کے مسلمانوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر صلاحیتوں اور استعداد سے کام لیا، اس کی تحسین وتزئین میں عجیب وغریب انداز اختیار کرتے ہوئے حیرت انگیز فنکارانہ مہارت وکمال کے مظاہرے کئے ہیں۔

عہد بنوامیہ، خطاطی کی ترویج وترقی میں ایک نمایاں دور نظر آتا ہے، اس دور کے پہلے معروف خطاط قطبہ تھے، انھوں نے اس وقت کے مروجہ خط میں تصرف کرکے چار نئے خط نکالے اور قرآن عزیز کی کتابت آب زر سے کی۔ ولید بن عبدالملک کے درباری کاتب ابن ابی الہیاج کا مختصر ذکر ابن مقلہ کے تحت گذر چکا ہے، انھوں نے خط کوفی کی نوک پلک سنوارتے ہوئے مصورانہ خطاطی کی بنیاد رکھی، انھوں نے مسجد نبوی میں خطاطی کی نمائش میں سورہ والشمس کو خطِ کوفی میں پیش کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر مطلّٰی قرآن کریم کی کتابت میں کمال خط کے ایسے جوہر دکھائے کہ اسے دیکھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی آنکھیں نمناک ہوگئیں، آپنے اسے آنکھوں سے لگایا، اور بوسہ دیتے ہوئے اس کے خطاط کو سب سے بڑا انعام یہ دیا کہ اس مصحف ہی کو بطور ہدیہ واپس کردیا۔

اس فن کی ترویج میں عہد عباسی سب سے اہم ہے، اس عہد کے ممتاز خطاط ابن مقلہ کا ذکر ابتدا میں گذر چکا ہے، ابن مقلہ کے شاگرد علی بن ہلال بن بواب تھے، انھوں نے اپنے استاذ کے خطِ نسخ

میں مزید حسن و جاذبیت پیدا کی، اپنی زندگی میں ۶۴ نسخے قرآن کریم کی خطاطی کی، ان کے بعد مشہور خطاط یاقوت بن عبداللہ الرومی المستعصمی نے اپنے استاذ ابن بوّاب کے فن کو اوج کمال تک پہنچا دیا۔

تاتاریوں کے حملوں اور سقوطِ بغداد کے بعد خطاطی کا مرکز ایران بنا، جہاں یہ فن آج بھی اپنی تمامتر رعنائیوں کے ساتھ زندہ و تابندہ ہے، ایران کی وساطت سے یہ فن برصغیر میں آیا، دورِ مغلیہ اس فن کا زرّیں دور کہلاتا ہے، ظہیرالدین بابر ایک اعلیٰ خطاط قرآن تھے، ان کا خط بابری کہلاتا ہے جہانگیر کے فرزند شہزادہ پرویز خطاط قرآن تھے۔ اسی طرح شاہجہاں کے بیٹے داراشکوہ باکمال خطاط قرآن تھے، اور حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے جس پایہ کے خطاط تھے سب کو معلوم ہے، آپ کا مکتوب قرآن کریم سب سے پہلے لکھنؤ سے شائع کیا گیا (جناب مظہر یوسف زئی کے مضمون مطبوعہ فیصل جدید ۱۲ر جولائی ۱۹۹۰ء سے ملخص)

مختصر یہ کہ پریس کی ایجاد سے پہلے قرآن کریم قلمی ہی ہوتے تھے، اور ایک بڑی جماعت کا مشغلہ ہی قرآن کی کتابت تھا، نیز قرآن کو حسین تر بنانے میں باہم مسابقہ بھی رہا

جب پریس کا دور آیا تو سب سے پہلے قرآن کریم بمقام ہیمبرگ ۱۱۱۳ھ میں طبع ہوا جس کا ایک نسخہ تاحال دارالکتب المصریہ میں موجود ہے (علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی)

اسکے بعد مستشرقین میں سے ہنکلمان نے ہیمبوگ میں ۱۶۹۴ء اور مراگی نے پاوڈا میں ۱۶۹۸ء میں طبع کرایا، ان کے علاوہ بھی بعض مستشرقین نے طبع کرائے مگر اسلامی دنیا میں اس کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی خالص اسلامی طباعت کے زیر اہتمام پہلی بار مولائے عثمان نے پیٹرس برگ (روس) میں ۱۷۸۷ء میں طبع کرایا، اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھپا، ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۲۸ء میں طہران ایران میں پتھر پر طباعت ہوئی، تبریز میں بھی اسی سال طبع کرایا، مستشرق فلوجل نے ۱۸۳۴ء میں لیزگ کے مقام پر بڑے اہتمام سے چھپوایا، یہ نسخہ یورپ میں بہت مقبول ہوا مگر اسلامی دنیا نے اسے قبول نہ کیا اسکے بعد ہندوستان میں متعدد بار چھاپا گیا — استنبول (ترکی) میں ۱۸۷۷ء میں طباعت قرآنی کا بڑا اٹھایا گیا، پھر قاہرہ میں شیخ الازہر کی زیر سرپرستی ۱۳۴۲ھ م ۱۹۲۳ء میں بقرارت امام عاصم بروایت حفص نہایت حسین و جمیل نسخہ طبع ہوا، اس واقعہ کی اہمیت تاریخی بن گئی اور یہ نسخہ اسلامی دنیا میں بیحد مقبول ہوا، یہ نسخہ ہر لحاظ سے مکمل اور معیاری تھا دنیا بھر کے علماء نے اس پر اتفاق کیا (علوم القرآن الصبحی)

دارالعلوم دیوبند کی اردو صحافتی خدمات

نواز دیوبندی کا تحقیقی مقالہ اور اس کی عصری افادیت

عادل صدیقی

"دارالعلوم دیوبند کی اردو صحافتی خدمات" نوجوان اور ہر دلعزیز شاعر جناب نواز دیوبندی صاحب کا وہ پرمغز اور تحقیقی مقالہ ہے جس پر میرٹھ یونیورسٹی کی جانب سے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے۔ نواز دیوبندی اپنی دلنواز شاعری کے سبب سے محتاج تعارف نہیں ہیں بلکہ وہ اس وقت ہر بڑے مشاعرے کی آبرو اور اس کی کامیابی کی ضمانت ہیں، لیکن ان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں، وہ محتسب بھی ہیں اور ادیب بھی شاعر بھی اور صحیح معنی میں بنی نوع انسان کے خدمت گذار بھی، قابل قدر بات یہ ہے کہ وہ صالح نوجوان شب و روز مسلم فنڈ کی ضرب و تقسیم سے الجھے رہنے کے باوجود ادبی کاوشوں کو گلے لگائے ہوئے ہیں۔

دیوبند کی سرزمین روحانیت کی رازداں رہی ہے بلکہ یہ پورا علاقہ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا آئینہ دار ہے، اس میں دیوبند اور سہارنپور کے مشائخ کی روحانیت بھی جذب ہے اور ہری دوار و رشی کیش کے پہاڑوں اور دریاؤں کی خاموشی اور روانی بھی، یہ علاقہ ہندوستان کی جنگ آزادی کا اولین مکتب بھی ہے اور مذہبی رواداری کا جیتا جاگتا نمونہ بھی، نواز دیوبندی اس ملی جلی تہذیب کے صحیح نمائندہ ہیں۔

موصوف نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے وہ اچھوتا موضوع ہے مگر اپنی اہمیت اور ضرورت کے اعتبار سے کسی بھی طرح کم نہیں، آج ہمارے نوجوانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی مستند تاریخ سے واقف نہیں ہیں، لہٰذا اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے اسی کے ساتھ ساتھ اردو صحافت پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ انگریزی زبان کے بغیر نہیں چل سکتی

نواز دیوبندی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس مقالے کے ذریعہ بڑی خاموشی سے اس اعتراض کو یکسر مسترد کردیا ہے، چنانچہ اس کی تیاری کے سلسلے میں ان کے سامنے جتنے ماخذ تھے وہ سب کے سب مستند اردو رسائل اور کتابیں تھیں جن کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے آج ہندوستان کی نوجوان نسل اپنی تاریخ سے ناآشنا ہونے کے باعث ہی قومی یک جہتی کی علامت نہیں بن سکی ہے

ڈاکٹر امیر اللہ خان شاہین سابق صدر شعبۂ اردو میرٹھ کالج کی زیر نگرانی مرتب نواز خاں کا یہ تحقیقی مقالہ گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل کے حالات اور مسلمانوں کی فتوحات کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے، اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں بہت سے غلط تصورات راہ پاگئے ہیں، مثلاً یہ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی آمد سے بہت پہلے جنوبی ہندوستان میں عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام آچکا تھا، ہندوستان میں اسلام کی ترویج و اشاعت مسلمان فقراء اور مشائخ کی صحبت اور ان کی تبلیغ سے ہوئی۔

دوسرا باب دارالعلوم کے قیام سے متعلق ہے چونکہ دارالعلوم کے قیام کی بنیاد قطعی عوامی چندے اور اشتراک پر تھی لہٰذا یہ کوشش مسلمانوں کے تحفظ کی نرالی کاوش کہی جاسکتی ہے، اس کے ذریعہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جو آج بھی جاری و ساری ہے تیسرے باب میں دارالعلوم دیوبند کی اردو صحافت کے وسیلے سے دارالعلوم کے مقاصد کے حصول کی نوعیت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھا باب اردو صحافت کے مختصر خدوخال پیش کرتا ہے، اس سے یہ بات بخوبی روشن ہوجاتی ہے کہ اس زبان کی آبیاری میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے دوش بدوش حصہ لیا پانچواں باب فرزندان دارالعلوم کی اردو صحافت کی عکاسی کرتا ہے، دارالعلوم کے علماء کی اردو صحافت سو سال سے زائد مدت سے تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، تہذیب و اخلاق اور علوم دینیہ کے احیاء اور ترقی کے ساتھ ساتھ علمی اور ادبی خدمات بھی انجام دیتی چلی آرہی ہے، چھٹے باب میں دارالعلوم سے فیض یافتہ حضرات کی ادارت و نگرانی میں شائع ہونے والے اخبار و رسائل کا گوشوارہ ہے جیسے "القاسم" "الرشید" "مخزن" "مدینہ" "بینات" "دارالعلوم" "تجلی" "نئی دنیا" "ہما" "ہدیٰ" "الحق" اکوڑہ خٹک

سیاست جدید کانپور، البدر، غنچہ، الجمعیۃ، الرشید لاہور، خدام الدین، البلاغ کراچی، مسلم انڈیا اور الفاظ علی گڑھ وغیرہ شامل ہیں۔

ساتویں باب میں علمائے دیوبند کی علمی، دینی اور لسانی خدمات اور ان کی بے پناہ صلاحیتوں کا ذکر ہے، اس صلاحیت کے ذریعہ انھوں نے مردہ قوم میں نئی روح پھونکدی، علماء کی تحریروں میں سنجیدہ اسلوب کے ساتھ ساتھ احتیاط اور پابندی کا خاص عنصر شامل رہتا ہے

آٹھویں باب میں علماء دیوبند کی اردو صحافت کے ملکی اور غیر ملکی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اردو صحافت کے ذریعہ بھی دارالعلوم کے فرزندوں نے تحفظِ دین کے لئے مسلمانانِ ہند اور دیگر مسلم ممالک کو وہ علمی اور تحقیقی مواد مہیا کیا جس سے منکرین اسلام دم بخود رہ گئے، دارالعلوم کے علماء کی نظر مخالفین کی مخالفت کے بجائے اصل اشاعتِ اسلام پر مرکوز رہی۔

نویں باب میں دارالعلوم دیوبند کے نامور صحافیوں کی تاریخ اور جائزے کے نام سے معروف اردو صحافیوں کی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے، اور ان کے علمی، ادبی اور تحقیقی کاموں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں مولانا حبیب الرحمان عثمانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا مفتی محدث مناظر احسن گیلانی، مولانا مظہر الدین شیر کوٹی، علامہ تاجور نجیب آبادی، مولانا عبد الوحید صدیقی مفتی عتیق الرحمن، قاری محمد طیب، مولانا سعید اکبرآبادی، مولانا عامر عثمانی، سید ازہر شاہ قیصر مولانا عبید اللہ انور اور مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا حامد الانصاری غازی، قاضی زین العابدین مولانا عبد الرشید ارشد، مولانا اسحاق علمی، مولانا رضوان القاسمی، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا عطاء الرحمن قدسی، مولانا حبیب الرحمن قاسمی، مولانا عبد العلی، مولانا عبد العلیم، مولانا عتیق سنبھلی مولانا عثمان غنی، مولانا اعجاز قاسمی اور پروفیسر ابوالکلام قاسمی کے نام ہیں، ان کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے جس کا مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں تفصیلی ذکر کیا ہے

دسویں باب میں صحافت کے راستے دارالعلوم کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، آخری باب "حرفِ آخر" کے عنوان سے ہے جس میں اس پورے مقالے کا خلاصہ درج ہے۔

یوں تو ہر باب مفید معلومات فراہم کرتا ہے مگر دارالعلوم دیوبند کی اردو صحافت کے دیگر

سے اس عظیم الشان ادارے کے مقاصد کی وضاحت نئی نسل کے لئے خاصے کی چیز ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وضاحت ابھی تشنہ ہے، اور اس پر مزید کام کرنے کی بڑی گنجائش ہے مگر نقش اول کے طور پر مقالہ نگار کی کوشش قابل تحسین ہے، یہ مقالہ مربوط اور دلچسپ انداز میں تحریر کیا گیا ہے اس کو شروع کرنے کے بعد جی چاہتا ہے کہ ایک ہی نشست میں ختم کیا جائے۔

نواز دیوبندی "حرفِ آخر" کے عنوان سے لکھتے ہیں" دارالعلوم کی اردو صحافتی خدمات" اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک نیا موضوع تھا۔ نیا اس معنی کہ اس پر ابھی تک نہ کام ہوا اور نہ ہی کوئی توجہ دی گئی تھی، اس تحقیقی کام میں" علمار کا نام ونمود کی نمائش سے پرہیز بہت دشوار گذار رہا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ادارے نے ایسے ایسے گوہر آبدار نکالے کہ ہر ہستی اپنی جگہ ایک عنوان ہے، اس مقالے کے مطالعہ سے صحت مند اردو صحافت کے معیارات سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے آج بڑے زور وشور سے صحافت کو مفید اور صحت مند بنانے کے لئے ضابطہ اخلاق مرتب کرنے اور اس پر عمل آوری کے لئے زور دیا جاتا ہے مگر اس عظیم الشان ادارے نے کبھی بھی اپنی تحریر اور صحافت میں ضابطۂ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا، ماہنامہ "القاسم" اور "الرشید" کے اوراق پارینہ اس بات کی کھلی گواہی دے رہے ہیں۔

یہ مقالہ محض مستند اردو صحافت کی ایک جھلک ہی پیش نہیں کرتا بلکہ اس سے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے خط وخال بھی نمایاں ہوتے ہیں اور اس صحت مند لٹریچر کی نشاندہی ہوتی ہے جسے ہر نوجوان کو پڑھنا چاہئے، اس میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی' کے مجاہدانہ کارنامے، حضرت حافظ ضامنؒ کی شہادت، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی جنگ آزادی کے سلسلے کی قربانیاں اور معرکۂ شاملی کی داستان سبھی کچھ اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نواز دیوبندی کا مقالہ اگر ہندی زبان میں منتقل ہو جائے تو نوجوان نسل کا بڑا طبقہ اردو صحافت اور قومی یکجہتی میں دیوبند قصبہ کے تاریخی کردار سے واقف ہو سکے گا۔

مَسجدِ جَدید دَارُالعُلوم دیوبند

جواپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے

دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان و معاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً چار سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک آراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔

الحمد للہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے، اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے، اس مسجد سے طلبار دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کیلئے جگہ ہوجائے گی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقۂ جاریہ ہوگا اور وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے

تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اس وقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے

اسلئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہوسکے۔

پتہ:

ڈرافٹ وچیک کیلئے: • "دارالعلوم دیوبند" اکاونٹ نمبر 30076 اسٹیٹ بنک آف انڈیا۔ دیوبند

منی آرڈر کیلئے: (حضرت مولانا) مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند۔ ۲۴۷۵۵۴ یوپی

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ ‎-/۱۸۰ روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم ‎-/۱۰۰ "
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ‎-/۷۵ "

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی، پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس اختر سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کمبل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ (مینجر)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

دارالعلوم دیوبند میں جدید طلبہ کیلئے ضروری قواعد داخلہ اور قدیم طلبہ کی ترقی و تنزل اور تکمیلات و دیگر شعبوں میں داخلے کے ضابطے

برائے سنہ ۱۲-۱۴۱۱ھ

ذمہ داران مدارس عربیہ سے درخواست

حامداً و مصلیاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبۂ عزیز کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقهون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوابهم خیراً۔ (رواه الترمذی)

بیشک بہت سے لوگ زمین کے گوشہ گوشہ سے علم دین میں تفقہ حاصل کرنے کیلئے تمہارے پاس آئیں گے، جب وہ آئیں تو تم ان کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت قبول کرو

اس لئے طلبۂ عزیز کے ساتھ خیر خواہی تمام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کا فرض اولین

ہے، طلبۂ عزیز کے لئے بہتر تعلیم، عمدہ تربیت، اچھا انتظام، اور حسب استطاعت راحت رسانی خیر خواہی کے ضمن میں آتی ہے، اور الحمد للہ مدرسہ عربیہ کے ذمہ دار اس وصیت پر عمل پیرا ہیں، ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کی ترقی، علم و فن کی ترقی، دین و دیانت کی ترقی اور مسلمانان عالم کی ترقی ہے، انھی چیزوں کے پیش نظر ذمہ داران مدارس کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا رہا ہے کہ وہ طلبہ کی استعداد سازی پر سب سے زیادہ توجہ فرمائیں اور دارالعلوم میں جس جماعت میں داخلہ کا ارادہ ہے، وہاں تک قابل اعتماد استعداد کا پیدا ہو جانا دارالعلوم میں حاضری سے پہلے ضروری سمجھیں، اور اسی لئے چند سالوں سے ماہ رجب المرجب ہی میں ضروری اصول و ضوابط کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

عربی درجات میں جدید داخلے کے قواعد

① ۱۴۱۲ھ کے تعلیمی سال میں دارالعلوم کے تمام شعبوں میں مجموعی طور پر زیادہ سے زیادہ ڈھائی ہزار قدیم و جدید طلبہ کو بہ تفصیل ذیل داخل کیا جائے گا۔

شعبہ	تعداد	شعبہ	تعداد
دورہ حدیث شریف	۶۰۰	دارالافتاء	۲۵
سال ہفتم	۴۵۰	تکمیل تفسیر	۲۰
سال ششم	۳۲۵	تکمیل الادب	۲۰
سال پنجم	۲۲۵	تکمیل العلوم	۲۰
سال چہارم	۱۷۵	شعبۂ کتابت	۳۰
سال سوم	۸۰	شعبۂ تجوید	۱۲۵
سال دوم	۵۰	شعبہ دارالصنائع	۱۰
سال اول	۲۰	شعبۂ حفظ	۱۷۵
شعبۂ دینیات اردو فارسی	۱۶۵		

② مندرجہ بالا جماعتوں میں دارالافتاء، تکمیلات، کتابت دارالصنائع قدیم طلبہ کیلئے ہیں، بقیہ جماعتوں میں قدیم طلبہ کے بعد جو عدد باقی بچے گا وہ جدید طلبہ سے مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ

پورا کرلیا جائے گا۔

(۳) مقررہ تعداد کے پورا ہونے تک اونچے نمبرات حاصل کرنے والے کو داخل کیا جائے گا اور صرف ان کو نتیجۂ امتحان سے مطلع کیا جائے گا

(۴) آنے والے جدید طلبہ سب سے پہلے "فارم برائے شرکتِ امتحان داخلہ" پر کریں گے، یہ فارم انھیں دفتر تعلیمات سے ۸ر شوال کی شام تک دیا جائے گا

(۵) سالِ اول، سالِ دوم، سالِ سوم کے لئے امتحانِ داخلہ تقریری ہوگا

(۶) سالِ چہارم، سال پنجم، سال ششم، سال ہفتم اور دورۂ حدیث کے امیدواروں کا امتحان داخلہ تحریری ہوگا۔ تحریری امتحان ۱۲ر ۱۳ر ۱۴ر ۱۵ر شوال ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۸، ۲۹ر ۳۰ر اپریل و یکم مئی ۱۹۹۱ء بروز اتوار، پیر، منگل، بدھ میں لئے جائیں گے۔

(۷) سال اول عربی کے لئے پرائمری درجہ پنجم کی سند یا اس کے مضامین کی صلاحیت اور فارسی و اردو، اردو رسم الخط اور نحو و صرف کی اصطلاحات کی جانچ ہوگی، سال دوم کے لئے سال اول کی تمام کتابوں کا تقریری امتحان ہوگا، سال سوم کے لئے سال دوم کی تمام کتابوں کا تقریری امتحان ہوگا۔ سال چہارم، سال پنجم، سال ششم، سال ہفتم اور دورۂ حدیث کے لئے پچھلے درجات کی تمام کتابوں کا امتحان تحریری ہوگا۔

سال چہارم کیلئے قدوری، ترجمۂ القرآن شرح تہذیب، نفحۃ العرب اور کافیہ یا ابن عقیل کا تحریری امتحان ہوگا۔

سال پنجم کے لئے کنز، شرح وقایہ، اصول الشاشی تلخیص المفتاح، ترجمۃ القرآن، سلم العلوم کا تحریری امتحان ہوگا

سال ششم کے لئے ہدایہ اولین، نور الانوار، مختصر المعانی، مقامات حریری کا تحریری امتحان ہوگا۔

سال ہفتم کیلئے جلالین، حسامی، میبذی، دیوان المتنبی کا تحریری امتحان ہوگا

دورۂ حدیث کے لئے ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف، شرح عقائد نسفی نخبۃ الفکر اور سراجی کا تحریری امتحان ہوگا

(نوٹ) اپنی سابقہ تعلیم کی کوئی بھی سند اگر کسی کے پاس ہو تو فارم داخلہ کے ساتھ منسلک کریں

(۸) سال اول و دوم میں نابالغ بیرونی بچوں کا داخلہ نہ ہوگا نہ ہی ان درجات میں امداد ہوگی۔

(۹) جو طالب علم اپنے ساتھ صغیرالسن بچوں کو لائیگا ان کا داخلہ ختم کر دیا جائیگا

(۱۰) جن امیدواروں کی وضع قطع طالب علمانہ نہ ہوگی مثلاً غیر شرعی بال، ریش تراشیدہ ہونا، ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونا یا دارالعلوم کی روایات کے خلاف کوئی بھی وضع ہوان کو شریک امتحان نہ کیا جائیگا۔

(۱۱) سرحدی صوبوں میں آسام اور بنگال کے امیدواروں کو تصدیق نامہ وطنیت پیش کرنا ضروری ہوگا، تصدیق نامہ کی اصل کاپی پیش کرنا ضروری ہے۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی قبول نہیں کی جائے گی، اور یہ تصدیق نامہ وطنیت کسی بھی وقت واپس نہ ہوگا۔

(۱۲) جدید امیدواروں کے لئے سابقہ مدرسہ کا تعلیمی واخلاقی تصدیق نامہ اور مارک شیٹ نمبرات کتب، پیش کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۳) نجی تصدیقات یا سماعت وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا

(۱۴) بنگلہ دیشی امیدوار حسب ذیل علماء کرام کی تصدیق لے کر آئیں

(۱) مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جامعہ حسینیہ ارض آباد میرپور ڈھاکہ (۲) مولانا فرید الدین صاحب مسعود ڈھاکہ (۳) مولانا معتصم باللہ صاحب مالی باغ بازار ڈھاکہ (۴) مولانا حافظ عبدالکریم صاحب چوکی دیکھی محلہ سلہٹ۔

(۱۵) کیرالہ کے امیدوار مندرجہ ذیل علماء کی تصدیق لے کر آئیں

(۱) مولانا نوح صاحب (۲) مولانا حسین مظاہری (۳) محمد کویا قاسمی۔

تنبیہ:۔ طلبہ کو خاص طور پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امتحان کی کاپیاں کوڈ نمبر ڈال کر ممتحن کو دی جاتی ہیں اس لئے امیدوار صرف انھیں درجات کا امتحان دیں جن کی تیاری وہ کر چکے ہیں

قدیم طلبہ کیلئے

(۱) جو طلبہ تمام کتابوں میں کامیاب ہوں گے ان کو ترقی دی جائے گی

(۲) جو طلبہ بعض کتابوں میں کامیاب اور بعض میں ناکام ہوں گے اگر وہ ۲/۳ کتابوں میں کامیاب ہوں اور اوسط بھی ۳۰ ہو تو ترقی اور امداد دیجائے گی ورنہ بلا امداد سال بھر کے لئے اعادۂ سال کر دیا جائیگا

عادۂ سال کی رعایت صرف ایک سال کیلئے ہوگی، اگر دوسرے سال بھی اعادۂ سال کی نوبت آئی تو داخلہ نہیں ہوسکے گا

(۳) تجوید، کتابت، اختبار شفاہی کے نمبرات لسلسلۂ ترقی درجہ و اوسط میں شمار نہ ہوں گے

(۴) تکمیل ادب میں صرف ان فضلاء کا داخلہ ہوسکے گا جن کا دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں اوسط کامیابی ۴۳ ہو اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہوں نیز ان امیدواروں کا مستقل امتحان بھی لیا جائے گا۔ باقی تکمیلات کے لئے ۴۰ اوسط شرط ہے۔

(۵) امیدواروں کے زیادہ ہونے کی صورت میں نمبرات اور انٹرویو کو وجہ ترجیح بنایا جائے گا۔

(۶) ایک تکمیل کے بعد دوسری تکمیل میں داخلہ کے لئے ضروری ہوگا کہ امیدوار نے سابقہ تکمیل میں کم از کم ۴۴۔ اوسط حاصل کیا ہو، اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ رہا ہو،

(۷) ایک تکمیل کی درخواست دینے والے دوسری تکمیل کے امیدوار نہ ہوسکیں گے، الّا یہ کہ ان کے مطلوبہ درجہ تکمیل میں تعداد پوری ہونے کے سبب ان کا داخلہ نہ ہوسکا ہو۔

(۸) دارالافتاء کے فضلاء کا کسی شعبہ میں داخلہ نہ ہوگا۔

(۹) جس کی کوئی بھی شکایت دارالاقامہ، تعلیمات یا اہتمام میں کسی بھی وقت درج ہوئی ہے اس کو دورۂ حدیث کے بعد کسی بھی شعبہ میں داخل نہیں کیا جائے گا

(۱۰) کسی بھی شعبہ میں داخلہ لینے والے قدیم فضلاء کو فراغت کے بعد ہی سند فضیلت دی جائے گی

(۱۱) کسی بھی تکمیل میں داخلہ کی تعداد ۲۰ سے زائد نہ ہوگی اور وہ تعداد مقابلہ کے نمبرات کے ذریعہ پوری کی جائے گی۔

دیگر شعبوں کے بارے میں

(۱) دارالعلوم دیوبند کا بنیادی کام اگرچہ عربی دینیات کی تعلیم ہے لیکن حضرات اکابر نے مختلف دینی اور دنیوی فوائد اور مصالح کے پیش نظر متعدد شعبے قائم فرمائے، شعبۂ تجوید اردو، شعبہ خوش نویسی دارالصنائع وغیرہ، ان شعبوں میں داخلے کے لئے درج ذیل قواعد پر عمل ہوگا۔

دارالافتاء

(۱) دارالافتاء میں داخلہ کے امیدواروں کے لئے وضع قطع کی درستگی کی اہمیت سب سے زیادہ ہوگی
(۲) دورۂ حدیث سے دارالافتاء کیلئے صرف وہ طلبہ امیدوار ہوں گے جن کا اوسط کامیابی ۴۴ ہوگا۔
(۳) کسی بھی تکمیل سے دارالافتاء میں داخلے کے امیدوار کیلئے سابقہ تکمیل میں ۴۵ اوسط حاصل کرنا ضروری ہوگا۔
(۴) ان تمام امیدواروں کا الگ سے بھی امتحان لیا جائیگا، اور خط و املاء کو خاص طور پر دیکھا جائیگا
(۵) دارالافتاء میں داخلہ کی تعداد ۲۵ سے زائد نہ ہوگی، اور کوشش کی جائیگی کہ معیار مذکور کو پورا کرنے والے ہر صوبہ کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے، لیکن اگر کسی صوبہ سے کوئی امیدوار مندرجہ بالا شرائط کا حامل نہ پایا گیا تو دوسرے صوبوں سے یہ تعداد پوری کرلی جائے گی، ان ۲۵ طلبہ کی امداد جاری ہوسکے گی۔
(۶) دارالافتاء میں ممتاز نمبرات سے کامیاب ہونے والے دو طلبہ کا انتخاب تدریب فی الافتاء کے لئے کیا جائے گا، یہ انتخاب دو سال کے لئے ہوگا اور ان کا وظیفہ ۳۰۰/- روپے ماہوار ہوگا۔

شعبۂ دینیات اردو، فارسی، شعبۂ حفظ قرآن

(۱) شعبۂ دینیات اردو، فارسی اور شعبۂ حفظ میں مقامی بچوں کو داخلہ دیا جائے گا
(۲) سال اول دینیات اردو اور شعبۂ حفظ میں داخلہ ہر وقت ممکن ہوگا۔
(۳) بقیہ درجات میں داخلہ ذی الحجہ کی تعطیل تک لیا جائے گا۔

شعبۂ تجوید، حفص اردو، عربی

(۱) حفص اردو میں وہ طلبہ داخل ہوسکیں گے جو حافظ ہوں، قرآن کریم ان کو یاد ہو اور وہ اردو کی اچھی استعداد بھی رکھتے ہوں، نیز ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو، ان طلبہ میں ۲۵ کی امداد جاری ہوسکے گی۔
(۲) شعبۂ حفص عربی میں ان طلبہ کو داخل کیا جائے گا جنھیں قرآن کریم یاد ہو اور وہ عربی شرح جامی یا سال سوم کی تعلیم حاصل کرچکے ہوں، ان طلبہ میں دس کی امداد جاری ہوسکے گی ا... مطلوبہ معیار کی جانچ بھی کی جائے گی۔

(۳) ان طلبہ کی اوقات مدرسہ میں حاضری ضروری ہوگی۔

قرأت سبعہ عشرہ

(۱) اس درجہ میں داخلہ کے لئے حافظ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ عربی کی سال چہارم تک جید استعداد رکھتے ہوں۔

(۲) اس درجہ میں داخل طلبہ کے لئے حفص عربی سے فارغ ہونا ضروری ہوگا اور ان کی تعداد دس سے زائد نہ ہوگی اور ان دس کی امداد بھی جاری ہو سکے گی۔

شعبۂ خوشنویسی

(۱) اس درجہ میں داخل طلبہ کی تعداد تیس ہوگی۔ اور ان کی امداد جاری ہو سکے گی۔

(۲) داخلہ کے امیدوار میں فضلاء دارالعلوم کو ترجیح دی جائے گی۔

(۳) شعبہ میں مکمل داخلہ کے امیدواروں کو امتحان داخلہ دینا ضروری ہوگا۔ اور صرف اس فن کی ضروری صلاحیت رکھنے والوں کو داخل کیا جائے گا (۴) قدیم طلبہ اگر فن کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں تو ناظم شعبہ کی تصدیق اور سفارش پر ان کا مزید ایک سال کیلئے غیر امدادی داخلہ کیا جاسکے گا بشرطیکہ ان کی کوئی شکایت نہ ہو (۵) جو طلبہ مکمل امدادی یا غیر امدادی داخلہ لیں گے، ان کو اوقات مدرسہ میں پورے چھ گھنٹے درسگاہ میں بیٹھ کر مشق کرنا ضروری ہوگا (۶) جو طلبہ عربی تعلیم کے ساتھ کتابت کی مشق کر چکے ہوں اور ناظم شعبہ ان کی صلاحیت کی تصدیق کریں تو دورۂ حدیث کے بعد مکمل داخلہ اور امداد میں ان کو ترجیح دی جائیگی۔ (۷) تمام طلبہ کیلئے طالب علمانہ وضع اختیار کرنا ضروری ہے (۸) پہلے نصف سال میں مقررہ تمرینات کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔

دارالصنائع

(۱) طالب علمانہ وضع قطع کے بغیر داخلہ نہیں لیا جائیگا (۲) معلم دارالصنائع جن کی صلاحیت کی تصدیق کریں گے ان کو داخل کیا جائے گا (۳) پہلے تین ماہ تکمیل کام کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائیگا (۴) اس شعبہ میں داخلہ دس سے زائد کا نہیں ہوگا اور ان سب کی صرف امداد طعام جاری ہو سکے گی ۵ اوقات مدرسہ میں پورے وقت حاضر رہ کر کام کرنا ضروری ہوگا۔

(جاری کردہ دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند)

قسط هفتم • مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی

سورۂ بقرہ کے رہنما اشارات

بسم الله الرحمن الرحيم

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿١٢٤﴾ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾

ترجمہ :- اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں

تب فرمایا میں تجھ کو کر دوں گا سب لوگوں کا پیشوا بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہونچیگا میرا اقرار ظالموں کو (۱۲۴) اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے (۱۲۵) اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس شہر کو امن کا اور روزی دے اسکے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لادے اللہ پر اور قیامت کے دن پر فرمایا اور جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہونچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی (۱۲۶) اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل، اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا (۱۲۷) اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی، اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان (۱۲۸) اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا (۱۲۹) اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں (۱۳۰) یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا (۱۳۱) اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بے شک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان (۱۳۲)

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ ـــــــ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥
(۱۲۴) ــــــــ (۱۳۲)

اعتراض ۱۱ :- یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و امامت پر اس رنگ سے بھی معترض تھے کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں اور خدا نے اپنی کتاب توراۃ میں ان کی نسل کو بابرکت بنایا ہے، اس لئے امامت وسیادت کا بابرکت منصب ہمارا مخصوص وابدی خاندانی وظیفہ ہے، لہٰذا کسی

اور کسی کی اقتدار اور پیروی ہمارے مقام و مرتبہ سے فروتر ہے"

آیت ۲۴ واذا ابتلیٰ ابراہیم الخ میں عرب ویہود دونوں قوموں کے ابوالآباء (جدامجد) اور مسلم پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبۂ اطاعت وسپردگی کو بطور استشہاد پیش کر کے یہود کے اس نسلی غرور کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں، اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ امامت وسیادت کا مدار نسب اور خاندان پر نہیں بلکہ اللہ کی بندگی اور اطاعت شعاری پر ہے، بنی اسرائیل نے طاعت و بندگی کے بجائے ظلم ومعصیت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا اس لئے اس برکت خیز منصب سے معزول کر دیے گئے کیونکہ کتاب الٰہی میں مذکورہ برکت کا وعدہ معصیت آشنا وظلم پیشہ نسل کے لئے تھا ہی نہیں "ولاینال عہدی الظّٰلمین"

خیر امّت کے ظہور کی معنوی تاریخ اور حضرت ابراہیم سے اس کا رابطہ:-

اب جب کہ امامت وسیادت کا تاج اس خیر اُمّت کے سر پر رکھا جارہا ہے جس کی ملّت کی اساس وبنیاد ملّت ابراہیمی کو بنایا گیا ہے: "واتّبعوا ملّۃ ابراہیم حنیفا" اور اس امت کے ظہور کا مرکز اولین وہی وادیٔ غیر ذی زرع ہے جسے حضرت ابراہیمؑ کی بے لوث قربانیوں اور اخلاص میں ڈوبی دعاؤں نے بلد امین بنادیا- ربّ اجعل ھٰذا البلد امنا ، پھر اس امت کے سفر عبودیت کا نقطۂ آغاز خدا کا وہ پہلا گھر ہے جس کو دنیا کے بتکدوں کے مقابلے میں موحد اعظم سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کی سربلندی کے اظہار کے لئے بنایا تھا- انّ اوّل بیتٍ وُّضع للنّاس للّذی ببکّۃ ، اس لئے ضروری تھا کہ حضرت کی امامت وسیادت ، بیت اللہ کی تعمیر اور دعائے ابراہیمی کا ذکر کر دیا جائے کیونکہ امت کے ظہور کی یہی معنوی تاریخ ہے چنانچہ آیت ۱۲۵ واذ جعلنا البیت الخ میں بیت اللہ کی تاریخ عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے بیت اللہ کو مرجع خلائق اور جائے امن بنایا اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم (یعنی اس پتھر کی جگہ جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانہ خدا کی تعمیر کی تھی اور معجزانہ طور پر اس پر حضرت کے قدموں کے نشان نمایاں ہوگئے تھے) کو جائے نماز بناؤ اور بنا بر کعبہ کے وقت ہم نے ابراہیم واسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے اس مبارک ومقدس گھر کو طواف واعتکاف اور نماز پڑھنے والوں کے لئے ہر قسم کی مادی ومعنوی گندگیوں

سے ہمیشہ پاک وصاف رکھنا۔

آیت ۱۲۶ میں شہر مکہ کی ایک خاص تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیم نے خدا کے حضور دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار اس وادی غیر زرع اور سرسبزی و شادابی سے یکسر محروم سرزمین کو امن و امان کا گہوارہ ایک شہر بنادے اور اس شہر میں بسنے والوں میں سے صاحب ایمان ویقین کو رزق کے لیئے ہر طرح کی پیداوار بالخصوص پھلوں کو مہیا کردے۔ ارشاد ہوا دعا قبول ہوئی البتہ ان میں جو کفر کی راہ اختیار کرے گا اُسے بھی آذوقہ حیات سے بہرہ مند کریں گے لیکن یہ انتفاع بس تھوڑی مدت کے لیئے ہوگا کیونکہ اسے پاداش عمل میں کشاں کشاں دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

تعمیر کعبہ کی عظیم خدمت اور دعائیں :-

آیت ۱۲۸ و ۱۲۹ میں تعمیر کعبہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں مذکور ہیں کہ خدا کے یہ دونوں اطاعت شعار بندے تعمیل حکم میں تعمیر کعبہ میں مشغول ہیں اور ساتھ ہی ساتھ زبان سے آقائے ذوالمنن کے حضور مصروف عجز ونیاز ہیں، دو دعاؤں یعنی اس غیر آباد بن کھیتی قطعہ ارض کو شہر امن بنا دینے اور اس کے باشندوں کو اعطائے رزق کا ذکر گذشتہ آیت میں ہوچکا ہے۔ ذیل کی آیتوں میں یہ دعائیں (۱) رب کریم! ہماری جانب سے تعمیر بیت اللہ کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطافرما (۲) پروردگار! ہم دونوں (ابراہیم واسماعیل) کو اپنا فرمانبردار بندہ بنائے رکھئے نیز ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کردے جو تیری اطاعت شعار ہو (۳) بارالہا! ہمیں ہمارے حج کے مکمل طور طریقے سمجھا دیجئے، خدایا! اس شہر امن کے باشندوں میں ایک رسول پیدا کردیجئے جو انھی میں سے ہو کہ وہ آپ کی آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائے، کتاب وسنت کی تعلیم دے اور اپنی معجزانہ تربیت سے ان کے دلوں کو انکار وجہالت اور کردار واخلاق کی گندگیوں و آلائشوں سے پاک وصاف کردے، آقائے کریم نے اپنے خلیل کی ساری دعائیں قبول کرلیں چنانچہ شہر مکہ ہمیشہ کے لئے جائے امن قرار دیدیا گیا اب وہاں قتل وغارت گری ہی نہیں بلکہ مجرموں سے قصاص لینا اور جانوروں تک کو کسی قسم کا گزند پہونچانا ممنوع ہے، باشندگان مکہ کو رزق جس وافر مقدار میں

ل، اے دُنیا کے سامنے ہے، یہ کعبہ کو یہ شرف قبول عطا ہوا کہ اسے لوگوں کا مرجع کر بار بار لوگ اسکے
پاس لوٹ کر جانے کے آرزومند رہتے ہیں اور قبلۂ صلوٰۃ بنا دیا گیا، فرماں بردار بندہ بنائے رکھنے کی قبولیت
کا مظاہرہ اس طرح کیا گیا کہ ان کی فرمانبرداری کی تعریف وتوصیف کی گئی اور دوسروں کو ان کی اتباع
کا حکم دیا گیا اور ان کی ذریت میں تاقیامِ قیامت ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اطاعت شعاری
و فرمانبرداری میں اپنی مثال آپ ہوں گے، اور بعثتِ رسول کی دعا کی قبولیت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ
وسلم کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا ؛ دعائے خلیل اور نوید مسیحا۔

بناءِ کعبہ کی اجمالی تعریف :-

تعمیرِ کعبہ سے متعلق قرآن کی آیات میں کہیں بیت اللہ کی جگہ بتانے، کہیں بنیادوں کے اٹھانے
اور کہیں بیت اللہ کو پاک وصاف رکھنے کا ذکر ہے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیت اللہ کا وجود تعمیرِ
ابراہیم سے پہلے موجود تھا اس لئے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام اس کے بانی نہیں بلکہ بنائے قدیم
پر جدید تعمیر ان کے ہاتھوں عمل میں آئی

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی تعمیر کس نے اور کس وقت کی؟ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
فتح الباری میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی بنیاد
حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور ملائکۃ اللہ نے انھیں وہ مقام بتایا تھا جہاں کعبہ
تعمیر ہونی تھی، اور اہل کتاب کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی تعمیر آدم علیہ السلام سے
دنیا میں آنے سے بھی پہلے فرشتوں نے کی تھی، پھر آدم علیہ السّلام نے اس کی تجدید فرمائی، یہ تعمیر
طوفانِ نوح تک باقی رہی، طوفانِ نوح میں منہدم ہوجانے کے بعد اس کا نشان ایک ٹیلہ کی شکل
میں موجود تھا، یہی وہ مقام ہے جس کو وحیِ الٰہی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بتایا اور انھوں نے
حضرت اسمٰعیل کی مدد سے اس کو کھودنا شروع کیا تو سابق تعمیر کی بنیادیں ظاہر ہوئیں انھیں بنیادوں
پر بیت اللہ کی تعمیر کی گئی [1]

---

[1] قصص القرآن ص ۳۲۰ ج ۱، معارف القرآن ص ۳۴۲ ج ۱ -

حضرت ابراہیم ؑ نے کعبہ کی بلندی ۹ ہاتھ اور لمبائی رکن اسود سے رکن شامی تک ۳۲ ہاتھ، رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ ہاتھ، رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ ہاتھ، اور رکن یمانی سے رکن اسود تک ۲۰ ہاتھ اور دروازہ زمین کے برابر اور کھلا رکھا تھا[1]

تعمیر قریش :-

ایک عورت کعبہ کو دھونی دے رہی تھی کہ ایک چنگاری اڑ کر غلاف کعبہ سے لگ گئی اور پورا غلاف جل گیا اور کعبہ کی دیوار پر شگاف پڑ گیا، پھر پے بہ پے سیلابوں کی وجہ سے یہ شگاف بہت بڑھ گیا تو قریش مکہ نے اس کی جدید تعمیر کی، اس تعمیر میں نبی کریم بھی شریک رہے، اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی اور بقول بعض ۲۵ سال، قریش نے اس تعمیر میں کعبہ کی بلندی ۱۸ ہاتھ کردی اور شمال کی جانب لمبائی میں سے چند ہاتھ گھٹا دیا اور دروازے کو زمین سے بلند کردیا[2]

تعمیر عبداللہ بن زبیر رض :-

سنہ ۶۴ھ میں حضرت ابن زبیر نے اموی حکومت کے بالمقابل اپنی خلافت قائم کرلی تو یزید نے حصین بن نمیر کی ماتحتی میں ایک فوج ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی، حضرت عبداللہ اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ معظمہ میں روپوش ہوگئے۔ ابن نمیر نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر کے منجنیق کے ذریعہ پتھر پھینکنا شروع کردیا، کچھ پتھر کعبہ کے اوپر بھی گرے اس کی دیواریں کمزور ہوگئیں اور غلاف بھی جل گیا، اس کے بعد حضرت عبداللہ نے خانہ کعبہ کی عمارت گرا کر از سر نو تعمیر کی، انھوں نے کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر قائم کیا کیونکہ ان کے پیش نظر وہ حدیث تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ اگر تیری قوم زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتی تو کعبہ کی عمارت گرا کر دوبارہ تعمیر کرتا، اور اس میں دو دروازے بنا دیتا، حضرت عبداللہ ابن زبیر رض نے کعبہ کی بلندی ۲۷ ہاتھ کردی اور کعبہ کے اندر ایک صف میں تین ستون رکھے نیز آمنے سامنے دو دروازے بنائے، یہ تعمیر ۲۷ رجب سنہ ۶۵ھ میں مکمل ہوئی[3]

---

[1] اخبار مکہ، ص ۳۱۔ [2] تاریخ القطبی ص ۵۶، سیرۃ ابن ہشام ص ۱۹۲ ج ۱۔ [3] اخبار مکہ ص ۱۳۹، صحیح بخاری ص ۲۱۵، صحیح مسلم کتاب الحج ص ۴۱۹ ج ۱، افادۃ اللطیف ص ۵۵۔

حجاج کی ترمیم :-

بعد میں حجاج بن یوسف نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے جانب شمال م
حضرت عبداللہ کے اضافہ کو کم کر دیا اور مغربی جانب جو نیا دروازہ بنایا تھا اسے بھی بند کر دیا عبدالملک
کو بعد میں جب حضرت عائشہؓ کی روایت کا علم ہوا تو اسے ندامت ہوئی اور اس نے حجاج پر لعنت کی

تعمیر سلطان مراد :-

سلطان مراد رابع (متوفی ۱۰۴۹ھ) کے زمانہ میں مکہ میں ایک زبردست سیلاب
جس کے صدمہ سے بیت اللہ کی شمالی دیوار بالکل زمین بوس ہوگئی اور مشرقی دیوار باب کعبہ تک
اور مغربی دیوار دو تہائی کے قریب گر گئی ، شمالی دیوار میں کچھ عرصہ قبل ہی شگاف پڑ گیا تھا
سلطان مراد کے والد سلطان احمد (متوفی ۱۰۲۶ھ) کے عہد میں کافی بڑھ گیا تھا اور از سرِ نو
کی ضرورت محسوس کی گئی تھی ، مگر علمائے قسطنطنیہ نے گرا کر تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی
اس لئے اس وقت دیواروں کو لوہے کے تسموں سے باندھ دیا گیا تھا اور ان کے اوپر س
چاندی کے پتر چڑھا دیئے گئے تھے ، بہرحال ۱۰۳۹ھ میں مذکورہ سیلاب کی وجہ سے جب د
گر گئیں تو ۲ جمادی الاخری ۱۰۴۰ھ میں تعمیرِ جدید کا کام شروع ہوا جو ۲۰ رمضان ۱۰۴۰ھ
پایۂ تکمیل کو پہنچا ، آج تک خانہ کعبہ سلطان مراد ہی کی تعمیر کرائی ہوئی حالت پر ہے ۔

لہ شفاء الغرام ص ۹۹ ج ۱ ۔ الجامع اللطیف ص ۹۲

اور مقام و مرتبہ

از ـــــــــ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

قرآن میں لفظ شہید کا استعمال

لفظ شہید قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں بشکل مفرد، تثنیہ اور جمع ۵۵ جگہ آیا ہے اور بجز تین مقامات کے ہر جگہ اپنے لغوی معنیٰ کے بجائے ایک نئے معنیٰ میں وارد ہوا ہے یہ ہیں

(۱) و من یطع اللہ و الرسول فاولٓئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء والصالحین وحسن اولٓئك رفیقا۔

جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت (ترجمہ شیخ الہند)

(۲) واشرقت الارض بنور ربھا ووضع الکتاب وجیئ بالنبیین والشھداء

اور چمکی زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھری دفتر اور حاضر آئیں پیغمبر اور شہداء

(۳) والذین امنوا باللہ ورسلہ اولٓئك ھم الصدیقون و الشھداء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم۔

اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی ہیں صدیق اور شہداء ان کے واسطے ہے ان کا ثواب۔

شہید کے لغوی معنیٰ

ابن منظور لسان العرب میں اس لفظ کی تحقیق یوں کرتے ہیں

قیل الشھید الذی لایغیب عن علمہ شیٔ والشھید الحاضر فعیل من ابنیۃ المبالغۃ من فاعل اذا اعتبر العلم مطلقاً

کہا گیا ہے کہ شہید وہ ذات ہے جس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہ ہو اور شہید بمعنی حاضر فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، جب اس سے علم محض مراد ہوتا ہے تو یہ علیم کے معنی میں ہوتا

فهو العليم واذا اضيف الى الامور الباطنة فهو الخبير واذا اضيف الى الامور الظاهرة فهو الشهيد ۔

اور جب اس کی اضافت امور باطنہ کی جانب ہوتی ہے تو خبیر کے معنی میں ہوتا ہے اور امور ظاہرہ کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں اپنے اصلی معنی میں ہوتا ہے ۔

⁂

علامہ سہیلی لکھتے ہیں

هذا الاسم ماخوذ من الشهادة او المشاهدة فان كان من الشهادة فهو شهيد بمعنى مشهود اى مشهود عليه ومشهود له بالجنة فلان النبى صلى الله عليه وسلم حين وقف على قتلى اُحد قال هؤلاء الذين اشهد عليهم بالوفاء وان كان من المشاهدة فهو فعيل بمعنى فاعل ايضا لانه يشاهد ملكوت الله ويعاين من ملائكته الا يشاهد غيره

یہ اسم شہادت یا مشاہدہ سے ماخوذ ہے ، اگر شہادت سے مشتق مانا جائے تو شہید بمعنی مشہود ہوگا یعنی اس کی ایمانداری کی گواہی دی گئی ہے یا اسے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے کیونکہ نبی کریمؐ جب غزوۂ احد کے مقتولین کے پاس کھڑے ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے وفا کی شہادت دی گئی ہے ، اور اگر یہ مشاہدہ سے ماخوذ ہو تو فعیل بمعنی فاعل ہوگا یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کا مشاہدہ کرنیوالا ہے اور اپنی نگاہوں سے فرشتوں وغیرہ کو دیکھتا ہے جن میں اسکے علاوہ لوگ نہیں دیکھ سکتے ۔

⁂

اصطلاح شرعی میں شہید کا معنی

قبل از اسلام عرب کے خطباء و شعراء اپنے اشعار اور تقریروں میں لفظ شہید کو اس کے معنی اصلی ہی میں استعمال کرتے تھے ، لیکن اسلام نے جس طرح صلوۃ ، زکوۃ ، صوم اور حج کے الفاظ کو ان کے معانی اصلیہ کے بجائے ایک مخصوص معنی میں استعمال کیا ہے جسے اہل علم اصلاح شرعی سے تعبیر کرتے ہیں ، ٹھیک اسی طرح شہید کو بھی اس کے اصلی اور لغوی مدلول علم ، حضور ، مشاہدہ سے بدل کر ایک خاص مفہوم یعنی مقتول فی سبیل اللہ کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔

منقول شرعی کے وجوہ

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس نقل شرعی کی متعدد توجیہیں نقل کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) لان شهيد حي فكان روحه شاهدة اي حاضرة۔ — اس لئے کہ شہید زندہ ہے تو گویا کہ اس کی روح موجود ہے

(۲) لان الله يشهده عند خروج روحه ما عدله من الكرامة۔ — اس کی عزت افزائی کے لئے آخرت میں جو کچھ تیار کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اسے موت کے وقت اس کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں۔

(۳) لان الله وملائكته يشهدون له بالجنة۔ — اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ شہید کو جنت کی بشارت دیں گے۔

(۴) لانه يشهد له بالامان من النار — اسے جہنم سے امان کی خبر دی گئی ہے۔

(۵) لان الملائكة تشهد له بحسن الخاتمة — ملائکہ اس کے حسن خاتمہ کی خبر دیتے ہیں۔

(۶) لانه يشاهد الملائكة عند احتضاره — وہ نزع میں فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے انبیاء کرام

(۷) لان الانبياء يشهدون له بحسن الاتباع — اس کے حسن اتباع کی گواہی دیں گے ان جملہ توجیہات سے زیادہ دلنشین اور لطیف توجیہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

هو الذي يشهد بصحة دين الله تعالىٰ تارةً بالحجة والبيان واخرى بالسيف والسنان فالشهداء هم القائمون بالقسط هم الذين ذكرهم الله تعالىٰ في قوله (شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم قائما بالقسط) — شہید وہ شخص ہے جو دین اسلام کی حقانیت کی شہادت کبھی تقریر و مناظرہ کے ذریعہ دیتا ہے اور کبھی نیزہ و تلوار کے ذریعہ لہذا شہداء عدل کو قائم کرنے والے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں شهد الله انه لا اله الخ کے نہایت وقیع اور پُر شوکت پیرایہ میں کیا ہے۔

الحاصل مقتول فی سبیل اللہ کو شہید اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس نے دین کی نصرت اور اسلام کی برتری کی شہادت میں اپنی جان تک کو قربان کر دیا[1]

---

[1] مفاتیح الغیب ج۲ ص ۴

متعین طور پر یہ کہنا کہ شہید کے اس معنیٰ خاص کی ابتداء فلاں تاریخ سے ہوئی ہے مشکل ہے کیونکہ کتب سیر و تاریخ میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ اگر ان آیات قرآنیہ میں غور کیا جائے جو مقتولین فی سبیل اللہ کے ذکر پر مشتمل ہیں تو یہ دشواری کسی حد تک دور ہو سکتی ہے ۔ اور کتاب مبین کی روشنی میں یہ مبہم پہلو واضح ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے شہداء کا تذکرہ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ توبہ میں کثرت سے آیا ہے اور اسباب نزول کی آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں اکثر آیتیں مقتولین بدر و احد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں نیز سیر و مغازی کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر و احد سے پہلے جتنے غزوات و سرایا پیش آئے ہیں ان میں کوئی مسلمان بھی کام نہیں آیا ہے۔ ان تینوں امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ قتیل مسلم پر لفظ شہید کا اطلاق سب سے پہلے غزوۂ بدر کے موقع پر ہوا ہے۔

شریعت کی نگاہ میں شہید کون ہے؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہمیں احادیث کے ذخیرہ پر نظر ڈالنی چاہئے کیونکہ اس امر کی تحقیق کے لئے سب سے واضح اور مستند ماخذ حدیث پاک ہی ہیں اس سلسلے کی چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ پہلے سے لوگ حصول غنیمت کے لئے لڑتے ہیں اور بہت سے لوگ شہرت اور ناموری کے لئے ان میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ کہلائے گی آپؐ نے ارشاد فرمایا

من قاتل لتکون کلمة الله اعلیٰ فھو فی سبیل اللہ[۱] — جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے قتال کرے وہی فی سبیل اللہ ہے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ جس شخص نے اللہ کی رضا اور اس کے دین کے غلبہ کے لئے اپنی جان قربان کی، شریعت کی نگاہ میں اسی کو شہید کہا جائے گا۔

---

[۱] رواہ مسلم فی صحیحہ۔

(۲) عن سعید بن زید قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما تعدون الشهید فیکم: فقالوا من قتل فی سبیل الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان شهداء امتی لقلیل من قتل دون ماله فهو شهید ومن قتل دون دمه فهو شهید ومن قتل دون دینه فهو شهید ومن قتل دون اهله فهو شهید [۱]

حضرت سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے صحابہ سے پوچھا تم لوگ اپنے میں شہید کس کو شمار کرتے ہو صحابہ نے جواب دیا جو اللہ کی راہ میں قتل کردیا جائے، حضورؐ نے یہ سنکر فرمایا میری امت میں شہدا بہت تھوڑے ہیں جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے

اس حدیث میں دین کی حفاظت کے علاوہ اپنی جان اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں مرنے والے کو بھی شہید قرار دیا گیا ہے۔

عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغریق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل الله۔

حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا شہداء پانچ ہیں، مرض طاعون میں مرنے والا، مرض شکم میں مرنے والا، ڈوب جانے والا، اوپر سے گرکر مرجانے والا اور اللہ کی راہ میں شہید ہوجانے والا [۲]

وعن سوید بن مقرن مرفوعا من قتل دون مظلمة فهو شهید۔

حضرت سعید بن مقرن آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے حق کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے [۳]

---

[۱] رواه الامام احمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحه [۲] رواه البخاری فی صحیحه

[۳] رواه النسائی فی سننه۔

ان روایتوں کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں چند اور روایتیں نقل کی ہیں جن سے شہدار کی مزید قسموں کی نشاندہی ہوتی ہے، مثلاً نفاس میں مرنے والی عورت حالت حمل میں مرنے والی عورت، ذات الجنب میں مرنے والا شخص جل کر مرنے والا وغیرہ

علامہ ابن التین اس حکم کی علت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ان ھذہ کلھا میتات فیھا شدۃ۔ یعنی ان موتوں میں شدت ہوتی ہے؛ اس لئے مرنے والے کو اس کے بدلے میں اس شرف و مجد سے نوازا گیا۔

پھر ان احادیث کو سامنے رکھ علمار نے قیاس واجتہاد سے شہدار کی مزید اور قسمیں بھی بیان کی ہیں جن کا ذکر صراحتاً احادیث میں نہیں آیا ہے، مثال کے طور پر حدیث من قتل دون مظلمۃ فھو شھید میں لفظ مظلمہ عام ہے جو جملہ حقوق کو شامل ہوگا، اس لحاظ سے مرد مجاہد اپنے وطن کی حفاظت یا مسلمانوں کی عزت وصیانت میں فوت ہوجائے وہ بھی شہید ہی کے زمرے میں شمار ہوگا لیکن شہدار کی اس طویل فہرست میں ظاہر ہے کہ مقام ومرتبہ اور فضیلت کے اعتبار سے اس مرد مجاہد کی ہمسری و برابری کوئی بھی نہیں کر سکتا، جس نے بصدر غبت و اشتیاق اپنے خالق ومالک کی رضاجوئی اور اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی عزیز جان تک قربان کردی

اللہ کی راہ میں مقتول ہونے کی صورتیں

یہاں اس بات پر تنبیہ ضروری ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ معرکہ قتل وقتال ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی متعدد صورتیں ہیں جن میں بعض یہ ہیں۔

(۱) دین کی بنا پر کفار کی تعذیب وتنکیل کے صدمہ سے جاں بحق ہوجائے، جیسا کہ حضرت یاسر وسمیہ (حضرت عمار کے والدین) کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

(۲) کفار نے غدر وفریب سے قتل کر دیا ہو جیسے شہدار بیر معونہ ورجیع کے ساتھ ہوا۔

(۳) امام جائر وظالم کسی مسلمان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بنا پر قتل کردے جس کی کثرت سے مثالیں خلفار متاخرین کے عہد میں ملے گی۔

(۴) خود مسلمان غلط فہمیوں کی بنیاد پر کسی امام عادل سے باغی ہوجائیں اور اسے قتل کر دیں۔

جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ ہوا۔

(۴) کسی امام عادل کو دھوکہ سے قتل کر دیا جائے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ پیش آیا، شہدار کی یہ جملہ قسمیں شہید فی المعرکہ ہی کے حکم میں ہیں

شہید کے احکام اصطلاح شرع میں شہید کی دو قسمیں ہیں (۱) شہید حقیقی (۲) شہید حکمی۔ شہید حقیقی کی تعریف یہ ہے۔

هو کل مسلم قتله اهل الحرب والبغی وقطّاع الطريق اوما وجد فى المعركة وجه اثر من جرح اوقتله مسلم اوذمی ظلما ولم تجب بقتله دية[1]

شہید ہر وہ مسلمان ہے جسے کافر، باغی یا ڈاکو قتل کر دیں یا میدان جنگ میں مردہ پایا گیا ہو اور اسکے جسم پر زخم کے نشان ہوں یا اسے کسی مسلمان یا ذمی نے بنیت قتل ظلماً مار ڈالا ہو۔

اس کا یہ حکم ہے کہ بلا غسل وکفن خون آلود جسم اور کپڑوں میں اسے دفن کر دیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدار احد کے متعلق فرمایا تھا زملوهم بدمائهم ولا تغسلوا شہداء بدر، احزاب اور خیبر کے بارے میں بھی کتب حدیث وسیر سے ثابت ہے کہ انھیں غسل و کفن نہیں دیا گیا تھا ہاں اگر شہید کے جسم پر کپڑے کم ہوں تو پھر الگ سے کپڑا زیادہ کر دیا جائیگا جیسا کہ حضرت سید الشہدار حمزہ رضا اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہما کا واقعہ دفن اس کی نظیر ہے۔ اس طرح اگر شہید کے جسم پر زائد کپڑے یا ہتھیار ہوں تو انھیں نکال دیا جائے گا۔

انه ينزع عنه السلاح والجلد والفرو والحشو والخف والقلنسوة لانه انما ليس هذه الاشياء لدفع بأس العدو وبالموت استغنى عنه ذلك فضلا عن ان هذه عادة اهل الجاهلية فقد كانوا يدفنون ابطالهم بما عليهم من الاسلحة وقد نهينا نحن عن التشبه بهم۔

شہید کے جسم سے ہتھیار اور زائد کپڑے مثلاً جلد، فرو، حشو، خف، قلنسوہ وغیرہ نکال دیئے جائیں گے کیونکہ اس نے ان اشیار کو دشمن سے حفاظت کے لیے پہن رکھا تھا اور موت نے اس سے مستغنی کر دیا، اس کے علاوہ یہ اہل جاہلیت کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے بہادروں کو ان کے اسلحے سمیت دفن کرتے تھے اور ہمیں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

---

[1] تبیین الحقائق علی کنز الدقائق ج ۱، ص ۲۴۷

لیکن اگر شہید ہونے کی حالت میں اس پر غسل واجب تھا تو ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابی حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں اسے غسل دینا ضروری ہوگا ان حضرات کی مستدل حضرت غسیل الملائکہ حنظلہ بن عامر کی حدیث ہے۔ رہا مسئلہ شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کا تو اس میں ائمہ متبوعین کا اختلاف ہے، حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک اس سلسلے میں یہ ہے کہ غسل وکفن کی طرح اس پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی، ان حضرات کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) عن جابر بن عبد الله انه صلى الله عليه وسلم امر بدفن شهداء احد بدمائهم ولم يغسلوا ولم يصل عليهم۔ حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے شہداء احد کو خون آلود دفن کرنے کا حکم دیا انھیں نہ غسل دیا گیا اور نہ اُن پر نماز پڑھی گئی

(۲) نماز جنازہ میت کی شفاعت اور دعا مغفرت کے لئے مشروع ہوئی ہے، اور شہداء اس سے بے نیاز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف کردیا ہے اور ان کی مغفرت فرمادی ہے۔

(۳) بنص قرآنی شہداء زندہ ہیں انھیں خدا کی جانب سے رزق پہنچتا رہتا ہے اور نماز جنازہ مردوں کے لئے ہے زندوں کے لئے نہیں۔

احناف اس بات کے قائل ہیں کہ عام مردوں کی طرح شہید پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، احناف کے دلائل یہ ہیں۔

ان حضرات کے نزدیک یہ امر متحقق اور ثابت شدہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی ہے، حتیٰ کہ حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ پر شہداء احد کی تعداد کے مطابق ستر بار نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یوم احد میں چونکہ ان کے ماموں، بھائی اور والد شہید ہو گئے اور یہ ان حضرات کی میت کو مدینے لے جانا چاہتے تھے اس لئے بغرض انتظام مدینہ چلے گئے تھے اس لئے آنحضرتؐ نے جس وقت شہداء کی نماز جنازہ پڑھی وہ موجود نہیں تھے، اس لئے انھیں اس کا علم نہ ہوسکا۔

(۲) نماز جنازہ کا مقصد صرف دعاء واستغفار ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ بہت سی شرافت وکرامت کا اظہار بھی مقصود ہے، اور اس تکریم کے شہداء دیگر اموات سے زیادہ مستحق ہیں

ازیں محو ذنوب کے بعد بھی بندہ دعار سے مستغنی نہیں ہوتا، اسی بنا پر حضرات صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔

(۳) رہا معاملہ شہدار کی حیات کا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حضرات حیات ہیں اور ان کو اللہ کی جانب سے رزق پہنچتا رہتا ہے، لیکن یہ حیات برزخی ہے، ہاں عام مومنین کی حیات برزخیہ سے ان کی حیات قوی ہے، احکام دنیوی کے اعتبار سے یہ حضرات بھی میت ہی ہیں، اسی لئے عام مردوں کی طرح انھیں دفن کیا جاتا ہے، ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور انقضاء مدت کے بعد ان کی ازواج کو نکاح ثانی کا حق مل جاتا ہے، نماز جنازہ بھی احکام دنیوی ہی میں سے ہے لہذا دیگر احکامات کی طرح اس پر بھی عمل کیا جائے گا۔

شہادت کیلئے کسی مخصوص اسلحہ سے مقتول ہونا ضروری نہیں

فقہار کے نزدیک ثبوت شہادت کے لئے کسی مخصوص اسلحہ سے مقتول ہونا ضروری نہیں بلکہ جس طرح بھی موت واقع ہوئی ہو شہید ہی ہوگا، اس باب میں اصل شہدار احد ہیں اور ان میں بعض حضرات کی موت پتھروں سے اور بعض کی لاٹھیوں کی ضرب سے ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک غسل وکفن میں سب کو ایک ہی حکم میں رکھا، اسی طرح مرد وعورت کے درمیان اس سلسلے میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

شہید حکمی

شہید حکمی وہ ہے جو باعتبار ثواب اخروی شہید حقیقی کے ساتھ ملحق کیا گیا ہو جیسے مطعون، مبطون، حریق وغریق وغیرہ جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور ان کو یہ حکم ہے کہ عام مومنین کی طرح انھیں بطریق سنت غسل اور کفن دیا جائے گا اور بلا اختلاف ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی

شہید کے فضائل

سخاوت انسان کے اندر ایک ایسا اعلیٰ وصف ہے کہ آدمی اس کی بدولت اپنے معاصرین اور ہم جنسوں میں ایک ممتاز حیثیت اور بلند مقام حاصل کر لیتا ہے اور دوست و دشمن سب اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، زر و مال کے بذل وصرف کا انسانی نفوس پر جب یہ اثر ہوتا ہے تو اندازہ لگائیے جس مرد جانباز نے دین، مذہب وطن اور قوم کے لئے مال ومتاع سے گذر اپنی جان تک بازی لگا دی ہو اس کا مقام ومرتبہ کیا

ہوگا "والجود بالنفس اقصی غایۃ الجود"

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام کی ترقی و سربلندی بڑی حد تک انھیں ارباب عزیمت کے جذبۂ ایثار و قربانی کی مرہون ہے، جنھوں نے گلستانِ اسلام کی اپنے گرم و تازہ لہو سے آبیاری کرکے اسے سدابہار بنادیا، اس لئے قرآن و حدیث میں ان پاکباز نفوس کی جو فضیلت و مزیت بیان کی گئی ہے، انبیاء و صدیقین کے علاوہ یہ درجہ کسی کو حاصل نہیں، ذیل میں نمونۂ چند آیات واحادیث پیش کی جاتی ہیں

۱۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم (سورۃ التوبہ آیۃ ۱۱۱)

یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اللہ نے اس کا برحق وعدہ کیا ہے تورات، انجیل اور قرآن میں اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں، لہذا اے مسلمانو تم اس بیع پر خوش ہوجاؤ جس کا معاملہ تم نے کیا ہے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

شہادت کی اس سے احسن و بلیغ تعریف و منقبت اور کیا ہوسکتی ہے، خود مالک انفس واموال بیش بہا اور گرانقدر قیمت دے کر انھیں خرید رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اطلاع دے رہا ہے کہ یہ ایسا وعدہ ہے جو قرآن کے علاوہ دیگر کتب سماویہ (تورات وانجیل) میں بھی مذکور ہے، پھر اس میں قوت اور تاکید پیدا کرنے کے لئے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا

اگر قرآن حکیم میں اس آیت کے سوا اور آتیں شہید کی فضیلت میں وارد نہ ہوتیں جب بھی کافی تھا، چنانچہ امام طبری لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام فرطِ مسرت سے اللہ اکبر پکار اٹھے۔

۲ ۔ فاولئك مع الذین انعم الله علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئك رفیقاً[1]

یہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین اور ان کی رفاقت بہتر ہے۔

اس آیت پاک میں شہداء کو ایسی مقدس اور سعادت مند جماعت کے ساتھ شمار کیا گیا ہے جن پر انعام خداوندی ہوا ہے۔

۳ ۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله امواتاً بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون[2]

اور مت کہو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمھیں (ان کی حیات کا) شعور نہیں۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتاً بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون۔

ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں اموات میں خیال نہ کرو، وہ اپنے رب کے حضور میں اور رزق دیئے جاتے ہیں

ان دونوں آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کرام کے اکرام و اعزاز کے لئے انھیں ایک خاص قسم کی حیات سے سرفراز کیا ہے اور ان پر یہ انعام ہوا ہے کہ ان کی ارواح سبز چڑیوں کی شکل میں ان قندیلوں میں رہتی ہیں جو عرش سے لٹک رہی ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں گھومتی پھرتی ہیں

فضائل شہید سے متعلق تین احادیث

عن ابی ھریرۃ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لولا ان اشق علی امتی ما قعدت خلف سریۃ لوددت انی اقتل فی سبیل الله ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں تمام سرایا میں شرکت کرتا اور میری خواہش ہے کہ مجھے اللہ کے راستے میں شہید کیا جائے، بعد ازاں مجھے پھر حیات عطا ہو اس کے بعد پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندگی ملے پھر شہید ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہادت

---

[1] سورۃ النساء آیت ۶۹ ، [2] سورۃ بقرۃ ، آیت ۱۵۴۔

ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (رواہ البخاری فی کتاب الایمان والجہاد)

نصیب ہو، پھر زندگی سے ہم کنار ہوں اور پھر شہید کیا جاؤں۔

امام المرسلین خاتم النبیین و محبوب رب العالمین کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے لیکن بایں ہمہ کمالات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی تمنا فرما رہے ہیں، شہید کی فضیلت و شرافت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احد یدخل الجنۃ یرجع الی الدنیا وما علی الارض من شئ الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامۃ

(اخرجہ البخاری فی باب التمنی المجاہد و مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں لوٹ کر نہیں آئے گا اور نہ اس کی خواہش کرے گا البتہ شہید جب شہادت کے انعام و اکرام کو دیکھے گا تو اسے یہ تمنا ہوگی کہ وہ ایک مرتبہ کے بجائے دس بار شہادت سے ہم کنار ہو۔

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہید عند اللہ ست خصال یغفر لہ فی اول دفعۃ ویری مقعدہ من الجنۃ ویجار من عذاب القبر ویامن من الفزع الاکبر ویوضع علی راسہ تاج الوقار الیاقوتۃ منہا خیر من الدنیا وما فیہا ویتزوج اثنین وسبعین زوجۃ من الحور العین ویشفع فی سبعین من اقربائہ

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے شہید کو چھ انعام عطا ہوں گے (۱) شہید ہوتے ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جنت میں اس کا جو مقام ہے وہ دکھا دیا جاتا ہے (۲) عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے (۳) فزع اکبر (حساب و کتاب کی پیشی کے دن کے خوف) سے مامون رکھا جائے گا (۴) (قیامت کے دن) اسکے سر پر ایسا قیمتی تاج رکھا جائے گا جس کے ایک یاقوت کی قیمت دنیا و ما فیہا سے بڑھی ہوئی ہے (۵) بہتر حوریں اس کے نکاح میں دی جائیں گی (۶) اس کے عزیزوں میں سے ستر کی شفاعت قبول کی جائے گی

شوق شہادت

قرآن وحدیث میں وارد انھیں فضائل ومناقب کا یہ اثر تھا کہ مجاہدین اسلام میں جذبۂ شہادت اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ بیٹا باپ پر اور باپ بیٹے پر اس کی تحصیل کے لیے سبقت کی کوشش کرتا تھا، اسی طرح بھائی بھائی سے آگے نکل جانے کی فکر میں رہتا تھا چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت خیثمہؓ اور ان کے بھائی حضرت سعدرضؓ میں اس بات پر اختلاف ہوگیا کہ دونوں میں سے کس غزدہ میں کون شریک ہو بالآخر رفع نزاع کیلئے قرعہ اندازی ہوئی اور مقدر چاہا ایسا ہوا کہ بیٹے یعنی حضرت سعدرضؓ کے نام پر قرعہ نکل آیا لیکن والدگرامی حضرت خیثمہ کی پھر بھی یہی خواہش رہی کہ سعد مجھے ترجیح دیں، جانباز بیٹے نے پدر بزرگوار کو اس موقع پر جو جواب دیا ہے اس کے حرف حرف سے شوق شہادت اور لقائے جنت کی بے پناہ خواہش کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں

واللہ یا ابت لوکان ماتطلبہ منی غیرالجنۃ۔ لفعلت۔	اباجان! بخدا اگر آپ مجھ سے جنت کے علاوہ کسی اور شئی کا مطالبہ کرتے تو میں ضرور قبول کرلیتا۔

الحاصل حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اپنی دیرینہ تمنا یعنی شہادت کے شرف ومجد سے ہمکنار ہوکر منعم علیہم کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ کو جب بیٹے کی شہادت کی اطلاع ملی تو بجائے رنج وصدمہ کے اپنی محرومیٔ شہادت کا ذکر یوں فرماتے ہیں،

لقد اخطاتنی وقعۃ بدر وکنت واللہ حریصا حتی ساھمنی ابنی فی الخروج فخرج فی القرعۃ سھمہ فرزق الشھادۃ ولقد رأیت البارحۃ ابنی فی النوم فی احسن صورۃ یسرح فی ثمار الجنۃ وانھارھا ویقول الحق	میں غزوۂ بدر میں شرکت سے رہ گیا حالانکہ میں اس کا نہایت حریص تھا، حتیٰ کہ میرے لخت جگر نے مجھ سے قرعہ اندازی کی اور اس کا نام قرعہ میں آگیا اور وہ اپنے مقصود کو پابھی گیا، میں نے گذشتہ رات خواب میں اسے بہترین صورت میں جنت کے پھلوں اور نہروں سے آسودہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور وہ کہہ رہا تھا

... في الجنة فقد وجدت ما وعدني ربي حقا۔ والد صاحب میرے اگر آپ بھی آجائیے ہم جنت میں ایک ساتھ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وعدہ کر رکھا تھا وہ بالکل درست نکلا۔

بیٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض پرداز ہوئے کہ اے رسول اللہ میں اپنے رب کی لقا کا طلب گار اور اپنے لخت جگر کی مرافقت کا مشتاق ہوں دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جو مقبول ہوئی اور غزوہ احد میں وہ بھی تمنا بکنار ہو کر رحمت خداوندی کے آغوش میں جا پہنچے۔

(۲) غزوہ احد کی تیاریاں ہو رہی ہیں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے چاروں بیٹے انتظامات مکمل کر کے گھر سے نکلنے والے ہیں کہ حضرت عمرو بھی معذور پیروں سے لنگڑاتے ہوئے ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور بیٹوں کے ہمراہ جہاد پر چلنے کا اصرار کرتے ہیں بیٹوں نے ان کی معذوری کے پیش نظر انھیں روکنے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (نابینا) لنگڑے اور مریض کے لئے جہاد میں شرکت نہ کرنا جرم نہیں ہے) پڑھ کر اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرکت جہاد سے معاف کر دیا ہم تو آپ کے جانے جا رہے ہیں، لیکن یہاں تو حضرت عمرو کے قلب وجگر کو شوقِ جہاد کھائے جا رہا تھا، انھیں بیٹوں کے اس دلاسے پر بالکل تشفی نہیں ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچ کے کہ درد دل کا مداوا وہیں ہوگا، اور عرض پرداز ہوئے کہ اے اللہ کے رسولؐ میری تمنا ہے کہ میں بھی جہاد میں شریک ہوں اور شہادت سے مشرف ہو کر اپنے انھیں لنگڑے پیروں سے جنت کی سیر کروں مگر میرے بیٹے مجھے اس سے باز رکھنا چاہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اما انت فقد وضع اللہ عنك الجهاد" اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ذمہ داری سے تمھیں سبکدوش کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ان کے بیٹوں سے کہا کہ انھیں روکو مت بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں شہادت کی سعادت سے شاد کام فرما دے چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس معذوری کے باوجود شریک جہاد ہوئے اور جام شہادت نوش فرما کر اپنے مقصود کو حاصل کر لیا، تاریخ ... صحابۂ کرام و مجاہدین اسلام کے شوق جہاد وشہادت کے واقعات سے

بھری پڑی ہے۔ مگر خوف طوالت سے صرف دو واقعات پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

عہد نبوی کے شہدار کرام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شہید ہونے والوں کی کوئی جامع فہرست اب تک نظر سے نہیں گذری ہے کیونکہ عام طور پر محدثین وارباب سیر وتاریخ بدر، احد، خندق اور خیبر کے شہدار کرام کی نشاندہی کے بعد خاموش ہوجاتے ہیں، پھر بھی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تذکروں میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں "مثلاً الاستیعاب فی اسمار الاصحاب، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ الاصابہ فی تمییز الصحابہ" وغیرہ کے مطالعہ سے ان حضرات کی جامع ومکمل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے مگر یہ کام وقت طلب ہونے کے ساتھ وقت اور اطمینان کا بھی متقاضی ہے اور فی الحال یہ میسّر نہیں اس لئے سردست ایک سرسری جائزہ پر اکتفار کیا جارہا ہے۔

عہد نبوت میں حق وباطل کے ساتھ جو اہم معرکے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ احزاب، غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوہ تبوک، ان کے علاوہ کچھ معمولی غزوات وسرایا ہیں ان سب میں جو حضرات شہید ہوئے ان کی تعداد بقول مولانا عبدالماجد دریابادی ۲۵۹ ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

نسأل اللہ سبحانہ ان یغفر خطایانا وان یربط قلوبنا و
ویثبت اقدامنا وینصرنا علی القوم الکٰفرین وصلی اللہ
علیٰ نبی الرحمۃ ونبی الملحمۃ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ
اجمعین
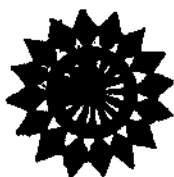
شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کی تعلیم اور تفہیم میں حصہ

مولانا ہلال الدین سنبھلی

(ایک مختصر و محدود دائرہ)

برصغیر پاک و ہند کے افق پر آفتاب اسلام کی شعاعیں اگرچہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے ہی پڑنا شروع ہو گئی تھیں لیکن اس کے کنارہ سے بلند ہو کر ہمہ گیر ہونے اور نصف النہار کا اجالا پھیلانے تک کوئی دو تین صدیاں بیت گئیں۔ مگر کفر کی ظلمتوں اور شرک کے اندھیروں میں نامعلوم مدت تک ڈوبا رہنے کے بعد پھر تو یہ زمین ایمان و عرفان اور علم و احسان کے انوار سے اس طرح جگمگائی اور صدیوں تک خزاں رسیدہ رہنے کے بعد اس میں اسلام کی ایسی بہار آئی کہ اس کی برتری کا اعتراف بلکہ اس پر رشک کرنے کے لئے وہ علاقے بھی مجبور ہوئے جو قرن اول ہی میں قافلہ ایمان و شریعت اور رہبران راہ طریقت کا گرمجوشی سے استقبال کر چکے اور اپنے سینوں پر ہی نہیں بلکہ دلوں میں بھی جگہ دے چکے تھے۔

جس طرح فصل بہار کے موقعہ پر پھلوں اور پھولوں کا شمار نا ممکن ہے۔ ٹھیک اسی طرح علم و عرفان کے ان مہکتے پھولوں اور چمکتے تاروں کی گنتی بھی مشکل ہے جو چمن ہند میں کھلے اور چمکے پھر جن کی مہک اور چمک صرف ہندوستان ہی میں پھیل کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ سارا عالم، کیا عرب کیا عجم۔ ان کی عطر بیزیوں اور ضیا پاشیوں سے معطر و منور ہوا

مطلب یہ ہے کہ ان علمائے اعلام اور فضلائے کرام جن کے علمی کارناموں بلکہ شاہکاروں کا شہرہ برصغیر سے نکل کر چار دانگ عالم میں پہنچا۔ ان کی بھی فہرست اتنی طویل ہے کہ مختصر کے لئے بھی دفتر درکار ہے جس کا تحمل کوئی مقالہ تو کیا ایک دو ضخیم جلدوں والی کتاب بھی نہیں کر سکے گی (اندازہ کرنے کے لئے۔ نزہۃ الخواطر یا معجم المصنفین کی ضخیم جلدوں پر ایک نظر ڈالنے کا مشورہ دینا شاید بے محل نہ ہوگا) اس طویل فہرست میں شیخ صفی الدین بدایونی۔ عمر بن اسحاق المعروف بسراج ہندی (صاحب التوشیح۔ شرح ہدایہ) شیخ علی متقی (صاحب کنز العمال) ملا طاہر پٹنی، صاحب مجمع البحار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب اللمعات و اشعۃ اللمعات) علامہ مرتضیٰ بلگرامی

(صاحب تاج العروس شرح القاموس) اور متعدد سندھی محققین وشارحین حدیث کے علاوہ ماضی قریب کے علماء اور فضلاء میں محقق بے نظیر مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری مولانا عبدالرحمن مبارک پوری، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت الاستاذ شیخ الاسلام، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور بیہقی وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (رحمہم اللہ ونفعنا بعلومہم) یہ وہ چند اسمائے گرامی ہیں جن کے ناموں ہی سے نہیں کاموں سے بھی اس علمی مجلس کے شرکا کم وبیش واقف ہوں گے۔

مگران سب میں ایک نام ایسا نمایاں اور اتنا روشن ہے کہ اسے "کالشمس بین النجوم" قرار دینا مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت کی ناکافی ترجمانی سمجھا جائے تو مستبعد نہیں جن کے بارے میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا تھا کہ،

سرزمین ہند میں اگر صرف وہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لیے یہی فخر کافی تھا (الفرقان نمبر ص۲۶)

میری مراد حکیم الاسلام مسند الہند شارح دین فطرت مولانا قطب الدین احمد المعروف بشاہ ولی اللہ دہلوی سے ہے جن کے ذکر سے آج کی محفل ہی نہیں اپنی عاقبت بھی سنوارنا مقصود ہے۔

ظاہر ہے کہ جن کی تربیت اور جد وجہد کے نتیجہ میں ان کے فرزند اکبر اور خلف الرشید شاہ عبدالعزیز نے جب سراج الہند کا لقب پایا تو ان کمالات کے منبع وسرچشمہ کے تذکرہ کے لئے ایک دو کتابیں بھی اگر ناکافی ہی معلوم ہوتی ہیں تو محل تعجب نہیں۔ پھر ایک مختصر سا مقالہ (جسے مجلت میں لکھے جانے کی وجہ سے عجالہ کہنا مناسب ہوگا) میں اس عبقری شخصیت کے تمام اوصاف کا ذکر کہاں اور کس طرح سما سکتا ہے؟ اس میں زیادہ سے زیادہ بس کسی ایک ہی گوشہ پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہاں منتظمین اجلاس کے مقرر کئے ہوئے موضوع کی رعایت سے شاہ صاحب کے اہم ترین کارنامہ، قرآن کریم کی تعلیم وتفہیم عام پر مختصر وقت میں مختصر گفتگو کی جائے گی (وبیدہ ازمۃ التوفیق)

اگرچہ عام طور پر شاہ صاحب پر لکھی جانے والی کتابوں، مقالوں اور سوانحی خاکوں میں قرآن کریم سے متعلق موصوف کے تحریری سرمایہ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ صرف چار پانچ مستقل چیزوں کا ذکر ملتا ہے یعنی، فتح الرحمان، کے نام سے فارسی ترجمہ، الفوز الکبیر (اصول تفسیر پر مختصر ترین مگر جامع اور مفید ترین رسالہ) فتح الخبیر (جو گویا الفوز الکبیر کا تکملہ بلکہ مصنف کی تصریح کے مطابق اسی کا ایک باب پنجم ہے) اور ترجمہ قرآن سے

متعلق ضروری ہدایات واصول پر مشتمل "المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ" کے نام سے ایک مختصر رسالہ جس کا ترجمہ بھی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً چالیس سال قبل کیا تھا اور ماہنامہ برہان، دہلی میں ۴۵ میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور مختصر سا مقدمہ جو فتح الرحمن کے شروع میں اس کے ساتھ مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا تھا[1]۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کا قرآن فہمی عام کرنے والا اور اس کی حکیمانہ تشریح پر مشتمل تحریری ذخیرہ بھی کہیں اس سے زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے جتنا عام طور پر تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان کی اہم تصانیف میں سے شاید کوئی بھی تصنیف قرآن حکیم کی حکیمانہ تشریح سے خالی نہیں ہے۔

یوں تو قرآن مجید کی خدمت اور اس کی تفسیر وتبیین کا شرف شاہ صاحب سے ماقبل اور مابعد بہت سے ہندوستانی علماء کو حاصل رہا ہے مگر اسے عام بنانے میں اولیت بلکہ امامت کا امتیاز تنہا شاہ صاحب ہی کو حاصل ہے اگرچہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شاہ صاحب سے قبل ترجمہ قرآن (بزبان فارسی ہو چکا تھا) اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بھی جہاں تک قبول عام حاصل ہونے کا تعلق ہے اس میں بلاشبہ ان کا کوئی شریک وسہیم ان سے پہلے نہیں ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے فتح الرحمان میں مجرد فارسی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاں ضرورت سمجھی مختصر تصریحی نوٹ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح یہ ترجمہ قرآن فہمی کے لئے بالکل کافی ہوگیا۔

"حیات ولی" کے مصنف مولانا حافظ محمد رحیم بخش صاحب مرحوم نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اب تک قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا صرف عربی پر منحصر تھا۔ عوام کا کلام الٰہی کا مفہوم سمجھنے سے محروم تھے اور معنی نہ جاننے کی وجہ سے خداوندی احکام اور آسمانی قوانین سے قطعاً نابلد تھے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ کی سخت ضرورت سمجھی اور اس کا ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام عام لوگوں کے لئے سمجھنا بہت آسان ہوگیا۔ مطالب کی توضیح کے لئے جابجا نہایت مختصر فوائد چڑھائے بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین اور نہایت اہم اور دقیق مطلب چند مختصر اور گنتی کے الفاظ میں

---

[1] یہ تفصیل مظہر بقا صاحب نے اپنی کتاب اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے مقدمہ میں بیان کی ہیں۔ نیز بیان الاحادیث نامی ایک عربی رسالہ قصص القرآن کی توجیہ پر اور زہراوین کے نام سے سورہ بقرہ وآل عمران کی تفسیر پر مشتمل رسالہ بھی مختصر فہرست میں شامل ہے

خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ ادا کیے۔ کہ جب کسی آیت کی تفسیر عربی تفاسیر میں دیکھی تو طولانی بحث میں بھی ویسا صاف مطلب نہیں کھلتا جیسا کہ شاہ صاحب کے معدود چند لفظوں سے کھل جاتا ہے۔
(حیات ولی ۶ ص ۔ ۵۴۴ تبغیر یسیر)۔

پھر اسی ترجمہ کی عوامی افادیت اور صحیح وقت پر ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اگر قرآن مجید کا ترجمہ اس زمانہ میں نہ ہوتا تو مسلمانوں کے معاشرہ میں جو اصلاح ہوئی وہ کبھی نہ ہوتی اس وقت ہندوستان میں جہاں بھی شرک وبدعت سے پاک صحیح اسلامی روشنی نظر آتی ہے وہ اسی کا صدقہ ہے، اس ترجمہ کی ضرورت اور اس کے لئے داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ اس کا اظہار خود مترجم علیہ الرحمہ نے "مقدمہ فتح الرحمان" میں کر دیا ہے۔

اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو براہِ راست قرآن مجید سے استفادہ اور اس کو عام فہم بنانے کیلئے ترجمہ کی ضرورت کا احساس اپنے پدر بزرگوار جو خود باکمال مدرس و مصلح تھے کی تعلیم و تربیت سے ہی ہوا کیونکہ موصوف نے اپنی تعلیم و تربیت کا ذکر کرتے ہوئے جہاں کتب درسیہ کی تفصیل بیان کی ہے، مثلاً کہا ہے کہ علم حدیث میں بخاری (کتاب الطہارت تک) مشکوٰۃ شریف اور شمائل النبی، علم تفسیر میں بیضاوی اور مدارک (کچھ اجزاء) علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ اصولِ فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح، منطق میں شرح شمسیہ (قطبی) اور کچھ شرح مطالع علم کلام میں شرح عقائد کامل اور کچھ شرح خیالی و شرح مواقف۔ علم معانی میں مختصر المعانی اور مطول (کچھ اجزاء) علم نحو میں کافیہ اور اس کی شرح ملا جامی اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ کی باقاعدہ اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

جب میں یہ کتابیں پڑھ چکا تو میرا ذہن اس درجہ فراخ اور نظر ایسی وسیع ہوگئی کہ ہر فن کے دقیق و غامض مسئلے ادنیٰ توجہ کے ساتھ حل ہونے لگے۔ اور مشکل مقامات پانی ہو گئے" اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ والد صاحب نے ایک مدرسہ قرآن قائم فرمایا تھا اور چونکہ مجھ سے بے حد محبت فرماتے تھے اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ مجھے پڑھایا اور وہ اسرار و نکات بیان فرمائے جو قرآن حکیم کے حرف حرف میں بکھرے ہوئے تھے اور جن تک رسائی بغیر اس رہنمائی کے یقیناً آسان نہ تھی۔

قرآن مجید کے ترجمہ کی اہمیت و نزاکت کا اندازہ آج پوری طرح لگانا مشکل ہے کہ اس وقت یہ کتنا جرأت مندانہ اقدام اور دور رس نتائج کا حامل، نیز کس درجہ برمحل کام تھا۔ شاہ صاحب جیسی عظیم و جلیل

ذات اگر یہ قدم نہ اٹھاتی تو عجب نہیں کہ عوام تک قرآن مجید کے مفاہیم براہِ راست پہنچنے کی یہ راہ طویل مدت تک (بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ) بند ہی رہتی۔ شاہ صاحب جیسے عظیم المرتبہ شخص کو کہ جن کی ذات وجاہت کے علاوہ ان کے خاندان کی قدر و منزلت کا بھی عمومی اعتراف پایا جاتا ہے۔ جو اس خاندان کے علم و عمل درس و تدریس، افادہ عوام اور زہد و تقویٰ کی بنا پر تھا۔ اس کے باوجود جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ترجمہ کو بدعت و تحریف قرار دینے والے نام نہاد علماء کے عقیدت مند جہلا کے ہاتھوں جو مصائب جھیلنے پڑے ان سے اس کام کی مشکلات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن موصوف نے شدید مخالفت کے باوجود مومنانہ جرأت فراست سے کام لے کر مصائب کی پروا کیے بغیر آئندہ دین کی خدمت کرنے والوں، بالخصوص علماء کے لئے راہ آسان کر دی جس کے احسان سے علماء کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے چنانچہ اسی سے روشنی پا کر ان کے بلند اقبال دو صاحبزادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے بالترتیب لفظی اور با محاورہ اردو میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اہم خدمت انجام دی۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مؤخر الذکر کے اردو ترجمہ قرآن (جیسے اہلِ نظر، الہامی ترجمہ اور ہست قرآن در زبان لشکری کا مصداق کہتے ہیں) نے ہی اردو تراجم کے لئے ایک بنیاد فراہم کر دی جس پر بعد میں اگرچہ

عـ۱ جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں شاہ صاحب نے اپنی زندگی کے حالات اور تعلیم و درس کی مذکورہ بالا نیز دیگر تفصیلات خود ہی اپنے فارسی رسالے "الجزء اللطیف" اور "انفاس العارفین" میں بیان فرمائی ہیں ان کا خلاصہ اور ما حصل حیاتِ ولی اور الفرقان کے خاص نمبر سے لیا گیا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی شاید بے محل نہ ہوگا۔ شاہ صاحب کے زیرِ درس جو کتابیں رہیں وہ اکثر و بیشتر وہی ہیں جو قدیم طرز کے تمام مدارس عربیہ میں آج تک پڑھائی جا رہی ہیں۔

عـ۲ اردو کے معنی لشکر ہی کے ہیں یہاں "لشکری زبان" سے اردو مراد لی گئی ہے۔ مولانا روم کی مثنوی روم کے بارے میں بعض عارفین نے کہا تھا "ہست قرآں در زبانِ پہلوی"، بڑی پرشکوہ عمارتیں تعمیر ہوئیں مگر: الفضل للمتقدم، کا من جانب اللہ جیسے اعزاز حاصل ہو چکا تھا اس میں بھلا کون ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اس سنت حسنہ کے اجر و ادائے اجر میں کون مقابلہ کر سکتا ہے۔

شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کے بلند کارناموں (ترجموں) کی افادیت کس کس پہلو سے ظاہر ہوئی، اور برابر

ہورہی ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ماضی قریب کے ایک صاحب بصیرت وسیع النظر نکتہ رس عالم مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے بیان سے شاید کسی درجہ میں ہو سکے۔ موصوف خاص طور سے شاہ صاحب پر ہی لکھے اپنے مقالے میں "شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ کی خدمت کو میں سب سے بڑی خدمت قرار دیتا ہوں" کے اعتراف کے ساتھ اس کے ایک اہم فائدہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

ان ترجموں (شاہ صاحب اور ان کے فرزندوں کے ترجموں) نے ہم مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت میں کام کیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ہے۔ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب کو اس مصیبت کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہو چکا تھا جس میں مولوی اور مشائخ مبتلا ہونے والے تھے میرا اشارہ اس طریق عمل کی طرف ہے جسے ارباب تشکیک دارتداد نے بڑی چالاکی سے اختیار کیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے کسی تعلیم کا انکار کریں لیکن ڈرتے ہیں کہ عام مسلمانوں میں اس سے برہمی پیدا ہوگی تو عوام ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے۔ اس لئے "مولوی کا مذہب" ایک لفظ تراشا گیا اور ہر وہ چیز جو واقعی قرآن وحدیث کی ہوتی ہے مولوی کی طرف منسوب کرکے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے۔ اور کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے مولوی کے خیال کا انکار کیا ہے قرآن کا انکار نہیں کیا۔ حد یہ ہے کہ آج جنت دوزخ حور، ملائکہ، شیاطین وغیرہ ایسے حقائق کا انکار کیا جاتا ہے جن کے ذکر سے قرآن معمور ہے۔ اگر اس وقت شاہ ولی اللہ قرآن وحدیث کے ترجمہ کی بنیاد نہ ڈالتے تو اس وقت بھی قرآن عوام کی دسترس سے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے بالکل باہر ہی ہوتا۔ تو بے چارہ "مولوی" اس مغالطہ کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ لیکن بحمداللہ شاہ صاحب ایک ایسا کام کر گئے جو نہیں سمجھنا چاہتے ان سے تو بحث نہیں لیکن واقعی جو حق کے طالب ہیں ان کے لیے "مولوی کا مذہب" کا پرانا جال اب بیکار ہو چکا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ فاضل گیلانی نے جس عظیم مصیبت اور اس کے ٹلنے والی جس جلیل نعمت کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے اسے سامنے رکھ کر آئندہ اور موجودہ دور کی اس طرح کی مصیبتوں کا بھی علاج اسی نعمت کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ ترجمہ کے فوائد بیان کرتے ہوئے مولانا موصوف نے اپنے طویل تجربے کی بنا پر یہ بھی ٹھیک لکھا ہے کہ آج کل بہت سے سند یافتہ "مولویوں" کی لاج بھی ان تراجم نے رکھ چھوڑی ہے ورنہ مولویوں میں ایسے بس گنتی کے ہوتے ہیں جو ترجمہ کا سہارا لئے بغیر پورے قرآن کا صحیح مطلب براہ راست سمجھ سکتے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب کے اس مہتم بالشان کام کی قدر و قیمت زمانہ کے ساتھ برابر بڑھ رہی ہے اور اندازہ ہے کہ بڑھتی ہی جائے گی اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے اور قیمت بڑھانے میں زمانہ خود مدد دیتا رہے گا قرآن مجید کے صحیح فہم کو عام کرنے کے لئے جہاں شاہ صاحب نے یہ خدمت انجام دی وہیں خواص علماء کو قرآن فہمی کے اصول سکھانے کی عظیم ضرورت بھی الفوز الکبیر لکھ کر پوری کی، یہ چند ورقی رسالہ اگرچہ قامت میں کہتر ہی نظر آتا ہے مگر اس کی قیمت کس قدر بہتر ہے اس کا تو اندازہ کرنا آسان نہیں، آئندہ سطور میں اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔

اہل علم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ علوم دینیہ میں علمِ تفسیر، خصوصاً اصول تفسیر ہی ایک ایسا علم ہے جو ابھی ناپختہ ہے۔ اور اس پر کام کرنے کی ضرورت بہت کچھ باقی ہے جیسا کہ مشہور مصری فقیہ علامہ زین الدین نجیم کی شہرہ آفاق کتاب "الاشباہ والنظائر" کے حوالہ سے فقیہ علاءالدین حصکفی نے نقل کیا ہے۔

العلوم ثلاثة علم نضج وما احترق وهو علم النحو والاصول وعلم لا نضج ولا احترق وهو علم البيان والتفسير وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث والفقه (الدر المختار مع رد المحتار ص۳۲ ج۱)

اسلامی کتب خانوں میں ہزاروں صفحات پر مشتمل سیکڑوں بلکہ شاید ہزاروں سے اوپر کتب تفاسیر کی موجودگی کے باوجود سچی بات یہ ہے کہ یہ علم ابھی تک ناپختہ ہے۔ اور اس میں بہت کچھ بحث و تحقیق نیز تنقید و تنقیح کی صرف گنجائش ہی نہیں، ضرورت ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اصول فقہ و اصول حدیث پر ایک سے ایک بڑھ کر مفید و ممتاز درجنوں بلکہ سیکڑوں کتابیں پیش کرنے والی امت اصول تفسیر پر شاید ساتویں صدی سے قبل ایک بھی قابل ذکر مستقل کتاب پیش نہیں کر سکی۔

علامہ ابن تیمیہ کا چند ورقی رسالہ "المقدمۃ فی اصول التفسیر" ہی غالباً وہ پہلی کوشش ہے جو کتابی شکل میں مستقل اس موضوع پر اہل علم کے سامنے آئی ہے اس کے بعد زرکشی کی البرہان اور سیوطی کی الاتقان جیسی معلومات افزا اور فی الجملہ مفید کتابیں اگرچہ منظر عام پر آئیں لیکن حشو و زوائد سے پاک اور غیر ضروری طوالت سے خالی کسی ایسی کتاب کا پتہ اب بھی نہیں چلتا۔ جو سراپا مغز ہو اور "اصل" و "ام" کی حیثیت دئے جانے کے لائق ہو۔ اس معیار پر بڑی حد تک پوری اترنے والی

تصنیف واقفین راقم سطور سے غالباً اتفاق کریں گے تنہا اسی ہندی امام کا "الفوز الکبیر" نامی یہ مختصر سا رسالہ ہے۔

شاہ صاحب کے اس گراں قدر رسالہ میں جہاں اور بہت سی پر مغز اور مجتہدانہ بحثیں ملتی ہیں وہاں قرآن مجید کے علوم کا پانچ قسموں کا انحصار بھی ہے۔ اس سے قبل کسی نے علوم قرآن کی تعداد مثلاً مشہور مالکی عالم قاضی ابوبکر بن العربیؒ اور امام طبری نے تین (توحید، تذکیر احکام یا توحید، اخبار، دیانات) بتائیں۔ کسی نے چار اور کسی نے مثلاً فقیہہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے سات اور کسی نے (مثلاً رُمانی نے تیس قرار دی۔ لیکن شاہ صاحب کی بیان کردہ تقسیم ہی سب سے زیادہ متوازن، جامع اور دقیق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں نہ تو کسی مستقل قسم کو دوسری قسم میں داخل کیا گیا ہے اور نہ کسی ذیلی قسم کو مستقل حیثیت دی گئی ہے۔ (برخلاف کم و بیش بتانے والوں کے کہ انہوں نے یا تو کسی مستقل قسم کو کسی دوسری میں ضم کر دیا ہے یا پھر ذیلی انواع کو بھی مستقل حیثیت دیدی ہے)

ان علوم پنج گانہ میں سے تین تذکیر پر مشتمل ہیں۔ (تذکیر بآلاء اللہ تذکیر بایام اللہ، تذکیر بالموت ومابعدہ) جس سے اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کی اصل غایت (جیسے خود ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر (سورہ قمر) بیان کر دیا ہے) کا اس میں کس قدر اہتمام کیا ہے۔ پھر اسی سے بعض قصوں کے مکرر ہونے کی حکمت کا ادراک بھی آسان ہو جاتا ہے اگرچہ ان تذکیری مضامین کے خاطر خواہ فہم کے لئے علم طبیعات، علم تاریخ، بلکہ فلسفہ تاریخ اور دیگر اسی قبیل کے، بعض علوم کا جاننا بھی ضروری ہے جس کی طرف حکمت ولی اللہ کے اس صدی کے ایک بہت بڑے عارف و شارح مولانا عبداللہ شاہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فاضلانہ مقالہ میں بھی متوجہ کیا ہے۔

(الفرقان صفحہ ۲۴۴)

اور پھر ان علوم سہ گانہ میں انبیائے سابقین کے لحاظ سے شاہ صاحب نے ایک عجیب ترتیب بیان فرمائی ہے اور اس کی نہایت عمدہ توضیح وتشریح بھی فرمادی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ ان مضامین کے تکرار کی حکمت بھی سعادت انسانی کے ایجابی اسباب اختیار کرنے کی نہایت مؤثر و بلیغ پیرایہ بیان میں اہمیت بتانے کے بعد اس کے لئے گویا سلبی تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وبالجملۃ نیعلو علماء لایحتمل النقیض ان سعادتہ فی اکتساب ھذہ دان

شقاوته فى اهمالها ولابدله من سوط ينبهه البهيمة تنبيها قويا ويزعجها ازعاجا شديداً واختلف مسالك الانبياء فى ذلك فكان عمدة ما انزل الله تعالى على ابراهيم التذكير بآيات الله الباهرة وصفاته العليا ونعمه الآفاقية والنفسانية حتى يصحح بمالا مزيد عليه انه حقيق ان يؤثر واذكره على ماسواه وان يحبه حبا شديداً ويعبده باقصى مجهودهم.

وضم الله معه لموسى عليه السلام التذكير بايام الله وهو بيان مجازاة الله تعالى للمطيعين والعصاة فى الدنيا وتقليبه النعم والنقم حتى يتحمل فى صدورهم الخوف من المعاصر ورغبة قوية فى الطاعات.

وضم معها لنبينا صلى الله عليه وسلم الانذار والتبشير بحوادث القبر وما بعده وبيان خواص البر والاثم ولا يفيد اصل العلم بهذه الامور بل لابد من تكرارها وترد ادها وملاحظتها كل حين وجعلها بين عينيه حتى تمتلئ القوى العلمية بها فتنقاد الجوارح لها.

اور پھر شاہ صاحب یہ مضمون اس پر ختم کرتے ہیں

وهذه الثلاثة مع اثنين اخرين احدهما بيان الاحكام من الواجب والحرام وغيرهما بيان الاحكام من الواجب والحرام وغيرهما. وثانيهما مخاصمة الكفار فنون خمسة هى عمدة علوم القرآن العظيم (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲)

راقم سطور کو اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا تامل نہیں کہ علوم ثلاثہ کی انبیائے سابقین پر نزول کی یہ ترتیب ایسے حکیمانہ اور معجبانہ انداز میں نظر سے نہیں گذری اور نہ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے ہی کبھی ذہن اس طرف منتقل ہوا۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

خلیج کی موجودہ جنگ حدیث کی روشنی میں

(از:- ڈاکٹر مولانا ماجد علی خاں، شعبۂ اسلامیات (اسٹڈیز) جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔

حضرت ذی مخبرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے مسلمانو تم عنقریب روم سے باامن صلح کروگے پھر تم اور رومی باہم مل کر ایک اور دشمن سے مقابلہ کروگے پس تمہاری مدد کی جائے گی، تم غنیمت حاصل کروگے اور سلامت رہوگے، پھر تم سب (یعنی مسلمان اور رومی) واپس ہوگے اور ایک ایسی جگہ قیام کروگے جو سبزہ سے شاداب ہوگی اور جہاں ٹیلے ہوں گے، وہاں نصرانیوں میں ایک شخص صلیب کو لے کر کھڑا ہوگا اور کہے گا ہم نے صلیب کی برکت سے فتح اور غلبہ حاصل کیا، اس پر ایک مسلمان غضب ناک ہوجائے گا اور صلیب کو توڑ ڈالیگا اس وقت رومی عہد کو توڑ ڈالیں گے اور جنگ کے لئے لشکر جمع کریں گے اور بعض راویوں نے اس حدیث میں یہ الفاظ بیان کئے ہیں کہ مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف دوڑیں گے اور نصرانیوں سے لڑیں گے، پس خداوند تعالیٰ مسلمانوں کی اس جماعت کو شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔

(رواہ ابوداؤد، کذا فی مشکوۃ، کتاب الفتن، باب الملاحم)

اس حدیث میں روم سے مراد عیسائی یا اہل مغرب (WESTERN POWER) ہیں راقم السطور کے محدود علم میں تاریخ اسلام میں حالت امن میں اس طرح کا معاہدہ (امناً وصلحاً) اب تک نہیں ہوا جس طرح موجودہ معاہدہ مسلمانوں (یعنی سعودی عرب، کویت، امارات، بحرین قطر وغیرہ کی مسلم حکومتوں) اور اہل مغرب کی عیسائی قوتوں (امریکہ، انگلینڈ، فرانس وغیرہ) کے درمیان عراق کے کویت پر قبضہ کرلینے کے بعد ہوا ہے۔ اور جسکے نتیجہ میں کئی لاکھ مغربی افواج، ایک ہزار سے زیادہ جنگی ہوائی جہاز سیکڑوں بحری جہاز، ہزاروں ٹینک اور دیگر آلات حربیہ جزیرۃ العرب میں آگئے ہیں، اس کے علاوہ موجود

عراق اپنی ضد پر اٹل رہا جس کے نتیجہ میں آج ۱۷ جنوری ۱۹۹۱ء (۳۰/۲۹ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ) بروز جمعرات منحوس جنگ کی ابتدا ہوگئی۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنی مشہور کتاب "قیامت نامہ" میں اس کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں لیکن انھوں نے دشمن عراق کو نہیں مانا ہے بلکہ ایک اور عیسائی حکومت کو اور جگہ قسطنطنیہ و شام بتائی ہے۔ ان کے الفاظ جیسا کہ بہشتی زیور میں نقل کئے گئے ہیں یہ ہیں: "اور اسی زمانہ میں شام کے ملک میں ایک شخص ابوسفیان کی اولاد سے ایسا پیدا ہو کہ بہت سے سیدوں کا خون کرے اور شام و مصر میں اسکے حکم احکام چلنے لگیں۔ اسی عرصہ میں روم کے مسلمان بادشاہ کی نصاریٰ کی ایک جماعت سے لڑائی ہو اور نصاریٰ کی ایک جماعت سے صلح ہوجائے۔ دشمن جماعت شہر قسطنطنیہ پر چڑھائی کرکے اپنا عمل دخل کرلیں، وہ بادشاہ اپنا ملک چھوڑ کر شام کے ملک میں چلا جائے اور نصاریٰ کی جس جماعت سے صلح اور میل ہو اس جماعت کو اپنے ساتھ شامل کرکے اس دشمن جماعت سے بڑی بھاری لڑائی ہو، اور اسلام کے لشکر کو فتح ہو۔ ایک دن بیٹھے بٹھلائے جو نصاریٰ موافق تھے ان میں سے ایک شخص ایک مسلمان کے سامنے کہنے لگے کہ ہماری صلیب کی برکت سے فتح ہوئی، مسلمان اس کے جواب میں کہے کہ اسلام کی برکت سے فتح ہوئی، اسی میں بات بڑھ جائے یہاں تک کہ دونوں آدمی اپنے اپنے مذہب والوں کو پکار کر جمع کرلیں اور آپس میں لڑائی ہونے لگے، اس میں اسلام کا بادشاہ شہید ہوجائے اور شام کے ملک میں بھی نصاریٰ کا عمل دخل ہوجائے اور یہ نصاریٰ اس دشمن جماعت سے صلح کرلیں اور بچے کھچے مسلمان مدینہ کو چلے جائیں اور خیبر کے پاس تک نصاریٰ کی عملداری ہوجائے۔" (بہشتی زیور از مولانا اشرف علی تھانوی ساتواں حصہ ص ۴۳، ۴۴)

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اپنے دور کے حالات کے مطابق مندرجہ بالا صورتِ حال احادیث کی روشنی میں تحریر کی ہے، لیکن راقم السطور کے خیال میں مندرجہ بالا حدیث خلیج کے موجودہ حالات کی عکاسی کرتی ہے۔

اس سلسلہ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو یہ حدیث۔

حضرت اُمّ سلمہ رضؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ (بادشاہ) کے مرنے پر اختلاف واقع ہوگا پھر ایک شخص مدینہ سے نکلے گا اور مکہ کی طرف چلا جائے گا، مکہ کے

لوگ اُس کے پاس آئیں گے اور اس کو گھر سے باہر نکال کر لائیں گے اور حجرِ اسود و مقام ابراہیم کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو اپنا خلیفہ بنالیں گے۔ حالانکہ وہ شخص اس کو پسند نہیں کرے گا (یہ شخص امام مہدیؑ ہوں گے) پھر شام کے (بادشاہ کی طرف سے) اس کے مقابلہ کیلئے ایک لشکر بھیجا جائے گا جس کو مکہ و مدینہ کے درمیان مقام بیداء پر زمین میں دھنسا دیا جائے گا، جب لوگوں کو اس کی خبر پہونچیگی اور یہ حال معلوم ہوگا تو شام کے ابدال اور عراق کے بہت سے لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، پھر قریش میں سے ایک اور شخص جس کی ننھیال قبیلہ کلب میں ہوگی، اس شخص (یعنی امام مہدی) کے خلاف لشکر بھیجے گا، اور اس لشکر پر امام کا لشکر غالب آئے گا۔ اور یہ فتنہ لشکر کلب کا فتنہ ہے۔ وہ (یعنی امام مہدی) لوگوں کے درمیان اپنے رسول کی سنت کے مطابق عمل کریں گے اور اسلام اپنی گردن زمین پر رکھدیگا (یعنی قائم اور استوار ہوجائے گا)۔ وہ (یعنی امام مہدی) سات برس تک قائم رہیں گے پھر وفات پاجائیں گے، اور ان کے جنازہ پر مسلمان نماز پڑھیں گے"

(رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ)

شاہ رفیع الدین دہلوی، اپنی مندرجہ بالا مرقوم عبارت کے آگے تحریر فرماتے ہیں۔

• اس وقت مسلمانوں کو فکر ہو کر حضرت مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا چاہیئے۔ تاکہ ان مصیبتوں سے جان چھوٹے۔ اس وقت امام مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں ہوں گے اور اس ڈر سے کہ کہیں حکومت کے لئے میرے سر نہ ہوں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ چلے جائیں گے، اور اس زمانے کے ولی جو ابدال کا درجہ رکھتے ہیں سب حضرت امامؑ کی تلاش میں ہوں گے، اور بعض لوگ جھوٹ موٹ بھی دعویٰ مہدی ہونیکا کرنا شروع کر دینگے غرض امام خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے اور حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان میں ہوں گے اور بعضے نیک لوگ ان کو پہچان لیں گے اور ان کو زبردستی گھیر گھار کر ان سے حاکم بنانے کی بیعت کرلیں گے اور اسی بیعت میں ایک آواز آسمان سے آئے گی جس کو سب لوگ جتنے وہاں موجود ہوں گے سنیں گے وہ آواز یہ ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یعنی حاکم بنائے ہوئے امام مہدی ہیں اور حضرت امام کے ظہور سے بڑی نشانیاں قیامت کی شروع ہوتی ہیں، غرض جب آپ کی بیعت کا قصہ مشہور ہوگا تو مدینہ منورہ میں جو فوجیں

مسلمانوں کی ہوں گی وہ مکہ چلی آئے گی اور ملک شام وعراق اور یمن کے ابدال اور اولیاء سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور بھی عرب کی بہت فوجیں اکٹھی ہو جائیں گی جب یہ خبر مسلمانوں میں مشہور ہوگی ایک شخص خراسان سے حضرت امام کی مدد کے واسطے ایک بڑی فوج لے کر چلے گا جس کے لشکر کے آگے چلنے والے حصہ کے سردار کا نام منصور ہوگا اور راہ میں بہت سے بد دینوں کی صفائی کرتا جائے گا اور جس شخص کا اوپر ذکر آیا ہے کہ ابوسفیان کی اولاد میں ہوگا اور سیدوں کا دشمن ہوگا چوں کہ حضرت امام بھی سید ہوں گے وہ شخص حضرت امام کے لڑنے کو ایک فوج بھیجے گا جب یہ فوج مکہ ومدینہ کے درمیان کے جنگل میں پہونچے گی اور ایک پہاڑ کے تلے ٹھہرے گی تو یہ سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے صرف دو آدمی بچ جائیں گے جن میں سے ایک تو حضرت امام کو خبر دے گا اور دوسرا اس سفیانی کو خبر پہونچائے گا اور نصاریٰ سب طرف سے فوجیں جمع کریں گے اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کریں گے، اس لشکر میں اس روز اسّی جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے ساتھ بارہ ہزار آدمی ہوں گے تو کل آدمی نولاکھ ساٹھ ہزار ہوئے، حضرت امام مکّہ سے چل کر مدینہ تشریف لائیں گے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کی زیارت کر کے شام کے ملک کو روانہ ہوں گے اور شہر دمشق تک پہنچنے پائیں گے کہ دوسری طرف سے نصاریٰ کی فوج مقابلہ کو آجائے گی۔"

(بہشتی زیور از مولانا اشرف علی تھانویؒ" ساتواں حصہ ص ۴۴، ۴۵)

اس کے آگے حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں اور نصاریٰ کے لشکروں کے مقابلہ کی جو تفصیلات احادیث میں آئی ہیں وہ لکھی ہیں اسی ذیل میں ظہور دجال اور نزول مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آئی ہوئی احادیث کو بنیاد بناکر تفصیلات لکھی ہیں، یہ سب تفصیلات احادیث میں اور بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں یا قیامت نامہ از شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اس مضمون میں بنیادی طور پر صرف دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں جو ان تمام پیشین گوئیوں کی اصل ہیں، امام مہدیؑ، ظہور دجال اور نزول حضرت مسیحؑ کے بارے میں تقریباً تمام روایات مشکوٰۃ شریف میں جمع کردی گئی ہیں اس میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

راقم السطور کے اس مضمون میں تحریر کی گئی پہلی حدیث کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس

حدیث کا مصداق موجودہ خلیجی جنگ ہے تو عراق پر فتح کے بعد مغربی افواج اور مسلمانوں کے درمیان عرب (سعودی عرب) کی سرزمین پر ایک اور جنگ ہوگی جس میں مسلمانوں کو زبردست ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا، اور یہ جنگ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق عقائد کی بنیاد پر ہوگی ــــ یعنی عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہوگا کہ ان کی صلیب کی برکت سے یہ پہلی جنگ جیتی گئی ہے جب کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے پہلی جنگ جیتی گئی ہے۔ دیکھئے کیا صورت پیش آتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ راقم السطور کا یہ قیاس صحیح ثابت نہ ہو اور اس حدیث کا مصداق آئندہ آنے والا کوئی اور واقعہ ہو، واللہ اعلم۔

اس وقت مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں دعا و توبہ میں مشغول ہوں اس کی اطاعت کو اختیار کریں۔

اطلاع

ماہ اپریل ۱۹۹۱ء اور ماہ مئی ۱۹۹۱ء کا شمارہ

مئی ۱۹۹۱ء میں ایک ساتھ آئے گا

ماہ اپریل ۱۹۹۱ء کے شمارہ کا انتظار نہ کریں

والسلام

منیجر ماہنامہ دارالعلوم

غزل

از:- شمس غازی آبادی - بہٹہ ابوخان، غازی آباد

بجز تیرے وہ جلوے چشم حیراں کون دیکھے گا
کہ خود اپنی نظر کو خیرہ ساماں کون دیکھے گا

بُتِ سیمیں بدن کو نیم عریاں کون دیکھے گا
کہ اِس عالم میں کافر کو مسلماں کون دیکھے گا

ذرا سی دیر پروانے کا جلنا دیکھنے والو
سحر تک گریۂ شمعِ فروزاں کون دیکھے گا

لبِ ساحل سے موجوں کا تماشہ دیکھنے والو
اٹھے گا جب قیامت خیز طوفاں کون دیکھے گا

سب ان کے ہیں سنے گا کون ان کے جور کا قصہ
مرا حالِ زبوں از روئے ایماں کون دیکھے گا

ہم اپنے قتل کا الزام خود اپنے ہی سر لیں گے
سرِ محشر بھلا ان کو پشیماں کون دیکھے گا

مجھے بھی عازمانِ سیرِ دریا ساتھ لے لیتا
فقط قطرہ اُٹھا کر نبضِ طوفاں کون دیکھے گا

اگرچہ بربطِ تارِ رگِ جاں چھیڑ رکھا ہے
مگر اے شمس تیرا سوزِ پنہاں کون دیکھے گا

مسجدِ جدید دارالعلوم دیوبند

جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے

دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان و معاونین حضرات کو جیساکہ معلوم ہے کہ تقریباً چار سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک آراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔

الحمد للہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے، اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے، اس مسجد سے طلبا دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کیلئے جگہ ہوجائے گی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقہ جاریہ ہوگا اور وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے

تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اس وقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے

اسلئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے، کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہو سکے۔

: پتہ :

ڈرافٹ و چیک کیلئے : • دارالعلوم دیوبند، اکاؤنٹ نمبر 30076 اسٹیٹ بینک آف انڈیا۔ دیوبند

منی آرڈر کیلئے : (حضرت مولانا) مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤدوالا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس اختر سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کمل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ (مدیر)

اجودھیا کی تاریخی حیثیت

اجودھیا ہندوستان کا ایک قدیم شہر ہے جو فیض آباد شہر سے جنوب مشرق میں تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گھاگھرا کے کنارے آباد ہے۔

اجودھیا کی قدامت

اجودھیا کا سب سے قدیم ذکر والمیک کی رزمیہ نظم رامائن میں ملتا ہے۔ والمیک کے اس تذکرہ کا خلاصہ یہ ہے۔

" قدیم زمانہ میں ایک بڑی سلطنت کوسل نامی دریائے سرجو (گھاگھرا) کے کنارے واقع تھی اس کا دارالسلطنت اجودھیا تھا، جس کو خود منو نے آباد کیا تھا (منو انسان کے ابوالآبار کو کہتے ہیں) اس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں اور ایک ناقابلِ عبور خندق اس کی حفاظت کا سامان تھے، یہاں ایسے ایسے آلاتِ حرب موجود تھے جو ایک دم سو سو آدمیوں کو ہلاک کر سکتے تھے، کئی محل اور بہت سی منزل در منزل عمارتیں اس کی رونق تھیں، یہ تھا اجودھیا کا وہ شہر جو دنیا میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا[1]

لیکن والمیک کے اس بیان کو عصر حاضر کے غیر مسلم دانشور بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے چنانچہ

---

[1] رامائن از گرفتھ کتاب ۱ باب ۵ اشلوک ۵ بحوالہ معارف اعظم گڈھ ص۳ جلد ۹۲ ص ۹، ۱۷ مقالہ بعنوان رامائن پر ایک نظر

سرد پلی گوپال، رومیلا تھاپر، بپن چندر، ایس بھٹاچاریہ، سوریا بھیسوال، ہربنس مکھیا، کے این پنیکر
آرچمپک لکشمی، ستیش اگروال، بی ٹی چٹوپادھیائے، آر این ورما، کے میناکشی، دلباغ سنگھ
مردو لا مکھرجی، مادھون پلات، آدتیہ مکرجی، ایس ایف رتناگر، نیلادری بھٹاچاریہ، کے کے ترپویدی
یوکیس شرما، کنال چکرورتی، بھگوان سنگھ جوش، راجن گرد کل، ہیمان شوری۔ پورے دو درجن
تاریخ کے اسکالروں نے متفقہ طور پر والمیک کے اس بیان پر درج ذیل تنقید کی ہے۔

"والمیکی راماین کے مطابق ایودھیا کے "راجہ رام" کلیگ شروع ہونے سے ہزاروں سال پہلے تریتا یگ میں پیدا ہوئے تھے۔ کلیگ ۳۱۰۲ ق م میں شروع ہوتا ہے اس زمانہ میں آثار قدیمہ کی رو سے ایودھیا آباد ہی نہیں تھا۔ یہاں سب سے پرانی ممکن بستی آٹھویں صدی قبل مسیح میں تھی، والمیکی راماین میں بیان کئے گئے طرز زندگی کے برخلاف اس زمانے میں رہن سہن خاصا معمولی اور سادہ تھا، والمیکی میں اعلیٰ شہری زندگی، شاہی محلات اور عمارتوں کا ذکر ہے جن کیلئے آٹھویں صدی قبل مسیح کے آثار قدیمہ سے کسی طرح کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔" [1]

ایک اور ہندو محقق و مورخ ڈاکٹر آر ایل شکلا پروفیسر دہلی یونیورسٹی یہ تبصرہ کرتے ہیں۔

"بعض مورخین راماین میں بیان کئے گئے "رام" کو حقیقی کردار مانتے ہیں، یہ مورخین رام کا زمانہ ڈھائی ہزار سال قبل مسیح مانتے ہیں .... اگر ہم اس تحقیق کو مان لیں تو راماین میں جن مقامات کا تعلق رام جی سے بیان کیا گیا ہے ان جگہوں میں عیسیٰ (علیہ السلام) سے ڈھائی ہزار سال پہلے انسانی زندگی کے آثار ملنے چاہئیں اسی مقصد کے تحت تین مقامات کی کھدائی ہوئی (۱) ضلع فیض آباد میں اجودھیا کی (۲) الہ آباد سے ۳۵ کلومیٹر شمال میں واقع شرنگویر پور کی (۳) اور الہ آباد میں واقع بھاردواج آشرم کی، اجودھیا میں کھدائی آج سے تقریباً ۲۵ سال پیشتر ہوئی تھی، اس وقت وہاں آبادی کی علامتیں عیسیٰ (علیہ السلام) سے چھ سو سال پہلے کی نہیں ملی تھی، اور اب سے تقریباً دس سال پہلے دوبارہ بڑے پیمانہ پر

---

[1] تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال۔ روزنامہ قومی آواز دہلی ۲ر نومبر ۱۹۸۹ء

وہاں (اجودھیا) کی کھدائی ہوئی، اس کھدائی سے بھی آبادی کے متعلق وہی نتیجہ نکلا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے زیادہ سے زیادہ سات سو سال قبل کی آبادی کے آثار پائے گئے (اس سے پہلے کے نہیں) اب اگر یہ مان لیا جائے کہ موجودہ اجودھیا ہی رام جی کی نگری تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ رام جی کے زمانہ سے اجودھیا کی آبادی کے زمانہ کی تطبیق کیوں نہیں ہوتی کیونکہ رام جی کا زمانہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے کم از کم ڈھائی ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے، اس تحقیق کے اعتبار سے موجودہ اجودھیا رام جی کی بھومی نہیں ہو سکتا ہے[1]

ڈاکٹر شکلا اسی مقالہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"والمیکی رامائن کے مطابق کوسل کا پایہ تخت اجودھیا سرجوندی (دریائے گھاگھرا) کے داہنی سمت ڈیڑھ یوجن (۱۲½ میل) کے فاصلے پر سرجو سے پورب میں تھا جب کہ آج کا اجودھیا سرجو کے بالکل کنارے پچھم طرف واقع ہے، والمیکی کے اس بیان سے بھی موجودہ اجودھیا کا تعلق رام جی کے اجودھیا سے قائم نہیں ہوتا"

والمیک کی اس روایت کے بالمقابل بعض مسلم تاریخ نویسوں نے شہر اجودھیا کا تعلق ابوالبشر آدم علیہ السلام کے حقیقی وصلبی بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے جوڑا ہے اور لکھتے ہیں کہ اجودھیا کے اولین بانی حضرت شیث علیہ السلام ہیں، اور بہت سے مؤرخین نے حضرت شیث علیہ السلام کا مدفن اجودھیا ہی کو قرار دیا ہے، چنانچہ آپ کے نام سے منسوب ایک قبر اجودھیا میں آج بھی موجود ہے جس کی تفصیل کتاب کے آخری باب میں ذکر کی گئی ہے، لیکن آثار قدیمہ کی اس جدید تحقیق کی رو سے یہ روایت بھی مخدوش ہو جاتی ہے۔

اجودھیا کے متعلق ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ ترتیا یگ کے بعد اجودھیا گم ہو گیا تھا جس کو وکرادتیہ نے دوبارہ دریافت کیا، اس روایت کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"وکرادتیہ کو جب اجودھیا کی جستجو ہوئی تو انھیں کسی ذریعہ سے پتہ چلا کہ تیرتھوں کے حکمراں پریاگ کو اجودھیا کے جائے وقوع کا علم ہے چنانچہ وکرما ان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اجودھیا کے جائے وقوع کے بارے میں معلومات چاہی، پریاگ

---

[1] مقالہ رام کی نگری اجودھیا جھوٹ یا سچ، شائع شدہ ایشک سنواد ماہ نومبر ۱۹۸۶ء ص ۱۲

نے انھیں اس مقام کی نشاندہی کردی جہاں پہلے اجودھیا واقع تھا لیکن پریاگ سے صحیح پتہ معلوم کرلینے کے باوجود وکرما اجودھیا کو پا نہیں سکے تو انھوں نے ایک یوگی سے رجوع کیا، یوگی نے ان سے کہا کہ وہ ایک گائے اور ایک بچھڑی کو کھلے مہار آزاد چھوڑ دیں جس جگہ پہنچ کر بچھڑی کے تھن سے دودھ ٹپکنے لگے وہی اجودھیا ہوگا، وکرما نے یوگی کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا اور اجودھیا کے پالینے میں کامیاب ہوگیا[۱]

اس روایت کی تمامتر بنیاد مذہبی خوش اعتقادی پر ہے، جس کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ عصر جدید کے ہندو مؤرخین جنھوں نے مذہبی خوش عقیدگی کے بجائے تاریخی دلائل وشواہد پر اپنی تحقیق وبحث کی بنیاد رکھی ہے وہ والمیکی میں مذکور اجودھیا کو ایک شاعرانہ تخیل سے زیادہ کی حیثیت نہیں دیتے۔

موجودہ اجودھیا کی شناخت تاریخی لحاظ سے پانچویں صدی عیسوی سے ہوئی ہے، اس سلسلے میں تاریخ نے اپنے صفحات میں جو تفصیلات محفوظ کی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ گپت خاندان کے راجہ سکند گپت جس کی راجدھانی سکیٹہ یا ساکا (موجودہ ساکیت) تھی اپنے بعض سیاسی مصالح کے پیش نظر اس کا نام تبدیل کرکے اسے اجودھیا سے موسوم کردیا تھا جو دھیا سے ملحق ساکیت نام کی ایک آبادی آج بھی موجود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سکیٹہ اجودھیا بن جانے کے باوجود ایک حد تک باقی رہا، اسی کے ساتھ سکوں میں اپنا اصلی نام کندہ کرانے کے بجائے جدید نام وکرماجیت کندہ کرایا، بہت سے مؤرخین کا خیال ہے کہ ان جذبات طرازیوں سے اس کا مقصد سوریہ ونسی راجوں کا وقار حاصل کرنا تھا کیونکہ راجہ رام چندر جی کے بارے میں یہی روایت ہے کہ وہ سوریہ ونسی (سورج بنسی) تھے، یہ سکندگپت (الملقب بہ وکرماجیت) خود سانکیہ دھرم کا پیرو تھا اور بعد میں بدھ مت کا معتقد ہوگیا تھا، رام جی سے اسے کوئی مذہبی عقیدت نہیں تھی۔

سکندگپت (وکرماجیت) کے بارے میں کننگھم نے لکھا ہے کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بودھ مت کے پیروؤں کا دشمن تھا، لیکن کننگھم کی یہ سنی سنائی بات درست نہیں ہے کیونکہ ونسنٹ اے اسمتھ نے اپنی مختصر تاریخ ہند میں تاریخی حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اولاً سانکیہ دھرم کا

---

[۱] تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال، قومی آواز ۲ر نومبر ۱۹۹۰ء

پیرو تھا، بعد میں ایک بدھسٹ عالم کی تبلیغ سے بودھ مت کا معتقد ہوگیا، اسمتھ لکھتا ہے۔

> ۳۵۰ء کے قریبی زمانہ میں بودھ مذہب کے ایک زبردست عالم "بسوبندھو" کی سوانح عمری "پرمارتھ" نامی عالم نے لکھی ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ اجودھیا کا راجہ بکرماجیت (سکند گپت) جو سانکیہ کے فلسفہ کا پیرو تھا اس کو "بسوبندھو" نے بودھ مت کا معتقد بنالیا تھا، یہ سوانح عمری چینی زبان میں محفوظ رہ گئی ہے[1]

مسلم دور حکومت میں لکھی گئی تاریخوں میں اجودھیا کا قدرے مفصل ذکر شہنشاہ اکبر کے درباری فاضل علامہ ابوالفضل متوفی ۱۰۱۱ھ نے اپنی فاضلانہ تصنیف آئین اکبری میں کیا ہے، ابوالفضل نے بھی عوامی روایتوں ہی کے بیان پر اکتفا کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

> اودھ از بزرگ شہرہائے ہند طول صد و ہژدہ درجہ وشش دقیقہ عرض بست وہفت درجہ وبیست ودو دقیقہ بپیش زمان بدراز صد وچہل وہشت کردہ وپنہا سی وشش آباد بود از گزین معابد باستان برشمارند بسواد شہر خاک بیزی کنند وطلا برگیرند بنگاہ راجہ رام چندر بود در دور ترتیا فرماں روائی معنوی باتخت نشینی صوری فراہم داشت یک کروہے شہر دریائے گھگھر بدریائے سرجو پیوستہ پایاں قلعہ بگذرد، نزد ایں شہر دو قبر بزرگ ساختہ اند شش وہفت گزی عامہ خوابگاہ شیث وایوب پیغمبر پندارند وبوے افسانہا برخوانند[2]

> اودھ ہندوستان کے بڑے شہروں میں ہے، اس کا طول البلد ایک سو اٹھارہ درجہ چھ دقیقہ اور عرض البلد ۲۷ درجہ بائیس دقیقہ ہے، قدیم زمانہ میں اس کی آبادی ایک سو اڑتالیس کوس لمبائی میں اور چھتیس کوس چوڑائی میں تھی، یہ ہندوستان کی بہت بڑی تیرتھ گاہ ہے، اطراف شہر میں زمین کھودنے سے سونا نکلتا ہے یہ شہر راجہ رام چندر کا مسکن تھا جو ترتیا دور میں ظاہری وباطنی ریاست کے حامل تھے، شہر سے ایک کوس کے فاصلے پر ندیائے گھاگھرا دریائے سرجو سے مل گیا ہے، اور قلعہ (سلطان سکندر لودھی کا تعمیر کردہ قلعہ جواب دریا برد ہو چکا ہے) کے پاس سے گذرتا ہے، شہر کے نزدیک

---

[1] مقدمہ تاریخ ہند، اکبر شاہ نجیب آبادی ج ۱ ص ۸۱۔ [2] آئین اکبری ج ۲ ص ۸۷۔

چھ سات گز لمبی دو قبریں ہیں جنھیں عوام شیثؑ اور ایوبؑ پیغمبر کا مدفن بتاتے ہیں، اور ان کے متعلق عجیب و غریب قصے سناتے ہیں۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ اجودھیا کے متعلق یہ درج کیا ہے۔

اجودھیا (بفتح ہمزہ و ضم مجہول جیم و سکون واؤ و کسر دال و ہائے خفی و یائے تحتانی والف) بہ اودھ مشہور از مشرق تا چہل کردہ معبد شمرند و از شمال تا جنوب بیست کروہ در نہم شکل بچھ ماہ چیت ہنگامہ پرستش فراہم آید۔ [1]

اجودھیا جو اودھ سے مشہور ہے پورب جانب سے چالیس کوس اور دکھن سے اتر بیس کوس کے علاقہ کو متبرک شمار کرتے ہیں، چیت کی نویں تاریخ کو یہاں مذہبی میلہ ہوتا ہے۔

اجودھیا سے متعلق سب سے مفصل وہ رپورٹ ہے جو الگزنڈر کیننگھم نے ۱۸۷۱ء میں مرتب کی تھی، اس میں مندرج بعض باتیں قطعی طور پر غلط اور فساد انگیزی پر مبنی ہیں، پھر بھی اجودھیا کے بارے میں اب تک اس سے زیادہ معلومات افزا تحریر نہیں لکھی گئی ہے ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان پر انگریزی حکومت کا تسلط مستحکم ہوگیا تو اپنے سامراجی مقاصد کے تحت حکومت نے جہاں بہت سے کام انجام دیئے وہاں آثار قدیمہ کا محکمہ قائم کرکے ان پر کتابیں لکھوانی شروع کیں اور ہر ضلع کے گزیٹر بھی مرتب کرائے۔ بظاہر یہ کام بہت مفید دکھائی دیا مگر ان میں جو زہر بھرا گیا ان سے عام طور پر لوگ بے خبر رہے، الگزنڈر کیننگھم ہندوستانی آثار قدیمہ کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے، اس کی رپورٹیں آج تک تحقیقی و تاریخی کاموں کیلئے ناگزیر سمجھی جاتی ہیں، کیننگھم نے اپنی رپورٹ کی جلد اول میں اجودھیا پر جو باب لکھا ہے اس موقع پر اسکے کچھ ضروری اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں۔

"چینی سیاح ہیون سیانگ کا بیان ہے کہ گوتم بدھ وساکا میں چھ سال رہے یہ سرسوتی کے جنوب میں کچھ فاصلہ پر تھا۔ میرے خیال میں وساکا اور ساکیت دونوں ایک ہی جگہیں ہیں۔"

اس کے بعد وہ اجودھیا کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

---

[1] آئین اکبری ج ۲ ص ۰۰

• اجودھیا کا موجودہ شہر پرانے شہر کے اتر پورب میں واقع ہے، لمبائی میں دو میل ہے اور پون میل چوڑا ہے۔ لیکن اس شہر کا آدھا حصہ بھی عمارتوں سے آباد نہیں ہے، پورے شہر میں زوال کے آثار ہیں، کھنڈروں کے اونچے اونچے ٹیلے بھی نہیں ہیں، وہاں ٹوٹی پھوٹی مورتیاں بھی نہیں ملتی ہیں، منقش ستون بھی نہیں پائے جاتے ہیں جیساکہ دوسرے شہروں کے ویرانوں میں پائے جاتے ہیں، کوڑے کرکٹ کے تودے تو ضرور ہیں جن سے اینٹیں نکال کر پڑوسی شہر فیض آباد کے مکانات بنائے گئے ہیں، یہ مسلمانوں کا شہر ڈھائی میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہے یہ شہر ملبوں سے بنا ہوا ہے جو اجودھیا میں کھود کر نکالے گئے ہیں دونوں شہر چھ مربع میل میں واقع ہیں، یہ گویا رام کی قدیم راجدھانی اجودھیا کا نصف ہے۔

کیننگھم آگے لکھتا ہے۔

رامائن کے بیان کے مطابق اجودھیا کو منو نے آباد کیا، منو انسان کے ابوالآبا سمجھے جاتے ہیں، رام چندر کے پتا دسرتھ کے زمانہ میں اس میں قلعہ بند شہر تھے، پھاٹک بھی تھے اور اس کے چاروں طرف خندقیں تھیں، لیکن ان کا نام ونشان اب دکھائی نہیں دیتا، اس کا کوئی حصہ بھی باقی نہیں، کہا جاتا ہے کہ "رام" کا اجودھیا دریہاد بالا کی موت کے بعد ایک بڑی لڑائی میں ۱۴۲۶ ق م میں برباد ہوگیا اس وقت سے وکرماجیت کے زمانہ تک یہ ویران رہا، مشہور روایت یہ ہے کہ وکرماجیت اجین کا مشہور شکاری راجہ تھا، موجودہ دور کے ہندو وکرما کے سارے اعمال اسی سے منسوب کرتے ہیں، اس سلسلے میں ان کی رائے مہمل ہے، ہیون سیانگ کا بیان ہے کہ اسی کا ایک طاقتور راجہ سرسوتی کے پڑوس میں کنشک سے بعد کا تھا اور تقریباً ۷۸ ق م کا زمانہ تھا[1]، اور یہی سالی واہانہ کے شروع سا کاسنگ کا زمانہ تھا

---

[1] گپت خاندان کے راجاؤں نے اودھ اور شمالی ہند میں ابتدائے ۳۱۹ء تا ۴۷۰ء سلطنت کی البتہ شالباہن کا زمانہ ۷۸ء وہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گپت خاندان راجہ شالباہن کے ۲۴۱ سال بعد مسند آرائے سلطنت ہوئے ہیں، کیننگھم کا بیان اس سلسلے میں مہمل ہے تفصیل کیلئے دیکھئے مختصر تاریخ ہند ص ۱۳۰ از ڈاکٹر ڈبلو ڈبلو ہنٹر

اس وکرماجیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بودھ مذہب کے پیروؤں کا دشمن تھا وہ بڑا سرگرم برہمن تھا، میری رائے ہے کہ اسی نے اجودھیا کی ازسرِ نو تعمیر کی اور رام چندر کی تاریخ میں جو مقدس جگہ ان کے نام سے موسوم تھی ان کو تلاش کرایا روایتہً یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب وہ اجودھیا آیا تو یہ بالکل کھنڈر تھا اور جنگلوں سے بھرا تھا، اس نے رام چندر کی مشہور جگہ کی کھوج لگائی سرجو کے گھاٹ سے اس نے پیمائش شروع کی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین سو ساٹھ مندر، رام چندر، ان کی بیوی سیتا، لکشمن اور شتروگھن، ہنومان اور دوسرے ناموں پر بنوائے، تین سو ساٹھ کی تعداد کا تعلق سالی واہانہ سے بھی ہے کیونکہ راجہ کے قبیلہ کے دیس راجپوت کہتے ہیں کہ راجہ کی تین سو ساٹھ بیویاں تھیں یعنی ہر بیوی کی خاطر اس نے ایک مندر بنوایا۔

کچھ اور آگے چل کر لکھتا ہے۔

اجودھیا میں بہت سے برہمنوں کے مندر ہیں لیکن وہ جدید زمانہ کے ہیں ان میں اثری خوبیاں نہیں ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ مندر زیادہ تر ان مندروں کی پرانی جگہوں پر بنائے گئے ہیں جن کو مسلمانوں نے مسمار کر دیا تھا[1] رام کوٹ کا ہنومان گڑھی شہر کے پورب جانب ہے یہ چھوٹا سا قلعہ ہے جو دیواروں سے گھرا ہے یہ ایک جدید مندر کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے جو ایک ٹیلہ کے اوپر ہے، رام کوٹ یقیناً پرانا ہے اس کا تعلق منی پربت سے ہے، ہنومان کا مندر زیادہ پرانا

---

[1] کننگھم اسی رپورٹ میں آگے کی سطروں میں لکھتا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز میں وکرماجیت کے بنوائے ہوئے تین سو ساٹھ مندر ختم ہو چکے تھے اور اجودھیا تباہ ہو رہا تھا ۔۔ اور اجودھیا پر مسلمانوں کا اقتدار گیارہویں صدی عیسوی کے آخر یا بارہویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں قائم ہوا ہے اس لئے جو مندر ساتویں صدی یعنی مسلمانوں کے آنے کے چار سو سال پہلے ہی تباہ اور ختم ہو چکے تھے انھیں مسلمانوں نے کس طرح مسمار کر دیا؟ دراصل کننگھم نے اس یکسر خلاف عقل افسانہ کو لکھ کر ہندوؤں کو مسلمانوں سے برگشتہ کرنا چاہا جو اس کا اور ہر انگریز کا مقصد اولین تھا جس کے حصول کیلئے یہ لوگ خلاف عقل بعید از قیاس اور صد فی صد غلط اور جھوٹی باتوں کے کہنے اور لکھنے سے قطعاً نہیں گھبراتے۔

نہیں ہے، اورنگ زیب کے عہد سے پہلے کا نہیں ہے[1]، شہر کے پوربی کونے پر رام گھاٹ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں رام چندر نے اشنان کیا تھا، سرگ دواری یا سورگ دوار، سورگ کا پھاٹک ہے، اتر پورب میں اس کا تعین کیا جاتا ہے، جہاں رام چندر جلائے گئے، کچھ سال پہلے یہاں برگد کا درخت تھا جو اشوک بڑ کہلاتا تھا یعنی یہ وہ برگد ہے جس کے پاس غم نہیں پھٹکتا۔ شاید یہ نام سورگ وغیرہ کے تعلق سے رکھا گیا ہو جس کے بارے میں لوگوں کو یقین ہے کہ جو لوگ یہاں آکر مرجاتے ہیں یا جلائے جاتے ہیں وہ دوسرے جنم سے آزاد ہوجاتے ہیں، اسی کے پاس لکشمن گھاٹ ہے، جہاں رام چندر کے بھائی لکشمن نے اشنان کیا تھا، اور یہاں سے ۱/۴ میل کے فاصلے پر شہر کے قلب میں جنم استھان کا مندر کھڑا ہے، یہاں رام چندر پیدا ہوئے تھے، پھر پچھم کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر گپتار گھاٹ ہے، یہاں کئی سفید مندر ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہاں سے لکشمن غائب ہوگئے تھے اسی لئے اس کا نام گپتار ہے جس کے معنی چھپا ہوا ڈھکا ہوا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں سے لکشمن نہیں بلکہ رام غائب ہوئے، سورگ دواری میں ان کے جلائے جانے کے قصہ سے اس کی تطبیق نہیں ہوتی۔

کیننگھم یہ بھی لکھتا ہے۔

پرانے شہر میں بودھ کے بیس مندر تھے[2] وہاں تین ہزار بھکشو رہتے تھے اسی کے ساتھ برہمنوں کے پچاس مندر تھے اور برہمنوں کی آبادی تھی اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ساتویں صدی کے آغاز میں وکرماجیت کے بنائے ہوئے تین سو ساٹھ مندر ختم ہوچکے تھے اور اجودھیا تباہ ہورہا تھا[3]

---

[1] ہنومان گڑھی کے اس مندر کی ابتدائی تعمیر نواب شجاع الدولہ متوفی ۱۱۸۸ھ کے عہد میں ہوئی ہے اور ہنومان گڑھی کی تعمیر اس کے بھی بعد میں ہوئی، تفصیل کتاب میں ملاحظہ کریں۔

[2] ہیونگ سانگ کے بیان کے مطابق اس وقت اجودھیا میں بودھوں کے بیس نہیں بلکہ سو مندر تھے، تفصیل آگے آرہا ہے۔

[3] بابری مسجد، تاریخی پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں۔ از سید صباح الدین، ص ۳۰ تا ۴۲۔

اجودھیا کی مذہبی حیثیت تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجودھیا رام بھگتی کے مرکز کی حیثیت سے بہت بعد میں متعارف ہوا ہے اس سے پہلے وہ بودھ مت، جین مت، شیومت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز رہ چکا ہے چنانچہ جن بارہ غیر مسلم دانشوروں کا حوالہ گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے وہ مشترکہ طور پر لکھتے ہیں۔

"ایودھیا رام بھگتی کے مرکز کی حیثیت سے بہت بعد میں سامنے آتا ہے، پرانے زمانے میں یہ کئی مذاہب کے لئے مقدس مقام رہ چکا ہے، پانچویں صدی سے آٹھویں صدی بلکہ بعد کے کتبوں میں بھی ایودھیا کے باشندوں کے حوالوں میں کہیں بھی اس کا تعلق رام بھگتی سے نہیں ملتا ہے۔"[1]

(ایپی گرافیکا انڈیکا ۱۰ ص ۷۲، ۱۵ ص ۱۴۳-۱۰ ص ۱۴)

پٹنہ اور دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے سابق صدر، قدیم ہندوستانی تاریخ کے ماہر ڈاکٹر رام سرن شرما اپنی کتاب کمیونل ہسٹری اور رام کی اجودھیا میں لکھتے ہیں۔

"جب ہم ہندو عقائد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اجودھیا کو ازمنۂ وسطیٰ میں تیرتھ استھان کی حیثیت حاصل ہوئی ہے اس سے قبل اجودھیا کو یہ مقام حاصل نہیں تھا، وشنو سمرتی کے باب پچاسی میں باون تیرتھ استھانوں کی ایک فہرست ہے جس میں شہروں تالابوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے نام موجود ہیں لیکن اس فہرست میں اجودھیا کا نام موجود نہیں ہے، اس سمرتی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے قریب کی ہے اور اس میں درج تیرتھ گاہوں کی فہرست قدیم ترین فہرست ہے"[2]

چین کا مشہور بدھسٹ عالم اور سیاح ہیون سیانگ راجہ ہرش (مشہور بہ راجہ سلادت) کے زمانہ ۶۳۰ء میں ہندوستان آیا اور تقریباً پندرہ سولہ سال اور بقول مولوی ذکاء اللہ صاحب بیس سال یہاں رہ کر ملک کا چپہ چپہ چھان مارا جس کی مکمل تفصیل اس نے اپنے سفرنامہ میں درج کی

---

[1] تاریخ کا سیاسی استعمال، قومی آواز دہلی ۲ نومبر ۱۹۹۰ء
[2] کمیونل ہسٹری اور رام کی اجودھیا ص ۲۰ ہندی ایڈیشن مطبوعہ مئی ۱۹۹۰ء۔

ہے اس کا یہ سفرنامہ قدیم ہندوستان کی تاریخ کے لئے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے. جس کا انگریزی اردو وغیرہ بہت سے زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے، ہیونگ شیانگ نے اپنی تحریر کے مطابق کشمیر، پنجاب، سندھ، گجرات، مالوہ، متھرا، تھانیسر، قنوج، بنارس، پٹنہ، بہار، بنگال، آسام، اڑیسہ مدراس، آندھرا، ممالک متوسط، مہاراشٹر، کوکن، ٹرانکور وغیرہ اہم مقامات کی سیاحت کی، وہ ان جگہوں کے باشندوں، حاکموں اور عالموں کے حالات پوری بصیرت وقابلیت کے ساتھ لکھتا ہے وہ جب قنوج پہنچتا ہے تو اسے وہاں بودھ مذہب کی سو عبادت گاہیں اور دس ہزار پجاری ملتے ہیں اس وقت وہاں کا راجہ ویش ذات کا راجپوت ہرشادردھن (راجہ ہرش یعنی راجہ سلادت) تھا جس کے والد کا نام ہیونگ شیانگ پراکرردھن بتاتا ہے. یہ راجہ بدھ مت کا پیرو تھا اور بدھ کی تعلیمات کے مطابق پانچویں سال مہاموکش (کفارۂ گناہ کیلئے دان کا عظیم میلہ) کرتا تھا، ہیونگ شیانگ نے قنوج میں دریائے گنگا کے کنارے دو سو فٹ بلند اشوک کی لاٹ بھی دیکھی، شہر قنوج کے ایک ویہار (بودھ عبادت گاہ) میں اس نے ڈیرسین نامی ایک عالم کی مدد سے بودھ مت کی بعض کتابوں کا مطالعہ بھی کیا، قنوج کی سیاحت کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ یہاں سے میں اجودھیا کے لئے روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے۔

> یہاں (اجودھیا میں) ایک سو عبادت گاہیں (ویہار) اور کئی ہزار پجاری ہیں،
> وہ لکھتا ہے کہ میں نے اجودھیا میں بودھ مذہب کے قدامت پسند وجدت پسند
> دونوں فرقوں کے کتابوں کا مطالعہ کیا۔[1]

ہیونگ شیانگ کی اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی میں اجودھیا بدھوں کا مرکز تھا، بودھ دھرم والوں کا یہ بھی خیال ہے کہ گوتم بدھ نے اجودھیا میں کچھ دن قیام کیا ہے لیکن جب بہار کے ایک عظیم برہمن رہنما کمارل نے شیو کی پوجا کی ترویج واشاعت اور بودھ مذہب کی مخالفت میں ایک زبردست تشدد آمیز تحریک شروع کی اور خوش قسمتی سے انھیں دکن کے ایک طاقتور راجہ کی مکمل ہم نوائی بھی حاصل ہوگئی تو بدھسٹ جو پہلے ہی مذہبی تحزیب

---

[1] مقدمہ تاریخ ہند ج ا ص ۱۸۰- از اکبر شاہ نجیب آبادی

اور باہمی فرقہ بندیوں کی وجہ سے اپنی طاقت کھوچکے تھے اس پرتشدد تحریک کا مقابلہ نہ کرسکے، برہمن رہنما کمارل کے بعد ان کے مشہور چیلے شنکرا چاریہ (جن کا زمانہ آٹھویں صدی کا آخریا نویں صدی کا ابتدائی متعین کیا جاتا ہے) نے اپنی بے پناہ اور انتھک جدو جہد سے اس تحریک کو ارتقاء کی آخری حدوں تک پہنچا دیا، جس کے نتیجے میں بودھوں کے بڑے بڑے وہار اور قدیم عبادت گاہیں یا تو مسمار کردی گئیں یا انھیں شیو کے مندر میں تبدیل کرلیا گیا۔

مہاراشٹر کے ایک مورخ ڈاکٹر جمنا داس نے انگریزی زبان میں شائع شدہ اپنی کتاب "تروپتی بالاجی مندر بدھوں کی عبادت گاہ تھی"، کی تلخیص پندرہ روزہ اخبار" دلت، وائس" انگریزی مورخہ یکم تا ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۹۰ء میں شائع کرائی ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ میری کتاب میں بودھ مت کے زوال کے صرف ایک پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے جس میں بودھ مت کی عبادت گاہوں کو برہمن دھرم کے لئے استعمال کرنے کا جائزہ لیا گیا ہے، ماہرین ومحققین یہ بات پہلے ثابت کرچکے ہیں کہ پوری کا جگناتھ مندر، پندھاپور کا وشوبھا مندر اور بدری ناتھ مندر ابتدا میں بودھ عبادت گاہیں تھیں آندھرا پردیش کا مشہور تروپتی مندر بھی ایک ایسا ہی مندر ہے جو ابتدا میں بودھ وہار تھا۔

آگے چل کر ڈاکٹر جمنا داس نے کتاب کی جلدوں اور اس کے ابواب کی تفصیل پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ جلد اول کے باب دوم میں بودھ عبادت گاہوں پر برہمنوں کے قبضہ کی مثالیں پیش کی گئی ہیں، جن میں امراوتی، تیر، جیزولا، ایہول، انداولی، ایلورا، پوری، ادسرنگیری کے مندروں کا ذکر ہے کہ یہ ابتدا میں بودھ وہار تھے۔ باب سوم میں اس دعویٰ کے ثبوت فراہم کئے گئے ہیں کہ جگناتھ پوری کا مندر بودھ عبادت گاہ تھی، باب چہارم میں ثابت کیا گیا ہے کہ وٹھال پندھارپور کا مندر بودھ خانقاہ تھی، باب پنجم میں اس بات کے ثبوت ہیں کہ سیاری مالا (کیرلا) کا ایاپا مندر پہلے بودھوں کی عبادت گاہ تھی، باب ششم میں بیان کیا گیا ہے کہ ورک شرم مندر بودھ عبادت گاہ تھی، اور کس طرح بدھ" ایاکا - کونگ پوجا کے لئے استعمال کیا گیا۔ باب ہفتم میں اس دعویٰ کو مدلل کیا گیا ہے کہ نیلا ملائی میں سری سیلم مندر ابتدا میں بودھ عبادت گاہ تھی [1]

یہ ساری تفصیلات تقریباً ایک خاص خطے سے تعلق رکھتی ہیں، جس سے ہندوستان کے دیگر مقامات

---

[1] ہفت روزہ نئی دنیا دہلی ۱۳۰ تا ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۹۰ء

کی بودھ خانقاہوں کے متعلق نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل اور دشوار امر نہیں ہے، غالب گمان یہی ہے کہ شیومت کے احیاء اور بودھ مخالف تحریک کے اسی دور میں اجودھیا کی وہ یک صد خانقاہیں جن کی ہیونگ شیانگ سیاح نے زیارت کی تھی شیو مندروں میں تبدیل کرلی گئیں اور اجودھیا سے بودھ پجاریوں کو دیس نکالادے کر وہاں سے بودھ مت کی مرکزیت ختم کردی گئی، اس وقت سے لے کر تقریباً اٹھارہویں صدی تک دیگر ہندو فرقوں کے مقابلے میں شیومت کا ہی اجودھیا میں غلبہ اور بول بالا رہا۔

مذکورہ بالا غیرمسلم دانشوران لکھتے ہیں۔

"تیرہویں صدی عیسوی سے رام بھگتی عوام میں پھیلنا شروع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ رام نندی فرقہ کی ترقی اور ہندی میں رام کہانی کی ترتیب کے ساتھ اس کا زور پکڑتا ہے لیکن پندرہویں سولہویں صدی تک بھی رام نندی ایودھیا میں کسی بڑی تعداد میں نہیں بسے تھے شیو بھگتی کی یہاں رام بھگتی سے کہیں زیادہ اہمیت تھی"۔[1]

نامور مورخ ڈاکٹر رام سرن شرما تو یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف اجودھیا ہی نہیں بلکہ پورے اترپردیش میں کسی ایک جگہ بھی سولہویں صدی سے پہلے کوئی رام مندر نہیں پایا گیا ہے کیونکہ اس وقت تک رام بھگتی کا وجود ہی نہیں تھا۔[2]

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رامانج (جو ۱۰۱۶ء میں مدراس کے ایک گاؤں پرمیر میں پیدا ہوئے) نامی ایک ہندو مصلح نے شیومت کی مخالفت پر کمر باندھی اور شیو بھگتی کے مقابلہ میں وشنو مت کا پرچار شروع کیا، بعدازاں رامانج کے پانچویں جانشین رامانند (۱۲۹۹ء میں الہ آباد کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے) نے اپنی غیرمعمولی جدوجہد سے پورے شمالی ہند میں اس تحریک کو عام کردیا، وشنومت کے نامور اور مشہور بھگتوں میں نابھاجی، سورداس، تلسی داس (جنھوں نے ہندی زبان میں رامائن مرتب کی) جے دیو اور کبیرداس وغیرہ کی مشترکہ کوششوں سے سولہویں صدی آتے آتے رامانندی فرقہ (وشنومت) کو شیومت پر غلبہ ہوگیا اور شیو پوجا کے بجائے وشنو کے اوتار کی حیثیت سے رام کی پوجا عام ہوگئی اور اسی زمانہ سے رام کے نام پر مندروں کی تعمیر شروع ہوئی۔[3]

---

[1] تاریخ کا بیجا سیاسی استعمال، قومی آواز ۲ر نومبر ۱۹۹۰ء [2] کمیونل ہسٹری اور رام کی اجودھیا ہندی ایڈیشن ص ۲ مطبوعہ مئی ۱۹۹۰ء [3] تفصیل کیلئے دیکھئے مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ چودھری غلام رسول ایم اے ص ۱۹۰ اور مختصر تاریخ ہند ڈبلو ڈبلو ہنٹر اردو ایڈیشن نول کشور ۱۹۰۲ء ص ۱۵۹، اور ۱۶۱۔

بودھ مت، شیومت، وشنومت (راما نندی فرقہ) کے علاوہ اجودھیا جین مت کی بھی اہم ترین زیارت گاہ رہ چکا ہے جینی اپنے پہلے اور تیسرے تیرتھنکر کی جنم بھومی اجودھیا ہی کو بتاتے ہیں، چوتھی، تیسری صدی ق م کا ایک پکی مٹی کا جینی پتلا اجودھیا میں پایا گیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اجودھیا جینی مت کا استھان رہ چکا ہے مگر آج وہاں اس مذہب کی کوئی علامت اور نشانی نہیں پائی جاتی۔

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیانی عہد سے اجودھیا میں مسلمانوں کی باقاعدہ آبادی قائم ہوگئی تھی اور ہندوستان کے دیگر مقامات کی طرح اجودھیا کا علاقہ بھی مسلمانوں کے زیر اقتدار آگیا تھا اور حکومت کی جانب سے اس علاقے کے نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لئے امیر و قاضی مقرر تھے، ہماری تحقیق کے مطابق اجودھیا کے اولین قاضی شیخ معین الدین چشتی اجمیری کے خواجہ تاش اور پیر بھائی قاضی قدوۃ الدین بن میرک شاہ اسرائیلی اودھی ہیں جن کی وفات اجودھیا ہی میں ۶۰۶ھ میں ہوئی، کتاب کے پہلے باب میں ان کا مختصر سا تذکرہ موجود ہے اس وقت سے لے کر تقریبا اٹھارہویں صدی عیسوی تک اجودھیا پر اسلامی تہذیب وثقافت چھائی رہی اس مدت میں اجودھیا کے افق سے علم وفضل کے ایسے ایسے آفتاب وماہتاب چمکے جن کی تابانیوں کے سامنے خود دارالخلافہ دہلی کے علمائے نامدار کے چراغ مدھم پڑ گئے جن کے تذکرے اس کتاب میں آپ پڑھیں گے، اسی سرزمین میں عام روایت کے مطابق حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کے صلبی صاحبزادے اور جانشین حضرت شیث علیہ السلام کا مدفن ہے جس کی زیارت کو مسلمان اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے ہیں اور آج بھی پچاسوں ایکڑ پر پھیلے ہوئے قبرستان اور خانقاہوں ومزارات کے کھنڈرات زبان حال سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ اس ارض متبرک پر اسلامی قافلہ کبھی آکر ٹھہرا تھا ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے　　کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

یہ تفصیلات بتا رہی ہیں کہ پچھلی صدیوں میں ایک مقدس مرکز ہونے کی حیثیت سے اجودھیا کے احوال بدلتے رہے ہیں کبھی یہ بودھوں کا مرکز توجہ رہا ہے تو کبھی جینیوں نے اپنی عقیدت کے نذرانے اس پر نچھاور کئے ہیں کبھی علماء اسلام اور مشائخ تصوف نے اپنی علمی وروحانی سرگرمیوں کا اسے محور بنایا تو کبھی شیومت اور وشنومت کے پجاریوں کا یہ مقصود نظر رہا، غرضیکہ اس کا رشتہ مختلف مذہبوں کی تاریخ سے پیوستہ رہا ہے اور مختلف ادوار میں مختلف مذہبی جماعتوں نے اپنے اپنے طور پر اسے عزت وعظمت کا مقام عطا کیا ہے اس لئے اس شہر پر کسی ایک مذہب کا دعویٰ تاریخی اعتبار سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

قسط ہشتم : مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

سورۂ بقرہ کے رہنما اشارات

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ڮ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ

نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ ھَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ :- اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو. اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں ﴿۱۳۰﴾ یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا. ﴿۱۳۱﴾ اور یہی وصیت کرگیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ﴿۱۳۲﴾ کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد، بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل و اسحٰق ہیں وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۳۳﴾ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انھوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی ﴿۱۳۴﴾ اور کہتے ہیں کہ ہوجاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پاؤگے راہ راست، کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں ﴿۱۳۵﴾ تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور

اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں (۱۳۶) سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت پائی انھوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا (۱۳۷) ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے، اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں (۱۳۸) کہدے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت، حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمھارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمھارے لئے ہیں عمل تمھارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں (۱۳۹) کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی. کہدے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمھارے کاموں سے (۱۴۰) وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انھوں نے کیا اور تمھارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی (۱۴۱) اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے. تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ (۱۴۲) اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا. اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمھارا ایمان بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے (۱۴۳) بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ پھیرینگے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے. اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے. اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں (۱۴۴)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ ـــــ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ
(۱۳۰) ـــــ (۱۳۲)

اتباع ملت ابراہیمی کی ترغیب :-

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا " واجعلنا مسلمین لك " اور " ومن ذریتنا مسلمة لك " سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے جس طریقہ کو پسند کیا وہ اطاعت حق اور جاں سپاری وخودسپردگی کا طریقہ ہے اور یہی درحقیقت عین توحید وعین اسلام ہے، چونکہ یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب سیدنا ابراہیم ؑ کے ساتھ انتساب کو اپنے لئے باعث فخر وفضیلت سمجھتے ہیں اس لئے ان سب کو ترغیب دی جارہی ہے کہ جس ذات مجمع صفات کی پیروی کا تم دم بھرتے ہو اس کی ملت اس پیغمبر اعظم کی جلو میں ایک نئی آب وتاب کے ساتھ آشکارا ہوگئی ہے، لہٰذا موقع کو غنیمت شمار کرو اور اپنی کھوئی ہوئی عزت وشرافت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس ملت کے تابع کردو کیونکہ اس ملت سے اعراض وہی احمق کرے گا جس کو خود اپنی ذات کی بھی خبر نہیں ہے کیا میں کیا ہوں۔ یہی وہ بابرکت طریقہ ہے جس کو تسلیم کرلینے پر سیدنا ابراہیم امامت کے عظیم منصب پر فائز کئے گئے اور یہی وہ کامل واکمل ملت ہے جس کی وصیت انھوں نے تمھارے باپ دادا یعنی یعقوب واسحاق علیہما السلام کو کی تھی کہ میرے پیارے بیٹو خدا نے تمھارے لئے اس دین یعنی اسلام واطاعتِ حق کی راہ پسند فرمالی ہے، دیکھو دنیا سے اسی راہ پر قائم رہتے ہوئے جانا — اس وصیت سے معلوم ہوا کہ اسلام ہی دین محمود ومقبول ہے اور تمام انبیاء کا یہی دین تھا گو نام اور فروعات میں اختلاف ہو

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ .... وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
(۱۳۳) ——————— (۱۳۴)

دعوائے یہودیت کی تردید :-

فلاح ونجاح کے لئے یہود کو راہ حق اور دین فطرت کی نشاندہی کردی گئی مگر فرط حماقت سے وہ یہی اصرار کرتے رہے کہ یہودیت کی فرسودہ طوق کو اپنے گلے کا ہار بنائے رکھیں گے اور ساتھ ساتھ یہ پروپیگنڈہ بھی کرتے تھے کہ ہمارے پدر بزرگوار یعقوب نے اپنے آخری وقت میں ہمیں اسی کی وصیت فرمائی تھی، آیت زیرنظر میں ان کے اسی پروپیگنڈے کی تردید ہے کہ تمھارے پاس

اپنے اس دعویٰ پر سند و دلیل تو کیا ہوگی حسی مشاہدہ بھی نہیں ہے، بس تمہاری کج فطرت طبیعت نے ایک بات گھڑلی ہے اور تم اپنی جہالت و غباوت کی وجہ سے اسی پر مصر ہو ورنہ سچی بات یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے بوقت وفات اتمام حجت کیلئے اپنے بیٹوں کو دین اسلام ہی کی وصیت کی تھی اور یہی اسلام ان کے باپ دادا اسحاق و ابراہیم کا بھی دین تھا یہ انبیاء کا ایک مقدس گروہ تھا انھیں ان کا عمل کام آئے گا اور تمہارے لئے تمہارا عمل مفید ہوگا۔

یہودیوں کو غرّہ تھا کہ ہم انبیاء زادے ہیں فکر و عمل کے لحاظ سے ہم جیسے بھی ہوں ہمارے آباء واجداد ہماری بخشش و نجات کا ذریعہ بن جائیں گے، لگے ہاتھوں ان کے اس خیال خام کی بھی حقیقت ظاہر کردی گئی کہ "بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست"

(فائدہ) آیت پاک سے معلوم ہوا کہ اولاد اور پیروکاروں کو دین کی وصیت کرنا سنت انبیاء ہے، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نماز، اور غلاموں کے حقوق کے متعلق وصیت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ...... صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (۱۳۵) ــــــــ (۱۳۸)

یہودیت و نصرانیت کی دعوت کا جواب:-

یہود و نصاریٰ سیدنا ابراہیم کو اپنا امام اور پیشوا کہنے کے باوجود ان کی ملت کو باعث ہدایت تصور نہیں کرتے بلکہ ان میں سے ہر ایک ہدایت کو اپنے فرقہ میں منحصر بتاتا ہے، یہود نعرہ لگاتے ہیں کہ ہدایت مطلوب ہو تو یہودی بن جاؤ، نصاریٰ آواز لگاتے ہیں ہدایت چاہئے تو ہمارے ساتھ آجاؤ۔ ارشاد ہوا اے نبی اس گمراہ کن دعوت کے جواب میں کہدو "ہم ملت ابراہیمی ہی پر رہیں گے جو دراصل سچا، سیدھا دین ہے، برخلاف یہودیت و نصرانیت کے جو محرف ہونے کے علاوہ منسوخ ہوجانے کی بنا پر اب دین صحیح نہیں رہا۔

"وما کان من المشرکین" کے جملہ سے یہودیوں و نصرانیوں پر تعریض کی گئی ہے کہ تم عزیر اور مسیح (علیہما السلام) کو خدا کا بیٹا کہہ کر مشرک ہوچکے ہو، جب کہ ابراہیم کا طریقہ شائبہ شرک سے بالکل پاک و

صاف ہے، پس انھیں کی راہ، ہدایت کی راہ ہے۔

پھر تمھارے دین کی بنیاد تکذیب و انکار پر ہے جبکہ راہ ہدایت یہ ہے کہ ان تمام صداقتوں کو سچے دل سے تسلیم کیا جائے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجی ہیں، گروہ بندی کی بنا پر ان میں کوئی تفریق و تقسیم نہ کی جائے بلکہ صرف اطاعت حق کو ملحوظ رکھا جائے، اللہ کی توفیق سے ہم اسی صراط مستقیم پر قائم ہیں، اگر تم بھی ایمان و تسلیم کے اسی طریقۂ حق کو اختیار کرلو تو یہودیت و نصرانیت کی تاریک بھول بھلیوں سے نکل کر ہدایت کی روشن اور سیدھی راہ پر لگ جاؤگے۔

اسلام و اطاعت کی حقیقت آشکارا ہوجانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ اس سے روگردانی کریں تو سمجھنا چاہیے کہ یہ ہٹ دھرمی اور عداوت کے مرض میں مبتلا ہیں ان کی مخالفت و عداوت کا کیا غم جبکہ خدائے عزیز قادر و حامی و مددگار ہے وہ انھیں مغلوب و مقہور کرکے سارا جھگڑا ختم کردیگا۔

ہدایت و نجات کی راہ کسی رسمی اصطباغ (بپتسما) اور رنگ دینے کی محتاج نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا طریقہ ہے، نجات کیلئے تو اللہ کے دین کا رنگ کافی ہے اس سے بہتر اور خوش منظر اور کون رنگ ہو سکتا ہے۔؟

(فائدہ) دین اسلام کی تعبیر لفظ صبغۃ (رنگ) اس بات کی جانب مشیر ہے کہ جس طرح رنگ کپڑے کے داغ دھبے کو چھپا دیتا ہے اسی طرح اسلام، انسان کے اگلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، "الاسلام یہدم ما کان قبلہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو صراحتًا بیان فرمایا ہے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ . . . . وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
(۱۴۱)——————(۱۳۹)

اہل کتاب کے مجادلہ کا جواب :-

ان تین آیتوں میں اہل کتاب کے مجادلے و مباحثے کا جواب بتایا گیا ہے کہ مسلمانو! اگر اہل کتاب تم سے دین کے معاملہ میں جھگڑیں اور دعوی کریں کہ ہمارا دین، ہماری کتاب تمھارے دین و کتاب سے مقدم ہے، نبوت و رسالت ہمیشہ سے ہمارے خاندان میں رہی ہے، ہم اللہ کے محبوب و مقرب ہیں، ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد، سب ہی ہمارے دین کے

پیرو تھے اس لئے ہمارا ہی دین برحق اور نجات کا ضامن ہے، تو تم ان کے جواب میں کہدو تمہارا یہ جھگڑا بلاوجہ کا ہے جس طرح اللہ تمہارا رب ہے کہ تمہاری تہذیب و تربیت کے لئے کتاب اتاری اور رسولوں کو بھیجا اسی طرح وہ معبود برحق ہمارا بھی رب ہے۔ اسی نے ہماری تربیت و تزکیہ اور ہمیں گمراہی کی پستی سے نکال کر ہدایت کی بلندی پر پہنچانے کے لئے قرآن جیسی عظیم رہنما کتاب اور سیدالمرسلین جیسا عظیم المرتبت ہادی بھیجا، ہم نے اللہ کی توفیق سے اس ہدایت کو قبول کرلیا اس لئے مقبول ہوئے تم نے اپنی کجروی سے رد کردیا اس لئے مردود ہوئے اس میں ہم سے جھگڑنے کی کیا بات ہے خود اپنے آپ کو ملامت و سرزنش کرو، تمہاری کجروی کی یہ کھلی نشانی ہے کہ تم جانتے ہوئے کہ ابراہیم اور ان کی ساری اولاد دین اسلام پر تھی حق پوشی کرکے انھیں یہودی اور نصرانی بتاتے ہو اور اس جھوٹ کے وبال سے ذرا بھی خوف نہیں کرتے۔ مکرر خبردار کیا جارہا ہے کہ تمھیں ان بزرگوں کی اولاد ہونے پر مغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انکار و تکذیب کی لعنت کے ساتھ تمھارے لئے یہ رشتہ قطعاً سودمند نہیں تم سے تمھارے اعمال کا ضرور مواخذہ ہوگا، کیونکہ ـــــــ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ملت ابراہیمی کی حقیقت اور اسکے اہم اصول:۔

گذشتہ آیات کے سوا قرآن کریم کی دیگر بہت سی آیات ناطق ہیں کہ ملتِ ابراہیمی اور ملتِ مصطفوی میں اتحاد اور یگانگت ہے، اس یگانگت و یکسانیت کی بنا پر بار بار ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اس توافق و اتحاد کو دیکھ کر یہ تصور ہوسکتا ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جدید شریعت کے پیغمبر اور داعی نہیں بلکہ دین ابراہیم کے احیاء و تجدید کے لئے مبعوث ہوئے تھے جس طرح انبیاء بنی اسرائیل دین موسوی کے مجدد و مروج بناکر بھیجے گئے تھے جبکہ یہ تصور قرآن و حدیث کی نصوص کے مخالف اور آپ کی جلالت شان و رفعت قدر کے منافی ہے اس لئے اس موقع پر ملت ابراہیمی کی اصل حقیقت کا ذہن نشین ہونا ضروری ہے۔

مختصر طور پر یہ سمجھئے کہ ہر شریعت تین امور پر مشتمل ہوتی ہے (۱) اصول و عقائد جیسے توحید، رسالت، آخرت وغیرہ (۲) قواعد کلیہ، جن کی طرف فروعی و جزئی احکام راجع ہوتے ہیں اور احکام میں ان قواعد کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اصطلاح قرآن میں انھی قواعد کلیہ کو ملت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

(۳) فروعی احکام جن کو شریعت کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ امر اول یعنی اصول و عقائد میں تمام انبیاء متحد ہیں، ارشاد ربانی "شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک" الآیہ میں بھی اتحاد اصولی مراد ہے، امر ثانی یعنی قواعد کلیہ میں دیگر سارے انبیاء مختلف ہیں لیکن سیدنا ابراہیم اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ان قواعد کلیہ میں اتحاد ہے اسی بناء پر ملت ابراہیمی و ملت مصطفوی ایک ہیں اور امر ثالث یعنی فروعی احکام تو زمان و مکان اور امتوں کے اختلاف کی وجہ سے اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا" میں اسی اختلاف شرائع کا بیان ہے، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم کی ملت تو ایک مگر شریعت جدا جدا ہے اور آپ ایک جدید شریعت کے حامل پیغمبر ہیں اور اگلی تمام شریعتوں کے ناسخ۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ❊ کتب خانہ چند ملت بشست

اب رہا یہ سوال کہ وہ قواعد کلیہ کیا ہیں جن سے ملت ابراہیمی تعبیر ہے اور ملت مصطفوی میں بھی وہ معمول و ملحوظ ہیں تو اس کی تفصیل کے لئے مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور تصنیف البدور البازغہ کی مراجعت کی جائے یہاں بخیال اختصار تفسیر عزیزی سے چند قواعد نقل کئے جارہے ہیں جو دونوں میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔

ملت ابراہیمی کے اصول کلیات کی اجمالی فہرست:-

جہاد، حج، قربانی، انفاق فی سبیل اللہ، استقبال کعبہ، بوقت نماز لباس پہننا، ضیافت، ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر، رکوع قبل سجود، ستر عورت کا وجوب، خصال فطرت، شیاطین، جنات اور فرشتوں وغیرہ کے نام کی نذر نہ ماننا، ان کے نام قربانی نہ کرنا، بدشگونی نہ لینا، کہانت کا اعتقاد نہ رکھنا، نجومیوں سے ساعت نہ معلوم کرنا، رزق، صحت، موت اور حیات کو صرف اللہ کی طرف سے سمجھنا، زنا و دیگر کبائر کا حرام ہونا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، اقارب و احباب کی موت کے وقت جزع و فزع نہ کرنا، بدن کپڑے اور مکان کا پاک و صاف رکھنا، لہو و لعب سے پرہیز کرنا، مخلوق سے الگ تھلگ رہنے کو اہمیت نہ دینا، عمدہ کھانے کپڑے اور نکاح کے ترک کو اہمیت نہ دینا، ایسی عبادت و ریاضت سے جو نفس یا اہل حقوق کی حق تلفی کا سبب بنے بچنا، وغیرہ سارے امور ملت ابراہیمی

کے وہ قواعد کلیہ ہیں جو بعینہٖ ملت مصطفوی میں بھی جاری وساری ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ .... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ
(۱۴۲) (۱۴۴)

تحویل قبلہ پر معاند کے شور وشر کی پیشین گوئی اور جواب کی تعلیم :-

اصل مضمون سے پہلے قبلہ کی حقیقت سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ آئندہ مباحث کا سمجھنا آسان ہو جائے یہ تو ظاہر ہے کہ بندۂ مومن کا رخ ہر عبادت میں خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کی طرف ہوتا ہے اور اس کی ذات پاک مکان وجہت اور سمتوں کی قید سے بالاتر ہے، اس کا منطقی نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ عبادت کرنے والا کسی خاص سمت کا پابند نہ ہو لیکن حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہوئی کہ اجتماعی عبادتوں مثلاً حج اور نماز میں ظاہری وحدت اور اجتماعیت کا لحاظ ہو تاکہ عبادت کے ساتھ اجتماعی زندگی کے آداب کی مشق وتمرین بھی ہو جائے اور اجتماعی نظام کا بنیادی اصول افراد کثیرہ کی وحدت اور یک جہتی ہے اسی وحدت اور یک جہتی کو پیدا کرنے کیلئے قبلہ کی مشروعیت ہوئی، قبلہ کے اس تقرر سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ بیت المقدس یا بیت اللہ میں کوئی ذاتی استحقاقِ تعظیم ہے، بادشاہ اگر کسی مکان کو حاضری یا خدمت کیلئے خاص کر دے تو اس کی تعمیل اطاعتِ سلطانی ہے نہ کہ تعظیم مکانی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم ؑ کے قبلہ یعنی خانہ کعبہ کی جانب رخ کرکے نماز ادا کرتے تھے، مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مدینہ طیبہ میں قیام کے بعد بحکم الٰہی آپ کا قبلہ بیت المقدس مقرر ہوا، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق سولہ سترہ مہینے آپ نے بیت المقدس کی سمت رخ کرکے نماز پڑھی۔ حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے تو سید الرسل سراپا طاعت تھے، لیکن آپ کا طبعی رجحان اور دلی آرزو یہی تھی کہ آپ کا قبلہ وہی جد امجد ابراہیم کا قبلہ بیت عتیق قرار دیدیا جائے، عادۃ اللہ یہی ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی مراد پوری کرتا ہے اور آنحضرت ؐ کو بھی مولائے کریم کی عنایت سے یہ امید تھی کہ آپ کی تمنا پوری کی جائے گی اسی امید پر انتظار وحی میں آپ باربار آسمان کی جانب دیکھتے تھے۔ "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ" میں آپ کے اشتیاق وانتظار کی اسی کیفیت کی عکاسی ہے، بہرحال انتظار کے دن ختم ہوئے اور

سولہ سترہ ماہ کے بعد آپ کا اور تمام مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ کو بنادیا گیا۔

(۱۴۲) سیقول السفہاء میں تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے ہی بطور پیشین گوئی یہ خبر دی گئی ہے کہ جب بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ قبلۂ نماز مقرر ہوگا تو احمق الناس چہ میگوئیاں کریں گے کہ ان کے دین کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں ان کا قبلہ بھی روز بدلتا رہتا ہے، عقل وبصیرت سے محروم ان معترضین کو جواب دیجئے گا۔ مشرق ومغرب اللہ ہی کے ہیں وہی تمام جہات ومکانات کا واحد مالک ہے اس کو اختیار ہے کہ جس جہت اور سمت کو چاہے قبلہ کے لئے نامزد کردے، بندے کو اس سوال کا حق نہیں کہ یہ حکم کیوں دیا گیا۔ طبیب کے نسخہ میں تبدیلی پر مریض کا اعتراض کمال حماقت کی دلیل ہے، بندگی کا تقاضا تو یہ ہے آقا کی طرف سے جو بھی حکم آئے بے چون وچرا سراپا اطاعت بن جائے یہی راہ مستقیم اور شجرۂ الانبیاء سیدنا ابراہیم کا اسوہ ہے۔

یہ جواب اجمالی اور جلال کا رنگ لئے ہوئے تھا، اب آیت ۱۴۳ وکذالک جعلنٰکم الخ سے تفصیلی اور حکیمانہ انداز کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب (۱) تمہارے لئے یہ بہترین قبلہ جو وسط ارض، زمین کا مرکزی نقطہ تمہارا مبدأ ترابی اور مہبط رحمت کے انوار وتجلیات کا مرکز ہے اس لئے تجویز ہوا کہ ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے جو عقائد اعمال اخلاق ہر اعتبار سے معتدل ہے گویا کہ یہ امت کمال اعتدال کے لحاظ سے حلقۂ امم کے وسط میں مسند نشین ہے۔ اور تمام امتیں اطراف وجوانب سے اس کی طرف متوجہ ہیں، کعبۃ اللہ کے ساتھ تمہارے اس مادی ومعنوی ارتباط وتعلق کا تقاضا یہی تھا کہ اس کو تمہارا قبلۂ نماز بنادیا جائے۔

ازالۂ شبہات:- وماجعلنا القبلۃ الخ سے اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ جب امت وسط کے مناسب حال یہی قبلۂ کاملہ ہے تو کیوں بیت المقدس کو کچھ عرصہ کے لئے قبلہ بنایا گیا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیت المقدس کے قبلہ بنائے جانے کا اصل مقصد مہاجر مسلمانوں کی اطاعت وبندگی کا امتحان لینا تھا کہ کون ہمارے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے اور کون اپنے قومی ووطنی رجحانات وخواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم الخ سے بھی تحویل قبلہ کے ذیل میں پیدا ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے صحیح بخاری میں بروایت ابن عازب اور ترمذی میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہم منقول ہے کہ

جب مدینہ میں بیت اللہ کو قبلہ بنادیا گیا تو لوگوں نے سوال کیا کہ جو مسلمان اس عرصہ میں انتقال کر گئے جب کہ بیت المقدس کی جانب نماز ادا کی جاتی تھی اور بیت اللہ کی جانب انھیں نماز پڑھنا نصیب نہیں ہوا ان کا کیا حال ہوگا اس پر جملہ نازل ہوا، اللہ تمھارے حکم خداوندی پر ایمان ویقین کو رائیگاں نہیں کرے گا، جو نمازیں بیت المقدس کی سمت پڑھی گئیں وہ بھی مقبول وماجور ہیں۔

جواب (۲) قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ الخ کامل کا میلان کامل کی طرف ہوتا ہے بایں سبب وحی کی تمنا اور نزول قرآن کی آرزو میں آپ کی نظریں بار بار آسمان کی سمت اٹھ رہی تھیں کہ شاید جبرئیل امین قبلۂ کامل کے استقبال کا حکم لے کر آرہے ہوں، اللہ کو اپنے پیارے رسول کی یہ ادا بھا گئی، محبت بھرے لہجے میں یہ مژدۂ فرحت زا سنایا، ہم ایسا قبلہ مقرر کرنے والے ہیں جس سے تم خوش ہوجاؤگے، اچھا لو ہم حکم ہی دئے دیتے ہیں کہ اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کرو، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی آرزو کی تکمیل کے لئے بجائے بیت المقدس کے بیت الحرام کو قبلہ بنایا گیا،

اہل کتاب اپنی کتابوں کے ذریعہ جانتے ہیں کہ نبیٔ آخرالزماں ملت ابراہیمی پر ہوں گے اور ان کا قبلہ قبلۂ ابراہیمی ہوگا، اس علم ویقین کے باوجود اعتراض اور حق پوشی کرتے ہیں، اللہ ان کے اس رویّہ سے بے خبر نہیں ہے انھیں اس جرم کی سزا دیگا۔

فوائد:۔ (الف) اشتیاق واضطرار اور دعا میں آسمان کی سمت چہرہ اٹھانا موجب قبولیت ہے۔ (ب) شطر المسجد الحرام سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام کی جانب رخ کرنے سے استقبال قبلہ کا فرض ادا ہوجائے گا، مگر حسب تصریح فقہاء یہ حکم بلاد بعیدہ والوں کا ہے (ج) حیث ما کنتم سے معلوم ہوا کہ تمام روئے زمین جائے نماز ہے، نماز صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "جعلت لی الارض مسجداً"

****

شریعت کی روشنی میں

(از جناب ڈاکٹر ماجد علی خاں، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

تصوف کا لفظ آج کل پڑھے لکھے مسلمان تو کیا عام مسلمانوں میں بھی اتنا رائج ہے کہ فرائض اور واجبات کے بعد شاید ہی اسلامیات کے لٹریچر میں کوئی دوسرا لفظ اتنا عام ہو، لیکن اس کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے اکثر لوگوں میں تصوف کے بارے میں غلط تصورات قائم ہیں، جو لوگ تصوف کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک وہ گروہ ہے جو محض نادانی کی وجہ سے تصوف کا منکر ہے اس کو بدعت سمجھتا ہے جب کہ دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کہ تصوف کے حامی ہیں اور ان میں سے بعض اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن اس کو شریعت کے تابع رکھنا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگوں کے مطابق گویا کہ شریعت اور تصوف دو الگ الگ راستے ہیں، میں اپنے اس مختصر مقالہ میں اس حقیقت کو واضح کرنے کی سعی کروں گا کہ تصوف شریعت سے جدا کوئی راستہ نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کا ہی ایک جز ہے، قرآن میں جس کے لئے "تزکیہ" کا نام اور حدیث میں جس کے لئے "احسان" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تصوّف یا احسان

حقیقی تصوف کو جس کا دوسرا نام "احسان" ہے حدیث میں اس طرح واضح کیا گیا ہے

قال فاخبرني عن الاحسان
قال ان تعبد الله كانك تراه

(حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، احسان کے متعلق کچھ فرمائیے تو آپ

فان لم تکن تراہ فانہ یراک الخ
(بخاری ومسلم)

فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح (یعنی یہ سمجھ کر) کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے (یقیناً) دیکھ ہی رہا ہے۔

یہ ایک صحیح حدیث کا حصہ ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم دونوں حضرات نے روایت کیا ہے، اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ احسان کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی، دراصل تصوف کا بنیادی مقصد عبادت کے اندر اسی کیفیت کو پیدا کرنا ہے، رہے اذکار واشغال، مجاہدات وریاضت تو وہ بطور علاج ہیں اور ان کا مقصد نفس کو پاک وصاف کرنا ہے، کیونکہ بغیر تزکیۂ نفس کے انسان کے اندر سے امراض باطنہ نہیں نکلتے اور بغیر امراض باطنہ سے چھٹکارا پائے انسان کا اللہ سے صحیح تعلق قائم نہیں ہوسکتا اور بغیر تعلق باللہ کے عبادت کے اندر مندرجہ بالا کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں سے ایک اہم منصب تزکیہ کا تھا۔

تزکیۂ نفس:-

قرآن کریم میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
(الجمعہ: ۲)

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (ان) کو عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے

تزکیۂ نفس کی اہمیت کو قرآن کریم میں مختلف جگہ واضح کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۔

بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا . . . .

اسی طرح ارشاد ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

اس دن مال اور اولاد کام نہیں آئیں گے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں، اس لئے اصل مقصود اصلاح قلب ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

اَلَا اِنَّ فِى الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِىَ الْقَلْبُ ۔

بے شک آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوجاتا ہے تو تمام بدن درست ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ دل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے صحابہ رض کا تزکیۂ نفس اور اصلاح قلب بھی ہوتی تھی۔ آپ کے بعد کچھ عرصہ تک تو ایسے علمار کاملین وائمہ پیدا ہوتے رہے جو وراثت نبوی کے چاروں حصے بیک وقت طالبین کو تقسیم کرتے رہے، صحابہ رض نہ صرف تلاوت آیات کرکے غیرمسلموں کو دعوت اسلام اور مسلمانوں کو دعوت قرب دیتے، احکام الٰہیہ وحکمت ایمانی کی تعلیم دیتے بلکہ تابعین کے نفوس کو مہذب ومزکّٰی بھی بناتے تھے، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی اسی طرح خدمات دین کا دائرہ وسیع رہا۔ لیکن اسلامی معاشرہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل سامنے آتے گئے۔ خدمات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، چنانچہ کثرت جزئیات اور وسعتِ علم کی وجہ سے علمار دین تقسیم عمل پر مجبور ہوگئے تاہم ایسے علمار کاملین بھی موجود رہے جو بیک وقت وراثت نبوی کے چاروں فرائض کو انجام دیتے رہے، چنانچہ متقدمین ائمہ فقہا کے یہاں علم الزہد کے عنوان سے تزکیۂ نفس کا علم بھی ملتا ہے، خود امام ابویوسف کی "کتاب الخراج" میں

فقہی احکام کے پہلو بہ پہلو تزکیۂ باطن کی ہدایات بھی موجود ہیں، علم الفقہ کی تعریف معرفۃ النفس مالہا وعلیہا (یعنی نفس کا اپنے منافع ومفاسد کو جاننا) سے کی گئی ہے۔ اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ائمہ فقہا یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ نیز سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ وغیرہ جہاں علم الاحکام میں درجۂ اجتہاد وامامت پر فائز تھے وہاں وہ علم تزکیۂ باطن میں بھی اونچے مقامات پر فائز تھے، لیکن بعد میں ایسے علماء کاملین کی قلت ہوتی گئی اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اعمال باطنہ کی تعلیم اور تزکیۂ نفس کی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے کچھ لوگ آگے بڑھیں، اس وجہ سے متأخرین نے شریعت کو دو حصوں میں منقسم کیا شریعت کا جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہوگیا اور دوسرے جزو باعمال باطنہ کا نام تصوف ہوگیا[۱]

امام غزالیؒ اور تصوف :-

امام ابوحامد محمد غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے تصوف اور اصلاح نفس کو تہذیب اخلاق کے ساتھ وابستہ کیا جہاں وہ علم کلام کے مجدد ہیں وہاں وہ اس موضوع کے بھی مجدد سمجھے جاتے ہیں، گو ان سے پہلے شیخ ابوالقاسم قشیریؒ نے "رسالۃ القشیریہ" میں اور شیخ ابوطالب مکیؒ نے "قوت القلوب" میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے، لیکن امام غزالیؒ نے جس انداز پر اس کو پیش کیا ہے وہ بالکل اچھوتا ہے چنانچہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں۔

"امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسفۂ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کئے کہ دقیق سے دقیق نکتے، افسانہ اور لطائف بن گئے۔"[۲]

امام غزالیؒ کے نزدیک انسان کی قوت علم، قوت غضب اور قوت شہوت کے اعتدال کا نام ہی حسن خلق ہے، علم کی قوت کے اعتدال کا نام حکمت ہے، غضب کی قوت کے اعتدال کا نام شجاعت ہے جس کے مظاہر خودداری، دلیری، آزادی، حلم، استقلال، ثبات اور وقار وغیرہ ہیں۔ اور شہوت کی قوت کے کامل اعتدال کا نام عفت ہے حیاء، صبر، درگذر، قناعت

---

[۱] شریعت وطریقت، (از افادات مولانا اشرف علی تھانویؒ ص۲۵۔ [۲] الغزالی ص۶۵)

پرہیزگاری، لطیف مزاجی، خوش طبعی، بے طمعی وغیرہ عفت ہی کے مختلف مظاہر ہیں، چنانچہ امام صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"مختصر یہ کہ محاسن اخلاق کے ارکان اصل تین ہیں، حکمت، شجاعت اور عفت، جس قدر اور اخلاق حسنہ ہیں سب انھی کے مختلف قالب اور مختلف مظاہر ہیں"[۱]

ایک دوسری جگہ پر امام صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"علم اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ یہ تمام قویٰ باقی رہیں لیکن ان میں اعتدال آجائے، یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (غصے کو تھامنے والے) کہا ہے یہ نہیں کہا گیا کہ وَالْفَاقِدِیْنَ الْغَیْظَ (جن میں سرے سے غصہ ہی نہ ہو)"[۲]

امام غزالی نے تہذیب اخلاق کے چند قاعدے لکھے ہیں، لیکن چونکہ اخلاق کی اصلاح اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو اس لئے احیاء العلوم میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے، اس سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ "شیخ طریقت سے اس بات کی درخواست کرنا چاہیئے کہ عیوب پر مطلع کرتا رہے"، امام صاحبؒ کی اس موضوع پر کئی مشہور تصانیف ہیں ان سب میں احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور اربعین بہت مقبول ہوئیں۔

علامہ ابن خلدون مقدمۂ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں

"امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا چنانچہ ورع اور اقتداء کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا، حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا"[۳]

حقیقت یہ ہے کہ تصوف ابتداء میں صرف زہد و عبادت کا نام تھا، ابتدائی زمانہ میں مجاہدات کے ذریعہ آسانی سے تزکیۂ نفس ہوجاتا تھا اور اخلاق پر مستقل محنت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی، زُہد جس قدر بڑھتا جاتا تھا روحانی اوصاف یعنی صبر و شکر، توکل و رضا، انس و محبت وغیرہ خود بخود پیدا ہوجاتے، لیکن جب عبادت میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھا تو مجاہدہ اور جاہدہ سے

---

[۱] الغزالی ص۲۴۔ [۲] ایضاً ص۲۴۔ [۳] مقدمہ ابن خلدون۔

کشف والہام اور بعض قسم کے خرق عادت کا ظہور ہوا، غرض رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا، لیکن یہ امر صاف طور پر طے نہ ہوا کہ ان میں سے تصوف کا اصلی حصہ کس قدر ہے اس بنا پر متقدمین صوفیا میں سے ہر ایک نے تصوف کی نئی تعریف بیان کی، یعنی مجموعے میں سے صرف ایک حصے کو لے لیا، امام غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور علمی پیرائے میں جو کتاب لکھی گئی تھی وہ امام قشیری رہ کا رسالہ تھا، تاہم اس رسالے میں صرف ورع تقوی صبر وشکر وغیرہ کے عنوان قائم کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت قرآن مجید کی آیتیں اور بزرگوں کی حکایتیں لکھ دی گئی ہیں، کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے اور مکاشفات اور روحانی ادراکات کا توسرے سے ذکر ہی نہیں، اسی دور کی ایک دوسری عظیم المرتبت کتاب «کشف المحجوب» میں بھی اخلاقیات کے اوپر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے اور زیادہ زور عبادات اور تصوف کے مصطلحات پر دیا گیا ہے۔ امام غزالی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمی طور پر اس فن کو مرتب کیا۔

حضرت پیران پیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے تصوف کے سلسلے میں ارشادات

چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کی ایک دوسری عظیم المرتبت شخصیت حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رہ (المتوفی ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عملی اعتبار سے تصوف کو ایک زبردست تحریک کی شکل میں پیش کیا، آپ کے ارشاد وتلقین سے نہ صرف عراق وعرب متأثر ہوا بلکہ ان تعلیمات کا اثر غور، غرجستان، بامیان اور افغانستان تک پہونچا، بقول مولانا ضیاءالدین برنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے تصوف کے اندر پہلی بار «فن شیخی» کو اجاگر کیا[1] پیران پیر کے مواعظ بہت پر تاثیر ہوتے تھے، آپ کے مواعظ کے دو مجموعے «فتوح الغیب» اور «فتح ربانی» اب بھی دستیاب ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے تصوف کو خالص شرعی بنیادوں پر قائم کیا، آپ کی تعلیمات خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر تھیں، آپ کے پر تاثیر اور انقلاب آفریں مواعظ سے ہزارہا انسان

---

[1] تاریخ مشائخ چشت (از پروفیسر خلیق احمد نظامی) ص۱۰۱

کی زندگیاں تبدیل ہوئیں، آپ نے ایک ہمہ گیر دعوتِ اصلاح مستقل تربیت اور مسلمانوں کی دینی و اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنے کی خاطر تصوف کے اندر بیعت کے عمومی نظام کو پیش کیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ نے تصوف کو ایمان و عمل درست کرنے اور مومن کامل بننے کا ذریعہ بتایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

"ہر مومن کے لیے تمام اعمال میں تین چیزیں ضروری ہیں (یہ کہ) حکم خدا بجا لائے ممنوعات سے بچے اور تقدیر پر راضی رہے، پس مومن کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ وہ کسی وقت ان تینوں چیزوں میں سے کسی سے خالی نہ ہو، اور مومن کو سزاوار ہے کہ اس کا دل ان چیزوں کے ارادہ کو لازم کرے اور نفس ان ہی کی بات کرے اور تمام احوال میں اپنے اعضاء کو ان ہی میں لگائے رکھے"[1]

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا۔

"سنت کی پیروی کرو، بدعت نہ کرو، اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرو، ان کے حکم سے باہر نہ جاؤ، اللہ کو یکتا جانو اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤ"[2]

کچھ لوگوں نے مدت سے ساری توجہ کا مرکز اوراد و اشغال یا نوافل کو بنا رکھا ہے اور اور فرائض و واجبات کو گویا بھلا دیا ہے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کے زمانہ میں بھی ایسے کم فہم لوگوں کی کمی معلوم نہیں ہوتی، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

"مومن کو چاہئے کہ سب سے پہلے فرائض پر توجہ کرے، جب یہ ادا کر چکے تب سنتوں کو اختیار کرے، اسکے بعد نوافل پر متوجہ ہو، لیکن جو شخص ابھی فرائض ہی سے فارغ نہیں ہوا ہے اس کے لئے سنتوں میں مشغول ہو جانا حماقت و نادانی ہے، اس لئے کہ ادائے فرض کے بغیر سنن و نوافل غیر مقبول رہیں گے اور جو شخص ایسا کرے گا خوار ہوگا"[3]

طریق تصوف کی تحصیل کے لئے آپ نے فرمایا؛

"تصوف قیل و قال، بحث و گفتگو سے نہیں گرسنگی (بھوک) سے اور دنیا کی خوشگوار

---

[1] فتوح الغیب (مطبوعہ رحیمیہ دہلی سنہ ۱۹۲۰ء) ص۱۸۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص۱۲

و محبوب اشیاء کے ترک سے حاصل ہوتا ہے؛[1]

آپ نے تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر بتائی، ان میں ہر خصلت کا مظہر ایک نبیؑ ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

"تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے، سخاوت ابراہیمؑ پر، رضا اسحٰقؑ پر، صبر ایوبؑ پر مناجات زکریاؑ پر، تجرد یحییٰؑ پر، صوف پوشی موسیٰؑ پر، سیاحت عیسیٰؑ پر اور فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر"[2]

پابندیٔ شریعت پر زور دیتے ہوئے ایک اور موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اور طاعت اختیار کرو اور احکام شریعت کی پابندی لازم رکھو، اور سینہ کو (خباثت نفس سے) صاف رکھو، اور نفس میں جوانمردی رکھو اور کشادہ رو رہو"؛[3]

غرض حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے تصوف کو شریعت کے دائرے میں رکھا اور تصوف و شریعت کو ایک دوسرے سے جدا کر کے نہیں دیکھا، ان حضرات کے بعد کل اکابر صوفیا کے نزدیک تصوف کا موضوع تہذیب اخلاق اسکی غرض رضائے الٰہی اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے احکامات پر پورے طور سے چلنا ہی رہا ہے، ذیل میں چند اکابر صوفیاء کے نظریات محض تائید کی غرض سے مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی نگاہ میں تصوف:-

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے نزدیک[4] "تصوف نام ہے قولاً فعلاً ہر حیثیت سے اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسی پر مداومت سے، جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہوجاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ اور ہر شئی میں اتباع رسول ہونے لگتا ہے تو اب حق تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگتا ہے، اس لئے کہ وعدۂ الٰہی موجود ہے

---

[1] فتوح الغیب ص۳۹۶ ۔ [2] ایضاً ۔ [3] ایضاً ص۳۹۵، ۳۹۶ ۔

[4] تصوف اسلام (از مولانا عبدالماجد دریاآبادی) ص۱۲۳، ۱۲۴

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ . (البقرہ) — "اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔"

اپنی مشہور کتاب "عوارف المعارف" میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں۔

"پس جو شخص جتنا زیادہ متبع رسول ہے اسی قدر وہ محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے اور صوفیاء ہی نے اسلامی گروہوں میں سب سے بڑھ کر اتباع رسولؐ کیا ہے۔"[1]

اپنی اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

"ابو محمد حریریؒ سے سوال کیا گیا کہ تصوّف کیا ہے، فرمایا اخلاق حسنہ کو اختیار کرنا اور اخلاق رذیلہ کو ترک کرنا۔"[2]

ان لوگوں کی تردید میں جو تصوف کو شریعت سے جدا ایک راستہ خیال کرتے ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں۔

"جب ہم کسی کو دیکھیں کہ شریعت کے احکام و حدود کے بارہ میں بے فکر اور فرض نماز سے غافل اور یہ کہ وہ تلاوت قرآن اور روزہ نماز سے لذت حاصل کرنے کا اہتمام نہیں کرتا اور وہ حرام و مکروہ مقامات میں آتا جاتا ہے تو ہم اس سے انکار کریں گے اور اس کے اس دعوی کو قبول نہیں کریں گے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔"[3]

مشائخ چشت کے نزدیک تصوف کا مطلب :-

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نزدیک اہل سلوک کے لئے ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے۔" (دلیل العارفین ص۱۲) صوری حیثیت سے ان اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں بھی

---

[1] عوارف المعارف ص۴۴ ۔ [2] ایضاً ص۴۵ ۔ [3] تصوف اسلام ص۱۲

ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کریگا اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا رتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا اس کو ملیگا [1]

آپ نے سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لئے مندرجہ ذیل دس شرطیں ضروری قرار دی ہیں (۱) طلب حق (۲) طلب مرشد کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا (۱۰) صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا [2]

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رہ نے شریعت کی پابندی سالک کیلئے لازمی قرار دی ہے۔ سالک سکر یا کسی حال میں ہو اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے چنانچہ وہ خود جب کبھی عالم سکر میں بے ہوش ہوئے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کرکے بے ہوش ہو جاتے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اسلئے ہوتے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھئے فوائد السالکین مجلس دوم ص [3]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء خود بھی اتباع سنت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات و آداب تک فوت نہ ہوں، سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانی چاہئے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔" [4]

مشائخ کیلئے اور جس کو پیری مریدی کرنا ہو اس کے لئے شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شریعت صادر نہ ہو، نہ دوسرے کو کسی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں۔

"پیر ایسا ہونا چاہئے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا (ضروری) علم رکھتا ہو، اور جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لئے نہیں کہے گا" (فوائد الفواد ۱۴۵) [5]

---

[1] بزم صوفیہ (از صباح الدین عبدالرحمن) ص ۲۱، ۲۲۔ [2] ایضاً ص ۸۱، ۹۴۔ [3] ایضاً ص ۱۰۱ [4] سیر الاولیاء ص ۳۱۸
[5] تاریخ دعوت وعزیمت (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) حصہ سوم ص ۱۴۳۔

آپ کی نظر میں فقر وتصوف صرف وجد وحال، ذوق وکیف کا نام نہ تھا، بلکہ ظاہر وباطن دونوں کی آراستگی کا نام تھا، چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جن کے ظاہر وباطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں یہی لوگ مشائخ وصوفیہ ہیں" [۱]

حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا ہے اس پر عمل نہیں کرتے اس لئے خراب وپریشان ہیں [۲] اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول اور فعل صادر ہوا وہ سزاوارِ متابعت ہے، فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے جو خدا ورسول نے فرمایا ہے اس کی متابعت کرے اور جس سے ممانعت کی ہے اس کو ترک کردے [۳]

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی تجدید تصوف

اس مختصر سے مضمون میں حضرت مجدد صاحبؒ کے کارناموں اور تصوف کے اندر اصلاحات پر پوری طرح روشنی ڈالنے کی گنجائش نہیں، یہاں آپ کے صرف چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تصوف دراصل پوری طرح شریعت کا پابند رہنے کا نام ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص ان کا حصول اللہ کی رضا کا حصول ہے، اور یہی رضا دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے، کوئی ایسا مطلب نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے طریقت اور حقیقت شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں، یعنی ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے کوئی اور امر اسکے علاوہ مطلوب نہیں احوال ومواجید اور علوم ومعارف جو صوفیاء کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں اصل مقصود نہیں ہیں بلکہ "خیالات" ہیں جن

---

[۱] فوائد الفواد ص۱۳۲۔ [۲] خیر المجالس مجلس سی ونہم فارسی ص۱۳۱۔ [۳] خیر المجالس مجلس ہشتاد ویکم فارسی ص۱۹۱۔

سے "اطفال" کی تربیت کی جاتی ہے، ان سب سے گذر کر مقام رضا تک پہنچنا ہے جو جذبہ سلوک کی منتہا ہے تاکہ اخلاص حاصل ہو جائے، اخلاص مقام رضا کا آخری نتیجہ ہے" لہ

متعدد جگہ حضرت مجدد صاحبؒ نے طریقت یا اصلاح باطن (یعنی تصوف) کو شریعت کا ایک اہم جزء اور خادم بتایا ہے اور طریقت کو شریعت سے الگ کرنا الحاد اور زندقہ قرار دیا ہے ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

" اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت اور اپنے باطن کو باطن شریعت یعنی حقیقت سے آراستہ پیراستہ رکھیں کیونکہ "حقیقت" اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت ہیں نہ یہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور۔ انھیں علیحدہ علاحدہ کرنا الحاد اور زندقہ ہے" لہ

ایک اور مکتوب میں تحریر کرتے ہیں۔

" شریعت اور حقیقت" ایک دوسرے کا عین ہیں اور حقیقت میں ایکدوسرے سے جدا نہیں ہیں، فرق صرف اجمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و حضوری تعمل و عدم تعمل کا ہے وہ احکام و علوم جو شریعت روشن کے موافق ظاہر اور معلوم ہوئے ہیں حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد یہی احکام و علوم بعینہ تفصیلی طور پر منکشف ہو جاتے ہیں، اور غیبت سے حضوری (و شہادت) میں آجاتے ہیں اور کسب کا تکلف اور عمل کی بناوٹ درمیان سے اٹھ جاتی ہے۔ . . . . .

مشائخ طریقت میں جس کسی سے (بالفرض) علم و عمل میں خلاف شریعت صادر ہوا ہے وہ سکر ہے، جو اثنائے راہ میں واقع ہوا کرتا ہے، نہایت النہایت کے منتہیوں کو سب صحو اور ہوشیاری ہے اور وقت ان کا مغلوب ہے اور حال و مقام ان کے کمال کے تابع . . . ." لہ

لہ مکتوبات۔ دفتر اول، مکتوب نمبر ۳۶ بنام ملا حاجی محمد لاہوری۔ لہ مکتوبات، دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵ بنام شیخ محمد یوسف۔ لہ مکتوبات، دفتر اول مکتوب نمبر ۴۳ بنام سید احمد قادری۔

حضرت مجدد صاحب ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں۔

"شریعت کے اعمال اور طریقت و حقیقت کے احوال سے مقصود نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ہے، جب تک نفس پاک اور دل تندرست نہ ہو جائے ایمان (حقیقی)، جس پر نجات کا مدار ہے حاصل نہیں ہوتا۔" [1]

ایک اور جگہ تحریر فرمایا۔

"طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے مخالف کوئی اور امر ...." [2]

غرض تمام مشائخ طریقت نے تصوّف کو شریعت کا پابند رکھا ہے اور ہر اس عمل کی نکیر ہے جو شریعت کے خلاف ہے، حضرت مجدد صاحب کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، نیز ان اکابر کے خلفاء و مریدین نے تصوف کو شریعت کے دائرہ میں رکھتے ہوئے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی زبردست خدمت انجام دی اور لاکھوں افراد کا تعلق اللہ سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بنے۔

---

[1] مکتوبات۔ دفتر اول، مکتوب نمبر ۹۱ بنام شیخ کبیر

[2] " " " ۲۱۰ بنام ملا شکیبی اصفہانی۔

استاذ شعبۂ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

الحمد لله وکفیٰ وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ ۔ امابعد!

لفظ رَسْمٌ لغتہً پندرہ معانی پر مشتمل ہے ۱ نشان خط وکتابت ۲ نقش یا نقش پا، ۳ علامت نقشہ ۴ مکان کا مٹا ہوا نشان ۵ تجویز ۶ حکم ۷ رواج ۸ تصریح ۹ تعریف ۱۰ قاعدہ قانون ۱۱ دبا ہوا کنواں ۱۲ مجاز (عرب کہتے ہیں اری ودکو رسما وودی حقیقة یعنی میں تمھاری محبت کو مجازی اور اپنی محبت کو حقیقی سمجھتا ہوں) ۱۳ تنخواہ مقرر کرنا ۱۴ علم رسم الارض یعنی جغرافیہ ۱۵ برسم فلاں یعنی فلاں کے پتہ پر (اقرب الموارد ج ۱ ص ۴۰۲، ۴۰۵)

اور فن کتابت کی اصطلاح میں رسم کہتے ہیں کلمہ کو اس کے ان حروف ہجا سے لکھنا جو اس پر وقف وابتداء کے وقت پائے جاتے ہیں۔

اور بعض کا قول ہے کہ رسم ان حرفی شکلوں اور نشانوں کا نام ہے جو سنے جانے والے کلمات کو ظاہر کریں اور دلی ارادوں کی ترجمانی کریں، گویا کتابت کا ثانیاً نفع دل کی ترجمانی ہے۔

لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت یہ ہے کہ کتابت وتحریر سے بھی کاغذ میں اثرات ونشانات پیدا ہوجاتے ہیں، خط کے معنی ہیں کلمہ کو ان کے حروف ہجا سے لکھنا جو اس پر وقف وابتدا کے وقت پائے جاتے ہیں، اور رسم الخط کے معنی ہیں قرآنی کلمات کو حذف وزیادت اور وصل وقطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنا جو پیغمبر علیہ السلام سے بالتواتر منقول ہے

رسم خطِ عثمانی کا معنی بھی اسی کے قریب قریب ہے یا اس میں زیادتی ہے کہ اس پر لکھنا جس پر دورِ عثمانی میں صحابہ کرام کا اجماع ہوچکا ہے۔

خط اور رسم الخط میں فرق ذیل کی مثالوں سے سمجھئے العٰلمین، الرحمٰن، هؤلآء، من نبای المرسلین یہ چاروں کلمات اس طرح مرسوم ہیں کہ ان میں الف لکھا ہوا نہیں ہے، یہ موجودہ خط تو رسم خطِ عثمانی کے موافق ہے، اسی طرح هؤلآء میں واوٗ اور نبایٔ میں یاء لکھی ہوئی ہے۔

انھیں کلمات کو اس طرح لکھا جائے العالمین، الرحمان، هاۤ أُلاء، من نبأ المرسلین، یعنی دو مقدم الذکر میں عین اور میم کے بعد الف اور مؤخر الذکر میں واوٗ اور یاء کے بغیر) تو اگرچہ یہ کتابت تلفظ اور ادائیگی کے مطابق ہے لیکن رسم خطِ عثمانی کے بالکل خلاف ہے، معلوم ہوا کہ یہاں خط تو ہے مگر رسم الخط نہیں، یہیں پر یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کا ہندی اور انگریزی میں لکھنا بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ ہندی اور انگریزی میں عربی زبان کے بہت سے حروف آتے ہی نہیں، لہٰذا وہ ان زبانوں کے خط میں بھی معدوم رہیں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خط کی اقسام پر بھی مختصر سی روشنی ڈالدی جائے۔

(۱) **مَعْقَلی** یہ سیدنا حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے (۲) **قیراموزی** سب سے پہلے مکہ میں قرآن مجید اسی خط میں لکھا گیا (۳) **حیری** صحابہ کرام رضؓ نے مکہ کے قیدیوں سے یہ خط سیکھا تھا، جنھوں نے حیرہ والوں سے اس کو سیکھا تھا (جیساکہ آگے تفصیل آرہی ہے) جہاد وغزوات میں جو قیدی مدینہ میں آگئے تھے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا تھا کہ ہر قیدی مہاجرین کو لکھنا سکھادے، یہ قیدی حیرہ کے تھے اسی لئے اس خط کا نام حیری پڑگیا، اس پر قرآن مجید دوسری بار مدینہ میں لکھا گیا۔ (۴) **کوفی**:- اس پر قرآن مجید تیسری بار ۱۶۰ھ میں لکھا گیا۔ (۵) **نسخ** - (۶) **ثلث** - (۷) **ریحان** (۸) **توقیع** (۹) **محقق** (۱۰) **رقاع** یہ چھٹا خط مشہور خطاط ابن مقلہ (ابوعلی محمد ابن علی بن مقلہ، خلفاء عباسیہ کے عہد کا ایک فنکار اور وہبی خطاط) نے معقلی اور کوفی میں تصرف کرکے ۳۱۰ھ میں نکالے ہیں، ان میں نسخ پر قرآن کریم چوتھی بار ۳۱۸ھ میں لکھا گیا ـــــ ابن مقلہ نے خطاط الریحانی کے ایجاد کردہ خط ریحان میں اصلاح و تزئین کی اور خطاطی کے قواعد مرتب کئے۔

اسی طرح قرآن کریم کے یہ چار ادوار ہیں قیراموزی، حیری، کوفی، نسخ، اور اب نسخ میں لکھنے پر
ں نے امت کا اجماع بتایا ہے۔
۱) تعلیق۔ اسے خوشنویسوں نے توقیع اور رقاع میں تصرف کرکے نکالا ہے۔
۱) نستعلیق۔ یہ ماوراء النہر کے شہروں میں خواجہ میر علی تبریزی کی ایجاد سے ظاہر ہوا ہے
ں کو انھوں نے تعلیق اور نسخ سے بنایا ہے اس طرح نستعلیق مرکب امتزاجی ہے جو دراصل
خ وتعلیق تھا کثرت استعمال کی بناء پر خار اور واؤ کو حذف کرکے نستعلیق بنالیا۔ ان میں
ے ۵ تا ۱۱ کی تفصیل ابن مقلہ کے قطعۂ ذیل میں ہے ؎

ابن مقلہ وضع کرد ایں شش خط از خط عـرب
ثلث و ریحان و محقق نسخ توقیع و رقاع

بعد ازاں از خط توقیع و رقـاع اہل عجـم
ہفتمی خط دگر تعلیق کردند اختـراع۔

ں ساتوں کے مجموعے کو ہفت قلم اور ہفت خط بھی کہتے ہیں، قرآن مجید کی کتابت سے متعلق
ورہ بالا چاروں ادوار کے خط میں تو تبدیلی ہوئی لیکن رسم الخط میں کوئی فرق نہیں آیا۔
دم الذکر بارہ خطوں میں سے ۱ تا ۱۰ عربی خط ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی کتابت اور اس کی آرائش و زیبائش کے سلسلے میں خطاطوں نے
ں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے، خلیفہ ولید (از ۸۶ھ تا ۹۶ھ) نے قرآن کریم کی کتابت کے لئے
دبن ابی الہیاج کو مقرر کیا جو اس دور کا مشہور کاتب تھا، اسی نے مسجد نبوی کے محراب پر
نے کمال فن کا مظاہرہ کیا تھا (الفہرست ابن الندیم ص۲)

اب تک کی گفتگو مختصراً خط اور رسم الخط سے متعلق تھی، اب قرآن مجید کی کتابت
ر املاء کے بارے میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، پھر
ں سے کہا لکھ، قلم نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر لکھ، پس قلم نے ازل سے ابد تک تمام
یزوں کو لکھ ڈالا (ترمذی) یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا، ان اشیاء میں قرآن بھی داخل

ہے، معلوم ہوا کہ قرآن کی موجودہ رسم لوح محفوظ کی رسم کے بالکل موافق ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی رسم توقیفی ہے، یعنی منجانب اللہ ہے اس کی دلیل ارشاد باری ہے عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم) نیز یہ حروف ان اسماء کے اندر بہرحال داخل ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دی تھی (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطیؒ ج ۲ ص ۱۶۶) مزید یہ کہ یہ رسم اجماعی ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی بتائی ہوئی ہے، کیونکہ لفظ رَحْمَتْ، نِعْمَتْ وغیرہ اسی طرح يُؤْتِ اللّٰهُ، يَدْعُ الْإِنْسَانُ وغیرہ پر وقف اضطراری یا امتحانی رسم کے مطابق کرسکتے ہیں، اگر رسم کو توقیفی نہ مانیں تو اس سے یہ خرابی لازم آئے گی اللہ تعالیٰ نے اول الذکر کلمات مذکورہ کو ھا، یا اور واؤ ہی کے ساتھ نازل فرمایا تھا لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے بغیر لکھ دیا اور خود بھی تلاوت میں اسی طرح غلط وقف کرتے رہے، اور تمام قراء اور علمائے امت اور حفاظ بھی ۱۴ سو سال کے طویل عرصہ سے اسی طرح غلط وقف کرتے چلے آرہے ہیں، جب کہ ارشاد ربانی ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ اس میں حفاظت سے مراد الفاظ و معانی اور رسم تینوں ہیں، پس صحابۂ کرام رض اور سبھی حضرات کا اس طرح غلط لکھتے رہنے کی صورت میں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا مذکورہ وعدہ صادق نہ رہے گا۔

نیز کاتبین وحی حضرات صحابہ رض کی تعداد کم و بیش ۴۴ تھی یہ جو کچھ بھی لکھتے تھے پیغمبر علیہ السلام کے روبرو لکھتے تھے، آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، لہذا آپ کی تقریر ہی حجت شرعی ہے۔

پیغمبر اسلام حسب ضرورت کاتبین وحی کو خاص خاص ہدایات فرماتے تھے مثلاً کاتب وحی حضرت معاویہ رض سے ارشاد فرمایا کہ دوات کا منہ کھلا رکھو تاکہ دقت نہ ہو، قلم پر ترچھا قط لگاؤ اور بسم اللہ کی با کو خوب بڑی لکھو اور سین کے دندانوں کو بھی واضح کرو اور اللہ کو خوبصورت لکھو اور رحمٰن کے نون کو دراز کرو اور الرحیم کو عمدگی سے لکھو (ملا علی قاری شرح رائیہ شعلے مثنیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید پیغمبر علیہ السلام کے زمانے ہی میں لکھا گیا اور کاتبین وحی جن کی تعداد بھی مذکور ہوئی ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں، حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، حضرت زید بن ثابت رض

حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعید بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان، حضرت علاء بن حضرمیؓ، حضرت حنظلہ بن الربیع رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہم۔

پیغمبر علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ نے کسی سے پڑھنا اور لکھنا نہیں سیکھا تھا لیکن پھر بھی جس طرح صحابۂ کرام رضہ کو قرآن پڑھنا سکھایا، اسی طرح اس کے لکھنے کے طریقے بتائے اس سلسلے میں آپ کی ہدایات ابھی گذریں۔

قرآن کریم کے املاء اور کتابت کے بارے میں احکام یہ ہیں کہ علماء اور قراء پر واجب ہے کہ قرآن کے رسم الخط کا علم حاصل کریں اس کی اتباع کریں، اس کی مخالفت نہ کریں، کیونکہ یہ کاتب وحی سیدنا زید بن ثابتؓ کی رسم ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امین تھے، عرضۂ اخیرہ کے مشاہد تھے، آپ نے جو کچھ لکھا از خود نہیں لکھا بلکہ پیغمبر علیہ السلام کے علم اور آپ کے ارشاد کے مطابق لکھا ہے اس لئے کسی کے لئے بھی اس رسم واملا سے اختلاف کی قطعاً گنجائش نہیں۔

فقہ کے جلیل القدر امام حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ رسم قرآنی کی مخالفت ناجائز بلکہ حرام ہے اور باجماع صحابہ رضہ جس طرح لکھا گیا ہے اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ علم میں ہم سے بڑھ کر قلب وزبان کے لحاظ سے صادق تر اور امانت و دیانت میں ہم سے برتر تھے چھٹی صدی کے جلیل القدر امام فی القرات علامہ شاطبی اندلسیؒ (م ۵۹۰ھ) شہرۂ آفاق قصیدہ رائیہ فرماتے ہیں وقال مالك القرآن يكتب بالكتاب الاول لامستحدثا مسطرا۔ یعنی اشہب نے کہا کہ امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا تھا کہ آیا مصحف کو لوگوں کے بنائے ہوئے حروف ہجا کے موافق واؤ اور الف زائدہ کے بغیر لکھا جائے جو تلفظ میں نہیں آتے جیسے اُولُوا وغیرہ، تو امام مالک نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس کو اسی پہلی کتابت کے انداز پر لکھنا چاہئے، علامہ دانیؒ م ۴۴۴ھ نے المقنع میں اس کو روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علماء امت میں اس قول کا کوئی بھی مخالف نہیں پایا گیا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ جو شخص مصحف کو لکھے اسے چاہئے کہ انھیں حروف تہجی کی حفاظت کرے جن کے ساتھ صحابۂ کرام رضہ نے ان مصاحف کو لکھا ہے اور ان میں

ان سے اختلاف نہ کرے اور ان کی لکھی ہوئی چیز میں سے کسی شئی میں تغیر نہ کرے، بعض حلقوں کی طرف سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ قرآن کریم کو صرف رسم خطِ عثمانی میں محصور رکھنے اور کسی دوسری زبان میں کتابت کی اجازت نہ دینے میں مشکلات پیدا کرنا ہے، تو واضح ہو کہ ابتداءً جب اسلام عجم میں پھیلا تو اس وقت قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے والے معدودے چند ہی حضرات تھے، نومسلم عجمی لوگ نہ تو عربی رسم خط خود پڑھ سکتے تھے، نہ ہی ابتداءً ان ممالک میں ایسا عربی سمجھنے والا میسر تھا جو بآسانی ان کی زبان میں ترجمانی کرسکتا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس کی کس قدر ضرورت تھی کہ ہر ملک کی رسم خط میں قرآن کریم لکھواکر ان کے پاس بھیجدیا جاتا، لیکن اس زمانے میں ایسا ایک واقعہ بھی ثابت نہیں، اور حضرت حذیفہؓ کے متوجہ کرنے پر باجماع صحابہؓ قرآن کریم کے متعدد نسخے لغت قریش ہی میں لکھواکر مختلف بلاد وامصار میں معلمین کے ساتھ روانہ کئے گئے (تفصیل آگے آرہی ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مشکلات محض خیالی ہیں انھیں مشکل تسلیم کرنا ہی غلطی ہے، اور پھر مشکلات کس امر میں نہیں، اور اس سلسلے میں بہت سی دینی مصالح بھی بیان کی جاتی ہیں پس واضح ہو کہ وہ مصالح رسم خط میں تبدیلی کے بغیر بھی حاصل ہوسکتی ہیں اور چودہ سو سال سے برابر اسی طرح حاصل ہوتی چلی آئی ہیں کہ ہر قوم وملک کے لوگوں کو قرآن پڑھایا گیا اور انھوں نے اسی رسم خط عثمانی میں پڑھا اور اتنا پڑھا کہ اب سارے مسلمان مل کر بھی پڑھیں تو نہ پڑھ سکیں اور اگر بالفرض وہ مصالح تسلیم بھی کرلیں تو ان مصالح مزعومہ کی وجہ سے اجماع امت کا فیصلہ نہیں بدلا جاسکتا اور حفاظت قرآن کی مصلحت پر کسی مصلحت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

(صیانۃ القرآن عن تغیر الرسم واللسان ص۱۶)

فرانس کے دارالحکومت پیرس میں (۲۰ تا ۲۲ شوال ۱۴۰۸ھ - ۶ تا ۸ جون ۱۹۸۸ء) ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا، اس کانفرنس کا مقصد تحریف قرآن کی کوششوں بالخصوص غیر عربی حروف میں کتابت قرآن پر پابندی لگانا تھا، کانفرنس میں فرانس کے علاوہ مکۃ المکرمہ، مدینہ منورہ دمشق اور انقرہ کے نامور علماء اور ممتاز دانشوروں نے شرکت کی، کانفرنس کے تمام شرکاء نے متفقہ طور پر یہ قرارداد پاس کی کہ حفظ وقرأت کی سہولت کے بہانے غیر عربی حروف میں قرآن کی اشاعت

کسی طور پر بھی درست نہیں قرار دی جاسکتی، یہ دراصل تحریف کی ایک کوشش ہے، ایسا کرنا مطلق حرام ہے، قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کی کتابت وتلاوت صرف عربی زبان ہی میں ہونی چاہئے۔ (اخبار العالم الاسلامی مکۃ المکرمہ، بحوالہ مجلہ ششماہی علوم القرآن علی گڈھ ۲ جون ۱۹۸۹ء ص۱۵۳)

حنابلہ کے مشہور فقیہ امام ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) کی کتاب مغنی کے حاشیہ (الشرح الکبیر) میں اسے مزید وضاحت سے بیان کیا گیا ہے (مغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۸۳)

اس سلسلہ میں ایک استفتاء اور اس کا مفصل جواب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے قیام دارالعلوم دیوبند کے زمانہ محرم ۱۳۶۲ھ میں ارقام فرمایا ہے، یہ فتویٰ اس وقت کی مجلس علمی کے اجماع واتفاق سے لکھا گیا جس میں درج ذیل حضرات شریک تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ صدر مدرس۔ (۲) حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ محدث (۳) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (۴) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ (۵) حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس مضمون کو فتاویٰ تحریم الکتابت میں خوب واضح فرمایا ہے، علامہ حسن شرنبلالی مصری صاحب نور الایضاح (م ۱۰۶۹ھ) نے اس موضوع پر بنام النفحۃ القدسیۃ فی احکام قرارت القرآن وکتابتہ بالفارسیۃ میں مذاہب اربعہ کی مستند کتب سے اجماع امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن کی کتابت میں مصحف امام کی رسم خط کا اتباع واجب ولازم ہے غیر عربی عبارت میں اس کا لکھنا حرام ہے (حوالہ کیلئے دیکھئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ، تحذیر الانام عن تغییر رسم الخط من مصحف الامام ص ۸۲، ۸۳، ۸۴ نیز زجر الانام ص۲۲۲ از مولانا ضیاء الدین امانیؒ (م ۱۳۸۶ھ) حافظ ابن کثیرؒ نے رسالہ فضائل القرآن میں رسم خط کے موضوع پر تفصیل سے بیان کیا ہے (ص ۵۱ مطبوعہ مصر) حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے بھی ازالۃ الخفاء میں اس کو بیان فرمایا ہے (ج ۱ ص ۲۵) نیز التجنیس والمزید جو صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ) کی تصانیف میں سے ہے اس میں لکھا ہے کہ زبان فارسی میں عمداً قرآن کی کتابت کرنے والا زندیق ہے (زجر الانام ص۲۲۲)

علامہ جعبریؒ (برہان الدین ابواسحاق بن عمر بن ابراہیم بن خلیل جعبری م ۷۳۲ھ) رقمطراز

ہیں رسم المصحف توقیفاً ھو مذھب الائمۃ الاربعۃ (شرح العقید للجعبری) العلامہ المقری عبدالرحمٰن المحدث پانی پتیؒ لکھتے ہیں، رسم الخط واجب است وخلاف رسم الخط نوشتن قرآن گناہ است، لہٰذا برکاتبان قرآن واجب است تعلیم رسم بدون علم رسم در تحریر قرآن غلطی خواہد شد پس ثواب کجا، مستحق عذاب خواہد شد" یعنی رسم الخط واجب ہے اس کے خلاف کتابت گناہ ہے اور بغیر علم کے تعلیم میں غلطی ہوسکتی ہے لہٰذا بجائے ثواب کے مستحق عذاب ہوسکتے ہیں (تحفہ نذیریہ)

فن کتابت وتحریر کی مختصر تاریخ

یہ مشہور ہے کہ عربوں میں شعر وشاعری اور علم انساب کا چرچا قدیم دور سے چلا آرہا تھا لیکن یہ سب محض زبانی تھا، ان کا حافظہ نہایت قوی تھا اسی پر ان کا مدار تھا، تحریر کا رواج بالکل نہ تھا اور نہ ہی کوئی حروف شناس تھا، سب سے پہلے قبیلہ بنی طئی کے تین افراد۔ امر بن مرہ، اسلم بن سدرہ، عامر بن جدرہ نے کتابت نسخ کی بنیاد ڈالی انھوں نے قدرتی ذکاوت کی بنا پر یکجا ہوکر حرفوں کی شکل اور وضع قرار دی اور حروف تہجی کو سریانی زبان کی ترتیب پر مرتب کیا۔ جب یہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہوچکے اور حروف کے نقوش اور ان کی صورتوں کی باہمی ترتیب پر قابو پالیا گیا تو باشندگان حیرہ نے اس فن کو ان سے سیکھا۔

حیرہ والوں کا ایک شاگرد بشیر بن ولید (جو دومۃ الجندل کا رئیس تھا) زیارت کعبہ یا کسی اور غرض سے مکہ آیا تو وہاں ابوسفیان کی بہن صہبا بنت حرب سے نکاح کیا پھر ابوسفیان بن حرب (حضرت امیر معاویہؓ کے والد) سے ملا، انھوں نے بشیر سے فن کتابت سیکھنے کی درخواست کی چنانچہ ابوسفیان اور ابوقیس بن عبدمناف دو شخص مکہ میں بشیر کے شاگرد بنے، پھر انھوں نے اہل طائف کو تحریر سکھائی، قریش کے دیگر قبائل بھی رفتہ رفتہ اس فن کو سیکھتے گئے، اس طرح فن کتابت کا عرب اور حجاز کے اکثر قبائل میں رواج ہوگیا، چنانچہ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے تحریر کا رواج تھا اور انصار اپنے قصائد او راشعار بذریعۂ کتابت قلم بند کرنے لگے تھے

خط عربی (حمیری) نے تبابعہ کے دور میں ترقی پائی، پھر ان کے ختم ہونے کے بعد آل منذر یعنی سلاطین حیرہ کے یہاں فن کتابت کا رواج ہوا کیونکہ یہ تبابعہ کے قرابت دار تھے

پھر حیرہ کی شاگردی قریش اور اہل طائف نے کی۔

جب عرب کی سلطنت پھیلنے لگی اور بصرہ و کوفہ کو دارالخلافہ ہونے کا شرف ملا تو سلطنت کو فن کتابت کی ضرورت محسوس ہوئی اور حکومت کی توجہ سے ان میں یک گونہ آب و تاب آگئی اور اس میں بہت حد تک اصلاحات ہوئیں، خط کوفی تو آج تک مشہور چلا آرہا ہے، عرب کی حدود سلطنت جب بڑھیں اور افریقہ اور اندلس میں اسلام کا جھنڈا لہرایا، بنو عباس نے بغداد کی داغ بیل ڈالی، بغداد چونکہ دارالاسلام اور سلطنت عربیہ کا مرکز تھا اس لئے فن کتابت نے یہاں بہت ترقی کی، اسی لئے بغدادی رسم خط مشہور و معروف تھا اور افریقہ میں اسی کو اختیار کیا گیا تھا، البتہ اندلس میں بنو امیہ نے اپنے خط کو دیگر صنعتوں کی طرح سب سے جدا اور ممتاز کیا۔ پھر جب سلطنت اسلامیہ تنزل کا شکار ہوئی تو خط و کتابت بلکہ علم نے بھی اس سے منہ موڑا، اور یہ سب مصر و قاہرہ میں جاکر چھپے۔

قرآن کی کتابت اور تدوین کی تاریخ

قرآن پاک کی کتابت اور تدوین کے تین ادوار ہیں

پہلا دور — دورِ نبویؐ:- وحی کے نزول کے وقت جب کوئی آیت یا آیات، اور سورت نازل ہوتی تھی تو پیغمبر علیہ السلام اسے حضرت زید ابن ثابتؓ وغیرہ کو بلا کر لکھوا دیتے تھے، یہ حضرات کاتبین اسے کاغذ کے ٹکڑے پر یا کسی ہڈی پر اور کبھی کھجور کی ٹہنی پر اور کبھی پتھروں کی تختی پر لکھ لیا کرتے تھے، اس طرح پورے کا پورا قرآن مجید پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ ہی میں محفوظ ہوگیا تھا، لیکن اس وقت اکثر مدار حفظ پر تھا، صحابۂ کرام رضؓ عموماً بغیر دیکھے صرف سن کر خداداد حافظہ کی بدولت اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے۔

دوسرا دور — دورِ صدیقی:- پیغمبر علیہ السلام کی رحلت کے بعد سلسلۂ وحی کے انقطاع سے درمیانی اضافہ جات کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی، قرآن جو اب تک باقاعدہ کتابی شکل میں مجتمع اور یکجا نہ تھا دورِ صدیقی میں یکجا کر دیا گیا، اس کا پس منظر یہ تھا کہ صدیقی دور میں بمقام یمامہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ایک خونریز جنگ

ہوئی جس میں شہدائے اسلام کی تعداد بارہ سو تھی اور بہت سے زخمی تھے۔ بخاری شریف کے حاشیہ ص۲۵ میں مذکور ہے کان عدة من القراء سبع مائة یعنی اس جنگ میں شہید ہونے والے قرار و حفاظ کی تعداد سات سو تھی، ان قرار میں حضرت سالم رض بھی تھے ان کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ان چار جلیل القدر قرار میں دوسرے تھے جن سے پیغمبر علیہ السلام قرآن مجید پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے (بخاری ج ۲ ص ۴۸) نیز یہ کہ حضرت سالم رض کے ساتھ جو فوجی دستہ تھا وہ اہل قرآن کا یعنی قرار و حفاظ کا دستہ سمجھا جاتا تھا، یہ سب حضرات ایسے تھے جن کے پاس قرآن کریم تھوڑا بھی موجود تھا۔ سیدنا حضرت عمر بن خطاب رض کو اس صورت حال سے شدید اندیشہ اور فکر لاحق ہوا واقعہ کی اہمیت کا تقاضہ بھی یہی تھا مبادا آئندہ جنگوں میں قرآن کے باقی حفاظ بھی شہید ہوجائیں اور اس عظیم دولت سے امت محروم ہوجائے چنانچہ آپ نے صدیق اکبر رض کو اس جانب توجہ دلائی اور قرآن کے تمام حصوں کو یکجا کیا اور سرٹیفائڈ کرانے کی سعی بلیغ کی (بخاری ج ۲ ص ۷۴۵)

حضرت عمر رض کے مسلسل اصرار کے نتیجہ میں صدیق اکبر رض تیار ہوگئے اور حضرت زید بن ثابت کو تتبع اور جمع قرآن کا حکم فرمایا۔ حضرت زید رض کو لکھنے اور حضرت ابی ابن کعب رض کو لکھانے کا حکم فرمایا۔ کمال احتیاط کے پیش نظر ان دونوں حضرات نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ جن حضرات صحابہؓ کے پاس سے قرآن کو اکٹھا کرتے ان سے دو دو گواہ بھی اس بات کے لیتے کہ انھوں نے یہ آیات اور یہ حصۂ قرآنی پیغمبر علیہ السلام کے بتلائے ہوئے رسم الخط پر تحریر کیا تھا، اس طرح نہایت احتیاط کے ساتھ جمع قرآن کا کام سرانجام دیا۔

یہ قرآن حضرت ابوبکر رض کے پاس آپ کی وفات تک رہا آپ کی وفات کے بعد امیرالمومنین حضرت عمر رض کے پاس تاحیات رہا، آپ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رہا (بخاری، کذا فی المشکوۃ باب فضائل القرآن ص۱۹۳ نشرح اص)

جس حُسنِ انتظام واہتمام کے ساتھ جمع وکتابت قرآن کی یہ عظیم الشان خدمت خلیفہ اول نے انجام دی اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کی ادنی فرد گذاشت ہوئی ہوگی، مسلمانوں کا تو خیر عقیدہ وایمان ہی ہے ایک غیر مسلم مشہور زمانہ متعصب عیسائی ولیم میور کو برملا اعتراف واقرار کرنا پڑا، وہ لکھتا ہے، "قرآن کا کوئی جز کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں

گیا جسے جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو"۔ بلاشبہ ہمیں صحابۂ کرام رضؓ کے بلندپایہ مقام عزم اور عالی ہمتی کی داد دینی پڑتی ہے، اس مقام پر سیدنا حضرت علی رضؓ کا مقولہ بے ساختہ دہرانے کو جی چاہتا ہے حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ ابوبکر رضؓ پر رحم فرمائے وہ اولین شخص تھے جنھوں نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا "(البرہان ج ۱ ص۲۳۹) اور نہ ہی کوئی لفظ ایسا پایا جاتا ہے جو اس مسلم مجموعہ سے باہم اختلاف رکھتا ہو۔

بہرحال اس کام سے فراغت کے بعد اس کے تصدیق شدہ نسخوں کی بکثرت نقلیں شائع کی گئیں اور کوئی مقام اور شہر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس مصاحف کے نسخے نہ ہوں۔

تیسرا دور ــــ دورِ فاروقی:۔ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ قرآن کریم کی نشر و اشاعت کی جانب بطور خاص متوجہ ہوئے، آپ نے ایک مرتبہ اپنے فوجی افسران کو خط میں لکھا کہ میرے پاس حفاظ کو بھیجو، اس پر حضرت سعد بن وقاص رضؓ نے جواباً لکھا۔ کہ میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ آپ کے عہد میں امت کے پاس ایک لاکھ سے زائد قرآن پاک کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے، اسی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح کی بنیاد آپ نے ڈالی اور پوری مملکت میں اسے نافذ فرمایا۔ حفظ قرآن کی تحریک کو آپ کے اس حکم سے زبردست تقویت حاصل ہوئی، امت پر حضرت عمر رضؓ کا یہ بڑا احسان ہے آج تک اس کے پاس قرآن مجید بالکل اسی شکل میں جیسا کہ وہ نزول کے وقت تھا سیدنا حضرت عمر فاروق رضؓ کی برکت سے محفوظ پہونچ گیا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں" امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظم در گردن اوست، یعنی مسلمانوں میں سے جو بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی گردن احسان فاروقی سے دبی ہوئی ہے۔

چوتھا دور ــــ دورِ عثمانی:۔ جب فتوحات اسلامی کا سلسلہ دراز ہوا اور عرب سے باہر مختلف امصار و بلاد کے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور عربی زبان مادری زبان نہ ہونے کے باعث اس کے حروف و الفاظ کے صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً ان میں نہیں پائی جاتی

تھی۔ اسی کے ساتھ خود عرب کے مختلف قبائل میں لب ولہجہ کا اختلاف کثرت سے پایا جاتا تھا اور درحقیقت یہ اختلاف خاص عرب اور عربی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں فالھذلی یقرأ عتی عین والاسدی یقرأ تعلمون بکسر التاء والتمیمی یھمز والقریش لایھمز (تبیان فی مباحث القرآن ص۲۲ طاھر الجزائری) یعنی قبیلہ ہذیل (حتی حین) کو عتی عین پڑھتے ہیں اور اسدی حضرات تِعْلَمُونَ بکسر التاء پڑھتے ہیں، اسی طرح تمیمی ہمزہ کو بالتحقیق پڑھتے ہیں اور قریش ہمزہ نہیں پڑھتے ہیں۔

اسی طرح قبیلہ قیس کے لوگ کاف تانیث کا تلفظ شین سے اس طرح کرتے ہیں قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا کو رَبُّشِ تَحْتَشِ سَرِيًّا۔ تمیمی اَنْ کو عَنْ ادا کرتے ہیں اور یہی تمیمی سین کی جگہ تا کا تلفظ کرتے تھے۔ مثلاً بِرَبِّ النَّاتِ مَلِكِ النَّاتِ پڑھتے تھے۔

خیال فرمائیے جب قبائل عرب میں اختلاف لب ولہجہ کا یہ حال تھا تو اہل عجم کا کیا کچھ نہ رہا ہو اور دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے ملک کے مختلف علاقوں میں گھوم جائیے یہ اختلاف زبان ولب ولہجہ آپ کو مل جائے گا، چنانچہ پنجاب والے قؔ کو کؔ اور حیدرآباد والے قؔ کو خؔ بولتے ہیں، یعنی پنجابی لفظ تقریب کا تلفظ تکریب سے اور دکنی اسی کو تخریب سے کریں گے وغیرہ وغیرہ اب اگر قرآن کریم کی کتابت وطباعت مختلف انداز تلفظ اور گوناں گوں لب ولہجہ کے لحاظ سے ہوتی تو آج کل کیا حال ہوتا، امت عظیم اختلاف کا شکار ہوکر رہ جاتی۔

اسی کے ساتھ ایک چیز یہ بھی تھی کہ عوام معلمین سے قرآن سیکھتے اور سکھلاتے رہے، ان معلمین میں بعض تعلیم کے وقت کچھ توضیحی اور تشریحی الفاظ کا اضافہ بھی کرتے تھے اور متعلمین اسے جزو قرآن سمجھ کر رکھ لیا کرتے تھے مثلاً لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ذاتی نسخہ میں "فی موسم الحج" کے الفاظ بڑھا لئے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایام حج میں تجارت کرکے مال اٹھایا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اضافہ محض توضیح وتشریح کیلئے تھا۔

اسی طرح ہر تلفظ کی ادائیگی کے لئے پیغمبر علیہ السلام نے جو اجازت دی تھی اس میں بھی مبالغہ ہونے لگا اور نوبت سخت قسم کے اختلافات اور کَفَّرَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا تک پہونچ

چنانچہ عہد عثمانی میں فتح آرمینیہ اور آذربائیجان ۳۰ھ کے وقت شام و عراق کی فوجیں ایک جگہ جمع تھیں، ان دونوں کی قرارت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا، ایک شخص دوسرے سے اپنی قرارت کو افضل قرار دیتا، اس جنگ میں اور دیگر اصحاب کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمان رض بھی تھے انھوں نے جب یہ منظر دیکھا تو اس صورت حال سے آپ کو سخت تشویش ہوئی اس واقعہ کی تفصیل بخاری شریف ص۷۴۶ میں دیکھی جا سکتی ہے، مشکوٰۃ باب فضائل القرآن ص۱۹۳ اور النشر ج۱ ص، میں مذکور ہے، علامہ شاطبیؒ نے علامہ دانی ؒ (م ۴۴۴ھ) کی کتاب المقنع کو نظم کرتے ہوئے اپنے قصیدہ رائیہ کے شعر ۳۱ سے ۳۴ تک کے چار شعروں میں بیان کیا ہے خلاصہ یہ کہ حضرت حذیفہ رض کو اس سے بڑا دکھ ہوا، آپ نے خلیفۂ وقت حضرت عثمان رض سے یہ واقعہ بیان کر کے توجہ مبذول کرائی کہ قرارت کو رسم الخط کا پابند اور اضافہ جات کو حذف اور جمع شدہ قرآن سب کے روبرو لایا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہ رض کی رائے کو پسند فرمایا اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس سے عہد صدیقی کا جمع کردہ قرآن منگوا کر حضرت زید بن ثابت رض حضرت عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشام کو اس پر مقرر فرمایا (بخاری ص۷۴۶ ج۲) تاکید یہ تھی کہ اس رسم الخط میں تمام قرارت متواترہ ثابت ہوں سیوطی الاتقان (ج ۲ ص۲۸۹) میں لکھتے ہیں جہاں تک مشہور اور مختلف قرارت کا تعلق ہے جیسے اَوْصٰی، وَوَصّٰی، تَجْرِی تَحْتَہَا، مِن تَحْتِہَا، سَیَقُولُونَ اللّٰہ، وَلِلّٰہِ وَمَا عَمِلَتْ اَیْدِیْہِمْ، وَمَا عَمِلَتْہُ، تَبَیَّنُوْا، فَتَثَبَّتُوْا وغیرہ یہ سب قرائتیں حضرت عثمان رض کے جمع کردہ قرآن میں موجود ہیں۔ چونکہ اس قرآن میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض الفاظ کو جن میں مختلف قرارتیں تھیں انھیں کئی طریقے سے پڑھا جا سکتا تھا۔

قرارت متواترہ کو ثابت اور باقی رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اجازت خود حدیث مشہور سے ثابت ہے ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرءوا ماتیسر منہ (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۴۶، مسلم شریف ج ۱ ص۲۷۳) دوسری تاکید یہ تھی کہ دوران کتابت جہاں اختلاف اور مشکل پیش آئے وہاں لغت قریش کو ترجیح دیتے ہوئے اسی کے مطابق لکھا جائے، کیونکہ ان ہی کی لغت میں قرآن نازل ہوا ہے۔ قرارت قرآن کے بارے میں یہی اختلاف و نزاع حضرت عثمانؓ

کے قرآن کریم کو کتابی صورت میں جمع وکتابت کا اساسی اور بنیادی سبب تھا، اس کی تکمیل کے بعد مشہور روایتوں کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے (اتقان ج ۱ ص ۱۷۱) یہ نسخے مدینہ، مکہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے گئے

سیدنا حضرت عثمان رض یہ چاہتے تھے کہ صرف تحریر کردہ قرآنی نسخوں ہی پر قانع نہ ہوجائیں بلکہ براہ راست بالمشافہ صحابہ رض کے منہ سے قرآن سن کر اپنے سینوں میں محفوظ کرلیں (اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم میں صرف مطالعہ کافی نہیں بلکہ کسی ماہر معلم سے بالمشافہ سیکھنا ضروری ہے) اسی لئے حضرت عثمان رض جب کہیں کوئی نسخہ قرآن کا بھیجتے تو اس کے ساتھ ایک معلم قاری بھی بھیجتے۔ اسی لئے ان مذکورہ پانچوں شہروں کے لئے ممتاز صحابۂ کرام رض معلم اور نگراں مقرر کئے گئے، چنانچہ مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رض کو مکہ میں حضرت عبداللہ بن السائب کو شام میں حضرت مغیرہ بن شہاب کو، بصرہ میں حضرت عامر بن عبداللہ القیس رض کو اور کوفہ میں حضرت عبدالرحمن السلمی کو نگراں مقرر کیا گیا (مناہل العرفان ج ۱ ص $\frac{۳۹۶}{۳۹۷}$) اور ایک نسخہ حضرت عثمان رض نے اپنے پاس رکھا جسے مصحف امام کہا جاتا ہے۔ اس طرح مصاحف کی تعداد چھ ہوجاتی ہے بعض لوگوں نے مصاحف کی تعداد آٹھ بتائی ہے، ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن ارسال کیا گیا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمان رض نے ایک مصحف مصر میں بھی روانہ کیا (النشر ج ۱ ص ۸ مجلہ الوعی الاسلامی، الکویت مارچ ۱۹۶۸ء)

سب سے پہلے مصحف کا نام

قرآن کریم کو مصحف کا نام سب سے پہلے حضرت ابوبکر رض کے دور خلافت میں دیا گیا۔

محمد بن عبداللہ بن اشتہ (م ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب "المصاحف" میں بطریق موسیٰ بن عقبہ روایت کیا ہے کہ جب قرآن کو جمع کرکے اوراق پر لکھا گیا تو حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ اس کا کوئی نام مقرر کیجئے، بعض نے السِّفر (پیغامات) تجویز کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے، بعض نے المصحف نام رکھنے کی تجویز پیش کی، یہ نام حبشہ میں رائج ہے، اس پر اتفاق ہوگیا اور قرآن کریم کو "المصحف" کہا جانے لگا۔

سیدنا حضرت عثمان رض نے مذکورہ بالا علاقوں میں مصاحف روانہ کرکے یہ حکم جاری فرمایا

کہ اس کے علاوہ جس کے پاس بھی ذاتی قرآن کے نسخے موجود ہوں وہ حکومت کو بھیج دئے جائیں چنانچہ دوسرے تمام نسخے معدوم کر دئے گئے۔

اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت عثمان رضہ نے ان ذاتی اور عمومی نسخہائے قرآنی کے معدوم کئے جانے کا جو حکم دیا تھا وہ عظیم حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، کیونکہ ان نسخوں کا وجود امت میں زبردست افتراق و اختلاف کا سبب بن سکتا تھا اور عہد رسالت سے جس قدر دوری ہوتی جاتی اسی قدر یہ نسخے امت کیلئے زیادہ مضر ثابت ہوتے۔

مصاحف کے تعدد کی وجہ

یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ وہ الفاظ جن میں ایک سے زائد قرات متواترہ دلیل سے ثابت نہ تھی ان کو ایک ہی طرح لکھا جاتا تھا، لیکن جن الفاظ کی قرات متواترہ بدلیل متعدد وجوہ سے ہو انھیں قرآن کے ایک ہی نسخے میں اس طرح لکھا جانا کہ اس سے قرات کی تمام وجوہ کا اظہار ہو سکے، ممکن نہ تھا اس لئے کاتبینِ قرآن مجید ایسے الفاظ کو ایک نسخہ میں ایک طرح دوسرے میں دوسری طرح لکھنے پر مجبور تھے، بہرحال حضرت عثمان رضہ کے اس اقدام کو لوگوں نے بڑی وقعت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، قرآن کریم کے ذاتی اور انفرادی نسخوں کے معدوم کئے جانے کا اقدام آپ نے صحابۂ کرام کے مشوروں سے کیا تھا، حضرت علی رضہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان رضہ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو، بخدا آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا ہمارے مشورہ کے مطابق اور ہماری موجودگی میں کیا۔ (الاتقان ج ۱ ص۱۰۳) حضرت عثمان رضہ کی جگہ میں مسند خلافت پر متمکن ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو عثمان رضہ نے کیا۔

(البرہان ج ۱ ص ۲۴۰، کتاب المصاحف ابن ابی داؤد، ص۱۲)

مصاحفِ عثمانی کی خصوصیات

سیدنا حضرت عثمان رضہ کے جمع وکتابت کردہ مصاحف کی خصوصیات یہ تھیں کہ وہ ان زیادات سے پاک تھے جن کو توضیح و تفسیر تفصیلِ مجمل یا اثبات محذوف کے طور پر بڑھایا گیا، انفرادی مصاحف میں جو شاذ کلمات تھے انھیں بھی خارج کر دیا گیا۔ مصاحف عثمانی میں آیتوں اور سورتوں کی ترتیب بھی وہی تھی جو موجودہ قرآنی نسخوں میں ہے، مصاحف عثمانی نقطے اور

اعراب سے خالی رکھے گئے تھے جن کا فائدہ یہ تھا کہ مختلف قرارات پڑھی جاسکتی تھیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مسلمانوں میں عام طریقے پر ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ حضرت عثمان رض جامع القرآن ہیں واضح ہو کہ آپ کی یہ خدمت "جمع قرآن" کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو کتابت کی حد تک ایک قرارت پر جمع فرما دیا تھا، چنانچہ آپ کو بجائے جامع القرآن جامع الناس علی القرآن یا علی مصحف واحد کہنا حقیقتاً صحیح ہے، مشہور عالم ابوعبداللہ حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) کا قول اتقان میں ملتا ہے "المشهور عند الناس ان جامع القرآن عثمان وليس كذالك انما جمع عثمان الناس على القرآن بوجه واحد ص۶۰۔ یعنی لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت عثمان جامع القرآن ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ انھوں نے قرآن کی ایک رسم الخط والی قرارت پر سب لوگوں کو جمع کیا۔

جمع صدیقی و عثمانی میں فرق

سیدنا ابوبکر صدیق رض اور حضرت عثمان رض کے جمع قرآن میں یہ فرق ہے کہ قرآن جو منتشر و متفرق تھا اسے پیغمبر علیہ السلام کی فرمودہ تعلیم و تربیت کے موافق حضرت ابوبکر صدیق رض نے جمع کیا۔ اور حضرت عثمان رض نے سورتوں کا تسلسل بھی قائم فرمایا اور مختلف قرارات کو ایک رسم الخط پر جمع کیا اور متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلائے سیدنا حضرت عثمان رض کی یہ خدمت قرآنی بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے اور امت پر زبردست احسان ہے کہ رسم الخط اور کتابت کی حد تک قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا، بہرحال اس میں شبہ کی بات نہیں اور منصف مزاج شخص اس بات کی تائید کرتا ہے کہ قرآن کے سوا دنیا کی کسی کتاب کی حفاظت کیلئے وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو قرآن کے حصہ میں آیا اور قرآن کے سوا دنیا کی کوئی کتاب بطریق تواتر انسانوں تک نہیں پہنچی، مستشرق شفالی نے بجا طور پر کہا ہے کہ قرآن انسان کی توقعات سے بھی زیادہ مکمل صورت میں ان کے پاس پہنچا (علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح ص۱۲۹)

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، ایسا ہونا ہی چاہئے تھا، قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ یعنی باطل نہ اس کے

آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ خداوند عالم کا نازل کردہ ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۔
بیشک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے لفظاً معناً رسماً وکتابتاً محافظ ہیں۔

مصاحفِ عثمانیہ کی مختصر تاریخ

مصحفِ مدنی:- مصاحف عثمانیہ کا نسخہ مدینہ میں رکھا گیا، وہ تا حین حیات حضرت عثمانؓ کے پاس رہا، آپ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے پاس رہا، پھر خلافت کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد ہوا وہاں سے اندلس پہونچا، اندلس سے مراکش کے دارالسلطنت فاس پہنچا، پھر کسی طرح مدینہ پہنچا، جنگ عظیم اول میں فخری پاشا گورنر مدینہ اسے دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا، وہاں اب تک موجود ہے (تاریخ ادریسی، تذکرۃ المصاحف بحوالہ الخط العثمانی فی الرسم القرآنی)

مصحفِ مکی:- مکی نسخہ ۶۵۷ھ تک مکہ معظمہ میں رہا، محمد بن جبیر اندلسی نے ۵۸۰ھ میں اس کی زیارت کی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں انھوں نے سیاحت کی یہ نسخہ جامع دمشق میں موجود تھا آپ کی زیارت غالباً انیسویں صدی کے آخر میں تھی۔ کشاف المہدی ص۱۵۱ میں ہے کہ سلطان عبدالحمید خان ۱۲۷۶ھ میں تخت نشین ہوئے اور تقریباً انھوں نے تیس برس تک حکومت کی ان کے زمانہ میں مسجد جامع دمشق کو آگ لگ گئی اس میں یہ مصحف بھی جل گیا، احمد مقری مورخ نے ۱۰۲۵ھ میں ان کی زیارت کی تھی۔

مصحفِ شامی:- یہ نسخہ کوفہ سے سلاطینِ اندلس پھر سلاطین موحدین پھر سلاطین بنی مرین کے قبضہ میں آیا اور جامع قرطبہ میں رہا اہل قرطبہ نے سلطان عبدالمومن کو دیا عبدالمومن کے حکم سے ابن بشکوال (م ۵۷۸ھ) نے دارالسلطنت مراکش کو منتقل کیا یہ منتقلی ۱۱ شوال ۵۵۲ھ کو ہوئی ۶۴۵ھ میں خلیفہ معتضد علی بن مامون کے پاس رہا اسی سال خلیفہ نے تلمسان پر فوج کشی کی اور مارا گیا اسی فوج کشی میں وہ گم ہوگیا لیکن پھر کسی طرح تلمسان کے شاہی خزانے میں پہنچا وہاں اب تک موجود ہے۔

مصحفِ بصری:- یہ نسخہ کتب خانہ خدیو جو مصر میں ہے وہاں رہا اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے وزیر نے ۵۸۰ھ میں تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔

مصحفِ کوفی:- کتب خانہ جامع ازہر میں موجود ہے۔

مصحف بحرین ۔ فرانس کے کتب خانہ میں موجود ہے

مصحف عثمانی کے صرف تین نسخے اس وقت دنیا میں موجود ہیں، ایک تاشقند، دوسرا استنبول (ترکی) اور تیسرا لائبریری انڈیا آفس آف لندن میں محفوظ ہے[1]

حضرت عثمان رض کے تین مصاحف اور ہیں جن میں سے مصحف عثمانی دوم سیدنا حضرت حسینؓ قاہرہ میں ہے اور مصحف عثمانی سوم جامعہ ملیہ میں موجود ہے۔ اگر تقسیم ملک کے ہنگامے میں تلف اور ضائع نہ ہوا ہو تو موجود ہوگا، مصحف عثمانی چہارم انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں موجود ہے اس پر لکھا ہوا ہے کتبہ عثمان بن عفان یہ نسخہ شاہان مغلیہ کے پاس تھا اکبر کی مہر اس پر ہے ۱۸۴۵ء میں یہ نسخہ ہیجر راونس کو، اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ کو دیا، اب انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ہے اس کے ایک سو اکیاسی ۱۸۱ صفحات ہیں ہر صفحہ میں سولہ ۱۶ سطریں ہیں (علوم القرآن)

---

[1] ۱۹۶۶ء میں جب پاکستان کے صدر جنرل محمد ایوب خان مرحوم تاشقند گئے تھے تو مذکورہ تاشقند کے نسخے کی ایک نقل تحفۃً دی گئی تھی، صدر مرحوم نے اس متاعِ بے بہا کو کراچی کے قومی عجائب گھر کے حوالے کر دیا تھا، وہاں آج بھی محفوظ ہے۔

یہ نسخہ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اس کا طول و عرض ۲۰×۱۶ انچ ہے، یہ اصل نسخے کا عکس ہے، پہلی جلد کے دو ابتدائی صفحات نہیں ہیں، پہلی جلد عَذَابٌ عَظِیْمٌ "بقرہ آیت ۷" سے شروع ہو کر سورہ نساء کی آیت ۳۵ پر ختم ہوتی ہے۔

اس نسخہ سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھئے مجلہ "علوم القرآن" سہ ماہی، دسمبر، جنوری ۱۹۸۸ء میں شائع شدہ مضمون "مصحف عثمانی تاشقند میں"۔

اس مضمون کا بقیہ حصہ بعنوان "قرآن کی تسہیل و تحسین کے مراحل" دارالعلوم ماہ نومبر ۱۹۹۰ء و فروری ۱۹۹۱ء میں دیکھئے

مولانا حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی، مانچسٹر

خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء عظام کی حیات میں صحابہ کرام رضی سے لے کر تمام اکابرین دیوبند تک سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء اپنی اپنی قبور میں حیات ہیں اور ان حضرات گرامی قدر کے اجسام مبارکہ صحیح سالم اور محفوظ ہیں، اور اسی جسم کے ساتھ حیات ہیں، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کی تالیف لطیف " آب حیات " کا موضوع ہی یہی ہے، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح نے اس سے اختلاف نہیں کیا، آپ کے بعد محدث شہیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رح نے ایک سوال کے جواب میں اپنے مسلک کو بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا جس سے تمام اکابرین دیوبند نے اتفاق کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت سلف صالحین میں اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہ تھا، شارح بخاری علامہ بدرالدین العینی رح (۸۵۵ھ) کا کہنا ہے کہ معتزلہ کے سوا اس مسئلے کا کسی نے انکار نہیں کیا، اور کرتے بھی کیوں، اسلئے کہ یہ تو بالاتفاق ثابت ہے حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مرحوم نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ۔

" عزیزان من! حیات انبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے (مسالک العلماء ص۶)

اس وقت ہمارا موضوع " مسئلہ حیات النبی " کی تفصیلات نہیں بلکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ السامی کی تحریرات وارشادات سے یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت رح بھی اس مسئلے سے بھرپور اتفاق کرتے ہیں اور بڑی وضاحت کے ساتھ اس کو ثابت فرماتے ہیں، آیئے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رح کی تصریح پڑھیں اور اس پر

حضرت حکیم الامت" کا اتفاق دیکھیں

"ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ۔ برزخی نہیں جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ جمیع لوگوں کو جیسا کہ حضرت علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء بحیٰوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے، علامہ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء و شہداء کی قبر میں ایسی حیات ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کے برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔ (المہند ص ۲۲۲)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس مسئلہ پر اپنی رائے کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ۔

نقر به ونعتقد ه ونكل امر المفترين	میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور اس کا اعتقاد
الى الله و انا اشرف على التهانوى	رکھتا ہوں اور افتراء کرنے والوں کا معاملہ اللہ
الحنفى الجشتى ختم الله تعالى	تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، اشرف علی تھانوی
له بالخير.	حنفی چشتی اللہ تعالیٰ خاتمہ بخیر فرمائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حکیم الامت، مذکورہ بالا مسلک و مسئلے سے بھرپور اتفاق کرتے ہیں، اب آئیے آپ ہی کی تحریرات و ملفوظات سے اس موضوع کو سن لیں۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں کہ

جب حضور کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

(نشر الطیب ص ۱۵۲ امداد الفتاوی جلد ۵ ص ۱۱۹ راس الاربعین ص ۱۵)

۳۔ چند شبہات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

تیسرا شبہ امام مالک کے قول سے کرتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے یکرہ قول الرجل زیارة قبر النبی علیہ السلام یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بات کہنی مکروہ ہے کہ میں نے قبر شریف کی زیارت کی، تو جب زیارت قبر کا قول تک مکروہ ہے تو فعل زیارت کیسے مکروہ نہ ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ امام مالک کا یہ قول اول تو ثابت نہیں، اور اگر ثابت بھی ہو تو ان کا یہ مطلب نہیں جو تم کہتے ہو ورنہ ان کو اس قدر پھیر پھار کی کیا ضرورت تھی وہ صاف یہی نہ فرماتے کہ یکرہ زیارۃ قبر النبی علیہ السلام، یہ قول کی کراہت بیان کرنا اس سے زیارت کی کراہت نکالنا اس تکلف کی ان کو کیا ضرورت تھی. بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیئے کہ میں نے قبر کی زیارت کی. کیونکہ حضور زندہ ہیں. (شکر النعمہ ص۲۲)

۴ - ایک مرتبہ فرمایا کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کیلئے بہت کچھ شرف حاصل ہے، کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور خود یعنی مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں، کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں، قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں، صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے، حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق پہونچتا ہے۔

(اور اس کے بعد حضرت رہ نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی، پھر ارشاد فرمایا کہ)

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے، چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لئے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں کھا سکتی. حدیث میں ہے حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض. اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے، اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی، نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکنا صدقۃ۔ انبیاء علیہم السلام

کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ یہ باتیں شہید کیلئے شریعت نے مشروع نہیں کیں، تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے۔ ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا اور شہداء اور عام مومنین سے اقوی ہونا ثابت ہوا

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص کر ہمارے حضور کے بارہ میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں، ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے، چنانچہ ایک واقعہ سے .... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

(وعظ المحبور ص۱۳، راس الربیعین ص۱۱۵)

۵ ــــ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ کذا فی المواہب اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے۔ اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے۔

(نشر الطیب ص۲۱۱)

۶ ــــ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

بروایت حضرت انس خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچائی جاتی ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔ (ایضاً ص۲۱۱)

۷ ــــ حضرت حکیم الامتؒ اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

سلام کا سننا نزدیک سے اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہے۔ (ایضاً ص۲۴۲)

۸ ــــ حضرت حکیم الامت رح کے نزدیک قریب سے کہا گیا سلام خود حضورؐ سنتے ہیں اور دور کا سلام بواسطہ فرشتے پہونچایا جاتا ہے۔ ان احادیث پر لکھتے ہیں۔

یہ سب حدیثیں صریح ہیں عدم السماع عن بعید میں (بوادر ص۲۰۶)

یعنی قریب سے پکارا گیا سلام کا سننا برحق ہے، اور دور سے کہا گیا سلام کا خود بخود سن لینا صحیح نہیں بلکہ وہ سلام فرشتوں کی معرفت پہونچائے جاتے ہیں۔

۹۔ حضرت حکیم الامت، ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں کہ :-

خوب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں ورنہ واقع میں آپ زندہ ہیں، اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں، انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے، معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ (تعظیم الشعائر ص۱۷)

۱۰۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

ایک شخص نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی، میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء عند ربہم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیونکر زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور یہ نکتہ تائید کے درجہ میں ہے۔

(الافاضات الیومیہ جلد ۳ ص۱۱۳)

۱۱۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب

ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں، دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے، حضور کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور کی بھی میراث تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔ (وعظ الظہور ص۱۹)

۱۲۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں (التکشف ص۴۴۶)

۱۳۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

مدینہ جانے والا یوں کہے کہ میں نے حضور کی زیارت کی کیونکہ حضور زندہ ہیں (التبلیغ ص۔)

۱۴۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

آپ کے جسد مبارک کا زمین پر حرام ہونا، قبر میں نماز پڑھنا، درود پڑھنے والوں کا آپ کو درود پہونچانا، خاص قبر شریف کا درود خود سننا (المور د الفرشی ص۴۲۷)

۱۵۔ حکیم الامت رحمہ کے ایک خلیفہ جب ہندوستان سے حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے آپ کے پاس آئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ:

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اسطرح عرض کرنا۔ یا سیدی یارسول اللہ اشرف علی خویدمك یسلم علیك ویسئلك ان تدعوا اللہ تعالٰی ان یدخله فی عشاقك وخدام دینك وعشیرۃ محلك۔

(القول الجلیل حصہ اول ص۲)

۱۶۔ حضرت حکیم الامت ؒ فرماتے ہیں کہ:۔

بس اب میں بیان کو ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا۔ سید احمد رفاعی رحمہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض کیا السلام علیک یا جدی، جواب مسموع ہوا وعلیک السلام یا ولدی۔ اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عنی وھی نائبتی

فهذه دولة الاشباه قد حضرت فامدد يمينك كي تحظى بها شفتى
بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا، باہر نکلا
انھوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔
(شکر النعمہ ص۴۳ الافاضات حصہ ص۲۴۴)

۱۷۔ ایک اور وعظ میں فرمایا۔
انبیاء علیہم السلام کی ایک خاص حیات بعد وفات کے بھی مسلم ہے، صحابہ بھی اس سے واقف تھے گو وہ حیات اس حیات کے مثل نہیں بلکہ حیات برزخیہ ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ ایسی قوی ہوتی ہے کہ جس کے بعض احکام دنیا میں بھی ظاہر ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ان کی بیبیوں سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا، گو یہ امر منصوص تو آپ ہی کے لئے ہے مگر ظاہراً عام معلوم ہوتا ہے اور ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، یہ حکم نص میں عام ہی وارد ہوا ہے، نحن معاشر الانبیاء لانورث ماترکناه صدقة، اور ان کے اجساد کو زمین نہیں کھا سکتی، یہ اثر شہداء کے لئے بھی منصوص ہے، بہرحال انبیاء قبر میں زندہ ہوتے ہیں۔ (وعظ العلم والخشیة ص۱۹)

۱۸۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:
حضورؐ کی وفات دوسروں کی سی وفات نہیں، اس کے لئے بعض اہل لطائف نے ایک آیت سے استیناس کیا ہے، وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے انک میتٌ وانہم میتون میں حضورؐ کی وفات کو دوسروں کی وفات سے جدا بیان کیا ہے۔ غرض یہ مسئلہ مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعد وفات کے بھی ایک خاص حیات کے ساتھ زندہ رہتے اور عالم کون میں روحانی تصرف فرماتے رہتے ہیں۔ (وعظ الرضا بالحق ص۵۱)

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے متوسلین کو صلاۃ وسلام پیش کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علمائے دیوبند "عظمت رسول" کے قائل نہیں انھیں مذکورہ صراحت

کو پیش نظر رکھ کر اپنے الزام سے رجوع کر لینا چاہئے. تاکہ قیامت کے دن الزام واتہام کے گناہ کی پکڑ سے بچ جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور سماع عندالقبر کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ کا مسلک معلوم ہوگیا ہے، اب آئیے ان مضامین پر بھی ایک نظر دوڑائیں جن کا عام اموات سے تعلق ہے کہ قبر میں عام میت کا سماع ثابت ہے یا نہیں، اور ان کو ادراک ہوتا ہے یا نہیں

۱ — حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ،

میت میں مطلق ادراک تو احادیث سوال نکیرین سے باجماع اہل حق ثابت ہے۔
(کمالات اشرفیہ ص۳۰)

۲ — ایک مرتبہ فرمایا۔

عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے، قبر میں اس کو ڈال آتے ہیں وہاں وحشت کدہ میں تنہا پڑا رہتا ہے اور ایسی حیات مثل عدم حیات کے ہے — صاحبو! یہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے وہاں بڑی راحت ہے۔ (ایضاً ص۱۵۱)

۳ — حضرت حکیم الامتؒ سے کسی نے پوچھا کہ قبر پر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے جہاں سے چاہے ثواب پہونچا سکتا ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

اس میں تین مصلحتیں ہیں (۱) یہ کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصال ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضار موت کا زیادہ ہوتا ہے (۲) دوسری مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس ہوتا ہے، خواہ آہستہ پڑھا جاوے یا زور سے، حق تعالیٰ مردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں، یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں، کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر و ناظر سمجھنے لگے (۳) تیسرے یہ کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی مردہ کو راحت پہونچتی ہے۔ (ایضاً ص۱۹۰)

۴ — کچھ لوگ آیت کریمہ انک لاتسمع الموتی سے نفی سماع موتی پر استدلال کرتے ہیں حضرت

حکیم الامت" فرماتے ہیں:

یہ استدلال بالکل ناتمام ہے اس لئے کہ اس آیت میں موتی سے مراد تشبیہاً کفار ہیں پس اس سے اتنا ثابت ہوا کہ جیسے کافر نہیں سنتے ایسے ہی مردے بھی نہیں سنتے۔ اور ظاہر ہے کہ کافروں کا نہ سننا بایں معنی ہے کہ ایسا نہیں سنتے کہ سنکر قبول کرلیں، پس اسی طرح مردے بھی ایسا نہیں سنتے کہ سن کر قبول کرلیں، مثلاً کوئی جاکر قبرستان میں تبلیغ کرنے لگے تو وہ سن کر اس پر عمل کرنے لگیں پس اس معنی کو نہیں سنتے۔ حاصل یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک مشبہ بہ یعنی موتی اور ایک مشبہ یعنی کفار سو مشبہ بہ کے سماع میں اختلاف ہے ہی مگر مشبہ کے سماع کا مشاہدہ ہے کہ مطلق سماع ثابت ہے اور سماع قبول منفی ہے، پس تصحیح تشبیہ کیلئے غیر مشاہد کو مشاہد کی طرف راجع کریں گے یعنی عدم سماع موتی کا ویسا ہی ہے جیسے عدم سماع کفار، اب آیت کا مطلب بے غبار ہوگیا، اور کوئی شبہ نہیں رہا (الافاضات الیومیہ حصہ ۵ ص ۱۸۷ وحصہ ۲ ص ۲۱)

۵ — کچھ لوگ ما انت بمسمع من فی القبور کو اپنی دلیل بناتے ہیں، حضرت حکیم الامت" فرماتے ہیں کہ:

ما انت بمسمع من فی القبور میں نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے سو وہ ظاہر ہے یعنی یعنی مردے سننے پر عمل نہیں کرسکتے کیونکہ ان کا مقام دار العمل نہیں ہے، اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ کفار کے عدم سماع کا بیان کرنا مقصود ہے اور ان کے عدم سماع کو عدم سماع موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ کفار سنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔

(کمالات اشرفیہ ص ۱۶۴، وملفوظات اشرفیہ ج ۲ ص ۲۵۸)

حضرت حکیم الامت رہ کے مذکورہ ارشادات سے پتہ چلا کہ مطلق ادراک ومطلق سماع ثابت ہے اور جہاں عدم سماع کا بیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سنکر عمل نہیں کرسکتے، یعنی سنتے تو ہیں مگر عمل نہیں کرسکتے۔

از:- مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

(دوسری قسط)

(۳) کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی سنہ ۱۸۹ھ

ان کا نسخہ کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں متداول ترین، مشہور ترین اور مقبول ترین ہے اور اسی کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تعجیل المنفعۃ بزوائد الائمۃ الاربعۃ" کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفردا انما ھو کتاب الآثار التی رواھا محمد بن الحسن عنہ[1]	حدیث میں امام ابوحنیفہ کی جو مستقل کتاب موجود ہے وہ "کتاب الآثار" ہے جس کو امام محمد بن حسن نے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس نسخے میں جن راویوں سے حدیثیں مروی ہیں ان کے حالات میں دو اہم کتابیں لکھی ہیں، پہلی تصنیف جو مستقل طور پر رجال "کتاب الآثار" سے متعلق ہے، اس کا نام "الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار" ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے، دوسری کتاب یہی "تعجیل المنفعۃ" ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رواۃ حدیث کا تذکرہ لکھا ہے کہ جن سے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے اپنی اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں، مگر صحاح ستہ میں ان کے سلسلہ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے، چنانچہ اسی ذیل میں انہوں نے "تعجیل المنفعۃ" میں کتاب الآثار امام محمد کے زوائد رجال کو بھی جمع کر دیا ہے۔ محدث سخاوی نے الاعلان[2] بالتوبیخ لمن ذم التاریخ میں لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا متوفی ۸۷۹ھ نے بھی "رجال کتاب الآثار" امام محمد پر ایک

[1] کتاب مذکور ص ۱۷ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ

مستقل کتاب تصنیف کی ہے، ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون من اسامی الکتب والفنون، میں کتاب الآثار امام محمد پر امام طحاوی کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے بھی مبسوط میں "کتاب الآثار" کے متعلق خود امام محمد کی شرح کا حوالہ دیا ہے[۱]۔ اور علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی نے "العقود فی تاریخ العہود"[۲] میں حافظ قاسم بن قطلوبغا کی تصنیفات میں ان کی ایک کتاب التعلیق علی کتاب الآثار" کا بھی ذکر کیا ہے جو رجال "کتاب الآثار" کے علاوہ ہے۔ اسی طرح علامہ مرادی نے بھی سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" میں شیخ ابوالفضل نورالدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی المتوفی سنہ ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی "شرح کتاب الآثار" امام محمد کا ذکر کیا ہے۔ خود ہم نے اس کے رجال پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا ہے۔ حال میں مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری نے بھی اس پر دو ضخیم جلدوں میں ایک مبسوط و محققانہ شرح لکھی ہے جس کے بارے میں مولانا ابوالوفا افغانی نے شرحاً حسناً لم یر مثلہ[۳] (ایسی عمدہ شرح کہ جس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی) کے الفاظ استعمال کیے ہیں

امام محمد سے بھی اس نسخہ کو ان کے متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ امام ابوحفص کبیر اور امام ابوسلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ امام ممدوح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی ان سے اس کتاب کی روایت کرتے ہیں۔ اور محدث خوارزمی نے "جامع المسانید" میں اسی نسخہ کو امام محمد سے موسوم کیا ہے۔ غالباً اس نسخہ میں فتاوی تابعین کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف احادیث ہی درج ہیں اور شاید اسی بنا پر اس کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔

امام ابوحفص کبیر اور امام ابوسلمان جوزجانی چونکہ فقہ حنفی کے ارکان نقل ہیں اس لئے کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں ان ہی حضرات کی نقل کو زیادہ فروغ ہوا۔ کاتب الحروف بھی کتاب الآثار" امام محمد کو امام ابوحفص کبیر ہی کے طریق سے روایت کرتا ہے جس کی سند درج ذیل ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو مبسوط سرخسی جلد ۱ صفحہ ۸ طبع مصر سنہ ۱۳۲۴ھ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ فقد ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الآثار لہٗ۔ [۲] الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع سخاوی میں حافظ قاسم کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ [۳] مقدمہ کتاب الآثار" امام ابویوسف۔ از مولانا افغانی دامت برکاتہم

اجازنی الشیخ الفقیہ العالم المحدّث مولانا ابوالوفاء الافغانی ادامہ اللہ بالعز والکرامۃ قال اجازنی الشیخ عبدالقادر بن الشیخ محمد الحواری الزبیری المدنی فی مدیر مکتبۃ شیخ الاسلام عارف حکمت بمدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر اللہ المحرم ۱۳۲۱ عن الشیخ علی ظاہر الوتری عن الشیخ عبدالغنی الدہلوی عن الشیخ محمد عابد السندی عن عمہ الشیخ محمد حسین بن محمد مراد الانصاری قال اجازنی الشیخ عبدالخالق بن علی المزجاجی قال قرأت علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی عن الشیخ احمد بن محمد النخلی عن الشیخ محمد بن علاء الدین البابلی عن ابی النجا سالم بن محمد السنہوری عن النجم محمد بن احمد بن علی الغیطی عن شیخ الاسلام زکریا الانصاری عن الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی انا بہا ابوعبداللہ الجریری محمد بن علی بن صلاح انا القوام امیر کاتب بن امیر عمر بن غازی الاتقانی انا البرہان احمد بن اسعد بن محمد البخاری والحسام حسین بن علی السغناقی قال انا فخر الحرمین حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری انا الامام محمد بن عبدالستار الکردری انا عمر بن عبدالکریم الورسکی انا عبدالرحمن بن محمد الکرمانی انا ابوبکر بن الحسین الارسابندی انا ابوعبداللہ الزرنی انا ابوزید الدبوسی انا ابوجعفر الاستروشنی وابوعلی الحسین بن خضر النسفی انا ابوبکر محمد بن الفضل انا ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی انا ابوعبداللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انا ابی انا الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔

(۴) کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد لؤلؤی المتوفی ۲۰۴ھ

اس نسخہ کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں کیا ہے، چنانچہ محدث محمد بن ابراہیم حبیش بغوی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی روی عن محمد بن شجاع الثلجی عن	محمد بن ابراہیم بن حبیش بغوی، محمد بن شجاع ثلجی سے وہ امام حسن بن زیاد سے اور وہ امام ابوحنیفہ

الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ "کتاب الآثار"[1] سے "کتاب الآثار" کو روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کی "اعلام الموقعین" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ان کے بھی پیش نظر تھا، چنانچہ انھوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

قال الحسن بن زیاد اللؤلؤی ثنا ابوحنیفۃ قال کنا عند محارب بن دثار وکان متکئاً فاستوی جالسًا ثم قال سمعت ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی الناس یومٌ تشیبُ فیہ الولدان وتضع الحوامل ما فی بطونھا[2]۔ الحدیث۔

محمد علی بن عبدالحسن دوالیبی حنبلی نے اپنے "ثبت" میں اس نسخہ سے ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری حنفی نے اپنی مشہور تصنیف "الامتاع

---

[1] واضح رہے کہ لسان المیزان کے مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت اس طرح مذکور ہے

محمد بن ابراھیم بن حسن البغوی روی عن محمد بن نجیم البلخی عن الحسن

بن زیاد عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ "کتاب الآثار"

لیکن طباعت کے اندر اسماء میں سخت تصحیف ہوگئی ہے حبیش البغوی کی بجائے حسن البغوی غلط چھپ گیا، اسی طرح شجاع الثلجی کی جگہ نجیم البلخی محض غلط ہے اور عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ کے درمیان عن محمد بن الحسن کا اضافہ اگر اصل منقول عنہ میں بھی موجود ہے تو یقیناً غلط ہے بہرحال طبع کے مصححین نے یہاں تصحیح کا اہتمام بالکل نہیں کیا۔ قلمی نوشتوں کے پڑھنے میں اسماء کی غلطی تو بالکل معمولی بات ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ نہایت بدخط تھے، خود ہم نے حافظ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا "اتحاف المہرہ" کا نسخہ دیکھا ہے فی الواقع ان کے نوشتہ کا صحیح پڑھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے، محمد بن ابراہیم بن حبیش بغوی اور امام محمد بن شجاع ثلجی دونوں بڑے مشہور و معروف محدث گذرے ہیں حافظ خطیب بغدادی نے ان دو حضرات کا مفصل تذکرہ تاریخ بغداد میں لکھا ہے اور چونکہ یہ دونوں حنفی ہیں اسلئے وہ اپنی عادت کے مطابق ان دونوں کے خلاف تعصب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

[2] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۲۲ طبع اشرف المطابع دہلی۔

ملا جیون محدث نہ تھے اس لئے ان کا انکار محل تعجب نہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کتاب
الآثار سے بخوبی واقف ہیں انھوں نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے اس کے
اطراف کا سماع بھی کیا ہے چنانچہ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

" واطراف . . . . . کتاب الآثار امام محمد وموطائے او از وے سماع نمودہ [1]

شاہ صاحب ممدوح کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابوحنیفہ سے
روایت کرتے ہیں، چنانچہ مصفی میں خود ان کے الفاظ ہیں۔

" آثارے کہ از امام ابوحنیفہ روایت کردہ است [2]

مگر شاید وہ اس کو امام ابوحنیفہ کے بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں، محدث ملا
علی قاری نے خود موطا امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام محمد
نے ان دونوں کتابوں کو ان کے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اس کو دیکھتے
ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہوجانا کچھ زیادہ محل تعجب نہیں، امام موصوف کا ان دونوں
کتابوں میں طرز عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں، پھر
بالالتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کرتے
ہیں، اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اس کو نقل کرنے کے بعد اس
پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل بالتفصیل لکھتے ہیں اور اسی ذیل میں کتاب الآثار اور موطا
دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے علاوہ دیگر
شیوخ سے بھی منقول ہیں، اس بنا پر بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں
خود امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں[3]، حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار، امام
ابوحنیفہ کی اور موطا امام مالک کی تصنیف ہے، اور امام محمد ان دونوں حضرات سے ان کے
راوی ہیں، لیکن چونکہ امام ممدوح نے ان کتابوں کی روایت میں امور مذکورہ بالا کا اہتمام

---

[1] انسان العین ص۱۲ مطبع احمدی دہلی۔ [2] مصفی ص۳
[3] مولانا شبلی نعمانی کتاب الآثار کے متعلق اور ملا علی قاری نے موطا کے متعلق اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے
اس کو پڑھ کر آپ کو اس غلط فہمی کی وجہ خود معلوم ہوجائے گی۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں۔ خوارزمی نے ...
(باقی بر صفحہ آئندہ)

رکھا ہے اس بنا پر ان کی احادیث بہت زیادہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس درجہ عام ہوگیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف کتاب کا انتساب ہونے لگا اور کتاب الآثار امام محمد اور مؤطا امام محمد کہا جانے لگا۔ اس لئے ان حضرات کو بھی یہ غلط فہمی ہوگئی جس کی اصل وجہ ان دونوں کتابوں کے بقیہ نسخوں پر عدم اطلاع ہے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب تک سے ہیں، کسی مؤلف کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سی احادیث اور آثار دیگر شیوخ سے بھی روایت کی ہیں، اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے (سیرۃ النعمان ص)

اور ملا علی قاری مؤطا امام محمد کی شرح میں لکھتے ہیں

وقد وجدت بخط الاستاذ المرحوم الشيخ عبد الله السندي في ظهر هذا الكتاب انه موطا مالك بن انس برواية محمد بن الحسن وهو مشكل اذ يروي الامام محمد فيه من غير الامام مالك ايضًا مع الامام ابي حنيفة وامثاله ولعله نظر على الاغلب

میں نے اپنے استاد مرحوم شیخ عبداللہ سندھی کے قلم سے اس کتاب کی پشت پر یہ لکھا ہوا پایا کہ یہ مؤطا مالک بن انس بروایت محمد بن الحسن ہے اور یہ مشکل ہے کیونکہ امام محمد اس کتاب میں امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی جیسے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے امثال ہیں روایت کرتے ہیں اور شاید استاذ مرحوم کا یہ فرمانا اس کی اغلب روایات کے اعتبار سے ہو

ملا علی قاری کی شرح مؤطا محمد کے قلمی نسخے ہندوپاکستان کے متعدد کتب خانوں میں ہماری نظر سے گذرے ہیں، ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا شبلی نعمانی کو جو اشکال کتاب الآثار امام محمد کے امام ابوحنیفہ کی طرف انتساب میں ہے وہی اشکال ملا علی قاری کو مؤطا امام محمد کے امام مالک کی طرف منسوب کرنے میں ہے۔

ارشادات اکابر

مولانا امام علی دانش، ادارہ محمودیہ لکھیم پور

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کیلئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا پھر سلسلۂ نبوت کو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا اور امت مسلمہ میں ایسے اکابر پیدا کئے جن کے ذریعہ علم و عمل کی روشنی پھیلتی رہتی ہے اور جن کے فرمودات سے کتاب و سنت کی تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

دور حاضر کے بعض اکابر کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جن سے ایمان میں تازگی اور عملی زندگی میں انقلاب پیدا ہونے کی امید ہے اخلاف کیلئے ضروری ہے کہ وہ اسلاف کے علوم سے آراستہ ہوں، شاعر نے سچ کہا ہے ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو　　پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

اپنے اکابر سے عقیدت و وابستگی کا تقاضہ ہے کہ ہم ان کے فرمودات سے واقف ہوں اور ان کی اتباع سے سرخروئی حاصل کریں۔

علم سے رضائے الٰہی کب حاصل ہوگی میں نے حضرت مولانا (تھانویؒ) سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرے گا اور اس سے یہ نیت کرے گا کہ استعداد ہو جائے تو استعداد ہو جائے گی مگر ایسے شخص کو علم سے رضائے الٰہی کی کی توفیق نہ ہوگی اور جو رضائے الٰہی کے لئے علم حاصل کرے گا اس کو رضا بھی حاصل ہوگی اور استعداد بھی حاصل ہو جائے گی (مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ)

خدمت خلق مخلوق خدا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا بہت بڑی چیز ہے جس کو حاصل ہو جائے بڑی دولت ہے اس کی وجہ سے بہت سے لوگ قیامت میں بخش دیئے جائیں گے (مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ)

چار چیزوں کی نیت بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ انسان جب صبح کرے تو اس کو چاہئے کہ چار چیزوں کی نیت کرے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کی

ادائیگی کرے گا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ممنوعات سے بچے گا، تیسرے یہ کہ مخلوق کے ساتھ معاملات کرنے میں عدل کرے گا، چوتھے یہ کہ جن مخالفین سے اختلافات ہیں ان کی اصلاح کرے گا (تنویر السالکین)

اتباع نبوی کی ضرورت مسلمان کو لازم ہے کہ ہر ایک بات میں وہ رسم ہو یا عادت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کرنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بابت کیا فرمایا ہے، اور آپ کی ہدایت کیا ہے. اپنی ناقص عقل کو دخل نہ دینا چاہئے. کیونکہ اگر صرف ہماری عقل کفایت کرتی تو اللہ تعالیٰ پیغمبر کو حلال حرام بتانے کے واسطے کیوں بھیجتا؟ (مولانا خرم علی مصنف نصیحۃ المسلمین)

دنیا کی حیثیت دنیا تیرے لئے ایک سواری ہے اگر تو اس پر سوار ہوگا جب تو وہ تجھ کو منزل تک پہونچا دے گی لیکن اگر وہ تجھ پر سوار ہوگئی تو تجھ کو ہلاک و برباد کردے گی (امام حسن بصریؒ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت)

علماء کو زہد اختیار کرنا چاہئے علماء اگر زہد اختیار کریں تو بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں ان کے آگے جھک جائیں، لیکن یہ لوگ اپنے علم کو دنیا داروں پر اس نیت سے خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کو کچھ مل جائے اسی وجہ سے لوگوں کی نظر سے گر گئے. فرمایا جو شخص ایسا دوست تلاش کرے جس میں عیب کوئی نہ ہو اس کو کبھی دوست نہیں مل سکتا۔

(فضیل ابن عیاضؒ حوالہ بالا)

چشتی کی وجہ تسمیہ کہتے ہیں کہ خواجہ ممشاد رحؒ نے آپ (یعنی شیخ ابو اسحٰقؒ) سے پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے، آپ نے کہا ابو اسحاق شامی، شیخ نے فرمایا کہ آج سے تمھیں ابو اسحٰق چشتی کہیں گے، اس لئے کہ اہل چشت کو تم سے ہدایت ہوگی اور تمھارا سلسلہ قیامت تک چشتیہ کہلائے گا، اسی دن سے ابو اسحاق چشتی کہلانے لگے (حوالہ بالا)

شقاوت کی علامت فرمایا کرتے تھے کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے، اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی مبتلائے معصیت ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے۔

(خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحؒ بحوالہ بالا)

اتحاد و اتفاق کیسے حاصل ہو؟ اتفاق باہمی کی اصل تواضع ہے، جن لوگوں میں تواضع ہوگی باہم اتفاق رہے گا۔

(شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح)

نیک عمل نہ چھوڑے اگر ریا سے بھی کوئی عمل کرتا ہو تو اس کو کرتا ہے ترک نہ کرے اول اول ریا ہوگی پھر عادت ہو جائے گی، اور عادت سے عبادت ہو جائے گی۔ (حوالہ بالا)

صوفیاء کرام کے اخلاق اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر۔ مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا، نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کو چھوڑ دینا۔ سخاوت کرنا، درگذر اور خطا کا معاف کرنا۔ خندہ روئی اور بشاشت جسم، سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔ معاف کرنا تکلف چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو، خدا پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیزگاری اختیار کرنا، جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، بغض و کینہ و حسد نہ رکھنا، عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا، وعدہ پورا کرنا، بردباری، دوراندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا، محسن کی شکرگذاری اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔

(امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رح حوالہ بالا)

دنیا پر حکومت ملنے کا طریقہ مالک کے سامنے جھک جا تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی۔ صحابہ کرام کے قصے معلوم ہیں۔ (یعنی وہ خدا کے سامنے جھک گئے تو دنیا ان کے سامنے جھک گئی اور فلاح دارین ان کو حاصل ہوئی) (حوالہ بالا منقول شیخ الحدیث مولانا زکریا رح)

گمراہی کی دو قسمیں حضرت مولانا سید اسعد میاں صاحب مدنی دامت برکاتہم نے اس مرتبہ محمدی کے سفر میں فرمایا کہ ایک گمراہی جہالت کی وجہ سے آتی ہے، علم دین جتنا پھیلے گا وہ گمراہی دور ہوگی اور دوسری گمراہی علم کی وجہ سے آتی ہے۔ قرآن حکیم اگرچہ سراپا ہدایت ہے مگر یضل بہ کثیرا بھی آیا ہے۔ بعض لوگ ہدایت حاصل کرنے کے بجائے گمراہی میں

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۴۱۱ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۹۱ء

شمارہ نمبر ۶ جلد نمبر — فی شمارہ ۵/- سالانہ ۵۰/-

نگراں: حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر: مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ	۱۸۰/- روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم "	۱۰۰/- "
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم "	۷۵/- "

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤدوالا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس اختر سفیر دار العلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے (مدیر)

دو حادثے

۱ ــــــ یہ خبر ملتے ہی دارالعلوم دیوبند کی فضا یک لخت سوگوار ہوگئی کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین، امارت شرعیہ بہار کے امیر، خانقاہ رحمانیہ کے سجادہ نشین اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے روح رواں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ، ۱۹ مارچ ۱۹۹۱ء کو کارگاہ حیات سے رحلت کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا رحمانی کو قدرت نے گوناگوں صفات وخصوصیات سے نوازا تھا، وہ ایک وسیع النظر عالم صاحب نسبت شیخ، فعال ومتحرک رہنما اور بلند پایہ مصنف تھے، پیرانہ سالی اور ذیابیطس جیسے جاں گسل مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود ملی وسماجی کاموں میں بڑے چاق وچوبند رہتے تھے، ایسی جامع صفات اور نوع بنوع خصوصیتوں کی حامل شخصیت سے اس قحط الرجال میں ملت اسلامیہ کا محروم ہوجانا ایک زبردست خسارہ ہے جس کی تلافی کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی،

مولانا مرحوم تیرہویں صدی کے مشہور عالم دین وشیخ طریقت حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ خلیفہ اجل حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی متوفی ۱۳۱۳ھ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں آپ کی ولادت ہوئی اور علم وعرفان کے پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھے، والد گرامی کی وفات کے بعد ۱۱ سال کی عمر میں بغرض تحصیل علم حیدرآباد گئے، اور وہاں مولانا مفتی عبداللطیف صاحب متوفی ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء سے عربی صرف ونحو اور منطق وغیرہ کی

ابتدائی کتابیں پڑھیں، ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں اپنے برادر کبیر مولانا نور اللہ کے ہمراہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، اور مولانا حفیظ اللہ اعظمیؒ، مولانا حیدر حسن ٹونکیؒ، مولانا شبلی فقیہ اعظمیؒ، مولانا عبدالرحمن نگرامی وغیرہ قابل فخر اساتذہ سے علم وفن کی تحصیل کی، آخر میں بغرض تکمیل ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی جیسے یگانہ روزگار علماء سے حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کی کتابیں پڑھ کر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کے رفقاء درس میں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بطور خاص قابل ذکر ہیں، جن سے آپ کے تعلقات آخر دم تک دوستانہ و بے تکلفانہ رہے۔

والد ماجد کا انتقال چونکہ آپ کی نوعمری ہی میں ہوگیا تھا اس لئے ان سے بیعت وارشاد کا تعلق رکھنے کے باوجود استفادہ نہ کرسکے، بعد میں حضرت حاجی محمد شفیع بجنوری خلیفہ حضرت گنج مرادآبادی کی خدمت میں پانچ برس رہ کر سلوک کی راہیں طے کیں اور اپنے والد محترم کے خلیفہ مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوری سے مجاز خلافت ہوئے، اپنے برادر اکبر مولانا لطف اللہ صاحب کے انتقال کے بعد ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں خانقاہ رحمانی کی مسند ارشاد پر فائز ہوئے، اور خلق خدا کی اصلاح باطن کی بنیادی خدمت کی جانب متوجہ ہوگئے، بہار، اڑیسہ اور بنگال میں آپ کے مریدین ومسترشدین کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ افادۂ باطنی کے ساتھ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی جاری تھا، جامعہ رحمانی کا از سر نو قیام اور اس کی غیر معمولی ترقی، مولانا مرحوم ہی کی قوت عمل کی رہین منت ہے، جامعہ رحمانی کا شمار آج بہار کے مرکزی دینی مدارس میں ہوتا ہے۔

۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی بااختیار باڈی "مجلس شوریٰ" کے رکن منتخب ہوئے اور تادم واپسیں اس سعادت سے ہم کنار رہے، مجلس میں آپ کی اصابت رائے کو اہم مقام حاصل تھا، حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ کی وفات کے بعد سے مجلس کی قراردادوں کی ترتیب وتحریر کی خدمت بالعموم آپ ہی انجام دیتے تھے، اپنی مادر علمی سے مرحوم کو خاص وابستگی تھی اور اس کی تعمیر وترقی کیلئے دل سے کوشاں رہتے تھے۔

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں امارت شرعیہ بہار کے امیر رابع کے منصب جلیل کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے اکابر کی زیرنگرانی ان کا انتخاب عمل میں آیا، اسے ان کا کارنامہ ہی کہا جائے گا کہ انھوں نے اکابر کی اس میراث اور یادگار کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اپنے علم و فضل، فہم و فراست، اعتدال و توازن اور حرکت و عمل سے اسے مزید ترقی و وسعت بھی دی اور آج اس کی شاخیں بہار کے حدود سے نکل کر ملک کے دیگر حصوں تک پہنچ گئی ہیں۔

ملک میں جب متعصب صحافیوں اور تنگ نظر سیاسی بازی گروں کی طرف سے یکساں سول کوڈ کا مطالبہ زور پکڑنے لگا تو قانون شریعت کے تحفظ کے لئے ایک مستقل ادارہ کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ مولانا مرحوم کی تحریک پر اس سلسلے کا ایک مخصوص و اولین اجتماع دارالعلوم دیوبند میں ہوا، جس میں ملک کے اصحاب فکر علماء نے فیصلہ کیا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے جس میں ہر مکتبۂ فکر کے صاحب نظر علماء اور دانشوروں کو نمائندگی دی جائے، اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے مولانا رحمانی مرحوم کی تگ و دو سے دسمبر ۱۹۷۲ء کو حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیر صدارت ایک عظیم تاریخی کنونشن بمبئی میں منعقد ہوا، جس میں حضرت حکیم الاسلام کی صدارت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا جس کے جنرل سکریٹری کے لئے اس عظیم اجتماع کی نظر مولانا رحمانی پر پڑی، چنانچہ مولانا مرحوم نے اپنے حسن انتظام، قوت عمل اور متوازن رویہ سے اسے ملک گیر تحریک بنا دیا، جس نے شاہ بانو کیس میں بڑا قابل قدر اور تاریخی کردار ادا کیا۔

مولانا مرحوم کی زندگی اپنے محاسن و برکات سے اگر قابل رشک ہے تو ان کی موت بھی حسن قبول کی بشارت بن کر آئی کہ رمضان المبارک کو عشاء اور تراویح کی ابتدائی چند رکعات کے بعد وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کے پسماندگان خصوصاً ان کے صاحبزادہ مولانا محمد ولی رحمانی کو صبر و تسلیم کی توفیق ارزانی فرمائے اور قوم و ملت، امارت شرعیہ بہار اور دارالعلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ اللّٰھم آمین۔

۲ ـــــ حضرت مولانا رحمانی مرحوم کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ، ۳۱ مارچ ۱۹۹۱ء کو دارالعلوم دیوبند کے ابن قدیم اور رکن شوریٰ حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کے سانحۂ

[ا]نتقال کی غمناک اطلاع ملی۔ اس اندوہناک خبر کے ملتے ہی حضرت مہتمم صاحب تجہیز و تکفین میں شرکت کیلئے
[بذ]ریعہ کار میرٹھ روانہ ہوگئے، تقریباً دس بجے دن کو حضرت مہتمم صاحب نے نماز جنازہ ادا کرائی۔

حضرت قاضی صاحب میرٹھ کے اس علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے جو محمد تغلق شاہ ۷۲۵ھ کے عہد
[س]ے میرٹھ کے منصب قضا پر فائز چلا آرہا ہے، قاضی صاحب تقریباً ۱۳۲۸ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم
[د]ارالعلوم میرٹھ اور مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں پائی، حضرت شیخ الہند کے تلمیذ مولانا عبدالمومن دیوبندی
[س]ے مشکوٰۃ اور بیضاوی تک پڑھا۔ عربی ادب کا ذوق مولانا اختر شاہ خانصاحب استاذ مدرسہ امداد الاسلام
[ک]ی صحبت میں پیدا ہوا۔ اسی زمانہ میں فاضل ادب عربی کا امتحان الٰہ آباد بورڈ سے پاس کیا اور ہائی اسکول
[ت]ک انگریزی پڑھی، حدیث کی تحصیل و تکمیل کے لئے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے
[او]ر محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس
[س]رارہما سے حدیث کا فیض حاصل کیا اور ۱۳۴۶ھ میں امتیاز کے ساتھ دورۂ حدیث سے فراغت پائی
[زم]انۂ طالب علمی میں ان کے مضامین و مقالات اردو کے معیاری جرائد میں شائع ہونے لگے چنانچہ فراغت
[ک]ے بعد مولانا تاجور نجیب آبادی ایڈیٹر ادبی دنیا لاہور نے انھیں جائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے لاہور
[بلا ل]یا، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں جب ندوۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا تو اسکے رفقائے تحریر میں حضرت قاضی صاحب
[ش]ریک تھے، اسی زمانہ میں انھوں نے تاریخ ملت کے تین حصے، نبی عربی، خلافت راشدہ، اور خلافت بنو امیہ
[تال]یف کئے، ان کے علاوہ قاضی صاحب کی تصانیف میں بیان اللسان (عربی اردو لغت) قاموس القرآن
[(ا]لفاظ قرآنی کی لغت) انتخاب صحاح ستہ، سیرت طیبہ، شہید کربلا، کلام عربی، اخلاق نبوی وغیرہ بہت اہم
[او]ر مقبول ہیں، ایک عرصہ تک میرٹھ سے «الحرم» کے نام سے ایک موقر ماہنامہ بھی نکالتے رہے ۱۹۵۵ء
[می]ں پروفیسر محمد مجیب صاحب کی دعوت پر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تاریخ و تفسیر کے پروفیسر مقرر
[ہو]ئے اور اس منصب پر ایک عرصہ تک فائز رہے ۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے
[رک]ن منتخب ہوئے اور آخر تک اس شرف و مجد پر قائم رہے، جب تک صحت و طاقت نے ساتھ دیا بالالتزام
[مجل]س کے ہر اجلاس میں شرکت فرماتے رہے اور اپنے مفید مشوروں سے دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں نمایاں
[حص]ہ لیتے رہے، حضرت قاضی صاحب کو دارالعلوم سے قلبی لگاؤ تھا، مجلس کے علاوہ عام اوقات میں بھی اپنے
[مفید] مشوروں سے ارباب انتظام کی رہنمائی کرتے رہتے تھے اور ہر وارد و صادر سے دارالعلوم کے احوال و کوائف

قسط نہم — مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

سورۂ بقرہ کے رہنما اشارات

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۙ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۙ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ

اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے گا اُن کا قبلہ، اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہونچا تو بے شک تو بھی ہوا بے انصافوں میں ﴿۱۴۵﴾ جن کو ہم نے دی ہے کتاب، پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو، اور بے شک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر ﴿۱۴۶﴾ حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا ﴿۱۴۷﴾ اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہوگے کر لائیگا تم کو اللہ اکٹھا بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ﴿۱۴۸﴾ اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف، اور بے شک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے ﴿۱۴۹﴾ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے (یعنی ان کے اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ راہ سیدھی ﴿۱۵۰﴾ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾ سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو ﴿۱۵۲﴾ اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں ﴿۱۵۴﴾ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے

تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے، اور خوش خبری دے ان صبر کرنے والے کو (۱۵۵) کہ جب پہونچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (۱۵۶) ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر (۱۵۷) بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔ (۱۵۸)

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (۱۴۵)	فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (۱۴۷)

قبلہ و صاحب قبلہ کے متعلق اہل کتاب کی معاندانہ روش

آیت زیر نظر میں اس حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے کہ قبلہ پر اہل کتاب کا اعتراض و انکار لاعلمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ فاسدنیت اور عناد کی وجہ سے ہے اس لئے اگر آپ قبلہ کی سچائی پر دنیا جہان کی دلیلیں بھی پیش کر دیں جب بھی یہ ماننے والے نہیں ہیں سہ

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت — نہیں کام آتی دلیل اور حجت

اور چونکہ کعبۃ اللہ ہمیشہ کے لئے قبلہ بنایا گیا ہے اس لئے اب آپ بھی ان کے —— قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے، اور یہ اہل کتاب اگرچہ قبلہ پر اعتراض کرنے میں متحد و یک زبان ہیں مگر قبلہ کے مسئلہ میں خود ان کے درمیان بھی اختلاف ہے کہ یہود صخرۂ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنے پوپ پولس کی تجویز پر مطلع شمس کو قبلہ مانتے ہیں، قرآن آجانے کے بعد ان کی رائے کا وزن ہی کیا رہ جاتا ہے، بفرض محال اگر آپ نے ان کے نفسانی خیالات کو مان لیا تو اس قدر محبوب و بلند مرتبہ ہونے کے باوجود حق سے گریزاں ہوجائیں گے، یہ تنبیہ دراصل عام مسلمانوں کو ہے کہ ہم جب قانون کی بات کرتے ہیں تو اپنے بندۂ خاص پیغمبر اعظم کو بھی اس کا پابند بناتے ہیں، تا بہ شما چہ رسد۔

(۱۴۶) الذین اتینٰھم الکتاب الخ اہل کتاب کی یہ روش قبلہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ صاحب قبلہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ان کا رویہ یہی ہے کہ آپ کو یقینی طور پر جانتے پہچانتے ہوئے

جواب ۳، ۴، ۵ ملا :- جواب ۳ میں اولاً تحویل قبلہ کے حکم کا اعادہ کر کے لِئَلَّا يَكُونَ الخ سے اس حکم کی ایک جدید علت بیان کی گئی ہے۔ یعنی تحویل قبلہ کا یہ حکم قطع حجت کے واسطے ہے ورنہ یہود یہ الزام دیتے کہ کتاب الٰہی توراۃ تو ناطق ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کا مستقل قبلہ کعبہ ہوگا۔ جو ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور آپ تو بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں، اور مشرکین عرب یہ اعتراض کرتے کہ دعویٰ تو ملت ابراہیمی کی اتباع کرتے ہیں مگر قبلۂ ابراہیمی سے روگردانی کرتے ہیں، تحویل قبلہ کے بعد اس قسم کے الزامات کی کوئی گنجائش نہیں رہی اور سب کی زبان بند ہوگئی رہے وہ لوگ جو انصاف پسندی کی حدود سے گذر گئے وہ کٹھ حجتی اور سخن سازی کریں گے ان کی باتوں کی پروا کئے بغیر میرے حکم کی تعمیل کیجئے۔

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي الخ میں پانچواں جواب دیا گیا ہے کہ بیت الحرام کو قبلہ اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ تمھاری توجہ افضل قبلہ کی طرف ہوجائے اور اس جہت کے انوار و برکات سے تمھاری نمازیں تابناک سے تابناک تر ہوجائیں، چونکہ باب قبلہ میں سب سے بڑی نعمت یہی ہے کہ افضل جہات کو قبلہ بنا دیا جائے، لہٰذا اتمام نعمت کی غرض سے یہ حکم دیا گیا۔

ولعلکم تہتدون سے ایک اور علت کی جانب اشارہ ہے وہ یہ کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ افضل جہات کے استقبال سے تم کو ہدایت کاملہ مل جائے اور سیدھے قریب راستہ سے جلد منزل مقصود تک پہونچ جاؤ۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا ـــــــــ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ
(۱۵۱) ـــــــــ (۱۵۲)

ذکر و شکر کی تلقین :-

جس طرح باب قبلہ میں تم پر اتمام نعمت ہوا کہ تمھارے لئے اعظم قبلہ منتخب ہوا اسی طرح نبوت و رسالت کے معاملہ میں بھی ہم نے تم پر اپنی نعمت مکمل کردی کہ اعظم رسول کو تمھاری تربیت و تکمیل کے لئے بھیجا، جو تمھارے معاشرے، تمھارے شہر اور تمھارے جانے پہچانے خاندان کا ایک فرد ہے، یہ رسول تمھاری ذہنی و فکری صلاحیتوں کو ابھارنے کے لئے کتاب الٰہی پڑھ کر سناتا ہے، نفسانی قوتوں کو صالح بنانے کے واسطے تمھارے دلوں کا تزکیہ اور صفائی کرتا ہے اور دستور و قانون سکھانے کی غرض سے کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے، علاوہ ازیں اہل کتاب کے کتمان و اخفاء کی وجہ

ہوئے مانتے نہیں ہیں، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے علمار کبار میں سے تھے کہتے ہیں کہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی نظر دیکھتے ہی پہچان گیا، جس طرح اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی پہچان جاتا ہوں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو بیٹے کی معرفت سے بھی روشن تر ہے کیونکہ بیٹے میں تو اس شک کی گنجائش ہے کہ کہیں بیوی نے خیانت نہ کی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کی بھی گنجائش نہیں۔

(۱۴۷) الحق من ربک الخ یقین جانئے تحویل قبلہ کا معاملہ ہو یا آپ کی رسالت کا حق وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے، حق استقامت چاہتا ہے لہٰذا حق کے معاملہ میں کسی پس وپیش کو راہ نہیں دینی چاہئے۔ یہاں بھی روئے سخن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور بات عام مسلمانوں کی ہو رہی ہے اس طرح کلام میں بہت زور پیدا ہو گیا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ــــــ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ
(۱۴۸) ــــــ (۱۴۹)

جواب ۲ :۔ اس ہدایت آفریں جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہر مذہب، ہر ملت کا ایک مستقل قبلہ ہوتا ہے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی ایک مستقل شریعت ہے، اسی اصول پر اس کیلئے بھی ایک خاص قبلہ مقرر ہوا، یہ سادہ سی حقیقت ہے تحویل قبلہ کی تمام باتوں کو چھوڑ کر صرف اسی کو حق و باطل کا معیار بنا لینا دانشمندی و حق پسندی نہیں ہے اصل چیز جو مقصود ہے وہ تو نیک کردار اور حسن عمل ہے پس جب صحیح حقیقت کا انکشاف ہو گیا تو اس بے سود بحث کو چھوڑ کر نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی سعی کرو کیونکہ تم دنیا کے جس گوشے میں بھی ہوگے قادر مطلق قیامت کے دن تم سب کو جمع کر دے گا اور اس وقت درست عقیدہ اور صحیح عمل ہی کام آئے گا، تعیین قبلہ کی اس حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ سفر و حضر ہر حالت میں بوقت نماز استقبال قبلہ کیا جائے، بلاشبہ رب کریم کا یہ حکم برحق اور تکمیل عبادت کا ذریعہ ہے، اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں، اس کو خوب معلوم ہے کہ کون تعمیل حکم کرتا ہے اور کون انکار و استکبار کی راہ اختیار کرتا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ ــــــ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
(۱۵۰)

سے جو علوم و معارف بالکل محو ہو گئے تھے از سرِ نو انھیں تم پر منکشف کرتا ہے، بس جب تمھیں ایسی گرانقدر و بیش بہا نعمتوں سے نوازا گیا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ تم مجھکو ہمیشہ یاد رکھو میں مزید لطف و عنایت کے ساتھ تمھیں یاد رکھوں گا، اور میری نعمتوں کی شکر گذاری کرتے رہو، میں تمھاری ہدایت اور کتاب و سنت کی معرفت میں مزید اضافہ کر دوں گا "لئن شکرتم لازیدنکم" اہل کتاب کی طرح رسول کا انکار یا ترک اطاعت کر کے کفران نعمت میں مبتلا نہ ہو جانا ورنہ اس شرف و مجد سے انھیں کی طرح محروم کر دیئے جاؤ گے۔ "ولئن کفرتم ان عذابی لشدید"

مقصدِ سوم بیانِ جہاد

پیغمبرانہ تربیت، کتاب و حکمت کی تعلیم، مرکز دعوت کا قیام اور خیر امت ہونے کا نصب العین یہی وہ بنیادی عناصر تھے جن کی موعودہ امت کی نشو و نما کے لئے ضرورت تھی، جب یہ تمام مراتب ظہور میں آ گئے، علاوہ ازیں جب حق کی دعوت دلیل و برہان کی بھرپور قوت کے ساتھ منکرین تک پہونچا دی گئی اور ان کے جملہ شکوک و شبہات حقائق و مسلمات کی روشنی میں دور کر دیئے گئے تو اب ضروری ہوا کہ پیروان دعوت حق کی ایک ایسی جماعت منظم کی جائے جو خدا کے نظام عدل کے مقابلہ میں طاقت کا مظاہرہ کرنے والوں کا جواب طاقت سے دے سکے، نیز اس میں جرأت و ہمت کا ایسا صالح جذبہ بھی ہو کہ بوقت ضرورت جاہلیت کے نظام فاسد کو مٹا دینے کیلئے اقدامی عمل سے بھی اسے گریز نہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسی جاں نثار معیاری جماعت کا ظہور اسی وقت ممکن ہے جب کہ معاشرہ کے افراد اخلاقی پستی، ملکی بدامنی اور خانگی انتشار جیسے اجتماعیت سوز امراض میں مبتلا نہ ہوں، اس لئے آئندہ آیتوں میں جہاد کی تمہید کے طور پر تہذیب اخلاق، سیاست مدنیہ (شہری انتظامی قوانین) اور تدبیر منزل (خانگی نظام) کے قوانین و احکام بیان ہوں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا ـــــــ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ
(۱۵۳) ـــــــ (۱۵۸)

تہذیب اخلاق کے اہم اصول۔

علمائے علم الاخلاق کے بیان کے مطابق اخلاق کے اہم بنیادی اصول چار ہیں (۱) طہارت یعنی جسم و نفس کی پاکیزگی (۲) اخبات (تواضع و فروتنی) (۳) سماحت (سخاوت و فیاضی) (۴) عدالت ان چاروں کی تحصیل و تہذیب کے ذرائع پانچ ہیں (الف) ذکر اللہ (ب) شکر گذاری (ج) صبر (د) صلوٰۃ و دعا (ھ) شعائر اللہ کی تعظیم۔ چونکہ ذکر و شکر کا ذکر متصلاً گذر چکا ہے اس لئے انکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، بقیہ تین کا بیان ذیل میں کیا گیا ہے، آیت زیر نظر میں دو یعنی صبر و نماز کا ذکر ہے اور آیت ۱۵۸ میں شعائر اللہ کا ذکر آئے گا۔

(۳) صبر:۔ مشکلات و مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت کا نام صبر ہے، صبر ایک ایسی ہمہ گیر اور وسیع الذیل خصلت ہے جو تمام حسنات اور نیکیوں کی مبداء اور سرچشمہ ہے، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، شجاعت، سخاوت، تحمل، عفو، ادائے حقوق، ترک معاصی، محرمات سے اجتناب و پرہیز وغیرہ سارے امور میں درحقیقت صبر ہی کی قوت کار فرما ہے، بے صبر آدمی ان میں سے کسی کو بھی انجام نہیں دے سکتا۔

(۴) نماز:۔ صبر کی طرح نماز بھی اپنے اندر بے شمار دینی و دنیوی فوائد و مصالح کو سمیٹے ہوئے ہے، مثلاً تحفظ ایمان، کثرت ثواب، عفو گناہ، عذاب قبر سے نجات، قرب و حضور جیسے دینی فوائد کے علاوہ، حفظ صحت، تمدن، زیرکی، تحمل مشقت کی قوت، عزت، باہمی اتحاد، اعتماد، پاکی وغیرہ شخصی سماجی، و معاشرتی فوائد و مصالح کی تحصیل کا نماز اعلیٰ ترین ذریعہ ہے، اس لئے جس جماعت میں صبر و صلوٰۃ کی دونوں قوتیں جمع ہوجائیں وہ دنیا و آخرت کہیں بھی ناکام و نامراد نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس کے ساتھ خدا کی طاقت ہوتی ہے، ان اللہ مع الصابرین۔

صبر کا اعلیٰ درجہ اور اس کا عظیم ثمرہ

(۱۵۴) ولا تقولوا لمن یقتل الخ صبر کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ انسان بخوشی سے عزیز ترین اپنی زندگی خدا کی راہ میں قربان کردے، ایسے مرد جانباز کا اعزاز یہ ہے کہ اسے مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے، یعنی

کی روح کو حیات ہی کی طرح بلکہ اس سے کہیں اعلیٰ درجہ کی لذت و فرحت حاصل ہے، نیز زندگی ہی کی طرح اس کے ترقیٔ درجات کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے، یہ ہے شہید کی وہ حیات جس کی قرآن نے "بل احیاءٌ و لکن لا تشعرون" سے خبر دی ہے۔ (واللہ اعلم بمراد کلامہ)

صبر کا امتحان اور کامیابی پر انعام :-

آیات ۱۵۵ تا ۱۵۷ میں صبر کا امتحان اور کامیابی پر اس کے ثمرات کا تذکرہ ہے، یعنی جاں نثاری پر صبر کے اس اعلیٰ ترین معیار کے سوا صبر کے اور بھی مراحل ہیں جن سے راہ امتحان میں گذرنا ناگزیر ہے، خطرات کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا خسارہ اور پیداوار کی تباہی سے بھی صبر کا امتحان ہوگا، دستور یہی ہے کہ دعوت اسلام پر لبیک کہنے والوں کی تسلیم و رضا اور صبر و استقلال کا امتحان لینے کے بعد فتح و کامرانی کی وجد آفریں نوید سنائی جاتی ہے۔ "وبشر الصابرین"

کامیابی کا معیار :-

الذین اذا اصابتھم الخ اس امتحان کرامت میں وہی خوگر تسلیم و رضا پورے اترتے ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو ان کا رواں رواں پکار اٹھتا ہے کہ ہماری مسرت و غم، سود و زیاں، حیات و موت جو کچھ بھی ہے سب اسی مالک دو جہاں کے لئے ہے، اور ہم کو تو اسی کے دربار میں حاضر ہونا ہے، خود سپردگی کا یہ درجہ صبر و رضا کا وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر مصیبت بشارت بن جاتی ہے اور مولائے کریم کی جانب سے یہ وجد آفریں مژدہ آتا ہے کہ تمہارے لئے وہ خاص پیار ہے جو ہمارے مقرب و منتخب بندوں یعنی انبیاء مرسلین کے پیار و محبت کے ہم رنگ ہے، نیز تمہارے لئے رحمت و ہدایت کا باب کھول دیا گیا ہے۔

تعظیم شعائر اللہ :-

(۱۵۸) ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الخ اس آیت میں تہذیب اخلاق کے پانچویں ادب یعنی تعظیم شعائر اللہ کا بیان ہے، دراصل صفا و مروہ مکہ معظمہ کی گمنام اور معمولی درجہ کی

جس بندۂ مخلص نے آقا کی رضا جوئی میں خون کا دریا عبور کرلیا اور مقاصد دین کی تکمیل میں اپنی جان فنا کردی، خالق موت وحیات نے اپنی قدرت کاملہ سے تارِ نفس ٹوٹ جانے اور زندگی کے آثار ختم ہوجانے کے باوجود اس کو زندہ رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے اسے حیات جاودانی کی خلعت سے ملبوس کردیا ہے لیکن اس عالم آب و گل میں تمھیں اس کا شعور نہیں ہے۔

حیات شہید کی حقیقت۔

درحقیقت موت سے جسم متاثر ہوتا ہے کہ بدن انسانی سے روح کا رشتہ ٹوٹ جانے کی بنا پر قوائے جسمانی سے حس و حرکت ادراک و شعور سب ناپید ہوجاتے ہیں، موت سے روح میں کوئی فتور نہیں آتا وہ پہلے ہی کی طرح حساس، مدرک اور باشعور رہتی ہے، الحاصل مردہ کی روح خواہ وہ شہید کی ہو یا عام مومن کی، فاسق و فاجر کی ہو یا کافر ومشرک کی زندہ رہتی ہے، البتہ موت سے جبکہ روح کا رابطہ جسم سے ختم ہوگیا، روح کو کھانے پینے، سیر و تفریح وغیرہ کی لذتیں جو زندگی میں اسے حاصل تھیں ختم ہوجاتی ہیں، اسی طرح عبادات وحسنات کے ذریعہ اس کے عروج و ارتقار کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہتا، کیونکہ روح کو لذت و سرور اور عروج و ترقی بدن کے واسطہ سے میسر تھی اور یہ واسطہ اب موجود نہ رہا۔

لیکن شہید کی روح کا معاملہ ان دونوں باتوں میں عام مُردوں سے مختلف ہے، شہید کی روح موت کے بعد بھی کھانے پینے، سیر و تفریح کی لذت و مسرت سے ہم کنار رہتی ہے اور اس کے عروج و ارتقار کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہتا ہے، احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ شہید کی روح سبز پرندہ کے پوٹے میں رکھ دی جاتی ہے اور اس پرندہ کے ذریعہ وہ جنت میں اڑتی پھرتی اور جنت کے پھل اور میوے کھاتی رہتی ہے، گویا شہید کی روح کو سبز رنگ کے خوبصورت پرندہ کی سواری مل جاتی ہے جس پر سوار ہوکر وہ سیر و تفریح کے لطف اٹھاتی اور جنتی باغات کے تلذذات سے لذت کام و دہن کا سامان حاصل کرتی ہے، اسی طرح صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے، مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے گویا کہ وہ اب بھی عمل کررہا ہے۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ دیگر مُردوں کے برخلاف مرنے کے بعد بھی شہید

دو پہاڑیاں تھیں مگر حضرت ہاجرہ اور سیدنا اسمٰعیل علیہما السلام کے صبر و رضا نے انھیں شعائراللہ اور خدا کی یادگار کے بالاتر مقام پر پہونچا دیا۔

کمال محبت کا تقاضہ ہے کہ محبوب سے گذر کر یادگار محبوب سے بھی محبت و تعظیم کا برتاؤ کیا جائے اور اس سلسلے میں ترک وطن، مفارقت اہل و عیال اور مالی و جانی تمام مشکلات سے بے پروا ہوکر مقصود کی طلب و سعی کی سخت راہوں اور تلاش و جستجو کی سنگ لاخ وادیوں سے ہنستا ہوا گذر جائے تاکہ محبوب کی قدر دانیوں کا سزاوار قرار پائے۔

جب مسلمانوں کو صفا و مروہ کی سعی سے بت پرستوں کے ساتھ مشابہت کا خیال ہوا تو ان کے اس تصور کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس کا ماحصل یہ ہے کہ صفا و مروہ اصل میں اللہ کی یادگار ہیں۔ مشرکوں کی مشابہت ایک امر عارضی ہے وہ اس میں مؤثر نہ ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز میں غیروں کی مشابہت اس وقت ناجائز ہوگی جب کی اس کی مشروعیت دلیل سے ثابت ہو جیسے نوروز، ہولی، دیوالی وغیرہ میں کفار کی مشابہت حرام ہوگی کیونکہ ان کی مشروعیت ثابت نہیں۔

ضیاء الدین قاسمی ندوی - استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد / مئو یوپی

قرآن کریم رب العالمین کا وہ مبارک کلام جو رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کی ذات گرامی پر نازل ہوا، گذشتہ آسمانی کتابوں کے برعکس اس کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ خود خالق کائنات نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور اعلان فرمادیا "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

قرآن کریم کی حفاظت کیلئے جن تدابیر و حکمت اور وسائل و ذرائع کو الٰہ العالمین نے منتخب فرمایا اور جو طریقۂ کار اختیار کیا ہم انھیں میں کے ایک "ذریعہ" کو موضوع بحث بنائیں گے اور ہمارا مقصد ان نفوس قدسیہ میں سے چند کا تذکرہ کرنا ہے جنھوں نے کلام پاک کی تفسیر اور تشریح احکام کی صورت میں قرآن کی حفاظت کا کام کیا، لیکن اس سے قبل تھوڑا بہت قرآن کا تعارف بھی ہونا ضروری ہے، کیونکہ ہر کتاب کا کچھ نہ کچھ موضوع اور اغراض و مقاصد ہوتے ہیں، اور کتاب کا مصنف اپنی تصنیف کی جو غرض و غایت بتلائے گا وہی مقبول اور معتبر اور جامع ہوگی

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

قرآن پاک جو کہ سرچشمۂ رشد و ہدایت، منبع اسرار و حکم، خزینۂ رحمت و برکت، ذخیرۂ حکمت و موعظت، معدن احکام و شریعت، مرکز نجاح و فلاح، ذریعہ حسن عمل، باعث صلاح و تقویٰ، فارق حق و باطل، ہادی و مصدق اور گم گشتہ راہوں کیلئے منارۂ نور، ظلمت و شرک میں مشعل راہ، امراض قلب و جسم کیلئے علاج و شفا اور بندگان خدا کیلئے دستور حیات، جویان حق کیلئے اصول زندگی اور عالم انسانیت کے لئے دائمی قانون معیشت ہے، اس عظیم الشان کتاب مبین کا تعارف خود ذات واجب الوجود کراتا ہے اور بار بار مختلف اسلوب و انداز میں کراتا ہے الٓمٓ، ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ الم یہ وہ کتاب ہے جو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے منزہ، متقیوں کیلئے ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو مرکز ہدایت فرمایا، اس تعریف میں قرآن کی مکمل وجامع خوبی بیان کردی گئی ہے، اس لئے کہ بندوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے تمام خوبیوں کے مالک، اے روز جزار کے حاکم مطلق جب ہم تیری ہی عبادت کا دم بھرتے ہیں تیرے ہی در کے سوالی بن گئے ہیں تو ہمیں سیدھے راستہ پر لگا دیجئے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی ان لوگوں کی راہ پر چلا یئے جن پر آپ نے باران رحمت نازل فرمائی، انعامات واکرام کے موتی برسائے، خیر وبرکت کا متلاشی بنایا اور اپنی رضا وخوشنودی کا طالب بنایا، اے رب العالمین اے رحمٰن ورحیم گمشدہ راہوں کے طریقہ پر مت لے جائیو، نافرمانوں کے روش سے بچائیو۔

دستورِ حیات

یہ آرزومندانہ ودردمندانہ التجا تھی، خود خالق دوجہاں کی سکھائی دعا تھی، لہٰذا مقبول ہوئی اور ارشاد ہوا اے میرے بندو! تم نے دستور زندگی مانگا، ضابطہ حیات طلب کیا، منزل مقصود کی ہدایت چاہی ہے، صراط مستقیم کی آرزو کی ہے تو لو ہم تم کو ہدایت نامہ دیتے ہیں، رہنمائے منزل عطا کرتے ہیں، مشعل راہ بخشتے ہیں منارۂ نور بھیجتے ہیں، پانے کے بعد کھونا نہیں، پکڑنے کے بعد چھوڑنا نہیں، تسلیم کے بعد انکار مت کرنا، یہ وہ زینہ ہے جو تمھیں ہم تک پہونچا دے گا، یہ وہ مضبوط رسی ہے جس کا سلسلہ فرش تا عرش دراز ہے یہ وہ کتاب ہے جو سیدھے راستہ پر تم کو لگا دے گی ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم۔

یاایها الناس قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین ٥ اے لوگو! تمھارے (چاہنے پر) لئے اللہ کے پاس سے نور ہدایت اور واضح کتاب آگئی ہے، بندوں نے تو صرف ایک ہدایت نامہ مانگا تھا مگر شان کریمی تو دیکھئے دو دو چیزیں مل گئیں ایک تو ہدایت نامہ، دوسری وہ ذات رحمت جو اس کی تشریح وتفسیر اور تعلیم وتوضیح کرے، اس کے رموز ونکات سے روشناس کرائے اس کی حکمتوں کو بیان کرے اس کے احکام کی وضاحت کرے اور وہ ذات رحمت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، خدا نے ان کو نور فرمایا کیونکہ آپ کی بعثت شرک کی ظلمت میں نور ہدایت تھی، کفر کی تاریکی میں سراج منیر تھی، آفتاب رسالت تھی، قرآن خدا کا عطا کردہ قانون ہے اور قانونی نکات کی باریکیاں

ایک ماہر قانون ہی سمجھا سکتا ہے، اس لئے رب کائنات نے اس کا انتظام بھی فرمادیا اور رحمۃ للعالمین کو بشیر و نذیر اور معلم اخلاق بناکر مبعوث فرمایا اور رسول امی کا وظیفۂ رسالت بھی بتادیا، اس کی بعثت کے مقاصد بھی آشکارا کر دیئے (۱) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور احکامات کی تلاوت (۲) دلوں کو شرک وکفر کی نجاستوں سے پاک کرنا (۳) کتاب مبین، قانون ربانی کے اسرار و رموز اور خدائی حکمتوں کی تعلیم دینا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (بقرہ)

وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی نشانیوں کی تلاوت کرے اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے،

تو یہ وہ منبع رشد وہدایت ہے جس کا تعارف اجمالاً ہوا کیونکہ انسان کی قدرت وصلاحیت سے بعید تر ہے اس کتاب مبین کی تفصیل کرنا۔

یہ ہدایت نامہ عارضی اور وقتی نہ تھا اور نہ ہی کسی خاص نسل اور علاقے تک محدود تھا بلکہ ایسا دستور و قانون ہے جو تا قیامت بغیر کسی تحریف و تبدیلی کے باقی رہے گا، ہمیشہ تر و تازہ، اور ہر جگہ، ہر احول، ہر علاقہ، ہر دور، ہر زمانہ، ہر نسل کے لئے بلا تفریق ملک و ملت بلا تمیز زبان ومکان مشعل راہ اور سرچشمۂ ہدایت بنا رہے گا، گردش ایام کی دست و برد سے مامون محرفین کی سازشوں سے محفوظ، ایک ایسا جامع مکمل و مدلل اصول وضابطہ ہے جس پر جو بھی عمل کرے گا نجات پائے گا، جس کی رہنمائی میں ہی قیادت وسیادت کی سربلندیاں نصیب ہوں گی جس کی اساس پر ہی زندگی کی مضبوط و مستحکم عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے جس سے انحراف کرنا ذلت ورسوائی کا باعث ہوگا جس سے اختلاف کرنا ضلالت وگمراہی کا سبب ہوگا، جس کا ترک کرنا انحطاط و زوال کا ذریعہ ہوگا جس سے منہ موڑنا ہلاکت و بربادی کو دعوت دینا ہوگا۔

اللہ رب العزت نے قرآن نازل فرمایا تو یہ اعلان بھی کردیا تھا کہ "ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے" لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مبارک کلام کی حفاظت کے لاتعداد دروازے کھول دیئے اور ایسی مستحکم بنیادیں قائم کردیں جن کی اساس پر حفاظتِ

قرآن کی تا قیامت باقی رہنے والی مضبوط غیر متزلزل اور ہر قسم کے شکوک سے مامون عمارت قائم ہو گئی۔

حفاظت الفاظ قرآن کے قدرتی وسائل میں سے ایک ذریعہ تو حفظ قرآن کریم کا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس عظیم المرتبت کتاب کا یاد کرنا آسان کر دیا، چنانچہ اللہ پاک نے خود اعلان کر دیا۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" مسلمانوں کے علاوہ کسی دوسری قوم نے نہ اپنی مذہبی کتاب کو حفظ کرنے کا اہتمام کیا اور نہ ہی اس میں اس کی صلاحیت واستعداد پیدا کی گئی، لیکن قرآن پاک کو خداوند قدوس نے اتنا سہل کر دیا کہ انسانی قلوب ان کو محفوظ کر لیتے ہیں جب کہ اس کی معنوی گرانی کا یہ حال تھا کہ جب نازل ہوتا ۔۔ تو رسول اللہ (صلوات اللہ وتسلیمہ) کے جسم اطہر سے پسینہ پھوٹ پڑتا تھا، رخ انور سرخ ہو جاتا تھا، ایک دفعہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور نزول آیت کا روحانی سلسلہ شروع ہو گیا وحی پاک کی جلالت کا اونٹنی تحمل نہ کر سکی اور بیٹھ گئی۔ قرآن کا معنوی ثقل کس قدر عظیم ہے اس کو قرآن خود بیان کرتا ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ الخ۔	اگر ہم اس قرآن پاک کو پہاڑ پر نازل فرماتے تو اے رسول آپ دیکھتے اس کو جھکا ہوا اور اللہ کی خشیت سے ٹکڑہ ٹکڑہ۔

لیکن حساس نازک گوشت کے لوتھڑے سے بنا ہوا انسانی دل ودماغ نہ صرف اس کو برداشت کر لیتا ہے بلکہ اس کتاب کا وجود اس حامل قرآن کو ہلکا پھلکا بنا دیتا ہے پھر حافظ قرآن کی جو فضیلتیں وبرکتیں ہیں وہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ یوں تو حافظ قرآن کی فضیلت کے باب میں بہت زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں مگر ہم بطور تبرک صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل في	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) حافظ قرآن سے کہا جائیگا کہ پڑھتے جاؤ اور ترقی مراتب کا زینہ طے کرتے جاؤ اور اسی ترتیل سے پڑھو جس طرح

الدنیا فان منزلك عند آخر آیة تقرؤها. رواہ احمد والترمذی، وابوداؤد والنسائی وابن ماجه وابن حبان فی صحیحه

دنیا میں پڑھتے تھے، کیونکہ جنت میں تمھاری منزل وہ حد ہے جہاں تک تم قرآن کی آخری آیت پڑھتے ہوئے پہونچوگے (احمد، ترمذی ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اس کی روایت کی ہے)

مشہور محدث ملا علی قاری رح نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ فضیلت صرف حافظ قرآن کے لئے خاص ہے اس فضیلت میں قاری داخل نہیں ہے جیسا کہ "صاحب قرآن" کا لفظ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے، حفاظت قرآن کے دوسرے ذرائع میں سے :

(۱) ایسے افراد تیار کر دیئے جنھوں نے قرآن کے لہجوں کو محفوظ کرکے عام کیا۔
(۲) ایسے افراد پیدا فرما دیئے جنھوں نے "تدوین وکتابت سے اس کو محفوظ کیا،
(۳) ایسے اشخاص تیار کر دیئے جنھوں نے اس کے الفاظ وحروف کو شمار کیا،
(۴) ایسے رجال پیدا ہوئے جنھوں نے قرآن کی حرکات، نقطوں، اسلوب املا، وکتابت تک کو محفوظ کر لیا۔
(۵) اس پر عمل کرا کے ہر مسلمان کو چلتا پھرتا "حفاظت گھر" بنا دیا۔
(۶) مفسرین کی ایسی باکمال جماعت تیار کر دی جنھوں نے آیات کی تفسیر وتشریح کی اور تفسیر بالروایت، تفسیر بالدرایت، تفسیر بالاشارہ، تفسیر بالرای پر کام کیا اور اس کے غرائب کو بیان کیا، مفردات پر بحث کی، فصاحت وبلاغت کو موضوع بنایا، نحو وصرف، الفاظ وعبارات تعبیرات واصطلاحات، مواعظ وقصص، فرائض وواجبات، اوامر ونواہی، امثال وحکم، الغرض کوئی گوشہ باقی نہیں جو حفاظت سے رہ گیا ہو اور قیامت تک اس بحر بے کراں سے لولو ومرجان نکلتے رہیں گے، قرآن کے آداب قرأت وتلاوت مقرر ہوئے، قرآن کی آیات کے ربط وتعلق پر گفتگو ہوئی ناسخ ومنسوخ آیات پر بحث ہوئی، درحقیقت قرآن ایسا زندہ جاوید معجزانہ کلام ہے جس میں جتنا زیادہ تدبر کیا جائے گا، رموز واسرار، مفاہیم ومعانی کے نئے نئے دریچے کھلتے جائیں گے جن کو بیان کرنے والی زبان رک سکتی ہے قلم کی سیاہی خشک ہو سکتی ہے پھر بھی کلمات

الٰہیہ کے مفاہیم ومطالب کا احاطہ کرنے سے زبان وقلم عاجز وقاصر رہیں گے . فرمان الٰہی ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ـ (سورۃ الکہف)	اے رسول کہہ دیجئے اگر ہوتا سمندر روشنائی میرے رب کے کلام کو بیان کرنے کے لئے توالبتہ وہ سمندر خشک ہوجاتا قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اسی کے مثل مدد لائیں۔

مفسرین قرآن کا پہلا طبقہ صحابۂ کرام رضؓ کی جماعت ہے، دوسرا طبقہ تابعین کرام رحؒ کا ہے (تیسرا طبقہ اتباع تابعین کرام کا ہے، یہ تینوں طبقے بعد والوں کیلئے دلیل راہ ہیں. تفسیر وتاویل آیات کریمہ میں فرق ہے. تفسیر کے لغوی معنی ایضاح وبیان کے ہے ، اور اصطلاحی معنی ایسا علم جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کے مفہوم کو سمجھا جائے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا اور اس کے مفہوم ومعانی کو بیان کیا جائے اور اس کے احکام وحکمت کا استخراج ہو (کتاب البرہان للزرکشی ص۱۳)

دوسری تعریف علامہ زرقانی نے مناہل العرفان میں کی ہے ھو علم یبحث فیه عن القرآن الکریم من حیث دلالته علی مراد اللہ تعالیٰ بقدر الطاقة البشریة. تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی قدرت کے بقدر قرآن کریم کو موضوع بنایا جاتا ہے اس کے دلالت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد پر اور تاویل کا لغوی معنی " رجوع کرنا ، اور اصطلاحی معنی ما یستنبطه العلماء العارفون من المعانی الخفیة والاسرار اللطیفة التی تحتملها الآیة الکریمة جس کو علماء عارفین نے مستنبط کیا ہے یعنی ان پوشیدہ معانی اور لطیف و دنازک اسرار کو جس کا احتمال آیت کریمہ میں تھا۔

متقدمین علماء کے نزدیک تو تفسیر وتاویل ایک معنی میں ہیں جیسا کہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے لیکن متأخرین علماء نے دونوں کے درمیان واضح فرق مانا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

تفسیر قرآن کی متعدد صورتوں میں سب سے اہم القرآن یفسر بعضه بعضا اس کو

تفسیر القرآن بالقرآن کہا گیا ہے جیسے کہ والسّماء والطارق میں لفظ طارق کی تفسیر آگے النجم الثاقب سے ہو رہی ہے، اسی طرح انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ میں لیلہ مبارکہ کی وضاحت خود قرآن نے لیلۃ القدر سے کی ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، ایسے ہی الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم میں ظلم کی تشریح شرک سے کی ہے "ان الشرك لظلم عظیم۔ تو مذکورہ بالا آیت کا مفہوم ہوا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے خلط ملط نہیں کیا۔

تفسیر کی دوسری صورت القرآن بالحدیث ہے یہ دوسرے نمبر پر ہے۔

عن ابی ھریرۃ رض قال قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یومئذ تحدث اخبارھا، قال أتدرون ما اخبارھا؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم، قال فان اخبارھا ان تشھد علی کل عبد وأمۃ بما عمل علی ظھرھا ان تقول عمل علیّ کذا وکذا قال فھذہ اخبارھا (الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یومئذ تحدث اخبارھا کی تلاوت کی، تو صحابہ سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو اس کا خبر دینا کیا ہے انھوں نے عرض کیا اللہ اور اسکے رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ زمین کا خبر دینا یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر بندے اور بندی کے بارے میں گواہی دے گی میرے اوپر فلاں فلاں کام فلاں فلاں دن کیا ہے آپ نے فرمایا یہی اس کا خبر دینا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی پاکیزہ جماعت نے چونکہ درسگاہ رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم میں تعلیم و تربیت پائی تھی اس لئے ان کی تفاسیر میں نبوی رنگ غالب ہے۔

مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم

علامہ جلال الدین سیوطی نے جن مفسرین صحابۂ کرام کو شمار کیا ان کی تعداد دس بتائی ہے، حضرت ابوبکر صدیق عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اُبیّ بن

کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ الاشعری، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (الاتقان)

خلفاء اربعہ رضی اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت تفسیر میں فائق ہیں کیونکہ ان کو تینوں خلفاء راشدین کے مقابلہ میں زیادہ موقع ملا، صحابۂ کرام کی یہ وہ جماعت تھی جس نے بحر رسالت سے خوب خوب سیرابی حاصل کی تھی، دربار نبوت کے مقربین میں شمار ہوتے تھے، منشار شریعت ومفاہیم قرآن سے ان کی واقفیت دوسروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی اور زبان رسالت سے مختلف مواقع پر ان کے فضل وشرف کا اظہار ہوتا رہتا تھا

عبداللہ ابن عباس

بطور خاص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر میں بہت فائق تھے کیونکہ حبیب کبریا سرکار دوعالم صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے ان کے لئے دعاء فرمائی تھی، کلمات دعاء یہ تھے بخاری ومسلم کی روایت میں اللھم فَقِّھْهُ فی الدین وعلمه التاویل، اے اللہ ابن عباس کو دین میں سمجھ دے اور ان کو تفسیر کا سلیقہ سکھا، یہی وجہ تھی کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو "ترجمان القرآن" کہتے تھے، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابن عباس کی دانائی وقابلیت اور مطالب قرآن کے سمجھنے کی صلاحیت کے اتنے معترف تھے کہ باوجود ان کی صغر سنی کے امور خلافت سے متعلق مجلس شوریٰ میں ان کو کبار صحابہ کے ساتھ شریک کرتے تھے، یہاں تک کہ بسا اوقات اجلّہ صحابہ میں سے بعض کو اس پر اعتراض بھی ہوا کہ ان کو کیوں شریک مشورہ کرتے ہیں ہمارے ساتھ جب کہ ہماری اولاد میں سے بعض تو ان سے زیادہ عمر والے ہیں، لیکن حضرت فاروق اعظم کی نگاہ جوہر شناس میں یہ ہیرا اسی قابل تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "فضائل الصحابہ" کے باب میں سعید بن جبیرؒ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر مجھ کو غزوۂ بدر کے معزز ترین صحابۂ کرام کے ساتھ مشوروں میں شریک کیا کرتے تھے تو بعض لوگ جن کو یہ برا لگتا تھا انھوں نے کہا کہ لم یدخل معنا ولنا ابناء مثلہ کیوں ابن عباس کو ہمارے ساتھ شامل کرتے ہیں حالانکہ ان کی عمر کے ہمارے بچے ہیں، اس پر حضرت عمر فرماتے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو جانتے ہو، (یعنی ان کی ذکاوت وفطانت سے واقف ہو) لہٰذا ایک دن انھوں نے کبار صحابہ

کو بلا بھیجا اور مجھ کو بھی شامل کیا اور میری سمجھ میں انھوں نے ان صحابہ حضرات کو اس لئے بلایا تاکہ ان کو تجربہ کرائیں، جب سب جمع ہو گئے تو انھوں نے فرمایا کہ تم لوگوں کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے قول اذا جاء نصراللہ والفتح کا کیا مطلب ہے تو کچھ نے فرمایا کہ اس آیت میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں اور فتح سے نوازیں تو تم اس کی حمد کرو اور اس سے مغفرت چاہو، اور بعض حضرات نے سکوت فرمایا، کچھ نہ کہا، پھر عمرفاروق نے مجھ سے کہا کہ اے ابن عباس کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں، انھوں نے پوچھا تو پھر کیا مطلب ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ ھو اجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلمہ لہ وہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں آگاہ فرمایا ہے، اللہ رب العزت نے اذا جاء نصراللہ والفتح فرمایا کہ یہ آپ کی وفات کی علامت ہے جب آپ ان علامات کو دیکھ لیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور استغفار کریں وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے، میرا یہ جواب سن کر حضرت عمر نے فرمایا کہ میں بھی اس آیت کا یہی مفہوم سمجھتا ہوں (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ روایت علوم قرآن میں ان کی جلالت شان اور علو مرتبت پر دلالت کرتی ہے، اور کیوں نہ ہو یہ مقام عالی نصیب! جبکہ وہ حضرت عمر بن الخطابؓ، اُبی بن کعبؓ، علی بن ابی طالبؓ اور زید بن ثابتؓ کے تربیت کردہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ کی دعاء اور کبار صحابہ کی تربیت نے اس کمسن صحابی کو اجلہ صحابہ کی صف میں لاکھڑا کیا تھا، رضی اللہ عنہ۔

عبداللہ ابن مسعود

ابن عباس رض کے بعد عبداللہ ابن مسعود رض کا درجہ ہے اجلہ صحابہ میں اہم مقام رکھتے ہیں، صاحب نعلین ہونے کے اہم اعزاز یافتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں، آپؐ کو نعلین شریفین پہناتے تھے آپ کے ساتھ اور آگے آگے چلتے تھے اس قربت نے پیکر ادب اور مزاج شناس رسولؐ بنا دیا تھا، مفسرین و محدثین نے ان کو قرآن کریم کے محکمات و متشابہات، حلال و حرام کا سب سے زیادہ جاننے والا ذکر کیا ہے، علامہ سیوطی نے "اتقان" میں لکھا ہے کہ ابن

مسعود کی روایات تفسیر کے سلسلے میں روایات علی ابن ابی طالب سے زیادہ ہیں اور بخاری ومسلم نے خود ان کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہیں نازل ہوئی کتاب اللہ میں کوئی سورت مگر یہ کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی ہے۔ اور نہیں نازل ہوئی کتاب اللہ میں کوئی آیت مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور اگر مجھکو معلوم ہو جائے کہ کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو اور اونٹ مجھ کو اس تک پہونچا دے گا تو میں ضرور اس کے پاس جاؤں گا (بخاری ومسلم) آپ سے تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے، رضی اللہ عنہ۔

تلامذہ ابن عباس رضی اللہ عنہما دانشکدہ ابن عباس میں شامل ہونے والے اور حبر ہذہ الامۃ کے بحر معرفت سے علوم وحقائق کے موتی حاصل کرنے والوں میں اگرچہ بہت سے غواص تھے مگر جو تلامذہ شہرت کی بلندی پر پہونچے ان میں سے سعید بن جبیرؒ، مجاہد بن جبر خزرمیؒ، طاؤس بن کیسان الہمدانیؒ، عکرمہ مولی ابن عباس، عطاء بن رباح تھے، ان حضرات تابعین کا شمار مفسرین کے طبقہ اولیٰ میں ہوتا ہے، اور یہ حضرات مکتبۂ مکہ کے مفسرین میں شمار ہوتے ہیں۔

طبقۂ اہل مدینہ واہل عراق اور طبقہ اہل مدینہ میں سے شہرت دعزت کی چوٹیوں پر فروکش ہونے والوں میں یہ تین حضرات سرفہرست ہیں (۱) محمد بن کعب القرظیؒ (۲) ابو العالیہ الریاحیؒ (۳) زید بن اسلمؒ العدوی العمری۔

اور طبقۂ اہل عراق میں مشہور ترین مفسرین میں سے امام حسن بن یسار بصریؒ، مسروق بن اجذع ہمدانی، کوفیؒ قتادہ بن دعامہ بصریؒ، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، ابو اسمٰعیل مُرّہ بن شراحیل ہمدانیؒ سرفہرست ہیں، ان حضرات مفسرین تابعین عظام رحمہم اللہ کے علاوہ تابعین واتباع تابعین کی کثیر تعداد نے فن تفسیر میں کمال ومہارت کی حدیں طے کیں، اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایسی مشعل روشن کر گئے جس کی روشنی میں نہ جانے کتنوں نے شاہراہ علم وفن کو کامیابی سے طے کیا اور قرآنی علوم وفنون سے متعلق معلومات کا بیش بہا خزانہ چھوڑ گئے کہ فرزندان توحید آج تک علوم وحقائق کے موتی لٹا رہے ہیں

ور یہ سلسلہ تا قیامت جاری وساری رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" میں اور ابن سعد نے "طبقات کبریٰ" میں، ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں، علامہ ابن حجر عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" میں، علامہ زرقانی نے "مناہل العرفان" میں، علامہ زرکلی نے "الاعلام" میں اور علامہ زرکشی نے "کتاب البرہان" میں ان اجلہ مفسرین کی حیات وخدمات اور حالات زندگی پر بڑے ہی دل نشین اسلوب وانداز میں بحث کی ہے، اور ان بزرگان ملت کی زندگی کی ان روشن پہلوؤں کو بیان کیا ہے جو عام طور پر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں، دل تو کہتا ہے کہ امت اسلامیہ کے ان عظیم المرتبت جلیل الشان بزرگوں کا تفصیلی تعارف بھی کراؤں لیکن طوالت کا خوف دامن گیر ہے۔

چند اہم تفاسیر ومفسرین

اصحاب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات بابرکات سے تفسیر قرآن وتشریح احکام قرآن کا جو روحانی سلسلہ شروع ہوا تو بعد کے علماء وصلحاء نے اس زریں سلسلہ کو دراز سے دراز تر کیا اور تفاسیر کی ایسی جامع اور مستند کتابیں وجود میں آگئیں کہ آج انھیں کتابوں پر فن تفسیر کو موضوع بحث بنانے والوں کو مکمل انحصار کرنا پڑتا ہے اور اس سے صرف نظر کی کوئی صورت نہیں دکھائی پڑتی کیونکہ علوم تفسیر کے جتنے بھی شعبے واقسام ہیں ان کتابوں میں جمع کردیئے گئے ہیں اور امت اسلامیہ ان متقدمین علماء کی عرق ریزیوں جانفشانیوں کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کی خدمت ان اولیاء اللہ سے اتنی مکمل ومدلل شکل میں کروائی ہے کہ اگر مستقبل میں مزید کوئی کام نہ کیا جائے تب بھی کسی قسم کی پریشانی یا دشواری سے ہرگز سابقہ نہیں پڑے گا، ہم انھیں میں سے چند اہم مفسرین وتفاسیر کا اجمالی تعارف کراتے ہیں۔

(۱) تفسیر ابن جریر الطبری

ابوجعفر ابن جریر الطبری (۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ) کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات وآثار اور اقوال سے صحیح اسانید سے مزین ایک شاہکار مستند ومتداول تفسیر ہے جو علمی حلقوں اور علماء صالحین کی جماعتوں میں مرجع ومصدر کی حیثیت سے مشہور د

معروف ہے، ابن جریر نے ناسخ ومنسوخ آیات اور آیات قرآنیہ سے شرعی احکام ومسائل کے استنباط کے طریقوں، اعراب وحرکات کے ضابطوں کو نہایت اہتمام سے بیان کیا ہے کہیں کہیں اسرائیلی روایات کا سہارا بھی لیا ہے، اور بعض مقامات پر غیر مستند واقعات بھی بیان کر دیئے ہیں مگر عام طور پر تفسیر طبری تفسیر بالماثور کا بہترین نمونہ ہے، علامہ نووی کی رائے میں کتاب ابن جریر فی التفسیر لم یصنف احد مثلہ۔ ابن جریر کی تفسیر کی مثال کسی اور کے یہاں نہیں ملتی۔

(۲) تفسیر السمرقندی ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی (۳۷۳ھ) کی دو جلدوں میں تفسیر بالماثور کا شاندار نمونہ ہے، صحابہ وتابعین کے اقوال باعث زینت ضرور ہیں مگر اسانید کا فقدان ہے، علماء ومفسرین کے نزدیک "تفسیر بحر العلوم" کے نام سے معروف ومتداول ہے۔ مستند تفاسیر میں بلند مقام ہے۔

(۳) تفسیر ابن عطیہ ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی (۴۸۱ھ تا ۵۴۶ھ) کی المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز۔ تفسیر بالماثور کا نادر نمونہ ہے، ابن عطیہ نہایت ذکی وذہین شاعر ادیب وعالم تھے، علم نحو ولغت پر مکمل عبور حاصل تھا، اندلس میں اسلامی عظمت وشوکت کے زمانہ میں عہدۂ قضا پر متمکن تھے، علامہ ابن تیمیہ کی رائے میں

تفسیر ابن عطیۃ خیر من تفسیر الزمخشری واصح نقلا وبحثا وابعد عن البدع (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۴۲)	ابن عطیہ کی تفسیر، زمخشری کی تفسیر کشاف سے بدرجہا بہتر ہے اور صحیح روایات کی حامل مبتدعانہ کلام سے پاک تفسیر ہے۔

ابھی یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ نہیں ہے اس کے قلمی نسخے جامعہ ازہر کے کتبخانہ میں دستیاب ہیں، دس جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر انشاء اللہ کسی دن طبع ہو کر عام منفعت کا ذریعہ ہوگی۔ (التبیان)

تفسیر الفخر الرازیؒ علامہ محمد بن عمر رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی "مفاتیح الغیب۔ تفسیر بالرای کا شاہکار نمونہ ہے، فلسفیانہ اسلوب میں لکھی گئی یہ تفسیر

معتزلہ اور فرق باطلہ کے منطقیانہ وفلسفیانہ اعتراضات اور شکوک وشبہات کا مسکت جواب ہے، علامہ رازی نے علم کلام کی روشنی میں بحث کی ہے اور علم الطبیعہ کی روشنی میں فلکیات وابراج، زمین وآسمان کی تخلیق، حیوانات ونباتات سے گفتگو کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی الوہیت ووحدانیت اور ربوبیت وخالقیت کو مدلل انداز میں ثابت کیا ہے۔

(۵) تفسیر خازن عبداللہ بن محمد الخازن کی تفسیر "لباب التاویل فی معانی التنزیل" جو کہ علمی حلقوں میں تفسیر خازن سے متعارف ومشہور ہے ایک جامع و مستند اور عام مؤثر سہل اسلوب کا عمدہ ترین نمونہ ہے، روایات وواقعات اور طویل اسرائیلی قصوں پر ایک دلچسپ تفسیر سمجھی جاتی ہے اور اس کا شمار تفسیر بالماثور میں ہوتا ہے اگرچہ روایات بلاسند مذکور ہیں۔

(۶) تفسیر النیساپوری شیخ نظام الدین حسن بن محمد نیساپوری (متوفی ۷۲۸ھ) کی تفسیر "غرائب القرآن ورغائب الفرقان" عام فہم اسلوب میں تحریر مشہور ومعروف تفسیر ہے، مؤلف نے قرآنی الفاظ کی تحقیق وبحث بڑی محققانہ بصیرت کے ساتھ کی ہے اور حشو وزوائد سے پاک قرأت قرآن کے لہجوں اور تفسیر بالاشارہ کا بہترین علمی شاہکار ہے، تفسیر ابن جریر کے حاشیہ پر طبع ہو کر شہرت پا چکی ہے۔

(۷) تفسیر ابی سعود حجۃ الاسلام ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفی الطحاوی (متوفی ۹۵۲ھ) کی جامع ترین اور عمدہ تعبیرات واصطلاحات سے آراستہ قرآن کی فصاحت وبلاغت اور اعجاز قرآن کی تحقیق وتشریح اور اہل سنت کے عقائد کی توضیح کے ساتھ اس تفسیر کی تالیف میں ابوسعود نے کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے، جو ان کی علمی شان اور وسعت معلومات، نیز ذہانت وفطانت کی غماز ہے، اسلوب نہایت دقیق، عام لوگوں کی فہم سے بعید، خالص علمی وفکری ذوق رکھنے والے حضرات کی تشنگی علم وفن کی سیرابی کا ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فنی نکات کے متلاشی علماء اس تفسیر کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اور یہ اسی شان کی ہے بھی۔

(۸) تفسیر آلوسی (روح المعانی) قدوۃ العلماء، مرشد ربانی شیخ شہاب الدین محمود الآلوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ) کی یکتائے روزگار تفسیر "روح المعانی" روایت و درایت کا انمول نمونہ ہے، گذشتہ تفاسیر کا خلاصہ اور اہل علم کی نکتہ سنجیوں اور اقوال و مباحث پر مشتمل یہ تفسیر علماء و فضلاء کے نزدیک معتبر ترین کتاب مانی جاتی ہے، علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں نحوی تراکیب قرآن کی معجزانہ بلاغت کے مواقع ظاہر کرنے میں خاص اہتمام کیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اسرائیلی روایات پر شدید نقد بھی کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ تفسیر بالروایت والدرایت اور تفسیر بالاشارہ کا شاہکار ہے، اور موجودہ زمانہ کا کوئی بھی مفسر و محقق اس سے مستغنی نہیں، ان تفاسیر کے علاوہ تفسیر ابن کثیر مؤلفہ اسمٰعیل بن عمرو بن کثیر القرشی (سنہ [illegible] تا [illegible]) تفسیر الزمخشری (الکشاف) تفسیر ابی حیان (البحر المحیط) اور اردو تفاسیر میں حضرت تھانوی کی بیان القرآن اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری (عربی) نیز دوسری اہم کتابیں ایسی ہیں جن کی شہرت و اہمیت محتاج بیان و تعارف نہیں۔

بقیہ صـ۴۵ "بدعت"

"جو کام یا اعتقاد یا قول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ کیا اور نہ کسی کو فرمایا اور نہ کسی کو کرتے دیکھا اور نہ منع کیا اور نہ حضرت کے بعد اصحاب میں رائج و جاری ہوا، اور نہ کسی کو فرمایا اور نہ اصحاب کے بعد تابعین کے وقت میں بغیر انکار رائج ہوا اور نہ تابعین کے بعد تبع تابعین کے وقت میں بے انکار جاری و رائج ہوا اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر اور مثل پائی گئی اور نہ مجتہدوں نے اپنے اجتہاد کی راہ سے اس کو ثابت کیا بلکہ اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین کے بعد اپنی طرف سے لوگوں نے جو کام یا عقیدہ یا بات نئی ایجاد کی اور اس میں ثواب جانا سو وہ کام اور عقیدہ اور بات بدعت ہے" (تذکیر الاخوان صـ۴۵)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ سنت پر گامزن ہونے اور بدعت سے اجتناب کی سعادت سے نوازے، آمین۔ علمائے ربانی بدعات کی نشاندہی اپنی تصنیفات میں کرتے رہتے ہیں اور ملفوظات و مواعظ کے ذریعہ راہ سنت کی وضاحت فرماتے رہتے ہیں ان پر عمل کیا جائے۔

قتیل کی عربی دانی

از حقانی القاسمی ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ۶۹ محمد حبیب ہال مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

ادبی دنیا میں قتیل کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے مرزا اسد اللہ خاں غالب (۱۷۹۷ - ۱۸۶۹) سے ادبی معرکہ آرائی کی وجہ سے وہ خاصے مشہور ہیں، ان کی زندگی اور فن کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھے جا چکے ہیں مگر ان کی عربی دانی کا گوشہ ابھی تک پردۂ خفا میں ہے، اتفاق سے ہمیں ان کا ایک گراں قدر عربی مکتوب مل گیا ہے اس کو بنیاد بنا کر میں نے ان کی عربی دانی پر تعارفی نوعیت کا ایک مضمون قارئین کی نذر کر رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ ہمارے علم دوست احباب اس گوشے پر مزید روشنی ڈالیں گے ——— حقانی القاسمی، علی گڈھ

مرزا محمد حسن قتیل[1] (۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۸ء - ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء) کا خاندانی نام دیوانی سنگھ ہے، انھوں نے چودہ سال کی عمر میں مرزا محمد باقر کرمانی شاہ شہید کے ہاتھ پہ اسلام قبول کیا، ابتدائی تعلیم متعدد اساتذہ سے حاصل کی اور پھر اعلیٰ ترین تعلیم پاکر مختلف زبان وادب میں مہارت پیدا کی، فارسی ادبیات سے مدۃ العمر زیادہ شغف رہا مگر عربی اور ترکی سے بھی واقفیت تھی، فارسی میں ان کی چند تصانیف چہار شربت، نہر الفصاحت، معدن الفوائد، شجرۃ الامانی، مظہر العجائب، ثمرات البدائع اور ہفت تماشا بہت شہرت رکھتی ہیں۔

قتیل ہی کے زمانے میں کلکتہ میں عربی زبان وادب کے مایۂ ناز ادیب وشاعر شیخ احمد بن[2] محمد یمنی شروانی (۱۷۸۲ - ۱۸۴۰ء) قیام پذیر تھے، اور عربی تذکرہ کی ایک کتاب ترتیب دینے میں معروف اور منہمک تھے جس میں ایک دو ہندوستان سے متعلق نغز گو شعراء وادباء کیلئے مختص کرنا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انھوں نے اس زمانے کے مشہور ادیبوں سے مراسلت کی اور عربی شعروسخن کے نمونے جمع کئے، مرزا قتیل کلکتہ کے ادب دوست حلقے میں خاصے مشہور تھے

اس لئے اس حوالے سے شیخ یمنی بھی ان سے واقف ہوگئے اور ان کی علمی اور ادبی عظمت سے اس قدر متأثر ہوئے کہ عربی زبان میں ایک طویل مدحیہ قصیدہ لکھا جو درج ذیل ہے۔

جوی عظیم وفواد علیل	ومقلة عبرا وجسم بخیل
واضلع اضرو فیہا النوی	لظی اشتیاق مراد منه العویل
وهجره من صدّت بلا باعث	للصدّ اجری بمجر دمعی الطویل
یا نعم ماشرط الهوی ازاری	بصارما لهجران قلبی قتیل
رفقا فدرّ الدمع من مقلتی	غدا کنظمی فوق خدی یسیل
ان کان یرضیك ارتماضی جوی	فحسبی الله ونعم الوکیل
مالی اری طرق الوفا اصبحت	مهجورة والعذر فی کل جیل
ایستحب العذر وهو الذی	به عزیز القدر واضحی ذلیل
تبا لمن اضمر سوءا لمن	یعاشر الناس بخلق جمیل
ما اقبح البغض وما اجمل الصفا	للثبت اللبیب النبیل
یا ایها الساعی بنهج الهوی	سلکت نهجا حار فیه الدلیل
استعمل العزم لخطی ما	ترقی به ذروة مجد اثیل
کم من فتی بالحزم نال العلی	کمن به حاز الفخار الجلیل
وماذاك الا المشهور رب الحجر	ومن له فی العلم باع طویل
کلامه المنثور سلساله	احلی من الماذی والسلسبیل
ونظمه الباهر ابدی لنا	فرائدا لیس لها من عدیل
نعم هو المفرد الذی قد سما	علی ابن عمار وفاق الخلیل
من قتله الاغاد فی عصره	فاعجب اخا العرفان وهو القتیل
هذا هو المعجز الحق وقد	اظهر ما فیه العجائب الجزیل
یا خیر من اجری شهاب الدین	یراعه فی مدحه المستطیل
لازلت ملحوظا بعین الرضا	من ربك المولی بط الدلیل[۳]

شیخ نے مندرجہ بالا قصیدے میں قتیل کے عربی اور فارسی نثر و نظم کی تعریف کی ہے۔ اور اس عہد کی روایت کے مطابق تعریف و توصیف میں فیاضی سے کام لیا ہے۔ قتیل نے اس قصیدے کو پڑھ کر عربی میں ایک طویل خط لکھا جو یمن کی عظیم المرتبت شخصیت اور ان کی خوب صورت انداز تحریر کا پتہ دیتا ہے۔ قتیل کا عربی مکتوب ملاحظہ کیجئے۔

الا یا ریح سیری الی من هو ناظور بساتین المعانی العجیبة وغارس دوحات النکات الغریبة لسانه حسام خلی میادین البلاغة عن ابطال معارك العلوم العربیة و تقریره سهم یمرّ من صدور اهل البسالة الناظمین صفوف البراعة فی مضمار تحقیق الفنون الادبیة ان هو الاطلس زان سریر الفضل والکمال او شمس یستفید منه الکاملون نورا کالهلال قد ارتفعت استار الخفاء عن وجوه خرائد اسرار النظم والنثر بایدی افکاره الکاملة وحلت عقود براقع الکتمان علی وجنات کواعب الاشکالات الشعریة بانامل افاداته الشاملة، لیث ذو صولة فی عرین الدعوی بالمعنی والبیان والبدیع وبازی صائد حمائم خفیات العروض والقافیة بالقدر المنیع حافر معادن المحسنات بمنحت التأمل لتحصیل الیواقیت المشرفة من الکلام الموزون وغوّاص بحار التوجه الی الباطن حین تجسس الدر المکنون من المضمون مطفی نیران الغلّان الساعین فی نیأ فی العبارات بعذاب جداول کلماته الوافیة وموقظ المستغرقین فی نوم الغفلة عن حسن التکلم برشّ میاء العنایات الکافیة حدین بما یصف الواصفون وقمین بما یعرفه العارفون اعنی المتبرع الحذیر الذکی المفلق الامام الادیب اللوذعی الالمعی ملك الشعراء سید الادباء افصح الفصحاء وابلغ البلغاء المولی الفاضل العامل الشیخ احمد بن محمد بن علی الانصاری الیمنی الشروانی حضرة الله بمزید الرافة حسن الامال والامانی مبلغ تحقیق الیه واقرئی سلامی علیه ثم قولی یا ایها الرؤف بالمساکین الثاوین فی الرزایا یقول محمد المدعو بالقتیل ستر عیوبه الرب المهیمن الجلیل ان نمیقتك العلیاء وصلت الیّ وانکشف مضمونها علیّ فوقدرة رقّ نحلانه

وفضله المبسوط وكماله انه لو رأيت قبل ذالك احد مثلك فى صناعة تزئين ابكار
الالفاظ بحلل المعانى الجديدة الا رفع شانها ولم ار فى نسخ البلغاء عبارة تتكحل
منها اعين الناظرين كما استكحلت عينى من سطور رقيمتكم عند امعانها بل ايك
يا مخدومى كل فقرة منها حقة من الدرر الثمينة التى صرفت فى ثمنها نقود نفوس
الاولياء بل برج تالفت منه نجوم الكمالات البشرية بحيث ان رأيت رايتها غالية
على النيرين فى النور والضياء معها سلك نظمت فيه لالى اشعار العربية لم يقدر
عليها فرزدق وحسان ووشاح اللعل الحري بنواهيد المضامين العالية قدرا
ومنزلة عند بلغاء الزمان قصيدة دالة على التموج الذى يوجد فى داماء طبعكم
الشريف وما هو علامة من علامات القوة القدسية يا ذا الروح اللطيف فوضعت
مكتوبك على الرأس كمناشير السلاطين كما يعظم كتاب الله من له العقل والدين
فما وصفتنى فيه بوفور العناية ظهر باعثا على انصراف عنانى عن طريق الغواية
اى خجلت نفسى المتكبرة المنتخبة للعجز الحاصل من عدم تيسير الظفر على
المطلوب اى تحرير جواب مكتوبك على وضع مستحسن ونهج مرغوب لان عباراتى
بالنظر الى عباراتك كنور المصابيح مقابلا لضوء البيضاء او كوز صغير يريد المقابلة
فى كثرة الماء بالداماء نعم النظم مارشحته من القلم كانه برق بدا من العلم
وحبذا النثر الذى وشحت به القرطاس كالخرائد اللواتى تذهبن غايات
بقلوب الناس والله مالى معز سوى قطع سبيل المطلب بالايجاز والا فكيف يستوى
الشعبدة التى يوجدها الصبيان والاعجاز فاسمع ايها المولى المعظم والمخدوم
المكرم انى قد بلغت صحيفتكم الى السيد انشاء الله خان جعل الله همومه
مبدلة بالافراح لانه رجل خلقه لا نبتا وارا هم طبا ثم الاحبا خيرا لرسام
فوا اسفاه وويلاه لانه فى تلك الايام ليس بداخل فى الاحياء مع كونه زبدة
المقربين فى حضرة اشرف الوزراء وسبب ذلك انها ماتت بنته العزيزة الرشيدة
فى ريعان الشباب وهى كانت يروح ظلك اقبال ابيها فى كل باب فلما ذكرنا يرهب

طبعه الى الطعام اللذيذ ولا الى شئ آخر ايها الخنذيذ يبكى ليلا ونهاراً وينوح سرا وجهارا لا يسمع شيئا ولا يقول وان هو الا المحزون الملول لكنه مع مارقمت متى رای مکتوبك المزين بما سطرت رفع راسه الى السماء وسار مسروراً وفرحا نا الى الوزير الاعظم الذى هو سراج بيت المجد والعلا، فمد يده اليه ومن باخذه عليه ثم اشار الى رجل من الحضار بتحريره وخرك بمدحك بعد حصول العلم بما فيه لسان تقريره فبعد ذلك رده الى السيد الاجل الاكرم والشاعر الافصح الابلغ الاغر الافخم فجاء السيد به الى داره وسعى فى انتخاب اشعاره ليهديه الى جنابك الرفيع ويجعله تحفة الى بابك المنيع فانتخب منها قليلا وتشرف بارسال خادمك قتيلا وايضا سطر مكتوبا حازت الحروف المهملة فعليك بمطالعة هذه النميقة المرسلة لا ترى عينه اليمنى لكثرة البكاء وهو الاجل الانم الذى تقدم ذكره فارغ عن تدبير الدواء اعلم انه لم يقل غزلا ولا قصيدة فى لسان العرب بتصور كونه خاليا عن علم الادب واشعار نسجته "شير برنج" ليست بالعربية كلها فاكثرها واقع فى لسان العجم واقلها ما سمع كما سوف ترى الى غير ذلك والسلام ۔

قتیل کے اس عربی خط سے بہت سے اہم نکتے واضح ہوتے ہیں ۔ اولاً شیخ یمنی کے تئیں قتیل کے دل میں جو محبت و عقیدت کے جذبات ہیں اس کی وضاحت ہوتی ہے ۔ ثانیاً قتیل کی عربی فہمی اور عربی شعر وادب کی تاریخ سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ثالثاً قتیل کے ہم عصر اور ممتاز شاعر انشاء اللہ خاں انشاء (۱۷۵۲ ـ ۱۸۱۷ء) کی ذاتی زندگی اور خصوصاً ۱۸ سال کی عمر میں انشاء کی دختر نیک اختر مولائی بیگم کے انتقال کی وجہ سے جو حزنیہ کیفیت ایک ظریف الطبع انسان پر چھائی رہتی تھی اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے ۔

قتیل نے اپنے عربی مکتوب کو اپنی حماقت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے "ثمرات البدائع" میں لکھا ہے ،

شیخ احمد عرب در تذکرۃ الشعراء خود کہ موسوم بحدیقۃ الافراح لازالۃ الاتراح بعد ذکر بلغاء عرب بعضے شعراء عجم و سندرا کہ گاہے شعر عربی گفتہ اند یا رقعہ نوشتہ اند نیز ذکر کردہ

چوں والد ماجدش در تذکرۂ شعراء فارسی گو کہ پیشتر از نوشتہ بودند از چند بیت ایں
ہیچ کارہ ہم بالا بر سر کاغذ آوردہ ..... در روز یکہ بہ بندر کلکتہ وارد شد خطے بمن
نوشت کہ چند شعر عربی جادیدہ باشی بنویس کہ داخل ایں تذکرہ کنم زیرا کہ دریں کتاب از نظم
ونثر فارسی چیزے است من عریضہ در جواب مکتوبش بنوعیکہ وقت تقاضا نمود بزبان عربی
ازبراہ حماقت نوشتم وازاں عبارات کثیرہ سخت منفعل بودم وازراہ شفقت درون
دفتوحات جلی کہ شعر عربی بقلم نیاوردہ بودم ہماں عریضہ را داخل تذکرہ نمودند

حاصل کلام یہ کہ قتیل عربی لکھنے پر قادر تھے اور اس زبان سے گہری نہ سہی رسمی واقفیت ضرور رکھتے تھے، ان کی کچھ اور تحریریں عربی میں مل جاتیں تو قتیل ایک عربی ادیب کی حیثیت سے ادبی دنیا میں متعارف ہوسکتے تھے۔

حواشی اور حوالے

۱ـــــ قتیل اپنے دور کے مشہور شاعر اور ادیب تھے ان کے تذکرہ نگاروں میں عاشق عظیم آبادی اور احمد علی سندیلوی نے ان کی عربی و ترکی زبان سے واقفیت اور بات چیت کی صلاحیت کے سلسلے میں واضح اشارے کئے ہیں، شیخ یمنی سے ان کی مکاتبت کا تذکرہ فارسی کے تذکروں میں یوں تو نہیں ملتا مگر عربی کے بعض تذکروں میں یمنی کے ضمن میں ان کا بھی تذکرہ آگیا ہے، شیخ الیسوعی نے شرح مجانی الادب ص ۲۹۲ میں اس طرف اشارہ کیا ہے، ان کی شخصیت کے بارے میں مزید تفصیل کیلئے دیکھئے اسد علی انوری "غالب اور قتیل" (مطبوعہ) معین الدین افضل گڑھی "علم و عمل" (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء) ص ۱۵۲، مالک رام "تلامذۂ غالب" (مطبوعہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، بار دوم ۱۹۸۴ء ص ۳۱) نثار احمد فاروقی "دراسات" مطبوعہ دہلی ۱۹۷۱ء ص ۱۰۹-۱۴۹) قاضی عبدالودود "مرزا قتیل" مشمولہ مجلہ معاصر پٹنہ دسمبر ۱۹۵۲ء) وحید قریشی "مرزا محمد حسن قتیل" (مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۴۳ء) قدرت اللہ خاں گوپاموی "تذکرہ نتائج الافکار" (مدراس ۱۸۴۳ء ص ۳۵۱-۳۵۴)

۲ـــــ احمد بن محمد بن یمنی شروانی (۱۸۴۰-۱۷۸۹) ایک ممتاز علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے جد اعلیٰ مرزا محمد ابراہیم خاں ہمدانی نادر شاہ درانی کے وزیر تھے۔ ان کے والد مرزا محمد تقی تھے جو لکھنؤ

کے نواب آصف الدولہ کے یہاں بھی کچھ دنوں مقیم رہے، شیخ احمد یمن میں پیدا ہوئے اور نوجوانی ہی میں ہندوستان کی طرف رخ کیا اور کلکتہ میں آکر اقامت پذیر ہوگئے، جہاں قدرشناس فرنگی حکام نے مدرسہ عالیہ میں عربی زبان وادب کی تدریس پر مامور کردیا، یہیں انھوں نے الف لیلہ ولیلہ مرتب کی جس سے سررچرڈ برٹن نے کافی مدد حاصل کی، کچھ ہی دنوں کے بعد لکھنؤ آگئے، اور غازی الدین حیدر کے دربار سے وابستہ ہوگئے، یہیں آپ کی شادی اسمٰعیل خاں مرشدآبادی رئیس بنارس کی دختر نیک اختر سے ہوئی جس کے بطن سے مولانا عباس رفعت شروانی پیدا ہوئے، غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد بنارس آگئے اور پھر لانسلٹ ولکنسن کے اشارہ پر بھوپال تشریف لے گئے جہاں نواب الدولہ جہانگیر محمد خاں بہادر کے اتالیق مقرر ہوئے، کچھ دنوں تک کانپور میں بھی قیام رہا مگر ۱۸۴۰ء میں پونا میں انتقال فرماگئے، وہیں تکیہ رضا شاہ میں مدفون ہیں۔

شیخ شروانی کثیرالتصانیف بزرگ ہیں، ایک زمانے تک ان کی کتابیں درس نظامی میں مقبول اور متداول رہی ہیں، ان کی اہم تصانیف وترتیبات میں درج ذیل خاص شہرت رکھتی ہیں

۱۔ الجواہر الوقاد فی شرح بانت سعاد — ۲۔ المناقب الحیدریہ
۳۔ العجب العجاب فیما یفید الکتاب — ۴۔ شمس الاقبال فی مناقب ملک بھوپال
۵۔ حدیقۃ الافراح لازالۃ الاتراح — ۶۔ نفحۃ الیمن فیما یزدل بذکرہ الشجن
۷۔ دیوان متنبی (ترتیب) — ۸۔ القاموس المحیط لمجدالدین الفیروزآبادی (ترتیب)
۹۔ اخوان الصفا (ترتیب) — ۱۰۔ الف لیلہ ولیلہ (ترتیب)

شیخ کے حلقۂ دوستاں میں اس دور کے ممتاز فضلاء ومشہور ادبا رہے ہیں جن میں ہندوستان کے افاضل میں فضل حق خیرآبادی (۱۷۹۷ - ۱۸۶۱ء) رشیدالدین دہلوی (م ۱۲۴۹ھ) رفیع الدین دہلوی (۱۱۶۳ - ۱۲۳۳ء) قاضی صادق خاں اختر صاحب تذکرہ آفتاب عالمتاب (۱۷۹۸ - ۱۸۵۸ء) امام بخش ناسخ (م ۱۸۳۵ء) شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۶ - ۱۸۲۴ء) انشاءاللہ خاں انشاء (۱۷۵۶ - ۱۸۱۸ء) مرزا محمد حسن قتیل (۱۷۵۸ - ۱۸۱۷ء) مفتی صدرالدین آزردہ (۱۷۸۹ - ۱۸۶۸ء) شاہ اسمٰعیل دہلوی (م ۱۸۳۰ء) شاہ اجمل الہ آبادی (   ) علامہ تراب علی نامی خیرآبادی (   ) اور دیگر علماء قابل ذکر ہیں، ان کی علمی اور ادبی شخصیت پر خاکسار کا ایک مقالہ زیر تکمیل ہے، مزید تفصیل کے لئے؛

د۔ زبیراحمد، الآداب العربیۃ فی شبہ القارۃ الہندیۃ۔ (ترجمہ، عبدالمقصود محمد شلقانی بمنشورات وزارۃ الثقافۃ الجمہوریۃ العراقیۃ ۱۹۷۸، ص ۲۲۲-۲۲۴) محسن الامین الحسینی۔ اعیان الشعر۔ ج ۱۰، ص ، مطبوعہ مطبعۃ ابن زیدون بدمشق ۱۹۳۸) عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۷۹ء) ج ۷، ص ۳۴-۳۵۔ اسماعیل باشا البغدادی، ہدیۃ العارفین (مطبوعہ استانبول ۱۹۵۱ء) ج ۱ ص محمد بن محمد بن یحیی زبارۃ الحسینی: "نیل الوطر من تراجم رجال الیمن فی القرن الثالث عشر" ج ۱ ص ۲) رحمان علی، تحفۃ الفضلاء فی تراجم الکملاء" (نول کشور لکھنو) ص ۱۹۔ منظفر حسین صبا، "روز روشن" (مطبوعہ طہران ۱۳۴۳) ص ۳۲-۳۷۔ نظامی بدایونی: "قاموس المشاہیر" ج ۱ ص ۶۹، ادریس نگرامی "عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء" (مطبوعہ لکھنو ۱۹۷۹) ص ۴۵۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند جلد دوم، مالک رام "تلامذہ غالب" (مطبوعہ جامعہ لمٹیڈ دہلی باردوم مئی ۱۹۸۴) ص ۲۰۹-۲۱۰ (تلمیذ غالب رفعت شروانی کے ضمن میں) قاضی صادق خاں اختر "تذکرہ آفتاب عالمتاب" بحوالہ شریف حسین قاسمی مضمون "تذکرہ آفتاب عالمتاب" مشمولہ غالب نامہ نئی دہلی جولائی ۱۹۸۲ء) سید علی حسن خاں "صبح گلشن" (شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵) ص ۱۸۰، حافظ سید ممتاز علی "آثار الشعراء (مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۴) ص ۱۱۱، عبدالقوی دسنوی "بھوپال اور غالب" (بھوپال فروری ۱۹۶۹ء) ص ۱۹

۳ ــــ احمد بن محمد یمنی شروانی، "حدیقۃ الافراح لازالۃ الاتراح" ص ۴۹۷، ۴۹۹۔

۴ ــــ احمد بن محمد یمنی شروانی، "حدیقۃ الافراح لازالۃ الاتراح" ص ۴۹۹-۵۰۳۔

۵ ــــ انشاء اللہ خان انشاء ۱۱۶۶ھ م ۱۷۵۲ء-۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء) کئی علوم وزبان کے ماہر تھے، انھوں نے بڑے بڑے شاعروں سے اپنی انفرادیت منوالی تھی، ان کے ادبی معرکے خاصے مشہور رہیں، عظیم بیگ تلمیذ سودا، سعادت یار خاں رنگین رم ۱۸۳۵) اور مصحفی ۱۷۵۰-۱۸۲۴) سے معرکہ آرائی کی وجہ سے بہت مشہور رہے، ان کی تصانیف میں کلیات انشاء، دریائے لطافت، کہانی رانی کیتکی، مسلک گوہر اور نور ریاقت مطلا المرام فی شرح قصیدہ طوالکلام ہیں، شیخ یمنی سے دوستانہ تعلقات تھے، شیخ نے حدیقۃ الافراح میں ان کے بارے میں بہت اچھے تاثرات لکھے ہیں اور انشاء کی شان میں ایک طویل مدحیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جس کے

دو شعر درج ہیں۔

ضبح الاشواق للحب الکئیب ذکر ھند ربہ الحسن الغریب
من توارت فی حجاب البعد عن مستھام شفہ الوجد المذیب

(حدیقۃ الافراح ۱۹۹۶)

مزید تفصیل کیلئے : اسلم پرویز " انشاء اللہ خاں عہد اور فن " (مطبوعہ شاہراہ دہلی ۱۹۶۱)۔ آمنہ خاتون (مرتب)، "لطائف السعادت" (میسور ۱۹۵۰)۔ احمد علی یکتا : " دستور الفصاحت " (مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی) ہندوستانی پریس رام پور، عبدالحی الحسنی : " نزہۃ الخواطر " (مطبوعہ حیدرآباد دکن) ج ۷، ص ۸۶ ۔ صدیق حسن خاں : شمع انجمن ، (مطبع شاہ جہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ) ص ۹۸۔ بھگوان داس ہندی " سفینۂ ہندی " (مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی پٹنہ مارچ ۱۹۵۸ء) ص ۱۹ ۔

۲ ــــ فارسی کا یہ تراشا ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنے مضمون " مرزا محمد حسن قتیل " موسومہ اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۴۸) میں "قتیل اور عربی" کا عنوان قائم کرکے ثمرات البدائع سے نقل کیا ہے ۔میں نے اپنے مضمون میں صرف قریشی صاحب کے حوالے سے یہ تراشے نقل کئے ہیں، نفس کتاب میں تلاش کیا مگر اپنی کم علمی کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا

آہ قاضی چن پیر الہاشمی

مرکزی جامع مسجد حویلیان تحصیل و ضلع ایبٹ آباد کے بے نظیر خطیب اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کے سابق لیکچرار حضرت علامہ قاضی چن پیر الہاشمی حال ہی میں داغ مفارقت دے کر وفات پا گئے اناللہ وانا الیہ راجعون قاضی صاحب نے تقریباً ۴۴ سال اس علاقہ میں احیاء سنت مطہرہ کیلئے انتھک محنت فرمائی، علاقہ کے مسلمانوں پر ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ ایک سنی نما رافضی کی نام نہاد مذہبی فکر عظیم فتنہ سبائیت سے لوگوں کو بچایا اس مرد قلندر نے ساری زندگی صبر و توکل پر بسر کی اور ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کیلئے کوشاں رہے اور باطل قوتوں سے ہمیشہ نبرد آزما رہے، اکابرین دیوبند سے انھیں بے پناہ محبت تھی اگر دارالعلوم کا کوئی بزرگ ان کے علاقے میں دورہ پر ہوتے تو قاضی صاحب اپنے یہاں پروگرام طے کرکے کئی روز اپنے پاس رکھتے ، تمام اکابرین اور مسلمانوں سے دعاء کی درخواست ہے خداوند کریم ان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مراتب میں اپنے فضل و کرم سے نوازے ۔ آمین ثم آمین

ان کا ادنیٰ عقیدتمند احقر الانام عبدالستار غفرلہ

مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کے ہلک مرض سے بچتے رہنے کی تلقین انتہائی بلیغ اور مؤکد انداز میں فرمائی ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے

ہر بدعت گمراہی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد فان احسن الکلام کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اما بعد بلاشک سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے اور دین میں نئے نکالے گئے امور سب سے برے ہیں، اور ہر نوایجاد امر (دین میں) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (الحدیث)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ سنت پر گامزن رہنے کی نصیحت فرماکر متنبہ کیا کہ،

وَإِيَّاكُمْ والمحدثات فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (مشکوٰۃ ص۳۰)

اور خبردار نئی چیزوں سے بچے رہنا کیونکہ (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ،

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو ردٌّ۔

جس نے ہمارے اس امر دین میں وہ چیز ایجاد کی جو اس میں موجود نہیں ہے تو وہ رد ہے۔

من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردٌّ

جس نے کوئی عمل کیا جو ہمارے امر دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے

مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے اسلام میں ایسی رائے شامل کردی جس کی کوئی سند ظاہری یا

پوشیدہ قرآن وحدیث کی عبارت میں صراحتاً یا اشارۃً موجود نہ ہو وہ باطل ومردود ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)
جب بدعت مردود ہے تو جو لوگ اس کی ایجاد واشاعت کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں وہ کیوں نہ مردود ہوں گے؟ قربان جایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پر کہ آپ نے دین میں بدعت وتحریف پر وعید شدید سنائی ہے۔

اہلِ بدعت کو وعید شدید

تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ناپسندیدہ ہیں، حرم میں بے دینی کا کام کرنے والا اور اسلام میں جاہلیت کے طریقے چاہنے والا اور مسلمان کے قتل ناحق کا خواہشمند تاکہ اس کا خون بہائے (بخاری)
جس نے کسی صاحب بدعت کی توقیر کی تو اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (ترغیب وترہیب)
بلاشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت کو توبہ سے محروم کردیا ہے جب تک کہ اپنی بدعت نہ چھوڑے (طبرانی)
اللہ تعالیٰ صاحب بدعت کے نہ روزہ قبول کرتا ہے اور نہ نماز اور نہ حج اور نہ عمرہ اور نہ جہاد اور نہ فرض اور نہ نفل، وہ اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے بال آٹے سے (ترغیب وترہیب للمنذری)
جو شخص بھی اسلامی عقائد کے مقابلہ میں نیا عقیدہ اختیار کرے گا وہ جادۂ اسلام سے منحرف ہوجائے گا، اور جو شخص احکام شرعی میں کسی اضافہ کو شریعت قرار دیتے ہوئے قبول کرے گا وہ شریعت اسلامی کا پورا پابند باقی نہیں رہ سکتا۔
ارشاد نبوی ہے۔

ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الی یوم القیمة۔ (ترغیب وترهیب)	جس گروہ نے اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی تو اس کے مثل کوئی سنت ان کی سنتوں میں سے اللہ نے چھین لی جو قیامت تک ان کو واپس نہیں ملتی

مذکورہ واضح ہدایتوں پر جس کسی شیدائے رسول کو یقین ہے وہ ہرگز ہرگز دین میں کسی قسم کے اضافہ وتغیر کو گوارہ نہیں کرسکتا، علمائے محققین جو کہ حقیقت میں سچے اور پکے عشاق رسول ہیں اور جو ان سے وابستہ خدام دین ہیں ان سب نے بدعات سے نفرت وبیزاری کو ایمان بالرسالۃ

کا بنیادی تقاضہ سمجھا ہے۔ چند اقوال ملاحظہ کیجئے۔

بدعت کیا ھے؟ :- شیخ معین ابن صفی فرماتے ہیں

والمراد بالبدعة مااحدث ومالا اصل له فی الشرع واماماکان له اصل فلیس ببدعة شرعا وان کان بدعة لغة۔ (شرح اربعین للنووی)	اور بدعت سے ہر نو ایجاد امر مراد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے اور جس امر کی شریعت میں کوئی اصل ہو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے، اگرچہ لغت میں اسے بدعت کہتے ہیں۔

بدعت کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کل بدعۃ ضلالۃ میں کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے وہ تمام باتیں بیان فرمادی ہیں جن میں دین و دنیا کی اصلاح ہے، اور کوئی بات نہیں چھوڑی اور جس میں دین و دنیا کا فساد ہے اس سے بچنے کی پوری تلقین فرمادی ہے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ ارشاد ربانی ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین ہونا پسند کرلیا) اور ارشاد نبوی ہے ما ترکت من شئ یقربکم الی الجنة الاوقد حدثتکم وما ترکت من شئ لیبعدکم من النار الاوقد حدثتکم به ترکتکم علی الشریعة البیضاء لیلها کنهارها لایزیغ عنها بعدی الا هالك (میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تم کو جنت کے قریب کرتی ہو مگر اسے بیان ضرور کردیا اور میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تم کو دوزخ سے دور کرتی ہو مگر اسے بیان ضرور کردیا، میں نے تم کو روشن شریعت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن جیسی ہے میرے بعد اس سے وہی ہٹے گا، جو ہلاک ہونے والا ہے۔ (حوالہ بالا)

امام مالکؒ کا فرمان اور جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے تو اس نے گمان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری میں خیانت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الیوم اکملت لکم الخ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کردیا، سو جو چیز اس دن دین نہیں تھی آج بھی دین نہیں ہوسکتی (الاعتصام شاطبی ۲۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی کی تشریح

حدیث صحیح شر الامور محدثاتہا کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ المراد بہ ما احدث ولیس لہ اصل فی الشرع الخ یعنی مراد اس سے ہر وہ امر ہے جو نو ایجاد ہو اور اس کی کوئی اصل شرع میں نہ ہو، اسے عرف شرع میں بدعت کہتے ہیں اور جس امر کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرتی ہو وہ بدعت نہیں ہے عرف شرع میں جسے بدعت کہتے ہیں وہ بہر حال بری ہے بخلاف لغوی اصطلاح کے کیونکہ جو چیز بھی نئی ہو اور بلا کسی نمونہ سابقہ کے بنائی جائے وہ لغت میں بدعت کہلاتی ہے وہ بری بھی ہو سکتی ہے اور اچھی بھی ہو سکتی ہے (فتح الباری)

ایک شبہ کا جواب

اگر تم کہو کہ مشہور بات یہ ہے کہ بدعت دو قسموں پر ہے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ تو کیسے ہر بدعت گمراہی ہے؟ میں جواب میں کہوں گا کہ حدیث شریف میں بدعت سے مراد شرعی اصطلاح والی بدعت ہے، اور ہر وہ امر جسکے جواز پر کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو اور ہر وہ امر جسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کیا یا اس کے کرنے کا حکم دیا چاہے خود کیا ہو یا نہ کیا ہو اور چاہے ان کے زمانے میں کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو اس وجہ سے کہ اس کے کرنے کی شرط نہیں پائی گئی یا کوئی مانع موجود رہا بھر چاہے وہ امر ایجابی یا استحبابی اسے بہر حال بدعت شرعیہ ممنوعہ نہیں کہیں گے، اور تراویح کو حضرت عمرؓ نے نعمت البدعۃ کہا تھا اس سے مراد بدعت کا لغوی مفہوم تھا، اور بدعت کا لغوی مفہوم شریعت کے اختیار کردہ مفہوم سے عام ہے (شرح اربعین لنووی عربی سے ترجمہ)

غلط فہمی کا ازالہ

بدعت نواز گروہ لوگوں کو بدعات کے جال میں پھنسانے کے لئے اکثر یہ کہتا رہتا ہے کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصطلاح شریعت میں کوئی بدعت حسنہ نہیں ہوتی ہے، ترویج الجنان میں ہے۔

بدعت دو قسموں پر ہے بدعت لغویہ اور بدعت شرعیہ۔ لغت میں ہر نئی نکالی ہوئی چیز کو بدعت کہتے ہیں خواہ عبادت کی قسم سے ہو یا عادت میں داخل ہو اسی بدعت لغوی کی پانچ قسمیں کی جاتی ہیں اور جو چیز شریعت میں زیادہ کی گئی ہو اور اسے عبادت سمجھ کر اختیار کیا گیا ہو اور اس کا وجود خیر القرون میں نہ ہو اور شارعؑ کی طرف سے اس کی قولی یا فعلی صراحتاً یا اشارۃً اجازت منقول نہ ہو

وہ بدعت ہے ضلالت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قیمتی ارشاد

مشکوٰۃ شریف کی شرح میں حدیث انما الاعمال بالنیات کے تحت کتنی انمول بات لکھی ہے جو آب زر سے تحریر کرنے کے لائق ہے۔

اتباع ہم چنانکہ در فعل واجب است در ترک نیز بالا پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود۔
(اشعۃ اللمعات)

اتباع جیسا کہ فعل میں واجب ہے ترک میں بھی کرنی چاہئے، پس جس کام پر شارع نے ہمیشہ عمل نہیں کیا ہے اگر کوئی اس پر ہمیشگی (بلا حجت شرعی) کرتا ہے وہ بدعتی ہوتا ہے۔

علامہ شامی کا قول

البدعۃ ما احدث علی خلاف الحق الملتقی من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع مشبہۃ او استحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما (رد المحتار)

بدعت وہ امر ہے جو اس دین حق کے خلاف نکالا گیا ہو جو مسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوتا آیا ہے خواہ عقیدہ ہو یا عمل یا حال ہو کسی شبہ سے یا استحسان سے ہو اور اسے دین قویم اور صراط مستقیم سمجھ لیں۔

کسی بدعت میں نور نہیں

دور حاضر میں جب کہ فساد کا غلبہ ہے منکرات شرعیہ اور بدعات ضلالت کا شیوع عام ہے ایسے حالات میں فتنہ کا دروازہ بند کرنے اور دین خالص کی حفاظت وصیانت کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ فضول تاویلات اور دور دراز حیلوں کا قلع قمع کردیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے فاروقی انداز میں اسی جانب رہنمائی فرمائی ہے ان کا فرمان ہے۔

"کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ و بدعت سیئہ، بدعت حسنہ وہ عمل ہے جو عہد رسالت و خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہو اور بدعت سیئہ وہ ہے جس کے کرنے سے سنت چھوٹتی ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں بھی حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا صرف تاریکی وکدورت ہی محسوس کرتا ہے، اگر بالفرض کسی بدعتی کے عمل میں آج ضعف بینائی کے سبب تیرگی نظر نہیں آتی تو کل جبکہ نگاہیں تیز ہوں گی سمجھ جائیں گے کہ ان کا نتیجہ صرف خسارہ اور ندامت ہے

بوقت صبح شود ہم چوں روز معلومت کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

سید البشر علیہ وآلہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے من احدث فی امرنا ہذا الخ (روایت کی وضاحت گذر چکی ہے)" (مکتوب ۱/۱۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

" تمام سنتیں خداوند بالا و برتر کی پسند فرمودہ ہیں اور جو چیزیں سنت کے مخالف ہیں وہ شیطان کی پسندیدہ ہیں" (مکتوب ۲۵۵)

ایک مقام پر یہ روایت نقل فرمائی ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب فتنے ظاہر ہوں اور بدعتیں پھیل جائیں اور میرے اصحاب کو برا کہا جائے تو عالم پر لازم ہے کہ اپنے علم پر غور کرے اسکے بموجب عمل کرے، جو ایسا نہ کرے اس پر خدا کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں گے نہ نفل : (مکتوب ۱/۲۵)

بدعت کی نحوست و قباحت پر فقہاء کرام کی گہری نظر رہتی ہے، اسی لئے ان کا فیصلہ ہے کہ جس عمل کے اندر بدعت کا اشتباہ ہو اسے بھی ترک کر دے۔ فتاویٰ شامی میں ہے اذا تردد الحکم بین السنۃ والبدعۃ فکان ترك السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ (جب کسی حکم کے سنت اور بدعت ہونے میں تردد ہو تو بدعت کرنے سے راجح ہے کہ مشکوک سنت کو ترک کرے) وہ امور جن کا بدعت ہونا متعین ہے یا جن کے مباح و بدعت ہونے میں اشتباہ ہے ان پر اصرار کرنا سراسر گمراہی ہے اور نبوت محمدی کے خلاف بغاوت ہے، نعوذ باللہ منہ۔

مصنف تذکیر الاخوان کی جامع تحریر

سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل کی تحریک جہاد نے مسلمانوں میں احیائے سنت اور اجتناب عن البدعۃ کا جذبہ بیدار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اسی لئے بدعت نواز حلقوں میں شاہ شہید کو بے حد مطعون کیا جاتا رہا ہے۔ انھوں نے جس طرح تقویۃ الایمان میں شرک و بدعت کی تردید کی ہے وہ انھیں کا حصہ تھا، ان کے ایک متبع بزرگ نے تذکیر الاخوان میں سنت و بدعت کی جامع و مانع تعریف لکھی ہے اسی پر یہ مضمون ختم کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں۔ (باقی برص۵۰)

لافانی علمی کتب 3
(۱)
مسلم پرسنل لاء
مسلم پرسنل لاء کیا ہے؟ اسکی شرعی اہمیت
دورِ حاضر میں شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں ایک
معاون کتاب، حکومتی اقدامات، مسلمانانِ عالم کے اندیشے، اور
تأثرات پر مبنی اہلِ علم کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ، وکلاء علماء اور طلبہ کیلئے ایک گرانقدر
علمی تحفہ، سفید کاغذ، خوبصورت گرد پوش۔ قیمت ۳۶ روپے
(۲)
حیوانات کے عادات وخصائل اقسام وانواع
طبی فوائد اور ہمہ نوع معلومات پر مشتمل
علامہ کمال الدین دمیریؒ
کی نایاب کتاب
حیوۃ الحیوان
پہلی تین جلدیں — اردو ترجمہ
مکمل کتاب بالاقساط طبع کی جارہی ہے
مکمل سیٹ کے خواہشمند حضرات مبلغ -/۱۰۰ روپے
قابل واپسی ممبری فیس پیشگی روانہ فرمائیں، اعلیٰ
کاغذ خوبصورت جلد، قیمت مبلغ -/۱۵۰ روپے
(۳)
مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا ترجمان
ماہنامہ
دارالعلوم
پاکستان میں حصول کیلئے
سالانہ چندہ
مبلغ -/۱۰۰ روپے
ہر سہ مذکورہ بہ پتہ مولانا عبدالستار دلو دوالا براہ شجاع آباد ملتان

مسجد جدید . دارالعلوم دیوبند
جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے
دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان ومعاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً ۴ سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک آراضی خرید کر شروع کردیا تھا۔
الحمدللہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے اس مسجد سے طلبۂ دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کیلئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کیلئے جگہ ہو جائیگی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقۂ جاریہ ہوگا اور وہ انشاءاللہ اجر عظیم کے مستحق ہونگے — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے۔
تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اسوقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے
اس لئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہوسکے۔
پتہ
ڈرافٹ وچیک کے لئے } "دارالعلوم دیوبند"
اکاؤنٹ نمبر 30076
اسٹیٹ بینک آف انڈیا، دیوبند
منی آرڈر کیلئے) (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ماہ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۹۱ء

…مارہ نمبر ۷

…لد نمبر ۶

…ی شمارہ ۵/=
سالانہ ۵۰/=

نگران حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

…عودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ ۱۸۰/= روپے
…ستان سے ہندوستانی رقم ۱۰۰/= 〃
…بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ۷۵/= 〃

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی۔ پی میں صرفہ زائد ہوگا
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کھیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

منیجر

حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بالفاظِ دگر آپ کے عہدۂ رسالت کے فرائض منصبی قرآن حکیم میں یہ بیان کیے گئے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۱) الآیۃ

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں بھیجا ایک رسول انھیں میں سے، پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یعنی آپ کے فرائض رسالت میں تین امور قرار دیئے گئے ہیں (۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیم کتاب (قرآن) وحکمت (سنت) (۳) تزکیۂ اخلاق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میں اللہ تعالیٰ کے احکام وفرمان کی تعلیم کے لئے بھیجا گیا ہوں، اور میرے دنیا میں آنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ میں انسانوں کو تمام مراتب شرک ومعصیت اور نفسانی آلائشوں سے پاک وصاف کرکے انھیں اخلاق وکردار کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دوں

ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام تزکیۂ اخلاق اور تعلیم کتاب وسنت کی تاریخ ساتھ

ساتھ چلتی ہے، اسلام کا آغاز ہی تعلیم وتزکیہ کی ابتداء ہے اور ان میں باہم چولی دامن کا ساتھ ہے اسلام بغیر علم و اخلاق کے ایک جسد بے روح کے ہے اور تزکیہ وتعلیم کا تصور بغیر اسلام کے ایک فریب و دھوکا ہے

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ و دعوت کے ساتھ تعلیم و تزکیہ کا سلسلہ بھی ابتدا ہی سے جاری رکھا، مکہ کی زندگی جہاں مالک حقیقی کا نام لینا ہی سب سے بڑا گناہ اور فکر و رائے کی آزادی سنگین جرم تھا، ظلم وجبر کی گھٹتی ہوئی فضا اور انتہائی غیر مساعد حالات میں جہاں ایک طرف چل پھر کر اسلام کی دعوت کا فریضہ انجام دیتے تھے وہیں دوسری طرف دار ارقم میں بیٹھ کر مسلمانوں کو کتاب وسنت کی تدریس اور اخلاق کے تزکیہ کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب یک گونہ سکون میسر آیا اور آزادی کی فضا میں سانس لینا نصیب ہوا تو مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ مسجد سے باہر متصلاً جانب شمال مستقل طور پر ایک مدرسہ اور تربیت گاہ بھی تعمیر کرائی جو صفۃ المسجد اور بعد میں مختصر ہو کر صفہ کے نام سے موسوم و مشہور ہوا جس کی چھت مسجد ہی کی طرح کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی، یہ ایک اقامتی درسگاہ تھی جہاں طالبان علوم وتزکیہ کا ہمہ وقت قیام رہتا تھا اور آنحضرت صلعم کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوتے تھے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت بلالؓ مؤذن رسول اللہ صلعم وغیرہ افاضل صحابہ رضوان اللہ علیہم اسی درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفاء نے تعلیم وتربیت کے اس سلسلے کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس میں مزید ترقی دی بالخصوص خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ نے اس جانب بطور خاص توجہ دی بلکہ تمام ممالک محروسہ میں قرآن کریم کی جبری تعلیم کا نفاذ فرمادیا، پھر اسی کے ساتھ اہم اور قابل ذکر مقامات میں معلمین ومربین روانہ کئے۔

حکومتی سطح پر اس کوشش کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہؓ بطور خود بھی اپنی اپنی جگہوں پر تعلیم وتربیت کی خدمات انجام دیتے تھے گویا جو صحابی جہاں پہونچ جاتا تھا وہیں ایک مدرسہ قائم ہوجاتا تھا

یہ حضرات بھی اپنے تلامذہ کی تعلیم کے ساتھ ان کے تزکیہ وتربیت کی جانب بھی پوری توجہ فرماتے تھے چنانچہ حضرات تابعین جہاں حدیث وتفسیر فقہ اور سیر ومغازی کے امام ہوتے تھے وہیں زہد وتقویٰ اور مکارم اخلاق کے بھی پیکر ہوتے تھے امام حسن بصری، امام محمد ابن سیرین، سعید بن المسیب، امام زہری وغیرہ حضرات تابعین کے تراجم وتذکرے پڑھ جائیے، آپ کو ہر امام اعمال واخلاق کا پیکر نظر آئے گا

الغرض چوتھی صدی ہجری تک کے علماء میں بالعموم یہی جامعیت نظر آتی ہے کہ وہ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، متکلم، ادیب اور مؤرخ ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجے کے متقی پارسا اور آج کی اصطلاح میں صوفی وشیخ ہوتے تھے، چوتھی صدی کے بعد سے اس جامعیت میں اضمحلال آنا شروع ہو گیا جو دھیرے دھیرے اس حد تک پہنچ گیا کہ علماء کے مختلف طبقات بن گئے اور ہر طبقہ کسی ایک فن کے ساتھ مخصوص ہو گیا، لیکن علم وعمل میں توافق اور یکسانیت پہلے کی طرح قائم رہی، اگر کہیں اس میں تضاد نظر آتا ہے تو وہ بالعموم انفرادی حد تک رہا ہے جسے معاشرۂ علماء وطلباء نے برداشت نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ علمائے حق بے عمل عالم کو زمرۂ علماء میں شمار کرنے کے بھی روادار نہیں ہوتے تھے، مثال کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اپنے ملک ہندوستان کے علماء کے تذکروں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیجئے آپ کو نظر آئے گا کہ وہ ایک طرف علوم وفنون کے بحر بے کنار ہیں تو دوسری طرف سلوک وتصوف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر بھی ہیں۔

علم وعمل یا تعلیم وتزکیہ کا یہ باہمی ربط اسلامی ہند کے آخری دور تک قائم رہا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا خانوادہ جو اسی دور کی یادگار ہے اس کا ایک ایک فرد علوم وفنون اور سلوک وتصوف کا جامع تھا ۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اس متاع گراں مایہ کو اگلی نسلوں تک پہنچانے میں اس خاندان نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کے بعد سیاسی انقلاب اپنی جلو میں تباہی وبربادی کا ایک ایسا عظیم سیلاب عظیم لے کر نمودار ہوا جس کی طوفانی موجوں میں مسلمانوں کی قوت وشوکت کے مناروں کے ساتھ ان کے تعلیمی وتربیتی مراکز بھی تہ وبالا ہو گئے ـــــ اور خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ ہندوستان میں اسلام اپنی انفرادیت تو دور کی بات ہے وجود برقرار نہیں رکھ پائے گا، اس ہرج مرج اور اتھل پتھل کے وقت اسی خانوادۂ ولی اللہی کے چند منتسبین نے اسلام اور اس کی لازمی خصوصیات

کی حفاظت وصیانت کیلئے نہایت خاموشی کے ساتھ دیوبند جیسے گمنام مقام میں ایک ایسے مدرسہ کی بنیاد رکھدی جو بیک وقت مدرسہ وخانقاہ دونوں کی ضرورت پوری کرے اور یہاں سے اسلام کے ایسے مبلغ تیار کئے جائیں جو اسلامی علوم وفنون کے ساتھ دینی اعمال واخلاق کے بھی محافظ وستاد ہیں، چونکہ مقصد انتہائی نیک اور بانیین کے اندر اخلاص تھا اس لئے تھوڑی ہی مدت میں یہ ایک قصباتی مدرسہ اسلامیہ "دارالعلوم" بن گیا، اور اس کے علماء وفضلاء کو ایسی مقبولیت ومرجعیت حاصل ہوئی کہ ان کے سامنے کسی کا چراغ روشن نہ رہ سکا، حالانکہ علماء دیوبند کے علاوہ دیگر حلقوں میں بھی ایسے علماء وفضلاء کی خاصی تعداد تھی جو تبحر علمی میں علماء دیوبند سے کسی طرح بھی فروتر نہیں تھے لیکن علم وعمل یا عالمیت ومشیخت کی وہ جامعیت جو علمائے دیوبند کی خصوصیت تھی ان میں یہ حضرات مقابلہ نہ کرسکے اس لئے پیچھے رہ گئے، چنانچہ عصر حاضر کے مشہور مؤرخ ومبصر شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

> دارالعلوم دیوبند نے بغیر کسی شور وغل کے تھوڑی ہی مدت میں جو اعتبار ومرتبہ حاصل کرلیا ہے وہ اس کے منتظمین کی قابلیت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے اور انھیں اس پر فخر کا جائز حق ہے، لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ دیوبند کی کامیابی علمی فتوحات کی وجہ سے کم اور روحانی پاکیزگی کی وجہ سے زیادہ ہوئی ہے۔ (موج کوثر ص ۲۱۰)

لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے بعد سے ہماری یہ خصوصیت مدھم پڑتی جارہی ہے اور علم وعمل کی وہ جامعیت جو ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا طرۂ امتیاز تھا اب کم نظر آرہی ہے، ابھی اکابر کی نگاہوں کو دیکھے ہوئے اور ان کی روحانی مجلسوں میں بیٹھنے والے بہت سے بزرگ موجود ہیں جن کے دم سے کسی نہ کسی حد تک یہ سلسلہ جاری ہے لیکن یہ حضرات اب چراغ سحری ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ دارالعلوم میں روحانیت کے اس ماحول کو پھر سے برپا کیا جائے یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، دارالعلوم چونکہ برصغیر میں اُم المدارس کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کا اثر انشاء اللہ پورے برصغیر میں محسوس کیا جائے گا۔

قسط دہم: مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی

سورۂ بقرہ کے رہنما اشارات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۳﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا وَّأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ

حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى
الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۚ
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم
ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر
لعنت کرنے والے ﴿۱۵۹﴾ مگر جنھوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات
کو تو ان کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ﴿۱۶۰﴾ بے شک جو لوگ کافر
ہوئے اور مر گئے کافر ہی انھیں پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ﴿۱۶۱﴾ ہمیشہ
رہیں گے اسی لعنت میں، نہ ہلکا ہوگا ان پر سے عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی ﴿۱۶۲﴾ اور معبود تم سب
کا ایک ہی معبود ہے. کوئی معبود نہیں اس کے سوا. بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ﴿۱۶۳﴾ بے شک
آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ
لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر
جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں
کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے، بے شک
ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے ﴿۱۶۴﴾ اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے
ہیں اللہ کے برابر اوروں کو. ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو
اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جب کہ دیکھیں گے عذا

کہ قوت ساری اللہ ہی کیلئے ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے (۱۶۵) جب کہ بیزار ہوجاوینگے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو ان کے پیرو ہوئے تھے، اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہوجائیں گے ان کے سب علاقے (۱۶۶) اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہوجاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے، اسی طرح پر دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں نار سے (۱۶۷) اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح (۱۶۸) وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام اور بے حیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے (۱۶۹) اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو، بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ (۱۷۰) اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے، سوا پکارنے اور چلانے کے بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے (۱۷۱) اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو (۱۷۲)۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ ـــــ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ
(۱۵۹) ــــــــــــ (۱۶۳)

اخفائے علم نافع کا وبال :۔

گذشتہ آیات میں جن احکام و آداب کی تعلیم دی گئی ہے اگر انسان انھیں اپنی زندگی میں نافذ کرلیں تو انسانیت سنور جائے اور انسان کی دنیا و آخرت دونوں روشن و تابناک ہوجائیں، ظاہر ہے جس شخص کے پاس ایسے نور افزا علوم و معارف اور فتح و کامرانی کے اصول و قوانین ہوں اور وہ اپنے امتیاز و اختصاص کو اپنے تک محدود رکھنے کی غرض سے ان انسانیت نواز اصولوں کو چھپائے اور عوام کو اندھیرے میں رکھے یا ان میں اپنی جانب سے حذف و اضافہ کر کے ان کی افادیت ختم کردے تو لاریب ایسا شخص اللہ کی لعنت کا اور دیگر لعنت بھیجنے والوں کی لعنت کا مستحق ہے

کیونکہ بینات وہدیٰ کی تعلیم وتذکیر ایک جماعتی فریضہ ہے جس کے ترک کی سزا بھی پوری جماعت کی طرف سے ملنی چاہئے۔

۱۶۰-۶۱ - الا الذین تابوا الخ تربیت کا یہ انداز کریمانہ ! سبحان اللہ، ادھر تو ظلوم وجہول انسان کی جانب سے لعنت خیز گناہ ہے ادھر خدائے رحیم وکریم کی طرف سے اعلان عفو ودرگذر۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو لوگ توبہ کرکے اصلاح حال کرلیں اور کتمان واخفار کے بجائے بیان و اظہار کا شیوہ اپنالیں وہ اطاعت شعاروں کی جماعت میں شمار ہوں گے اور ہماری رحمت کے سزاوار ہوں گے۔ البتہ جو محروم قسمت اس صلائے عام کے بعد بھی اپنے کفر خیز رویہ پر قائم رہیگا اور اسی زبوں حالی میں موت کے گھاٹ اتر گیا وہ اللہ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت سے ہمیشہ دوچار رہے گا اور اس کو آخرت کے ابدی عذاب میں کبھی تخفیف ومہلت نہیں ملے گی۔

۱۶۳ - والٰهکم اله واحد الخ آیات سابقہ میں بینات وہدیٰ کو چھپانے والوں اور ان کی سزا کا بیان تھا، اس آیت میں اللہ کی وحدت ورحمت کا ذکر ہے کہ تمھارا ایک ہی اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں وہی رحمٰن ورحیم ہے اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں، اگر تم لعنت وعذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی وحدانیت کے سائے میں آجاؤ اس کی رحمتِ تام تمھیں اپنی آغوشش میں چھپالے گی۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ــــــ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝
(۱۶۴)

اللہ کی وحدانیت ورحمانیت کے دلائل۔

اوپر کی آیت میں اللہ کے واحد اور رحمٰن ورحیم ہونے کا ذکر تھا، اس آیت میں اسی پر کائنات کے حسب ذیل عجائبات بطور دلیل پیش کئے گئے ہیں (۱) آسمان وزمین کا پیدا کرنا (۲) شب وروز کی آمد ورفت اور ان کا گھٹنا بڑھنا (۳) تجارتی اسباب سے کر کشتیوں اور جہازوں کا دریا میں چلنا (۴) بادلوں سے پانی کا برسنا اور اس سے زمین کا سرسبز وشاداب ہوجانا (۵) زمین پر ہر قسم کے جانوروں کا پھیلا دینا (۶) ہواؤں کا مختلف سمتوں میں پھیرنا (۷) زمین وآسمان کے

درمیان معلق بادلوں کا مختلف جہتوں میں پھیرنا، ان عجائبات قدرت کی برہانی حیثیت کو ارباب عقل و دانش اور اصحاب فکر و نظر بخوبی سمجھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس صاحب عقل و ہوش کو اللہ کی یکتائی اور اس کی رحمت و رافت پر دلیل درکار ہو وہ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرے ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت اور رحمانیت کی گواہی دے رہا ہے۔

برگیاہے کہ از زمیں روید وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

اس آیت کی برہانی حیثیت کو ظاہر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تباہی و ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اس آیت کو پڑھے اور اس میں غور و فکر نہ کرے، چونکہ علم تہذیب اخلاق کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ خدائے واحد سے انسان کا صحیح تعلق استوار ہوجائے، اس لئے مذکورہ بالا پانچوں ابواب کے بعد تہذیب اخلاق کے غایت مقصود کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ ذرائع و وسائل میں الجھ کر اصل مقصود سے غفلت نہ ہوجائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا ـــــ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ
(۱۶۵) ـــــ (۱۶۷)

شرک پر استعجاب و انکار:۔

اللہ کی وحدانیت اور رحمت پر ان کھلے دلائل و براہین کے باوجود کچھ عقل کے مارے ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کا ہم پلہ بتاتے ہیں اور اپنی عقیدت و محبت کے وہ نذرانے جو بارگاہ صمدیت کے لئے مخصوص تھے ان نام نہاد خداؤں پر نچھاور کرتے ہیں، مگر یہ بعید از عقل مشرکانہ حرکت انھیں احمقوں کا شیوہ ہے جو حقیقتاً انسانیت سے خارج ہیں، بندۂ مؤمن تو اپنے اللہ کا والہ و شیدا ہے اور اپنے محبوب حقیقی کی محبت میں اس درجہ سرشار ہے کہ غیروں کی طرف نظر اٹھاکر بھی نہیں دیکھتا، اگر یہ مبتلائے شرک آلام و مصائب میں گرفتار ہونے کے وقت غور و فکر سے کام لیتے تو ان پر یہ حقیقت منکشف ہوجاتی کہ سارا زور اور پورا بس صرف خدائے واحد کو حاصل ہے اس کے آگے دوسرے سب عاجز و درماندہ ہیں، اس نتیجہ پر پہونچنے کے بعد خدا کی تعظیم و محبت میں پھر وہ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے، جزا کے دن ان مشرکین کے بے ظرف

قائدوں کا حال یہ ہوگا کہ عذاب کی ہولناکیاں دیکھتے ہی اپنے ارادت مندوں اور پیروکاروں سے بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگیں گے، عذاب کی دہشت خیزیاں، آسروں کے ٹوٹ جانے اور خودغرض قائدوں کی بے وفائیاں دیکھ کر یہ محروم ونامراد پیروکار تمنا کریں گے، کاش ہمیں ایک بار پھر دنیا میں جانا نصیب ہوجاتا تو ان طوطا چشموں سے ہم بھی اسی طرح کی تبری اور بے زاری کا اظہار کرتے مگر انھیں بجز حسرت کے کچھ بھی ملنے والا نہیں، اب تو جہنم ہی ان کا ابدی ٹھکانا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ——— وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ
(۱۷۲) ——— (۱۶۸)

تہذیب اخلاق کے کچھ اور آداب

اکل حلال کی ترغیب، غیر صحیح تقلید کی مذمت

حرام غذا سے قلب میں کدورت وظلمت پیدا ہوتی ہے، اس کی نحوست سے آدمی عبادت ومناجات کی لذت سے محروم اور عمدہ اخلاق وعادات سے عاری ہوجاتا ہے اس کے بالمقابل حلال وپاکیزہ خوراک سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، عبادت وریاضت کی رغبت بڑھتی ہے، اس کی برکت سے آدمی مستجاب الدعوات ہوجاتا ہے، عمدہ اور قابل تحسین اخلاق وکردار کا خوگر بن جاتا ہے، اس لئے ہدایت دی جارہی ہے، زمین میں دستیاب حلال وطیب غذاؤں کو استعمال کرو، شیاطین انس وجن کے فریب میں آکر ان سے پرہیز نہ کرو، اگر تم ان کے فریب میں آگئے، تو بری اور قبیح باتوں میں مبتلا ہوجاؤ گے، کیونکہ بقائے حیات کے لئے کھانا ضروری ہے، اور جب خدا کی مہیا کردہ پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو چھوڑ دوگے تو لامحالہ حرام سے پیٹ بھروگے اور حرام غذا سے جو قوت حاصل ہوگی اس سے حرام افعال اور اقوال ہی ظہور میں آئیں گے۔

۱۷۰۔ واذا قیل لھم الخ دلیل وبرہان کے مقابلہ میں بصیرت وہدایت سے محروم بڑے بوڑھوں اور قومی پیشواؤں کی تقلید انسان کے اندر عالی ظرفی ہدایت پذیری اور فکرو نظر کی اعلیٰ قدروں کو ختم کردیتی اور آدمی کو اشرف المخلوقات کے مقام رفیع سے گرا کر جانوروں کی صف

میں پہونچادیتی ہے، پھر ان کا حال اس گلے کا سا ہوجاتا ہے کہ چرواہا اس کو خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے پکارتا ہے مگر یہ بے معنی آواز اور چیخ کے سوا کچھ نہیں سنتے. ان کے بظاہر کان ہیں مگر سماعت سے بے بہرہ، زبان ہے مگر گویائی سے محروم، آنکھیں ہیں مگر بینائی ندارد. تو اب انھیں فہم وادراک کی دولت کہاں سے نصیب ہوگی، اب جب کہ حلال وپاکیزہ رزق کو جاہلوں وگمراہوں کی اندھی تقلید میں حرام سمجھنے والوں کی بے بصیرتی اور بے راہ روی آشکارا ہوگئی، تو تم اے مسلمانو خدا کی عطا کردہ پاکیزہ غذائیں کھاؤ اور ان پر مولائے کریم کے شکرگذار رہو، تمھاری بندگی کا تم سے یہی مطالبہ ہے۔

علی عید پروفیسر ـــــــــ ترجمہ۔ (قاری) اظہار احمد تھانوی
استاذ علوم القرآن والحدیث
(فی کلیۃ اصول الدین)
بالجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ ـ اسلام آباد

مکتبہ اسکندریہ اور فاتحین عرب

مغربی مورخوں کا عرب اور مسلمانوں کے خلاف ایک بے بنیاد الزام

فاتحین عرب نے اسکندریہ کی لائبریری کو نہیں جلایا۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے یورپ کو آفاقی علوم اور کائنات وزندگی کے حقائق سے آگاہ کیا

بعض غیر ذمہ دار اہل قلم جو علمی اور اخلاقی عنصر سے خالی ہوتے ہیں دل کی چھپی ہوئی سیاہی کو بھونڈے انداز میں اوراق پر منتقل کرتے ہیں اور مصنوعی پردوں اور دبیز چادروں کے پیچھے کی ہوئی ان [illegible] کی گھناؤنی تعبیروں کا [illegible] بھانڈا ایک نہ ایک دن پھوٹ جاتا ہے۔

مستشرقین کے ایک گروہ کے بدنما رمز واشارے، مسلمانوں پر طعن تعصب اور جہالت کے الزامات ان کی مورخانہ ثقاہت پر ایک بدنما داغ ہیں۔

فتح مصر کی اسلامی شاندار فتوحات پر ان لوگوں کے تنقیدی قلم کو جب کچھ نہ ملا تو اسکندریہ کے مکتبہ کو عنوان بنایا گیا اور گویا کہا گیا کہ ان ناآشنائے علم فاتحین نے اپنی تلواروں، تیروں سے تہذیب وثقافت کو کاٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اس قسم کی بے ہودہ تنقید سے مستقبل کے مسلمانوں کو زچ کرنے کی سعی کی گئی اور اس عنوان کو ایک بڑی اہم تاریخی دستاویز بنا کر اپنی شاندار مورخانہ ریسرچ کا باب بنایا گیا کہ مسلمان فاتحین نے عمر بن خطاب اور عمرو بن عاص کے حکم سے اسکندریہ کے بہت بڑے کتب خانے کو

جلاکر خاکستر کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کہانی کی ابتدا وہ ایک گمنام اور غیر معروف مؤرخ کی روایت سے کرتے ہیں جس کو ابن القفطی کے نام سے پکارا جاتا ہے، ابن القفطی جو ۵۶۵ھ میں پیدا ہوا اور ۶۴۶ھ میں مرا ہے وہ کہتا ہے۔

"ایک شخص جو اسکندریہ کا باشندہ تھا اور عربوں کے مصر میں داخلے سے پہلے وہ اسکندریہ کے کنیسہ کا پیٹریارچ PATRIARCH تھا اس نے کنیسہ کی تعلیمات کے خلاف لب کشائی شروع کی، دراصل وہ فلسفہ کی کتابوں کا بڑا دلدادہ تھا، اور ارسطو کے فلسفہ کا تو وہ گویا متوالا تھا، اس نے "تثلیث مقدس" کا انکار کیا اور عقیدۂ توحید کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا، اس کے اس عقیدہ کا چرچا ہوا، اور کنیسہ کے زعماء و اکابر نے اس کو مباحثہ پر مجبور کیا، لیکن وہ مناقشہ اور مباحثہ گرجا کے پادریوں کے ساتھ کامیابی کے ساتھ نہ کر سکا، بظاہر گرجا کے بڑے پادری اس پر غالب آگئے انھوں نے اس کو اپنے نئے عقیدے سے توبہ کرنے کی نصیحتیں کیں، لیکن اس نے ان کی نصیحتوں پر کوئی دھیان نہ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو کنیسہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا۔"

اس بطریرک کا نام "یحییٰ نحوی" بتایا گیا ہے، یہ یحییٰ نحوی عمرو بن عاص رضؓ کے مصر و اسکندریہ کو فتح کرنے تک زندہ رہا، فتح کے بعد وہ عمرو بن عاص کی خدمت میں آیا، اس کی گفتگو سے عمرو بن عاص نے اس کے علم و عقیدہ کا اندازہ لگایا، اور عیسائیوں کے ساتھ جو کچھ اسے پیش آیا تھا وہ تمام قصہ اس نے عمرو بن عاص رضؓ کے گوش گذار کیا۔ عمرو بن عاص نے اس کو عزت کا مستحق گردانا، اس سے تثلیث کے ابطال پر گفتگو سنی تو عمرو بن عاص کو بیحد پسند آئی، مزید یہ کہ اس نے عالم کے حدوث اور فنا پر ایسے دل چسپ انداز میں مدلل باتیں کیں کہ وہ حیران رہ گئے، نہ صرف یہ، بلکہ اس سے ایسے فلسفی الفاظ و مقدمات سنے کہ عرب ان سے مانوس نہ تھے تو وہ حیرت زدہ رہ گئے، عمرو بن عاص بڑے زیرک تھے، علمی گفتگو بہت توجہ سے سنتے تھے اسی لئے یحییٰ نحوی کو اپنا ندیم بنالیا، اور کسی وقت اس کو اپنے سے علیحدہ نہ ہونے دیتے تھے

یحییٰ نے ایک روز ان سے کہا آپ اسکندریہ کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو چکے ہیں اور تمام ان ذخائر سے جو اس شہر میں موجود ہیں اچھی طرح آگاہ ہو چکے ہیں، میری گذارش یہ ہے کہ جو چیزیں آپ

کی دلچسپی اور کام کی ہیں، ان میں تو میں دخل نہیں دینا چاہتا، لیکن جو چیزیں آپ کے لئے بیکار ہیں وہ آپ مجھے عطا فرمادیں، عمرو بن عاص نے فرمایا وہ ایسی کیا چیزیں ہیں جن کی تمکو ضرورت ہے ؟ کہا کہ ملوکی خزانوں میں حکمت کی جو کتابیں ہیں وہ میرے کام کی ہیں اور آپ حضرات کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں، عمرو بن عاص نے کہا یہ کتابیں کس نے جمع کیں اور انکی حقیقت کیا ہے یحییٰ نے کہا کہ بطلیموس نامی سکندریہ کا ایک بادشاہ ہوا ہے جب اس نے اپنی حکومت کا آغاز کیا تو اس کو علم اور علماء میں بڑی دلچسپی اور علمی کتابوں کی تلاش و جستجو کا حکم دیا، تاجروں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر دور دور سے کتابیں منگوائیں اور ایک شخص ابن مُرّہ کو اس کتب خانہ کا منتظم مقرر کیا، اس نے تھوڑی مدت کے بعد ایک ضخیم کتب خانہ ترتیب دے ڈالا جس میں پچاس ہزار ایک سو بیس کتابیں تھیں، بادشاہ کو جب اس کتب خانے کا علم ہوا اور کتابوں کی تعداد معلوم ہوئی تو کہنے لگا تمھاری کیا رائے ہے، کیا دنیا میں روئے زمین پر اور بھی کتابیں ہیں جو اس ہمارے ذخیرہ میں نہیں؟ اس نے کہا دنیا کے ابھی بہت سے علاقے ہیں مثلاً سندھ، ہند، فارس، جرجان، ارمان، بابل، موصل اور روم جہاں دلفریب علمی ذخائر موجود ہیں، بادشاہ یہ سن کر بہت حیران ہوا اور ابن مرہ سے کہا، کچھ بھی ہو تمھارا کام جاری رہنا چاہیے، اور کتابیں جہاں کہیں سے بھی میسر آئیں، ان کو جمع کرو، چنانچہ وہ جمع کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی، یہ کتابیں برابر محفوظ اور زیر نگرانی رہیں انتظام چلی آتی رہیں۔

عمرو بن عاص نے یہ باتیں تعجب سے سنیں اور کہا، میں اس کتب خانے کے متعلق کوئی حکم دینے سے پہلے امیر المؤمنین عمر بن خطاب سے ضرور اجازت حاصل کرلوں گا، حضرت عمر کو کتب خانہ کا حال لکھا اور یحییٰ سے سنے ہوئے تمام واقعہ کا تذکرہ کیا اور اجازت چاہی کہ مجھے اس کتب خانے کو کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت عمر کا خط آیا جس میں تحریر تھا

"جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ کتاب اللہ کے موافق ہیں تو ہمیں کتاب اللہ کی موجودگی میں ان کی کیا ضرورت؟ اور اگر کتاب اللہ کے خلاف ہیں تو ہمیں ان کی حاجت نہیں ضائع کردی جائیں"۔

عمرو بن عاص نے حکم دیا کہ ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں کو روشن رکھنے کے کام میں لایا جائے اور جلا کر ختم کردی جائیں، چنانچہ اسکندریہ کے حمام رات دن ان سے روشن رکھے گئے۔ یہ آگ برابر جلتی رہی حتیٰ کہ چھ ماہ کی مدت میں یہ ذخیرہ ختم ہوا۔

یہ ہے وہ واقعہ اور عجیب کہانی جس کو مستشرقین نے بڑے رنگین افسانے کی شکل میں پیش کیا ہے، یہی نہیں بلکہ مستشرق مورخ اس بیان پر اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے

مکتبۂ اسکندریہ کے اس واقعہ کو جمال الدین ابوالحسن القفطی (۱۱۷۲-۱۲۴۸ء) اپنی کتاب "اخبار العلماء باخبار الحکماء" میں ذکر کرتا ہے، یہ کتاب تاریخی مراجع میں بڑی پرانی کتاب ہے جس نے مکتبہ اسکندریہ کا واقعہ اور اس کے جلائے جانے کی داستان لکھی ہے۔ مگر اس کتاب نے عرب تاریخ نگاروں کو حیرت زدہ نہیں کیا، بلکہ وہ حضرت عمر کے حکم سے مکتبۂ اسکندریہ جلائے جانے کے واقعہ کا انکار کرتے رہتے ہیں، بلکہ مستشرقین اور استعمار کے علم برداروں کو گالیاں ہی دیتے رہتے ہیں حالانکہ اس میں مستشرقین کا کوئی قصور نہیں، انھوں نے تو قفطی وغیرہ قدیم عرب مورخین سے لے کر ہی اس کو تاریخ میں جگہ دی ہے،

نیز مستشرق مذکور نے ایک سیاح عبداللطیف بغدادی (۱۱۶۰-۱۲۳۱ء) کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے، اور اس بغدادی سے ایک دوسرے مورخ ابوالفرج نے بھی اس کو روایت کیا ہے بلکہ ان مذکورہ دونوں راویوں کے بیان پر اس نے مزید قدرے تفصیل سے کام لیا ہے، پھر اس واقعہ کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ حکمت کے ان ذخیروں کو جلا ڈالا گیا، اور آگے یہ مستشرق سوال کرتا ہے کہ کیوں ابوالفرج کو کذب بیانی سے متہم کیا جاتا ہے حالانکہ واقعہ کا پہلا راوی (قفطی) مسلم ہے، اور ان کلمات کے ذیل میں شرماتے ہوئے یہ بھی لکھتا ہے۔

"ایک انگریز مورخ سر فریڈ بٹلر ہوا ہے جس کی مشہور کتاب "فتح العرب لمصر" ہے جس کو لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، قاہرہ نے ۱۹۴۶ء میں مطبعہ دارالکتب المصریہ سے شائع کیا ہے، اور جس کو ڈاکٹر محمد فرید ابوحدید نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

بٹلر نے یہ کتاب فتوحات مصر پر بڑے محققانہ انداز میں ترتیب دی ہے اور کتب خانہ جلانے کو بے اصل افسانہ قرار دیا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ مصر کی فتح کے وقت اسکندریہ میں کسی مکتبہ یا لائبریری کا وجود نہ تھا۔ نیز اسکی تحقیق یہ ہے کہ مسیحیوں نے اپنی تحریک ۳۹۱ء میں تیوفلیس کی قیادت میں سراپیوم (ایک مصری شہر) پر حملہ کیا جو کہ سرابیس دیوتا کی عبادت گاہ کا گڑھ تھا، مسیحیوں نے اس کو توڑ پھوڑ کر برباد کیا اور بتوں کے پجاری وہاں سے جان بچا کر بھاگ گئے، آگے بٹلر کہتا ہے کہ

احتجاج کرنے والے مسیحیوں کا یہ جلوس اس لائبریری پر بھی ٹوٹ پڑا اور جلاکر خاک کر دیا جو بہت پرانے نوادرات پر مشتمل وہاں موجود تھی۔

میں اس فاضل مستشرق کو بتلانا چاہتا ہوں کہ تاریخ کا دامن اس موضوع کو اس بھونڈے اور تحقیق وانصاف سے خالی صورت پر پیش کرنے سے پاک ہے، یہ جھوٹا الزام جب بھی وجود میں آیا اس کی بنیاد قفطی (جمال الدین علی بن یوسف بن ابراہیم شیبانی) کی کتاب پر رکھی گئی۔

قفط مصر کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے، قفطی اس بستی میں ۵۶۸ھ میں پیدا ہوا دراصل یہاں اس کے آباواجداد اپنے سابقہ وطن کوفہ سے آکر آباد ہوئے تھے، کچھ بھی ہو قفطی نے اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی (۵۵۷ھ۔ ۶۲۹ھ) سے نقل کیا ہو یا بغدادی نے اس کو قفطی سے نقل کیا ہو تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ عبداللطیف بغدادی نے مصر کی سیر ۵۹۵ھ میں کی، تیسرا شخص جو ان دونوں کے بعد آتا ہے وہ ابوالفرج بن اہرون ہے جو ابن العبری کنیت سے مشہور ہے، ابن العبری کہتا ہے کہ اس نے دجلہ وفرات کے درمیانی علاقوں میں جو بڑے بڑے اساقفہ اور راہب تھے ان کے سب سے بڑے اسقف کا انتخاب کیا، اور اس نے مجھے مکتبۂ اسکندریہ کے جلائے جانے کا مذکورہ واقعہ سنایا یاد رہے کہ ابن العبری کی ولادت ۶۲۵ھ اور وفات ۶۸۵ھ میں ہے (بمطابق ۱۲۸۶ء) اس نے مکتبہ کے جلائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کا تذکرہ ان تین کے علاوہ کسی نے نہیں کیا، بنظر غور دیکھا جائے تو یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہ تینوں تاریخ نگار تقریباً ایک ہی دور کی پیداوار ہیں جو چھٹی صدی کا اواخر اور ساتویں صدی کا اوائل ہے، اور یہ حقیقت ناظرین سے پوشیدہ نہیں ہونی چاہئے کہ یہ دور عرب مشرق میں صلیبی جوش وغضب کا دور ہے، مسلمانوں کی آبادیوں پر صلیبی حملوں کا دور، چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ پہلا صلیبی حملہ ۴۸۹ھ میں، دوسرا ۵۳۹ھ میں تیسرا ۵۸۵ھ میں چوتھا ۵۹۱ھ میں ہوا، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عام مسیحی شعور، اسلام کے خلاف کینہ اور ناگواریوں سے بھرپور تھا جو ان حملوں کے زمانے میں ایک معمولی بات ہے، ان حالات میں یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ مکتبۂ اسکندریہ کا یہ واقعہ ایک افسانوی داستان کا بیج بناکر بویا گیا، اس دور میں اور بھی واقعات وافسانے جھوٹے پروپیگنڈے کے طور پر پھیلائے گئے تاکہ مسلمانوں کی شاندار فتوحات کو ماند مضمحل

علاقوں میں ان کے اخلاق و دیانت کو بری شہرت میں تبدیل کیا جائے، مقصد یہ کہ مسلمان فاتحوں میں تعصب تھا وہ سفاک تھے جاہل تھے، علم اور اہل علم کے دشمن تھے۔

حیرانی ہوتی ہے کہ پڑھے لکھے مستشرقین اس کو پیش کریں اور ضرورت سے زیادہ اس کو اہمیت دیں، قابل غور بات یہ ہے کہ اس دور سے پہلے پانچ صدیوں کے طویل زمانہ میں ایک مورخ نے بھی ذکر نہیں کیا، پانچ صدیاں اس واقعہ سے خاموش رہیں اور پانچ صدیوں بعد اچانک یہ تین مورخ آگے پیچھے نمودار ہوتے ہیں اور دنیا کے سامنے بالکل ایک نیا انکشاف کرتے ہیں، یہ کیونکر ممکن ہے، کیا انھوں نے مصر میں کوئی حفری اکتشاف دریافت کیا تھا جس کی وجہ سے وہ حضرت عمرؓ پر یہ تہمت لگانے پر مجبور ہوئے یا کیا ان کے ہاتھ وہ خط لگ گیا تھا جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کو لکھا تھا جس میں مذکورہ کتب خانے کو جلا دینے کا حکم کیا تھا۔

مزید حیرانی کہ مکتبہ کو جلا یا گیا اور اس جلانے کی کارروائی میں چھ ماہ لگ گئے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ فاتحین جب بستیوں کو فتح کر کے آگ لگاتے ہیں تو وہ آگ ایک ماہ سے بھی کم مدت میں پوری بستی کی بستی کو خاکستر کر دیتی ہے۔

پھر یہ شخص کہ جس کا نام یحیٰ نحوی لیا جا رہا ہے، کون ہے؟ یہ علم النحو کہاں سے پڑھ کر آگیا اس وقت تو پوری دنیا علم النحو کی الف بارے بھی واقف نہ تھی، علم نحو ایجاد ہی نہ ہوا تھا، وہ اسکندریہ کے کنیسہ کا بطریق تھا، کنیسہ کی تعلیمات پر اس کی اٹھان ہوئی تھی، اس نے توحید کو گلے لگا لیا تھا، وہ عمرو بن عاص کو نصیحت کرتا ہے کہ مکتبہ پر توجہ دیجئے۔ کیا اس کنیسہ میں علم نحو کی تعلیم ہوتی تھی مگر علم نحو کے پہلے امام ابوالاسود دؤلی کا اس وقت نام ونشان بھی نہ تھا، ان سے تو دنیا خلافت علوی کے دور میں واقف ہوئی ہے، تو کیا ابوالاسود دؤلی نے مصر کا سفر کیا تھا، جن کے آگے یحیٰ نے زانوئے شاگردی طے کر کے علم نحو میں مہارت حاصل کی جس کی وجہ سے وہ "نحوی" بن گیا

جریدۂ "الاہالی" نے اپنے ایک مضمون میں اپنے ناظرین سے اپیل کی ہے کہ کوئی محقق کاش یحیٰ نحوی کی شخصیت کا سراغ لگائے، جس نے فلسفۂ ارسطو کو گلے لگایا، عقیدۂ توحید کو اختیار کیا اور حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر کا مشیر بن گیا، مگر کسی بھی اہل قلم نے آج تک اس پر ایک سطر بھی نہیں لکھی، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ یہ روایت محض جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

صحیح تاریخ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے فتح مصر کے بعد بنیامین بطریق کو امن عطا کیا اور اس کو اس کی کرسی پر دوبارہ بحال کیا اور مقاریوس کے کنیسہ پر اسقف باسیلی کو بحال کیا اور تمام نصاریٰ کو آزادانہ اپنے شعائر ادا کرنے میں اطمینان اور آزادی کا پروانہ عطا کیا۔

تاریخ فتح مصر کو پوری طرح سامنے لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسقف جس نے عقیدۂ توحید کو اپنایا اور دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق اور عبداللہ تھے وہ آریوس ہے جس کو دنیائے مسیحیت نے مرتد کہا اور اس کی تمام کتابوں کو جلا ڈالا گیا اور بالآخر منصب سے معزول ہوا، لیکن یہ کب ہوا، اور کون یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے عمرو بن عاص تک رسائی حاصل کی اور کون جرأت سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ عمرو بن عاص قبطیوں کے مذہبی اختلاف پر اپنی دیگر اہم مصروفیات کے ساتھ توجہ دے رہے تھے یا کہ وہ ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اس مکتبہ (البتہ طلیکہ وہ موجود بھی تھا) کو جلایا اور برباد کیا جائے۔

اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تمام واقعہ سے تاریخ کے مشہور و ممتاز مصنفین مثلاً یعقوبی، بلاذری طبری، ابن عبدالحکم، مسعودی، کندی، مقریزی، ابوالمحاسن، ابن خلدون اور سیوطی کیسے غافل رہے جنھوں نے اس کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں لکھا۔

مصر کی پرانی تاریخ بتلاتی ہے کہ یہ مکتبہ اسکندریہ جس کی بنیاد بطلیموس اول نے رکھی تھی اس کا بڑا حصہ ہیکل سرابیس میں تھا اور وہاں مصریوں کا قطعاً کوئی دخل نہ تھا، خواہ وہ مسیحی ہوں یا بت پرست اس کا انتظام آخر وقت تک رومیوں کے ہاتھ میں رہا، اس مکتبہ کو پہلی مرتبہ ۴۸ ق م میں اس وقت حوادث کا شکار ہونا پڑا جب یولیو قیصر قلوبطرہ کی مدد کے لئے آیا، اور مصری جرنیل اشیلا نے قیصر یولیو کے جنگی بیڑہ کو آگ لگائی، یہ آگ اس قدر پھیلی کہ شہر کے در و بام کے ساتھ مکتبہ بھی خاکستر ہوگیا مکتبہ کی کتابیں چادروں میں لفافے بنا کر لپٹی ہوئی تھیں ان میں بہت آسانی سے آگ پھیلی۔ یہ واقعہ مصر کی اسلامی فتح سے بہت پہلے، قبل از مسیح کا ہے۔

دوسرا واقعہ تاریخ میں ۳۹۱ء کا ہے کہ مسیحیوں نے دیوتا سرابیس کی عبادت گاہ پر زبردست یلغار کی حتی کہ اسے منہدم کیا، اور مکتبہ کا جو کچھ باقی اثاثہ تھا اسے بھی جلا کر پھونک کر راکھ کر دیا گیا، قدیم مصری بت پرست بھاگ کھڑے ہوئے۔

تاریخ میں یہ دوسرا واقعہ ملتا ہے جو مسلمانوں کے مصر میں آنے سے پہلے کا ہے، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس واقعہ کو لکھنے والے فکری گم گشتگی کا شکار ہوئے اور اس کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا، مستشرقین کی اتباع میں ان کو عقلی اور علمی حیا کا کچھ بھی پاس نہ رہا اسی لئے محقق تاریخ نگاروں نے اس واقعہ کا حضرت عمرو بن عاص کی طرف نسبت کا قطعاً انکار کیا، چنانچہ سر الفریڈ بٹلر، گبن، سیڈیو، اور گستاف لبن وغیرہ اس نسبت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔

ایک سیاح مورخ پانچویں صدی کے اوائل میں مصر آیا ہے اس کو اوراز یوس کہا جاتا ہے وہ کہتا ہے۔

"میں نے شہر اسکندریہ کی سیر کی، اور مکتبہ کی الماریوں کو خالی پایا، ان میں کوئی کتاب نہ تھی"

یہ شہادت واضح کرتی ہے کہ مصر پر عربوں کے قبضہ سے پہلے یہ مکتبہ کتابوں کے ذخیرہ سے خالی پڑا تھا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ کتابوں کا ذخیرہ جو بطلیموسیوں کے عہد سے اس لائبریری میں تھا وہ مسلمانوں کے مصر میں آمد سے پہلے مفقود ہو چکا تھا،

مستشرقین یہ کیوں بھول گئے کہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فتح مصر کے وقت حضرت عمرو بن عاص نے رومیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے فرمایا،

"یہ لوگ اسکندریہ سے چلے جائیں اور جو بھی کچھ چاہیں اموال واثاثے اپنے ہمراہ اٹھا کر لے جائیں"

اس اعلان واجازت کے بعد مکتبہ میں جو بھی کتابوں کے بنڈل تھے کس نے ان رومیوں کو اپنے ہمراہ یہ بنڈل اٹھا کر لے جانے سے منع کیا تھا، کتابوں کے قیمتی اثاثہ ہونے کا تقاضا تھا کہ رومی یہ کتابیں اٹھا کر قسطنطنیہ روانہ ہو گئے ہوتے، اسکے بعد یحیی نحوی کی داستان کے وجود میں آنے کا کیا مطلب؟

عقلمندوں کیلئے یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اسکندریہ کی اس لائبریری میں جو بھی ذخیرۂ کتب تھا وہ مسلمانوں کیلئے کسی فکری مرعوبیت کا سامان تھا اور نہ وہ فتح مصر کے وقت اس مسئلہ کی احساسیت کا شکار تھے، وہ کوئی چنگیز و ہلاکو بھی نہ تھے کہ علم ومدارس کے دشمن ہوں، یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے مابعد کے تاریخی ادوار میں کائنات اور حیات کے حقائق کو یورپ منتقل کیا، ادیان سماوی اور آفاقی علوم سے عقل ونقل کے حوالوں سمیت دنیا کے تاریک ذہنوں کو روشنی بخشی۔

بہر حال مسلم امت کو مستشرقین کے اس فکری طرز سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے اس کیلئے یہی بہتر ہے کہ وہ اس متعصب محدود سطح سے بلند سطح ہو کر فکری استقامت اختیار کرے حقیقت یہ ہے کہ آج بھی حمیت جاہلیہ کی بھسلن سے ہمیں تہذیبی جنگی قرار دیا

حضرت حکیم الامت اور برکات مدینہ، عظمت روضۂ انور، رفعتِ گنبدِ خضراء!

از: حافظ محمد اقبال رنگونی، مانچسٹر، انگلینڈ

اللہ رب العزت نے سرزمین عرب میں جس طرح مکۃ المکرمہ کو ایک خاص شان عطا فرمائی ہے، اسی طرح مدینہ منورہ کو بھی اپنے خاص فضل و رحمت کا مرکز بنایا ہے۔ یہ مبارک و مقدس شہر عظمت و رفعت شرافت و کرامت میں اپنی مثال آپ ہے۔

مدینہ منورہ کا قدیم نام یثرب تھا رحمت عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس مقدس شہر کو جہاں اور بہت سے اسمائے گرامی نصیب ہوئے ان میں مدینہ منورہ کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔

مدینہ دین سے مشتق ہے جس کے معنی اطاعت کے ہیں، چونکہ اس شہر میں اللہ کی اطاعت و بندگی کی جاتی ہے، اس لئے اس کا نام مدینہ رکھا گیا، اور یثرب نام لینا ممنوع ہوا۔ حضرت امام بخاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ:۔ جو شخص (مدینہ منورہ کو) ایک مرتبہ یثرب کہے تو اس کو لازم ہے کہ اس کی تلافی اور تدارک کیلئے دس مرتبہ مدینہ کہے۔

(جذب القلوب ص۱۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:۔ اگر کوئی شخص (مدینہ کو) یثرب کہے تو اسے چاہئے کہ (اپنے اس قول سے) استغفار کرے، کہ اس کا نام طابہ ہے۔ یہ طیبہ ہے (ایضاً)

اللہ، اللہ! مدینہ منورہ کتنا مبارک اور پیارا نام ہے، اور یہ مقدس شہر کس شان و مرتبہ کا مالک ہے، اللہ رب العزت نے اس مقدس سرزمین کو کفر و شرک کی گندگیوں سے بچا رکھا ہے، یہاں کی ایک ایک چیز بلکہ اس کا ذرہ ذرہ قیمتی ہے، حج بیت اللہ پر جانے والا، یا عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والا جیسے ہی مدینہ منورہ کی سرحد میں قدم رکھتا ہے، رحمت الٰہی

اس کا قدم چوم لیتی ہے، اگر وہ اطمینان کے ساتھ رہ رہا ہے تو خیر و برکت کی بارش میں نہا رہا ہے، اور اگر مصائب و شدائد کا شکار ہے تو بھی اس کا یہاں رہنا برکت ہی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المدینہ خیر لھم لو کانوا یعلمون لا یدعھا احد رغبۃ عنھا الا ابدل اللہ فیھا من ھو خیر منہ ولا یثبت احد علی لاوائھا وجھدھا الا کنت لہ شفیعا او شھیدا یوم القیمۃ۔
(صحیح مسلم)
جلد ۱ ص۴۴۰

مدینہ منورہ لوگوں کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس خیر و برکت کو جانتے (تو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس مقام مبارک کو نہ چھوڑتے) جو شخص اپنی پسند اور خواہش سے اس جگہ کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اسکی جگہ کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا (یعنی اسکے مدینہ سے چلے جانے سے مدینہ منورہ میں تو کوئی کمی نہ آئے گی، البتہ وہ جانے والا ہی مدینہ کی برکات و حسنات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو شخص مدینہ منورہ کی تکالیف و مشقتوں پر صبر کرے تو قیامت کے دن میں اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے مدینہ منورہ کو ایک خصوصی شان رحمت فرمائی ہے، یہاں خیر ہی خیر اور برکت ہی برکت ہے، یہاں کی راحت تو برکت ہے ہی، یہاں کی تکالیف اور پریشانیاں بھی اپنے جلو میں رحمتوں کا انبار لئے ہوئے ہیں۔ اس سے بڑی برکت اور سعادت کیا ہوگی کہ مدینہ منورہ میں پیش آنے والی تکالیف پر صبر کرنے والے کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے، کہ اس نے محبوب کے شہر کی تکلیف کو تکلیف نہیں بلکہ رحمت سمجھا اور صبر کرتا رہا۔

حضرت ابوہریرہ رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا نقل فرماتے ہیں کہ :

اللّٰھم بارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی مدنا، اللّٰھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک ونبیک وانی عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانی ادعوک للمدینۃ بمثل مادعاک لمکۃ ومثلہ معہ (الحدیث) (مسلم ج۱، ص ۴۴۲)	اے اللہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں برکت دے اور ہمارے صاع اور مُد میں برکت دے اے اللہ بے شک حضرت ابراہیمؑ تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں، انھوں نے آپ سے مکہ معظمہ کے لئے دعا فرمائی تھی اور میں آپ سے مدینہ منورہ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ جتنی کہ انھوں نے مکہ کیلئے کی تھی اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی

ایک اور دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ

اللّٰھم اجعل بالمدینۃ ضعفی بمکۃ من البرکۃ۔ (مسلم جلد ۱ ص۴۴۲)	اے اللہ جتنی برکات آپ نے مکہ معظمہ میں رکھی ہیں ان سے دوگنی برکات مدینہ منورہ میں عطا فرما

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات اور دعاؤں کے ہوتے ہوئے کون مسلمان ہوگا جو مدینہ منورہ کی عظمت و مرتبت، کرامت و شرافت، خیر و برکت کا قائل نہ ہوگا؟ جس شخص کے دل میں ایمان ہوگا اس کا مدینہ منورہ سے ایک قلبی لگاؤ ضرور ہوگا، اور یہاں آنے اور اس کی خیر و برکت حاصل کرنے کیلئے ہر وقت تڑپتا ہوگا کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ مدینہ منورہ آنے والا کبھی خالی نہیں جاتا اپنے دامن میں برکات و حسنات لے کر ہی جاتا ہے۔

حج بیت اللہ کا موقع ہو یا عمرہ کی سعادت حاصل کرنا ہو، ہر دو غرض سے سفر کرنے والا یا تو حج و عمرہ سے قبل مدینہ منورہ حاضر ہوتا ہے یا بعد میں۔ گو کہ مدینہ منورہ کی حاضری ارکان حج و عمرہ میں سے نہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایسا شخص حج و عمرہ کے انوارات و برکات سے محروم رہتا ہے اور صورت ہی صورت ہوتی ہے حقیقت نہیں پاتا۔

مدینہ منورہ کی حاضری اور یہاں کی برکات کے سلسلے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ السامی کا مبنی بر حقیقت یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

"واقعی زیارت مدینہ بڑی برکت کا عمل ہے جو اہل قلب ہیں ان کو بڑے بڑے ثمرات

عطا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حج سے پہلے زیارت کرے تو استعداد ان ثمرات کے حصول کی پیدا ہوتی ہے جو حج یا بعنوان دیگر فنار پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر بعد میں زیارت کرے تو ان ثمرات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ عجیب جگہ ہے وہاں اللہ کے بندے بڑی بڑی دولتوں سے مشرف ہوئے ہیں (وعظ روح الحج والثج ص۴۵)

حضرت اقدس قدس سرہ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ منورہ کی زیارت بذات خود ایک بابرکت عمل ہے اور اس کی زیارت پر بڑے بڑے ثمرات اور لازوال دولتوں کا حصول ہوتا ہے، حج سے قبل مدینہ منورہ کی حاضری سے ثمرات کے حصول کی استعداد پیدا ہوتی ہے تو حج کے بعد زیارت سے ثمرات کی تکمیل ہوتی ہے۔

غور فرمایئے جس شخص کے عقیدے میں مدینہ منورہ کی برکات کا یہ عالم ہو کیا اس کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کی عظمت و رفعت کا قائل نہ ہوگا؟ اس کے دل میں مدینہ منورہ کی محبت نہ ہوگی؟ حضرت اقدس قدس سرہ مدینہ منورہ کی خاک پاک اور وہاں خرچ ہونے والی رقم کے بارے میں یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں۔

"مدینہ منورہ کے سفر کا خرچ حساب میں نہ لاوے کیونکہ وہ عاشقانہ سفر ہے پیادہ ہو سکے تو پیدل ہی جاؤ" (الکلام الحسن ص۱۵)

جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں صرف ہونے والا ایک ایک پیسہ (فضول خرچی نہ ہو) قیمتی ہے۔ اور اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں اہل مدینہ پر خرچ کرنے میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے، یہ لوگ محبوب کے شہر کے باسی ہیں، ان کی خدمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو خوشی ہوگی، اور عاشق تو اپنے معشوق کو خوش کرنے کیلئے طرح طرح کے بہانے تلاش کرتا ہے، اس لئے حضرت فرماتے ہیں کہ یہاں جو بھی خرچ ہو جائے قیمتی بن جاتا ہے حضرت کی اس تصریح کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت کے دل میں کسی قسم کا کوئی میل تھا۔ ہاں وہ لوگ ضرور کہتے ہیں جن کے دلوں میں میل ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور مقدس مقام پر نماز پڑھانے والوں کو میلا کہتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ؛

جو اہل مدینہ کو تکلیف پہونچائے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ فرشتوں کی لعنت اور ساری دنیا
کے آدمیوں کی لعنت ہو، نہ اس کا فریضہ قبول ہو اور نہ نفل (وفاء الوفاء ص۳۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ،

جو شخص اہل مدینہ کو ڈراتا ہے وہ اس چیز کو ڈراتا ہے جو میرے پہلو کے درمیان میں ہے
(یعنی میرے دل کو) (ایضاً و فضائل حج ص۲۲۰)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

جو کوئی بھی اہل مدینہ کے ساتھ مکر کرے گا وہ ایسا گھل جائے گا جیسا پانی میں نمک گھل جاتا
ہے۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۵۲)

اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو یہ سعادت باکرامت اس لئے عطا فرمائی ہے کہ یہ شہر خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے آپ کی ابدی آرام گاہ ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاکوں کے سردار صلی
علیہ وسلم کی جائے امامت پر کوئی ناپاک اپنا قدم رکھ سکے، حضرت اقدس حکیم الامت رح کا عشق
ملاحظہ فرمائیے، آپ فرماتے ہیں کہ:

"مدینہ شریف میں رہ کر میل کچیل والا نہیں رہ سکتا" (الافاضات حصہ ۴ ص۲۳۹)

اور دورِ حاضر کے نام نہاد عاشقان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہاں میل کچیل والا نہ صرف رہ سکتا ہے بلکہ
—— قبضہ بھی کر سکتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّی پر پانچ وقت کی امامت بھی کر
ہے، اور کفر و ارتداد، گستاخی و توہین میں بھی سب سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اندازہ فرمائیے، ایک طرف وہ حضرات ہیں جن کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ طیبہ بڑی عجیب جگہ
یہاں رحمت ہی رحمت اور برکت ہی برکت ہے، یہاں پر خرچ ہونے والی رقم بھی قیمتی ہے، یہاں
والا میلا نہیں، اور دوسری طرف ایک گروہ ہے جن کا دعویٰ ہے کہ یہاں سب کچھ ہو سکتا ہے، ح
کہ کافر بھی امام بن جاتا ہے، بتلائیے دونوں میں سے کس نے عشق و محبت کا مظاہرہ کیا، اور کس
روح مبارک کو تکلیف پہونچائی۔

روضۂ انور کی زیارت:-

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی آرام گاہ مدینہ منورہ میں ہے، پندرہ صدیوں سے مدین

میں رہنے والے، مدینہ منورہ میں آنے والے اور پوری دنیا کے مسلمان روضۂ انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کر رہے ہیں، یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور اس وقت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے لیکن یہ بات بھی بلاشک وشبہ کہی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت خود آپ کی زیارت کے قریب قریب ہے اور اس زیارتِ روضہ سے بھی ایمان میں تازگی اور سرور پیدا ہوتا ہے، صرف یہی نہیں کہ جسمانی و روحانی بیماریوں کا علاج ہوجاتا ہے۔ بلکہ روحانی دنیا کی عجیب وغریب نعمتوں کا نظارہ بھی کرتا ہے۔ اور جب قیامت کے دن شفاعت نبوی اس کے قدموں کو جنت کی جانب بڑھادے گی تو وہ یقیناً فُزتُ بربِّ الکعبۃ کا نعرہ لگاتا ہوا منزلِ مراد کو پالے گا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں کہ

"جس شخص نے میری قبر کی زیارت کرلی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی" (جامع صغیر ۱؍)

ایک حدیث میں ہے کہ:

"جو شخص میری زیارت کی نیت سے آئے تو مجھ پر یہ حق ہوگیا کہ میں اس کی شفاعت کروں۔"
(وفاء الوفاء ج۲ ص۳۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرلی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری حیات میں میری زیارت کی (مشکوٰۃ ص۲۴۱)

بلکہ یہاں تک بشارت سنائی گئی کہ:

"جو شخص میری قبر کی زیارت کرلے وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا (مشکوٰۃ ص۲۴۰)

ایک مسلمان کیلئے اس سے بڑی اور کیا خوش خبری ہوسکتی ہے کہ میدان محشر میں جہاں نفسا نفسی کا عالم ہوگا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمادیں، اور یہ پھر بشارت خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں کہ میں خود اس کی شفاعت کروں گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت اعلیٰ عبادات میں سے ہے۔ جس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہونی چاہئے۔ جو لوگ محض وقت اور رقم کی خاطر مدینہ منورہ، روضہ اطہر پر حاضر نہیں ہوتے ایسے لوگوں کی بدبختی اور شقاوت میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔ اور یقیناً وہ شخص بڑا ظالم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"جس شخص نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا" (شفاء)

حضرات اکابرین امت اس بات کی تصریح فرما چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی بہترین عبادت ہے بلکہ اس کا قصد کرکے سفر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، حضرات علماء دیوبند کا بھی یہی عقیدہ و مسلک ہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی قربات اور بے حد ثواب اور موجب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے اگرچہ شد رحال اور بذل جان و مال دکھادے کسنے اور جان و مال خرچ کرنے سے نصیب ہو۔ اور سفر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ ہی مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر مبارک ہی کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی اس صورت میں کامل اللہ علیہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت ــــــ کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ اس کا مقصد سوائے میری زیارت کے اور کچھ نہ ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔" (المہند علی المفند ص۲۱۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مذکورہ بالا عقیدہ کی بھرپور تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

نقر بہ و نعتقدہ ولکل امر المفترین الی اللہ و انا اشرف علی التھانوی الحنفی الچشتی ختم اللہ تعالیٰ لہ بالخیر۔ (میں اس عقیدہ کا مقر اور معتقد ہوں اور افتراء کرنے والوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ

والسفر لزیارۃ الروضۃ المنیفۃ وقبرہ الشریف من افضل القربات والمندوبات بل قریب من الواجب (جلد ۲ ص۲۳۸)

مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حج کے بعد یا حج سے پہلے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک اور مسجد نبوی کی زیارت سے برکت حاصل کرے" (حصہ سوم ص۲۲)

مذکورہ تصریح سے معلوم ہوا کہ تمام اکابرین علماء دیوبند بشمول حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کا یہی عقیدہ و مسلک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت جائز، اعلیٰ عبادات، اس کے لئے سفر مستحب بلکہ قریب واجب کے ہے، یہی نہیں بلکہ حضرت حکیم الامتؒ تو روضۂ اطہر کی زیارت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق بھی فرماتے ہیں۔ ایک وعظ میں فرماتے ہیں

"ایک حق آپ کی محبت کا یہ ہے کہ قبر شریف کی زیارت سے مشرف ہو، خصوصاً جو حالتِ حیات میں زیارت سے مشرف نہیں ہوئے وہ روضۂ اطہر ہی سے برکات حاصل کرلیں کہ وہ برکات اگرچہ زیارت کی برکات جیسے بالکل نہ ہوں مگر ان کے قریب قریب ضرور ہیں حدیث میں ارشاد موجود ہے کہ من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور کی ذات خود بھی قابل توجہ ہے، اگر آپ سے تعلق صرف مبلغ ہی ہونے کی حیثیت سے ہوتا تو زیارت قبر مسنون نہ ہوتی کیونکہ اس وقت تبلیغ کہاں ہے افسوس کہ بعض لوگ ایسے خشک ہیں کہ وہ زیارت قبر شریف کی فضیلت کو نہیں مانتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ناجائز کے قائل ہیں ...... غرض دنیا میں ایسے بھی خشک مذاق موجود ہیں جن کو زیارت قبر شریف کا خود تو کیا شوق ہوتا، اس کو حرام کرکے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کرچکے ہیں ان سے پوچھو کہ کس قدر برکات حاصل ہوتے ہیں" (وعظ شکر النعمہ بذکر الرحمہ ص۲۲)

بعض لوگ زیارت قبر کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جب آج کل قبر شریف کی زیارت ہی نہیں ہوتی، قبر شریف نظر ہی نہیں آتی، اس کے چاروں طرف جالیاں اور دیواریں ہیں تو پھر زیارت قبر کا کیا مقصد و فائدہ؟ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ اس کا جواب دیتے ہیں کہ:

"یہ عجیب لغو اشکال ہے میں کہتا ہوں کہ اگر زیارت قبر کے لئے قبر کا دیکھنا ضروری ہے تو حضور کی زیارت کے لئے بھی یہ شرط ہوگی کہ حضور کو دیکھا جائے، حالانکہ بعض صحابہ نابینا تھے، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ صحابی ہیں یا نہیں؟ مستورات کے بارہ میں کیا کہو گے؟

جس طرح صحابیت کیلئے حکمی زیارت کافی مانی گئی ہے اسی طرح زیارت قبر شریف میں بھی
حکمی زیارت کو کیوں نہ کافی مانا جائے گا، یعنی ایسی جگہ پہونچ جاتا کہ اگر کوئی حائل نہ ہوتا
تو قبر شریف کو دیکھ لیتے، یہ بھی حکماً زیارت قبر شریف ہے (ایضاً)

حضرت حکیم الامت رح کے مندرجہ بالا ارشاد سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت رح کے نزدیک نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت اعلیٰ عبادت اور برکات وحسنات کی حامل ہے،
اور آپ کی تلقین ہے کہ روضۂ انور کی زیارت کرتے ہوئے برکات حاصل کریں، اور جو لوگ اس کی مخالفت
کرتے ہیں، حضرت رح اس کی سخت تردید کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو خشک مزاج بتلاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

دہاں (یعنی روضۂ انور پر) جو جاتے ہیں تو مقصود اصلی صلوٰۃ (درود شریف) نہیں ہے
بلکہ زیارت مقصود ہے اور وہ بدوں حضور کی قبر کے ہر جگہ ممکن نہیں اور زیارت کا مندوب
ہونا دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے بلکہ قرآن شریف سے بھی اس کا استحباب معلوم
ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔ (النساء پ۵)	جب ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا یعنی معاصی ان سے سرزد ہوئے تھے اگر اس وقت یہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور وہاں آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول یعنی آپ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے۔

اور جاءوك (آپ کے پاس آتے) یہ عام ہے خواہ حیات میں ہو یا بعد الممات ہو، اس سے
زیارت کا مندوب ہونا بلکہ تاکد معلوم ہوتا ہے اور اس پر بشارت ہے کہ وہاں حاضر ہو کر توبہ
قبول کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے .... بہر حال خاص زیارت قبر شریف کے مقصد

سے بھی سفر کرنا مندوب ہے۔ (وعظ السرور ص۲۲)

حضرت حکیم الامت رح کے اس بیان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک روضۂ انور کی زیارت مندوب ہے بلکہ قرآن شریف سے اس کا استحباب نقل کرتے ہیں اور روضۂ انور پر کی گئی توبہ کو قبولیت عنداللہ کا درجہ دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رح ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اس تقریر سے نفس زیارت قبر نبوی یا اس کے لئے سفر کرنے کی نہی نہیں لازم آتی، کیونکہ وہاں صرف زیارت کے برکات حاصل کرنا مقصود ہے جو کہ دوسری روایات سے مندوب ہے وہاں تاریخ مقصود نہیں اور نہ محض صلوۃ کیلئے سفر کیا جاتا ہے (السرور ص۸)

حضرت حکیم الامت رح ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ زیارت روضۂ انور ہے تو مندوب مگر اور مندوبات سے زیادہ مہتم بالشان جس کو قرب وجوب سے تعبیر کیا ہے (امداد الفتاویٰ ج۲ ص۱۱۰)

حضرت حکیم الامت رح کی ان تصریحات کے باوجود بھی آپ کو مورد الزام ٹھہرانا اور آپ کے خلاف طرح طرح کے الزام لگانا انصاف و دیانت کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

بقعۂ مبارکہ کی عظمت :-

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی " بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر " کا مقام رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ جس جگہ اور جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں گے وہ مکان و زمان عظمت و رفعت شرافت و کرامت میں سب سے اعلیٰ و افضل ہوگا، اسی لیے تمام اکابرین امت اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے جس حصے میں آرام فرما رہے ہیں وہ حصۂ زمین پوری کائنات کی ایک ایک چیز سے اعلیٰ و افضل ہے، حتیٰ کہ عرش مجید اور کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے، یہی عقیدہ حضرات علماء دیوبند کا ہے، فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رح کی اس تصریح کو ملاحظہ فرمائیے جس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی تائید اور دستخط ہیں

فان البقعة الشريفة والرحبة المنيفة التي ضم اعضائه	بقعۂ شریفہ میں فضیلت تو بے انتہا ہے کیونکہ وہ حصہ زمین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء

صلی اللہ علیہ وسلم افضل مطلقا حتی من الکعبۃ ومن العرش والکرسی کما صرح بہ فقہائنا (المہند علی المفند)

مبارک کو مس کئے ہوئے ہے وہ علی الاطلاق افضل ہے حتی کہ وہ کعبۃ اللہ، عرش عظیم اور کرسی سے بھی افضل و اکرم ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات اکابر علماء دیوبند کے نزدیک وہ حصہ زمین جہاں آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں ہر چیز سے اعلیٰ و افضل ہے، کیونکہ خود آپ کی ذات گرامی سے افضل و اعلیٰ ہے تو ظاہر ہے کہ جس چیز کو آپ سے نسبت ہو جائے گی وہ چیز بھی سب پر فائق ہو جائے گی۔

حضرت حکیم الامت ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

- جب حضور کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے (وعظ شرح الصدور ص۱۵۲ راس الربعین)

حضرت حکیم الامت رہ کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی بیت اللہ سے بھی افضل ہے، ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

رہ گیا طواف فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کا یعنی بیت اللہ کا اور اسکی تعظیم کرنا سو یہ ایک امر تعبدی ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساجد کا احترام فرماتے تھے تو کیا مسجد کا آپ سے افضل و اعظم ہونا لازم آ گیا؟ اسی طرح بیت معظم بھی آپ سے افضل نہ ہوگا۔ (بوادر النوادر ص۲۵)

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ حضرت حکیم الامت رہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ جھوٹ کہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رہ کا عقیدہ و نظریہ وہی تھا جو علماء حق کا تھا، اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فدائی اور عاشق رسول تھے۔ حضرت حکیم الامت ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

- جس حصہ زمین سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک مس کئے ہوئے ہے وہ عرش سے افضل ہے (الافاضات حصہ و ص۲۱)

ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے (وعظ راس الربعین ص۲۳)

ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

غلاف کعبہ کو حضور صلی اللہ علیہ کی قمیص سے کیا نسبت؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر عرش و کعبہ سب سے افضل ہے (وعظ الرفع والوضع ص۳۳)۔

گنبد خضرا کی رفعت:۔

"تاریخ الحرمین" میں گنبد خضرا کی تعمیر اور اس کی تفصیلات کا ذکر ملتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گنبد پہلے نہ تھا ۶۷۸ھ میں الملک المنصور قلادون صالحی کے عہد میں حجرہ شریف پر قبہ بنایا گیا پہلے اس گنبد کا رنگ سفید تھا اور قبۃ البیضاء کے نام سے معروف تھا، اس کے بعد سلطان محمود نے ۱۲۵۵ھ میں اس گنبد شریف پر سبز رنگ کرایا اس کے بعد سے گنبد خضراء کے پیارے نام سے مشہور ہو گیا اور ہر مسلمان کی آنکھ کا نور اور دل کا سرور بنا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ کیوں نہ بنے؟ یہ وہ مقام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے اسی مقام پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، یہاں صرف غوث و قطب ہی نہیں فرشتے بھی صلوۃ وسلام کے لئے آتے ہیں۔ رحمت کی بے انتہا بارش ہر آن و ہر لحظہ برستی رہتی ہے، یہی تو وہ گنبد خضراء ہے جس پر نظر پڑتے ہی دل کی دنیا میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، پیروں میں جان پڑ جاتی ہے اور کئی اہل قلب محبوب کے اس گھر کو دیکھ کر ہی جان جان آفریں کے سپرد کر چکے ہیں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رہ ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

بعض عشاق تو گنبد خضرا پر نظر کرتے ہی مر گئے ہیں (الکلام الحسن ص۹۵)

حضرات اکابر علماء دیوبند گنبد خضریٰ کی عظمت و رفعت کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ جو لوگ گنبد خضراء کے بارے میں غلط باتیں کرتے ہیں ان کو بے ادب قرار دیتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مجھ کو تو ایسے نازک امور میں کلام کرنا ہی بے ادبی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ایک زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد شریف کے متعلق بھی ایک سوال اٹھا تھا جب ابن سعود نے مزارات کو ڈھانا

شروع کیا تو لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد شریف کے شہید کر دینے کا بھی عزم کر لیا ہے، اس کی کہیں خبر ابن سعود کو لگی تو اس نے بہت اہتمام کے ساتھ اس خبر کے بالکل غلط ہونے کا اعلان کر دیا، مگر پھر بھی اس وقت اس کا بہت چرچا ہوا، ہمارے ایک دوست نواب جمشید علی خان نے یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ حدیث میں قبر پر عمارت بنانے کی ممانعت تو معلوم ہے تو کیا اس حدیث کی رو سے گنبد شریف کا شہید کر دینا بھی واجب ہے؟ چونکہ واقعی بناء علی القبر کی حدیث میں ممانعت ہے، اس لئے اول تو میں متحیر ہوا کہ یا اللہ کیا جواب دوں کیونکہ اس کے سوچنے سے بھی ذہن ابا کرتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور کے گنبد شریف کو شہید کر دینے کے متعلق فتویٰ دیا جائے، یہ تو کسی صورت میں ذوقاً گوارہ ہی نہیں تھا، لیکن اس حدیث کے ہوتے ہوئے تحیر ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، فوراً سمجھ میں آیا کہ اس حدیث میں صرف بناء علی القبر (قبر پر عمارت) کی ممانعت ہے قبر فی البناء (عمارت میں قبر) کی ممانعت نہیں، اور حضور کی قبر شریف ابتداء ہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے اندر ہے جو قبر شریف سے پہلے ہی کا بنا ہوا ہے، قبر کے بعد تو اس پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی، لہٰذا اس حدیث کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد شریف سے کوئی تعلق نہیں، نہ وہ اس ممانعت میں داخل ہے چنانچہ میں نے نواب صاحب کو لکھا کہ میں آپ کے سوال کا جواب تو دیتا ہوں، لیکن میرا قلم کانپتا ہے، آئندہ اس کا تذکرہ ہی نہیں کرنا چاہئے (الافاضات حصہ ۱ ص ۱۸۲)

حضرت حکیم الامت رحمہ نے ایک مرتبہ اسی طرح ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

> اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور دل میں ایک فرق ڈال دیا، اس فرق کی بناء پر میں نے جواب لکھا کہ نصوص میں ممانعت بناء علی القبر کی ہے، قبر فی البناء کی ممانعت نہیں اور روضہ مبارک مفہوم ثانی کا مصداق ہے نہ کہ مفہوم اول کا، پھر حضرات صحابہ وتابعین نے اس کو (یعنی قبر فی البناء کو) بلا نکیر باقی ومحفوظ رکھا، لہٰذا اس کا انہدام واجب تو کیا جائز بھی نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ وہ بناء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی وجہ سے نہیں بنائی گئی بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بناء سابق میں دفن کیا گیا، پھر صحابہ وتابعین واتباع تابعین نے برابر اس کی حفاظت کی۔ (الافاضات حصہ ۵ ص ۲۳۰)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

سیدالقبور یعنی قبر سید اہل القبور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات (جہاں انتقال فرمائیں) ہی میں مامور ہے چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے، ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاص بالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران وسقف (دیواریں اور چھت) پر مشتمل تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران وسقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے، اور بناء علی القبر سے جو نہی آئی ہے وہ وہ ہے جہاں بناء للقبر ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ اب رہا اس کا بقاء یا ایفاء۔ سو چونکہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے اس بناء کے بقاء پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشن دان کھولا گیا تھا، جس سے اس بناء کے بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام بقاء کے عادۃً ممکن نہیں اس لئے اہتمام بقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہو گئی، اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی الابقاء ہے اس لئے اسکی مقصودیت بھی ثابت ہو گئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں۔

حضرت حکیم الامت رہ نے اسکے بعد ان مصالح کو بیان فرمایا، پھر فرماتے ہیں کہ:۔

"پس ثابت ہو گیا کہ "ایکم مثلی" کی طرح قبر ایکم مثل قبری کا بھی حکم بھی کیا جاوے گا"

(کمالات اشرفیہ ص۳۸۹، بوادر النوادر ص۳۵)

جو لوگ علماء دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے نہیں تھکتے کہ یہ لوگ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کرتے، آپ کے روضۂ مبارک اور گنبد خضریٰ کے بارے میں غلط خیال کرتے ہیں، مذکورہ بالا تصریحات کے بعد انھیں اپنے پروپیگنڈہ سے باز آجانا چاہئے۔ کیونکہ حضرات اکابر بالخصوص حضرت حکیم الامتؒ بڑی وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ روضۂ مبارک ہو یا گنبد خضریٰ، اس کا انہدام جائز ہی نہیں ہے، اور علمی طور پر جو اشکالات وارد ہوتے ہیں اس کا بھی جواب باصواب دے کر اس کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ اس اشکال میں کوئی وزن نہیں ہے، بلکہ حضرت حکیم الامت رہ کا قلب و ذہن تو اس بات کو بھی گوارہ نہیں کرتا کہ کوئی شخص انہدام کو سوچے بھی، اور آپؒ ایسے موضوعات کو بے ادبی کے دائرے میں رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی تصویر (نقشہ) کو اگر کوئی شخص غایت شوق و

محبت میں بوسہ دیدے تو آپ کے نزدیک ایسا شخص قابل عتاب نہ ہوگا، ہاں یہ بات اپنی جگہ برحق ہے کہ ایسا کرنا ثابت نہیں۔ لیکن غایت عشق و محبت میں کوئی شخص ایسا کرلے تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"بوسہ دادن و چشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست واگر غایت شوق سرزد ملامت و عتاب ہم بر جا نباشد" کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوھی

الجواب صحیح، اشرف علی۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۲۶۵) جس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں آپ کو شریعت مطہرہ کا خیال ہے وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی قدر و منزلت بھی آپ کے قلب میں ہے۔

روضۂ نبوی کی زیارت کیلئے سفر جائز ہے:-

پچھلے صفحات میں حضرات اکابرین علماء دیوبند کی تحریرات و اشارات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت اعلیٰ عبادات میں سے ہے اور اس کا مندوب (بلکہ قریب واجب) ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، جس سے حضرات اکابر نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ روضۂ انور کی زیارت کی غرض سے سفر کرنا بھی جائز ہوگا، حضرت علامہ ابن ہمامؒ کے فرمان کے مطابق خالص قبر شریف ہی کی زیارت کی نیت کرے (المہند علی المفند)

حضرت امام نوویؒ، "مناسک حج" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"جب حج سے فارغ ہوجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے مدینہ طیبہ کا سفر اختیار کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت مقدس کی زیارت اہم ترین قربات اور کامیاب و مشکور مساعی ہے (تاریخ مدینہ صفحہ ۲۶)

علماء دیوبند میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے۔

حج سے فراغت کے بعد جب مدینہ منورہ کا عزم ہو تو روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے سفر اختیار کرے (زبدة المناسک صفحہ ۱۳۶)

حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رح ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرات اکابر کے عقیدہ کی یوں ترجمانی فرماتے ہیں کہ:

"روضۂ مبارک کی زیارت اعلیٰ عبادات میں سے ہے اور اس کا قصد کرکے سفر کرنا نہ

صرف جائز بلکہ مستحب ہے، اس کے مشروع ہونے پر سب کا اجماع ہے، اس میں نزاع کی کوئی بات نہیں۔ (معارف السنن ص ۳۲۹ ج ۳)

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کیلئے سفر کرنا بالکل جائز ہے بلکہ مستحب اور برکات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک۔ لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد (الحدیث) سے اس کے ناجائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں ان کا استدلال علمی دنیا میں کوئی وزن نہیں رکھتا، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں کہ،

ایک مرتبہ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب نور اللہ مرقدہ اور ایک متشدد غیر مقلد سے مناظرہ ہوا وہ غیر مقلد مدینہ منورہ جانے سے منع کرتا تھا اور لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد استدلال میں لاتا تھا، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا، کیا زیارت ابوین (والدین) طلب علم وغیرہ کیلئے سفر جائز نہیں اس کا اس نے جواب نہیں دیا۔ پھر وہ کہنے لگا اگر جانا جائز بھی ہو تو کوئی فرض و واجب تو ہوگا نہیں کہ خواہ مخواہ جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا ہاں شرعاً تو فرض نہیں لیکن طریق عشق میں تو ہے، خیال کیجئے سلیمان علیہ السلام بیت المقدس بنائیں اور وہ قبلہ بن جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد بنائیں اور قبلہ قرار پائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنائیں تو کیا اتنی بھی نہ ہو کہ وہاں لوگ زیارت کو جایا کریں، چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبودیت کی تھی اور شہرت ناپسند تھی اس لئے آپ کی مسجد قبلہ نہیں ہوئی، اس شخص نے کہا کہ مسجد نبوی کیلئے تو جانا جائز ہے مگر روضہ شریف کے قصد سے نہ جانا چاہئے۔ حضرت رح نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں فضیلت آئی کہاں سے ہے؟ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے، تو مسجد کیلئے تو جانا جائز ہو اور صاحب مسجد جن کی وجہ سے اس میں فضیلت آئی ان کی زیارت کیلئے جانا ناجائز ہو، عجیب تماشا ہے، وہ لاجواب ہوئے (مجادلات معدلت ص۸۱)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کا اس مسئلے میں کیا موقف تھا اسے بھی آپ ملاحظہ فرمائیے۔

حدیث لا تشد الرحال زیارت قبر نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ممانعت کی دلیل قطعاً نہیں ہو سکتی کیونکہ دوسری حدیث خود اس کی وضاحت اور صراحت کر رہی ہے کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر

نہ کیا جاوے سوا تین مساجد کے، اس لئے کہ دوسری مساجد میں ثواب کی زیادتی کا وعدہ نہیں ہے اور بعض لوگ اسلئے بھی منع کرتے ہیں کہ وہاں اجتماع ہوگا اور حدیث لاتجعلوا قبری عیدا کو استدلال میں پیش کرتے ہیں، حالانکہ وہاں نہ تو کوئی تاریخ متعین ہوتی ہے اور نہ اجتماع میں تداعی واہتمام ہوتا ہے اور عید میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ خیرالقرون میں یہ سفر منقول نہیں. لیکن یہ دلیل بھی پادر ہوا ہے، سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں وہ روضۂ اقدس پر صرف سلام پہنچانے کیلئے قصداً قاصد کو بھیجتے تھے اور کسی سے نکیر منقول نہیں تو یہ ایک قسم کا اجتماع ہوگیا، اور جب دوسرے کا سلام پہنچانا جائز ہے تو اپنی طرف سے سلام پیش کرنے کی غرض سے سفر اختیار کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے (بوادر النوادر ص۷۱۳، نشر الطیب ص۲۳۶)

حضرت حکیم الامت رہ ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

جن حدیثوں سے بعض لوگوں نے اس کی ممانعت سمجھی ہے ان کو غلط فہمی ہوئی زیادہ تر ایسے لوگ اس حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں لاتشد الرحال (الحدیث) تقریر انکے استدلال کی یہ ہے کہ حضور ؐ نے سفر کی ممانعت فرمائی ہے مگر ان تین مسجدوں کی جانب، پس معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ اگر سفر کرکے جاوے تو مسجد کی نیت سے جاوے روضۂ اقدس کا قصد نہ کرے، کہ وہ ان ثلثہ کا غیر ہے۔ یہ تقریر ہے ان کے استدلال کی ۔۔ جواب یہ ہے کہ اصل یہ ہیکہ مستثنیٰ جنس مستثنیٰ منہ سے ہو یہاں مستثنیٰ مساجد ہیں پس مستثنیٰ منہ بھی مسجد ہی ہونا اصل ہے کہ وہی جنس قریب ہے پس تقدیر کلام کی یہ ہوگی لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثۃ مساجد یعنی کسی مسجد کی طرف سفر کرکے مت جاؤ مگر ان تین مسجدوں کی طرف۔ پس قبر شریف سے اس حدیث میں کوئی تعرض ہی نہیں اسکی زیارت کا تاکد بحالہ دوسری احادیث سے ثابت ہے ۔۔ بہرحال خاص زیارت قبر شریف کے قصد سے بھی سفر کرنا مندوب ہے (وعظ السرور ص۳۴)

مذکورہ بالا تحریرات کے ہوتے ہوئے بھی حضرت حکیم الامتؒ کو تقریر و تحریر میں سب وشتم طنز و تشنیع کرنے والے خود ہی سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ کیا ان کے دل میں خوف خدا نہیں؟ یاد رکھئے ایک دن ضرور آنے والا ہے جہاں ہر ملمع سازی کی ملمع سازی اتر جائے گی اور الزام و بہتان اور امت مسلمہ میں تفریق پیدا کرنے کا منہ زور جواب دینا ہوگا؟ ۔ فقط۔

دارالعلوم دیوبند پر ایک تاریخی نظر

مولوی اسحاق محمد سنبھلی القاسمی

دُنیا کی تاریخ کا ایک سرسری مطالعہ کرتے ہوئے جب ہم حکمراں قوموں کے کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں یہ بات قدر مشترک طور پر نمایاں نظر آتی ہے کہ انھوں نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنے ظلم کا نشانہ سب سے زیادہ اسی قوم کو بنایا ہے جو عہد گذشتہ میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کر چکی ہو تاکہ اس طرز عمل سے جہاں اس کی قائدانہ صلاحیتیں بری طرح کچل جائیں وہیں وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر کبھی قیادت و امامت کا تصور نہ کر سکے اور یہ حکمراں ٹولہ ہمیشہ ہمیش کیلئے انھیں اپنا غلام بنالے۔

انگریزوں نے ہندوستان میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اسی تاریخی نکتہ کو سمجھتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ان کا اقتدار جب ہی پائیدار و مستحکم ہو سکتا ہے کہ ماضی میں جو قوم منصب قیادت پر فائز رہی ہے اس کی قائدانہ صلاحیتوں کو بری طرح مجروح کر دیا جائے۔ ان کے اس تیر کا نشانہ صرف مسلمان تھے کیونکہ برادر وطن سے انگریزوں کو یہ خدشہ بالکل نہ تھا کہ ہزاروں سال سے مغلوب و محکوم قوم ان کی تاناشاہیت کیلئے کسی قسم کا کوئی خطرہ بنے گی، چنانچہ اپنے انھیں ناپاک مقاصد کی خاطر ۱۸۳۵ء میں جب انھوں نے جدید تعلیمی تحریک کی بنیاد ڈالی تو رعایا کو انگریزی سانچوں میں ڈھالنے، ان کے مذہب کو مٹانے اور انھیں مکمل طور پر برٹش گورنمنٹ کا مطیع و فرمانبردار بنانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لارڈ میکالے نے کہا۔

"ہمیں ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ جماعت ایسی ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر

مذاق رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریزی ہو۔ (تاریخ تعلیم از میجر باسو مشہ)

اس تعلیمی پالیسی کے تحت مسلمانوں کے فکر وشعور کو بگاڑنے کے لیے جب پورے ملک میں نئے نئے کالج کھولے گئے تو پادریوں نے تعلیم کی آڑ لے کر جدید طبقہ کی ایسی ذہن سازی کی کہ وہ مغربی دانشوروں کے قول پر تو بلا چون وچرا آمین کہنے لگا لیکن قرآن وحدیث اور امور غیبیہ کا انکار کرتے ہوئے ان پر دلائل کا مطالبہ کرنے لگا۔ اسے جہاں اسلام اور مغربیت میں تصادم نظر آیا وہاں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلامی تعلیمات کو ٹھکرا دیا، اور جہاں کسی مجبوری کے تحت یہ نہ کرسکا تو وہاں قرآن وسنت کی ایسی من گھڑت تاویلیں کیں جن سے متقدمین ومتاخرین علماء کا پورا گروہ اور اسلامی تصنیفات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر قطعاً ناآشنا تھا، کالجوں کے انھیں کارناموں کی عکاسی کرتے ہوئے اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

چنانچہ بہت تھوڑی مدت میں ان کالجوں نے جدید طبقہ کے ذہن ودماغ میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کرکے ایک ایسی نسل کی مستقل بنیاد ڈالدی جو مغربیت کی گرویدہ ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی ودینی حلقوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی، انگریزوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے ساتھ ساتھ ان کی کردارکشی کے لئے یہ ایک ایسا انوکھا طریقہ ایجاد کیا جو بظاہر تعلیم وترقی کے عنوان سے معنون تھا لیکن حقیقتاً مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے اور ان کے مذہبی تشخص کو گھائل کرنے کا ایک ایسا حربہ تھا جو اس دنیائے انسانی میں صرف گوروں کے ذہن کی پیداوار ہے۔

اس صورت حال سے نمٹنے اور زمانہ کے اس چیلنج کو قبول کرنے کیلئے ضروری تھا کہ دینی وعلمی حلقے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر مشترکہ جدوجہد کرتے، زمانہ کی نبض کو سمجھ کر جدید ہتھیاروں سے مسلح ہوتے اور مسلمانوں کی اس نسل کو روحانیت سے سرشار کرکے الحاد وارتداد کی پرخار وادیوں سے کھینچ لاتے جس کی رگوں میں علماء صلحاء اور اکابرین امت کا خون دوڑ رہا تھا، لیکن افسوس صد افسوس کہ انھوں نے نہ صرف جدید تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اختلافات ونفرت کی خلیج ان کے درمیان حائل رہی، اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر ایک دوسرے پر محروم باطن، عقل پرست اور اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کا الزام لگاتے رہے، ان کے ان حالات

دیکھتے ہوئے ڈریپر کا قول بے اختیار زبان پر آتا ہے کہ

"اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات کو چارلس مارشل کی تلوار نے نہیں روکا بلکہ ان کے باہمی دینی نزاع سے یورپ کو ان کے ہاتھوں سے نجات ملی"[1]

جب وہ قیادت ہی ذہنی انتشار کا شکار ہوجائے جس کو حدیث میں اذا صلح الجسد کلہ واذا فسد فسد الجسد کلہ سے تعبیر کیا گیا ہے تو عوام کالانعام کا کیا پوچھنا، وہ تو ان حالات میں کفر کی سرحد پر ہی نظر آئیں گے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک خط میں بڑی دل سوزی اور تعلق کے ساتھ انہیں حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"فروعی مسائل میں اس قدر لاد نعم رد د کدنے زور پکڑا ہے جس کا پایاں نہیں جنگ و جدل فیما بین شعار اسلام ہوگیا ہے، مسائل اصول ایمانی جس پر بنائے اصلاح و ایمان ہے مفقود۔ ایک زمانہ تھا کہ اہل اسلام کفار و اشرار سے مقابلہ کرتے تھے اور آمادہ ہدم بنائے کفار و مشرکین ہوتے تھے، اب یہ زمانہ ہے کہ باہم مسلمانوں میں خانہ جنگی ہے مسلمان اپنی ملت و مذہب اور بنائے اسلام کو گرا رہے ہیں اور باہم ایک دوسرے کو سب وشتم کرتے ہیں جو کچھ روشنی اس کی ہو مبدل بہ تاریک ہوجائے اندھیرے میں اندھیرا ہو، لوگ بزرگوں کا نام بدنام کرتے ہیں۔"[2]

یہ خط اس دردمند روشن ضمیر اور معتدل طبقہ کی ترجمانی کرتا ہے جو باد مخالف کے تیز جھونکوں اور دہریت کی آندھیوں میں دعوت و دین کا چراغ جلائے ہوئے تھا اور بڑی ہمت و مردانگی کے ساتھ حالات سے مقابلہ کر رہا تھا۔

یہی وہ خطرناک حالات تھے جب اکابر دیوبند نے محسوس کیا کہ اگر ہم یوں ہی بیٹھے رہے اور ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دہرادی گئی تو آئندہ دور ایمان بالغیب کے بجائے ایمان بالظاہر کا دور ہوگا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور قائد انسانیت سمجھنے کا نہیں بلکہ ان کی شان میں گستاخیوں زبان درازیوں کا دور ہوگا، اب یہاں آسمانی شریعت کی نہیں محسوسات و مادیت کی پرستش ہوگی اس بھیانک انجام کو سوچ کر ان کی روحیں بے چین قلوب مضطرب ہوگئے۔

---

[1] RELIGION AND SCIENCE WRITER DREPPAR [2] مجموعہ خطوط قلمی

مولانا علی میاں مدظلہ کے بقول علماء کا یہ گروہ بیک زبان ہو کر شیر کی طرح گرجا۔

اینقص الدین و انا حیی ہمارے جیتے جی دین میں کتر بیونت کی جائے گی۔

یہ فقرہ الہامی تھا جو تیرہ سو برس پہلے خلیفۂ رسول صدیق اکبر کی زبان سے نکلا تھا اس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا تھا، زمانہ کی کلائی موڑ دی تھی، اور اسی کی برکت سے حاملین شریعت کی اس مخلص جماعت نے شہر دیوبند میں اسلامی چھاؤنی کی بنیاد ڈال کر نہ صرف یہ کہ پادریوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا بلکہ بر وقت جرأتمندانہ قدم اٹھاکر مسیحیت کے دندناتے عفریت کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

حضرات اکابر کا منشاء صرف و نحو اور علوم عالیہ کی مجرد درسگاہ کا قیام نہ تھا اس کے لئے دنیا کے طول و عرض میں پھیلی متعدد یونیورسٹیاں اور ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس موجود تھے اس کا مقصد علوم نبوی کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اسلام کا عظیم قلعہ، مجاہدوں کی چھاؤنی اور علی میاں کے الفاظ میں ترکی سلطنت کے گل ہونے والے چراغ کا بدل بلکہ نعم البدل تھا، جو ایک طرف عیسائی عقائد کے جھاڑ جھنکار کو صاف کر کے صالح عقائد کی تخم ریزی کر دے، مسلمانوں کو دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرے اور ان کی حمیت ایمانی کو بھڑکا کر جہادی روح پھونک دے، وہیں دشمنان اسلام پر بادل کی طرح کڑکے اور اپنی ایمانی صلابت و موروثی شجاعت سے ان کے محلوں میں دراڑیں ڈال دے تو دوسری جانب ایک دوسرے سے متنفر مکتبۂ فکر کو ما انا علیہ و اصحابی کے پلیٹ فارم پر لاکر انما المؤمنون اخوۃ کے مضبوط رشتوں میں باندھ دے۔

انھیں مقاصد کے پیش نظر شاہ ولی اللہ کے نہج اور ان کے متعین کردہ خطوط پر ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو الہامی جامعہ کی بنیاد اس سرزمین میں ڈال دی گئی جس کے متعلق مجدد الف ثانی اور سید احمد شہید نے علوم نبوت کا گہوارہ بننے کی پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں[1] ولی اللّٰہی فراست، سید احمد شہید کے جذبۂ شہادت، امداد اللہ کی بصیرت اور قاسم نانوتوی و رشید احمد گنگوہی کے تفقہ و خلوص کے اس چشمہ کے ابلتے ہی برصغیر میں لاتعداد علمی نہریں بہ نکلیں اور جگہ جگہ اس انداز کے مدارس کا جال سا بچھ گیا جن میں پاکستان و بنگلہ دیش اور یورپ و افریقہ کے وہ بڑے بڑے مدارس بھی شامل ہیں جہاں سے ہر سال ہزاروں علوم نبوت کے پروانے اپنی علمی پیاس بجھا کر روحانی طور

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند ص۔ ج ا۔

سے سیراب ہوتے ہیں، یہ سب اسی بحر بیکراں ہی کا توفیض ہے جو برصغیر کو سیراب کرتا ہوا یورپ وافریقہ تک جا پہونچا ہے، ایک اندازے کے مطابق ایسے تمام مکاتب ومدارس کی تعداد ۸۹۳۲ تک پہونچتی ہے، انگریزی تعلیمی پالیسی کو فیل کرنے اور پادریوں کی امیدوں پر پانی پھیرنے میں ان مدارس کا جو مجاہدانہ کردار رہا ہے اس سے ہم سے زیادہ انگریزی تعلیم کے وہ ماہرین واقف ہیں جو نئی نسل کے ذہنوں میں شکوک وشبہات اور فکری بے راہ روی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے عیسائی بنانے کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے تھے، لیکن اس مادر علمی کے جیالے سپوتوں نے انگریزی تعلیم وتہذیب کی سطحیت کو اجاگر کرکے ہمیشہ کے لئے ان کے خوابوں کو بکھیر کر رکھدیا

دین حنیف کے اس مرکز کو جس زاویہ اور جس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ادارہ محض اسی عنوان کیلئے قائم کیا گیا تھا، ہر فن میں یہاں ایسے علماء موجود ہیں جو اپنے علمی تبحر زہد وتقوی اور ایمانی ولولوں میں قرون اولیٰ کے علماء کی یاد تازہ کرتے ہیں، علم تفسیر میں دیکھا جائے تو حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری مولانا احمد سعید دہلوی اور مفتی شفیع صاحب جیسے عظیم شہباز اس کی بلندیوں میں پرواز کرتے نظر آتے ہیں،

دنیائے حدیث پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو علامہ کشمیری، حضرت مدنی، مولانا فخرالدین مرادآبادی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری، مولانا یوسف بنوری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا اسحاق امرتسری وغیرہ جیسے علم کے پہاڑ حافظ ذہبی وحافظ ابن حجر سے آنکھیں ملاتے نظر آتے ہیں۔

فقہ کی دنیا کا اگر ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو مولانا یعقوب نانوتوی، ابوحنیفہ ہند مفتی کفایت اللہ، مولانا اعزاز علی، مولانا سہول بھاگلپوری، مولانا محمد شفیع دیوبندی، مفتی محمود حسن جیسے صاحب نظر فقہاء کی ایک جماعت نظر آتی ہے

جب کہ میدان مناظرہ میں حضرت نانوتوی کے علاوہ علامہ کشمیری، مولانا مرتضی حسن خاں چاندپوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالوفا شاہجہاں پوری اور مولانا منظور نعمانی جیسے تازہ دم شہسوار باطل کے تعاقب میں دوڑتے نظر آتے ہیں

علوم عقلیہ میں مولانا رسول خان، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا بشیر احمد خان جیسے اساطین
فلسفہ کی گتھیوں کو سلجھاتے نظر آتے ہیں۔

سیاست کے پردے پر دیکھا جائے تو حضرت شیخ الہند، حضرت شیخ الاسلام مولانا
لدھیانوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا عبید اللہ سندھی جیسے ماہرین سیاست
آتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ مردم سازی میں کارہائے نمایاں انجام دئے بلکہ اس کے فـ
نے تقریر کے ساتھ ساتھ پر مغز تصنیفات کے بھی انبار لگا دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اس
ایک فاضل حضرت تھانوی کی تصانیف کی تعداد ہی ایک ہزار تک پہونچتی ہے تو اس مرکز عـ
اسلامی کے تمام علماء کی تصنیفات کو کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے، اس لئے بحر زخار کا قلمی ا
کرتے ہوئے ہم مختصراً یہی کہہ سکتے ہیں کہ معارف نبوی اور علوم اسلامیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ
جس پر دیوبندی مکتب فکر نے سیر حاصل بحث کرکے نادر تحقیقات کے موتی نہ بکھیرے ہوں
میں بیان القرآن، ترجمہ شیخ الہند، اعجاز القرآن، مشکلات القرآن، قصص القرآن، الہام الر
الدر المکنون فی تفسیر الماعون، تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، معارف القرآن، معالم القرآن اور تف
ثنائی وغیرہ جیسی لاجواب تفسیریں اس کا زندہ ثبوت ہیں، تو

تو حدیث میں الکوکب الدری، الورد الشذی العرف الشذی علی جامع الترمذی، قلائد الا
شرح کتاب الآثار، فیض الباری، ایضاح البخاری، معارف السنن، انوار الباری، درس بخ
فتح الملہم، التعلیق الصبیح، لامع الدراری، فیض المنعم، ترجمان السنۃ اور معارف الحدیث جیـ
بے شمار کتابیں پر مغز شروحات ایک باذوق طالب حدیث کی علمی آسودگی کیلئے بالکل کافی ہیں

حدیث کی ان شروحات کے علاوہ دنیا بھر کے احناف کا تمام علماء حنفیہ پر یہ قرض تھا
جلیل القدر محدث بیہقی کے انداز پر حنفی مستدلات کو جمع کرکے نہ صرف یہ کہ وہ قرآن وسنـ
و فقہ حنفی میں مطابقت ثابت کریں بلکہ احادیث نبویہ سے اس کے تصادم کے کردہ پروپیگـ
کی حقیقت کو بھی طشت از بام کیا جائے، اسی قرض کو تمام علمائے حنفیہ کی جانب سے چکا
ہوئے دارالعلوم کے ایک مایۂ ناز فاضل حضرت تھانوی نے اپنی نگرانی میں، اعلاء السنن، جیـ

معرکۃ الآرا کتاب کی تدوین کراکے کم علم و کم ظرف لوگوں کے منہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیئے، اس کتاب کی قدر و منزلت اور اس کی علمی رفعت کا اندازہ صرف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مصر کے نامور عالم شیخ زاہد الکوثری نے مصنف کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور اس کی محققانہ شان پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ

"میں اس کتاب کی تحقیق و جامعیت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا"۔ (درس ترمذی ص۔۔ ج اول)

تفسیر و حدیث کی ان تصنیفات کے علاوہ فضلاء دارالعلوم نے فقہ، علم کلام اور عوامی بیداری کیلئے دعوتی نقطۂ نظر سے بھی ایسی ہزاروں کتابیں تصنیف کی ہیں جنھوں نے اپنے جامع دانہ اسلوب سے نہ صرف یہ کہ بیمار ذہنوں کو تروتازگی بخشی بلکہ دشمنان اسلام کی تمام دلیلوں کو گرد و غبار کی طرح اڑا دیا، ان کتابوں کے اسی مؤثر اسلوب اور پرمغز بحث سے متاثر ہو کر عالم اسلام کے مشہور شیخ فقیہ ابو غدہ حلبی نے ان کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

ان حضرات کی بعض کتابیں تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو متقدمین علماء اکابر مفسرین، محدثین اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص۔۔ ج۲)

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب بھی کسی جماعت نے نوع انسانی کو معرفت خداوندی اور صراط مستقیم کی دعوت دی ہے تو جہاں ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے قوموں نے "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر پیش کیا ہے وہیں کچھ خفاش اور قسمت کے ہیٹے "تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان" کا مصداق بھی بنے ہیں، انبیاء صالحین سے لے کر آج تک یہ عمل تواتر کے ساتھ جاری ہے اور نبوت و رسالت و دعوت و دین کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی صدائے حق جب عالم اسلام میں گونجی تو فرق باطلہ ایسے تلملا اٹھے گویا اس نے حق کی آواز بلند کرکے بھڑوں کے چھتہ کو چھیڑ دیا ہو، کوئی وہابیت کے الزام سے نوازتا ہے، تو کوئی گستاخ رسول کا لقب دے رہا ہے، کسی جگہ جنونی ملا کے فقرے چست کئے جاتے ہیں تو کہیں سے ملک دشمن کی آوازیں آرہی ہیں، لیکن وہ جماعت جو صحابہ کے ولولوں کے لیکر اٹھی تھی اس وقتی غوغا سے قطعاً نہ گھبرائی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے دعوت حق کا چراغ جلا کر مدینہ کے شیروں کی طرح پوری دنیا کی دشمنی مول لی ہے۔ ان مخالفتوں سے دنیا کے تمام داعیوں کا سابقہ پڑا ہے اور اس پر

مشقت جادہ میں جس جماعت کے قدم پڑے ہیں دجالوں نے انھیں لہولہان اور زخموں سے چور کئے بغیر منزل مقصود تک پہنچنے نہ دیا۔ اکابر کی نگاہیں پردۂ غیب میں چھپی ان آزمائشوں کو پہلے ہی سے دیکھ رہی تھیں کہ ان راہوں میں داعیوں کے قدم قدم پر حوصلہ شکنی اور ان کے کردار پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے، یہاں تحسین وحوصلہ افزائی انسانوں کی جانب سے نہیں صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے چنانچہ اکابر کے بلند حوصلوں اور دین حنیف کے اس چمن کو پھلتا پھولتا دیکھ کر عیسائیوں نے بروقت اس پر حملہ کرنا ضروری سمجھا اور اسلام پر اعتراضات کی بوچھار کرتے ہوئے علماء دیوبند کو مبارزہ کیلئے للکارا، حضرات اکابر نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے سنہ ۱۲۹۳ھ میں ایسا تاریخ ساز مناظرہ کیا کہ اپنی قوت استدلال اور ایمانی طاقت سے تارا چند کے دانت کھٹے کر دیئے، مزید برآں رد عیسائیت پر احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، حجۃ الاسلام، مذہب اور تلوار، گفتگوئے مذہبی، اسلام اور نصرانیت، بائبل سے قرآن تک، اسلام پر عیسائی حملے اور ان کا جواب اور عیسائی حضرات جواب دیں جیسی شہرۂ آفاق کتابوں کی تصنیف کرکے نہ صرف یہ کہ عیسائیوں کو دفاعی پوزیشن میں ڈالدیا بلکہ ایمانی جوش وخروش اور اپنے قلم کی چنگاریوں سے ان کے مذہب کی بنیادیں ہلادیں، انگریزوں نے جب اپنے مذہب کی یہ درگت بنتی دیکھی تو برادر وطن کے ایک طبقہ کو اکسا کر پنڈت دیانند کو علماء کے اس ٹولہ سے بھڑا دیا جس کے حملوں کی تاب نہ لاکر ان کو خود میدان سے ہٹنا پڑا تھا، پنڈت دیانند نے جب اپنے آقاؤں کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رڑکی میں آکر اسلام کے خلاف زہرافشانی شروع کردی اور علماء اسلام کی غیرت کو للکارنے لگا، لیکن جب یہاں کا ایک شیر ببر اس کے تعاقب میں رڑکی پہونچا تو وہ پنڈت جو کچھ دنوں قبل غیر معمولی جوش کا مظاہرہ کر رہا تھا ایسا خوفزدہ ہوا کہ اپنی بچی کھچی عزت کو لے کر راتوں رات رڑکی سے بھاگ نکلا۔

دین حنیف کے یہ سپاہی مسیحی قلعہ کو برباد کرنے اور ہندو پنڈتوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے بعد ستانے بھی نہ پائے تھے کہ قادیان سے ایک مکروہ آواز اٹھی، ارتداد کی ایک آندھی چلی، جو دین کی بعض ناپائیدار جھونپڑیوں کیلئے سخت خطرہ بن گئی، چنانچہ علماء کی وہی جماعت جس نے چند دن قبل ہی پادریوں اور پنڈتوں کے معرکہ کو سر کیا تھا پورے جوش وخروش کے ساتھ اٹھی اور انگریزوں کے اس بغلی بچے سے دو دو ہاتھ کرنے قادیان پہونچ گئی، نیز اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے علامہ کشمیری، حضرت

جالندھری، مولانا محمد علی لاہوری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مفتی شفیع اور حضرت کاندھلوی وغیرہ جیسے تازہ دم افراد کی ٹیم اس میدان میں اتار دی جس نے اپنی جولانیت و شعلہ بیانی سے نہ صرف یہ کہ قادیانیت کو کھوکھلا کردیا بلکہ آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت کیلئے صحیفۂ الحق، اول السبعین، تمام مرزائی جماعتوں کو چیلنج، مرزائیت کا خاتمہ، مرزائیت کا جنازہ، اکفار الملحدین ہدیۃ المہدیین اور کلمۃ اللہ وغیرہ جیسی عظیم کتابوں کی تصنیف کرکے مرزا کے ناپاک مذہب پر کذب و افترار کی مہر لگادی۔

خداوند قدوس کی یہ سنت رہی ہے کہ سرکف مجاہد ایک مہم سر کرنے کے بعد سنبھلنے بھی نہ پائیں کہ انکے کجادے دوسرے معرکوں کیلئے کس دیئے جائیں تاکہ ان کی جہادی و فولادی طاقت زندہ رہے اور پورے طمطراق کے ساتھ فتنوں کی سرکوبی کرتے رہے یہی صورت حال اس دینی چھاؤنی کے سپاہیوں کے ساتھ پیش آئی، ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا فتنہ سر ابھارتا رہا اور یہ اپنے ایمانی ولولوں سے اس پر تیشہ زنی کرتے رہے، چنانچہ عیسائیوں، قادیانیوں اور پنڈتوں سے لوہا لینے کے بعد اپنے ہتھیار سجاکر شیعہ اور بریلوی میدان میں آئے لیکن مادر علمی کے شیروں نے جہاں ان پر اپنی گرم تقریروں کی بجلیاں گرائیں وہیں رد شیعیت میں شکست عظیم بر اعدائے قرآن کریم، قاتلان حسین، دشمنان حسین، فیوض قاسمیہ، فتنۂ روافض و تفضیلیت، سوال از جمیع علماء شیعہ، ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت اور رد بریلویت میں الشہاب الثاقب، کفر و ایمان کی کسوٹی، خنجر ایمانی بر حلقوم رضاخانی، سیف یمانی بر مکائد فرقۂ رضاخانی، ابن الوقت کی خانہ تلاشی، حفظ الایمان جیسی معرکۃ الآرا کتابوں کی تصنیف کرکے روافض اور اہل بدعت کے منہ ہمیشہ کیلئے بند کردیئے اور جنگ کے اس محاذ پر خاموشی چھاگئی۔

اس انقلاب آفریں مرکز کی یہ عجیب شان رہی ہے کہ فتنہ، عیسائیت ہو یا مرزائیت رضاخانیت ہو یا منکرین حدیث، بہائی ہوں یا آریہ سماجی، برصغیر میں کوئی فتنہ جاگے فضلاء نے نہ صرف ان کا تعاقب کیا، ان سے سانطرے کئے، ان کی راہوں میں دیواریں کھڑی کردیں بلکہ دلائل کا ایسا قیمتی مواد ان کے قلم سے ایسی جاندار بحثیں نکلیں جو ماضی کی شاندار تاریخ اور مستقبل کی ایسی زریں امانت ہیں جن سے آئندہ بھی فتنوں کی سرکوبی کی جاتی رہے گی اور حالات کے مطابق انکی تشریح و توضیح کے علاوہ ہم کو شاید کسی مستقل تصنیف کی ضرورت نہ پڑے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مسجد جدید۔ دارالعلوم دیوبند

جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے

دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان ومعاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً ۴ سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک آراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔

الحمدللہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے اس مسجد سے طلبۂ دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کیلئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کیلئے جگہ ہو جائیگی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقۂ جاریہ ہوگا اور وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہونگے ــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے۔

تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اسوقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے

اس لئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہو سکے۔

پتہ

ڈرافٹ وچیک کے لئے } دارالعلوم دیوبند۔

اکاؤنٹ نمبر 30076 اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کیلئے } حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

جلد نمبر ۷۶ شمارہ نمبر ۸

ماہ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۹۱ء

فی شمارہ =/۵
سالانہ =/۵۰

نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ	=/۱۸۰	روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم	=/۱۰۰	"
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم	=/۷۵	"

فہرست
نگارش
نگارش نگار
۱۔ حرف آغاز — مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی — ۳
۲۔ سورۂ نوح کے رمز و اشارات — ۔ ۔ — ۷
۳۔ قرآن کریم اور تاریخ اقوام و ملل — ضیاء الدین القاسمی الندوی استاذ مدرسہ مفتاح العلوم — ۲۰
۴۔ دین و فقہ میں حجیت حدیث کے اثرات — جناب محمد بدیع الزماں صاحب پھلواری شریف پٹنہ — ۲۹
۵۔ علم نحو کا امام ابن ہشام — عبدالمالک ندوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ — ۳۲
۶۔ دارالعلوم دیوبند کی سیاسی سرگرمیاں — ڈاکٹر تارا چند — ۴۳
ختم خریداری کی اطلاع
ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہو گیا ہے اس لئے وی پی میں صرف زائد ہوگا
پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کمیل کاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
منیجر

۱۸۵۷ء کی تیز و تند سیاسی آندھی نے جب ہندوستان میں صدیوں سے روشن اسلامی سلطنت کے چراغ کو گل کردیا اور سرزمین ہند پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار قائم ہوگیا تو اس عہد کے اہل دل علماء نے اپنی بصیرت سے مستقبل کے اس عظیم الحادی فتنہ کو دیکھ لیا جو اس سیاسی اور مادی انحطاط کے پس پردہ برق رفتاری کے ساتھ ملت اسلامیہ کی جانب بڑھتا چلا آرہا تھا وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ اس سیلاب بلاخیز کے آگے بند نہیں باندھا گیا اور اسکے رخ کو پھیرنے کی کوشش نہیں کی گئی تو اسلامی عقائد و افکار اور دینی اخلاق و کردار اس طوفان کی موجوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائیں گے اور وہ مسلم معاشرہ جو صدیوں کی سعی پیہم اور انتھک کوششوں کے بعد وجود میں آیا ہے تشتت و انتشار کی نذر ہوجائے گا۔

ان حضرات نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا اس ایمان سوز فتنہ کا مقابلہ جو ایک زبردست اور مستحکم سلطنت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہا ہے طاقت و قوت سے زیر نہیں کیا جاسکتا اس لئے ان اللہ کے بندوں نے تحفظ دین اور بقائے ملت کی اس جنگ میں آہنی اور آتشیں اسلحہ کے بجائے علم و للّٰہیت کے ہتھیاروں سے کام لینے کا فیصلہ کیا چنانچہ اسباب و ذرائع سے یکسر محرومی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کے اعتماد اور بھروسا پر الحاد و زندقہ کے اس بادِ صرصر کے بالمقابل قصبہ دیوبند میں علم و عرفان کا ایک چراغ روشن کردیا، ہندوستان میں تحفظ دین کی اسی اولین کوشش کا مظہر جمیل " دار العلوم دیوبند" ہے جس کا آغاز انتہائی نامساعد حالات

میں محض اللہ کے اعتماد پر ہوا تھا، پھر اسی قندیل معلق اور چراغ توکل سے مسلسل چراغ روشن ہوتے گئے یہاں تک کہ علم و نور کا یہ سلسلہ پھیلتے پھیلتے پورے برصغیر پر چھا گیا اور اس کی ضیا پاش کرنوں نے مسیحی مشنری کی برپا کی ہوئی ظلمتوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور اسلامیان ہند کو ایک ایسے مہیب اور خطرناک فتنے سے بچا لیا جس سے اس کا تشخص و امتیاز ہی نہیں وجود خطرے میں پڑ گیا تھا۔

یہ واقعہ ہے کہ اگر ۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند ایک تحریک بن کر نمودار نہ ہوا ہوتا تو شاید برصغیر میں اسلام کی صورت یا تو مسخ و محرف ہو چکی ہوتی یا اس کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔

دارالعلوم کا یہی ایک کارنامہ نہیں ہے کہ اس نے برٹش امپائر میں برپا الحاد و اسلام کے معرکہ میں قیادت کا کردار ادا کیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی تہذیب و اقدار اور اسلام کی مقدس شخصیتوں کے خلاف برصغیر میں جتنی تحریکیں بھی وجود میں آئی ہیں خواہ وہ مسیحیت کے نام سے آئی ہوں یا شدھی و سنگھٹن کے عنوان سے، چاہے وہ قادیانیت و بہائیت کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آئی ہوں یا رافضیت، رضاخانیت اور مودودیت کے لباس میں اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کے درپے ہوئی ہوں، دارالعلوم دیوبند نے ایسی ہر باطل اور گمراہ تحریکوں کا آگے بڑھ کر مقابلہ کیا ہے اور اسلام کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر کے دین کے تحفظ کی اہم ترین خدمت انجام دی ہے،

ان دفاعی جدوجہد کے ساتھ دارالعلوم دیوبند نے اپنی ایک سو پچیس سالہ زندگی میں ہزاروں ایسے افراد پیدا کئے، جنھوں نے تعلیم دین، تزکیۂ اخلاق، تصنیف، افتاء، صحافت خطابت، تذکیر، تبلیغ، مناظرہ، حکمت، طب وغیرہ فنون علم میں بیش بہا خدمات انجام دیں، پھر ان خدمات کا دائرہ کسی خاص خطہ میں محدود نہیں ہے بلکہ برصغیر کے ہر ہر گوشہ اور دیگر بلاد بعیدہ کے ہر ہر حصہ میں پہنچ کر انھوں نے دین خالص کا پیغام پہنچایا، خلق خدا کو جہل کی تاریکی سے نکال کر نور علم کی دولت سے ممتاز کیا، اور تحفظ دین کی تحریک کو آگے بڑھایا اور دینی و علمی موضوعات پر لٹریچر کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ تیار کر دیا کہ بغداد و قرطبہ کی علمی سرگرمیوں کی یاد تازہ ہوگئی

چنانچہ مولانا محمد الحسنی لکھتے ہیں۔

"اس حقیقت سے کوئی ہوشمند اور منصف انسان انکار نہیں کر سکتا کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر دین خالص کی جس طرح حفاظت کی ہے اس کو بدعت، تحریف اور تاویل سے محفوظ رکھا ہے اس میں ہندوستان میں اسلامی زندگی کے قیام و بقا و استحکام میں بیش بہا مدد ملی ہے اور آج جو صحیح اسلامی عقائد، دینی علوم، اہل دین کی وقعت اور صحیح روحانیت اس ملک میں نظر آتی ہے اس میں بلاشبہ اس کا نمایاں اور بنیادی حصہ ہے" (پیامِ ندوہ)

دارالعلوم دیوبند کا یہ امتیاز بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عوامی چندہ سے تعلیمی نظام چلانے کا طریقہ اسی کا ایجاد کردہ ہے، دارالعلوم کے قیام سے پہلے برصغیر میں جتنے دینی ادارے تھے ان کا وجود و بقا حکومت یا امراء و رؤسا کی داد و دہش کا مرہون منت ہوتا تھا، ان مدارس کا عوام سے براہ راست کوئی ربط نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت کے ختم ہوتے ہی جون پور، لکھنؤ، دہلی وغیرہ کی علمی انجمنیں اجڑ گئیں، علماء و طلبہ نان شبینہ کے محتاج ہو کر کسب معاش کے لئے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، اس کے برخلاف دارالعلوم نے کبھی کسی حکومت یا ریاست کے در پر جبہ سائی کو پسند نہیں کیا بلکہ اس نے اپنا سرمایۂ حیات توکل علی اللہ اور خدا کے صالح بندوں کے مخیرانہ جذبات کو قرار دیا اور آج تک وہ اپنے اس امتیاز و کردار پر پامردی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہے اور ایک نہیں متعدد بار حکومت وقت کے عظیم عطیات کو شکریہ کے ساتھ رد کر چکا ہے۔

برصغیر کو غلامی کی لعنت سے نجات دلانے میں بھی دارالعلوم دیوبند کا بنیادی کردار رہا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ برادران وطن کے دلوں میں آزادئ کامل کا جذبہ پیدا کرنے والے اکابر دارالعلوم اور اس کے فضلاء ہی ہیں، اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے تلامذہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مولانا منصور انصاری، حضرت مولانا عزیر گل، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ کی جدوجہد اور مساعئ جمیلہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

وغیرہ دارالعلوم دیوبند ہی کے سپوت تھے جنھوں نے آزادی وطن کی خاطر لاٹھیاں کھائیں اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس وقت تک چین سے نہیں رہے جب تک کہ ملک کے چپے چپے کو غاصب انگریزوں کے پنجے سے چھڑا نہیں لیا۔

غرضیکہ دارالعلوم دیوبند نے کتاب وسنت کی اشاعت، اسلامی تہذیب وثقافت کے بقاء وتحفظ اور مذہبی وسیاسی فتنوں سے ملت اسلامیہ کو خبردار رکھنے میں جو ہمہ گیر وحیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے وہ مدارس اسلامیہ کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی انھیں مساعی جمیلہ کا یہ اثر ہے کہ آج برصغیر میں اسلام کا قدم دیگر بلاد اسلامیہ کے مقابلے میں زیادہ مستحکم ہے، مسجدیں آباد ہیں، اسلامی علوم وفنون کے چرچے ہیں اور دینی مدارس کا پورے ملک میں اس طرح جال پھیلا ہوا ہے کہ عالم اسلام کے علماء انھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ دارالعلوم اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ آج بھی کتاب وسنت اور تحفظ دین کی کوششوں میں مصروف ہے، اب یہ ملت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم وعرفان کے اس مرکز کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں پوری سیرچشمی فراخ دلی اور حوصلہ مندی کے ساتھ حصہ لے، تاکہ قوم وملت کی تعمیر وترقی میں ماضی کی طرح مصروف عمل رہے۔

قسط یازدہم — مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

سورہ بقرہ کے رہنما اشارات

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۚ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۚ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۚ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۚ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ

اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا، اور جس جانور پر نام
پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو جاوے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو
اس پر کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان (۱۷۳) بے شک جو لوگ چھپاتے
ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول اور نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں
مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لئے ہے عذاب
دردناک (۱۷۴) یہی ہیں جنھوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے سو کس
قدر صبر کرنے والے ہیں وہ دوزخ پر (۱۷۵) یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنھوں نے
اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بے شک ضد میں دور جا پڑے (۱۷۶) نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق
کی طرف یا مغرب کی طرف لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور فرشتوں پر اور سب
کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں
کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ،
اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں، اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی
کے وقت یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار (۱۷۷) اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری
کرنا مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر
جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہئے موافق دستور کے
اور ادا کرنا چاہئے اس کو خوبی کے ساتھ یہ آسانی ہوئی تمھارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو
زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک (۱۷۸) اور تمھارے واسطے قصاص
میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو تاکہ تم بچتے رہو۔ (۱۷۹) فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم
میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے
انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر (۱۸۰) پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے
کے جو سن چکا تو اس کا گناہ انھیں پر ہے جنھوں نے اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے
(۱۸۱) پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے

تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۱۸۲) اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ (۱۸۳) چند روز ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلا ہے ایک فقیر کا کھانا، پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو (۱۸۴) مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اسکے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہئے اور دنوں سے، اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو (۱۸۵) اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں (۱۸۶) حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے، سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے واسطے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے، پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں (۱۸۷)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ـــــــ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
(۱۷۳)

حرام جانوروں کا بیان:۔

ہدایت سے ناآشنا منکرین نے جن جانوروں کو حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ نہیں بلکہ حرام تو یہ چار

ہیں (۱) مردار (۲) بہتا ہوا خون (۳) سور کا گوشت اور اس کے تمام اجزا بھی (۴) وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور ہستی کے لئے نامزد ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے انتہائی بے تاب ہو جائے تو اس اضطراری اور مجبوری کی حالت میں ان حرام چیزوں کو بھی کھا سکتا ہے مگر لذت کے طلبگار اور حاجت سے زیادہ کھانے والے کو یہ رعایت نہیں ہے۔ اللہ اللہ اس رحمت اور نوازش کی بھی کوئی انتہا ہے کہ مجبوری کی حالت میں گناہ کی چیزوں سے بھی گناہ اٹھا دیا۔

فائدہ :۔ حضرات فقہاء نے "الضرورات تبیح المحذورات" کا اصول اسی سے اخذ کیا ہے۔

ما اہل للہ لغیر اللہ کی حقیقت اور حکم :-

کسی جانور کو قربان کرنے کی تین صورتیں ہیں (پہلی صورت) وہ جانور اللہ کیلئے نامزد ہو یعنی اسکے ذبح کرنے کا مقصد اللہ کا تقرب ہو اور بوقت ذبح اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو یہ ذبیحہ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ الخ کا عین مصداق ہے، جس کی حلت منصوص ہے، (دوسری صورت) جانور غیر اللہ کیلئے نامزد ہو اور ذبح کے وقت غیر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہے یہ صورت لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کا صریح مصداق ہے اور بغیر کسی اشتباہ اور اختلاف کے یہ مذبوحہ مردار اور حرام ہے (تیسری صورت) یہ بین بین کی حالت ہے، یعنی جانور نامزد ہو غیر اللہ کے لئے مگر اس کو ذبح کیا گیا ہو اللہ کا نام لے کر جیسے بہت سے ناواقف مسلمان، شہداء، اولیاء بزرگوں کے نام بکرے، مرغے ذبح کرتے ہیں، مگر ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں، یہ صورت بھی باتفاق فقہاء اسلام حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند ———— کے سرپرست اولین حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس مسئلہ پر بڑے محققانہ انداز میں بحث کی ہے جس کا خلاصہ تسہیل کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ حجۃ الاسلام لکھتے ہیں۔

علت و حرمت کی علت ذبح کے وقت صرف زبان سے اللہ یا غیر اللہ کا نام لینا نہیں ہے بلکہ حلت کی اصل علت خاص اللہ کی نیت ہے اور حرمت کی اصل علت غیر اللہ کی نیت ہے، حدیث میں ہے "انما الاعمال بالنیات"

عمل کی حقیقت یہی قلبی نیت ہے، کسی کام کے وقت اس کام کے مناسب اعضاء کی حرکت (حرکت خاص) تو صورت عمل ہے، اگر عمل ہے مگر نیت نہیں تو یہ جسم بے جان کی طرح ہے اور آیت "فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ" میں فقط زبان سے اللہ کا نام لینا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اصل اور حقیقی ذکر تو ذکر قلبی دل کی نیت ہے، زبانی ذکر کو ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ذکر قلبی دل کی نیت کا ترجمان ہے اگر کوئی شخص دل سے کسی کی یاد میں محو ہو مگر زبان خاموش ہے تو وہ یاد کرنے والا ہی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر زبان سے کسی کا نام لے اور دل میں کوئی دوسرا بسا ہو تو اس زبانی نام لینے سے حقیقت شناس لوگوں کے نزدیک وہ یاد کرنے والا شمار نہیں ہوتا۔

اسی طرح جس شخص نے کسی جانور کے متعلق نیت تو کی غیر اللہ کی اور اس جانور کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا تو اس زبانی نام لینے کا اعتبار نہ ہوگا، اس لئے کہ غیر اللہ کے تقرب کی نیت کے ساتھ ذبح کے وقت محض زبان سے اللہ کا نام لینا عمل بے روح ہے اور ؎

بر زباں تسبیح در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

کا نمونہ ہے ایسا جانور بظاہر فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کے قبیل سے معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کی قسم سے ہے اور صریح حرام، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حلت و حرمت میں زبانی ذکر (جو محض صورت فعل ہے) کا اعتبار ہو، اور نیت قلبی (جو حقیقت فعل ہے) کا لحاظ نہ ہو تو جس جانور میں نیت تو غیر اللہ کی ہو اور بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے اس کی صورت الگ ہو گی اور حقیقت الگ، اور جب صورت اور حقیقت میں باہم مخالفت اور تعارض ہوتا ہے تو ترجیح حقیقت کو ہوتی ہے،

لہٰذا ما اہل لغیر اللہ یعنی غیر اللہ کے لئے نامزد جانور میں حقیقت (نیت قلبی) کو ترجیح ہو گی، اور صورت (زبانی اللہ کا نام لینا) غیر معتبر ہو گی اور اس بیچ بیچ کی صورت میں بھی ذبیحہ لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ میں داخل ہو کر مردار اور حرام ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ــــــ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ
(۱۷۴) ــــــ (۱۷۶)

دنیوی غرض سے خدا کے احکام کا اخفاء سبب ہلاکت ہے :۔

گذشتہ آیات میں باب تہذیب اخلاق کے دو اہم ترین قانون حلت وحرمت کا بیان تھا اب ذیل کی آیتوں میں واقفین قانون کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی جارہی ہے کہ ان کا یہ دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ تعلیم وتذکیر کے ذریعہ اس کی اشاعت کریں تاکہ ناواقفین بھی ان سے واقف ہوجائیں، اس کے برخلاف جو علمائے سو، پیٹ کی خاطر، مال دنیا کے لالچ میں قانون الہی میں تحریف اور حق پوشی کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں جیسے زہر قاتل طلا مرغن کھانا کہ دیکھنے میں خوش رنگ، کھانے میں لذیذ مگر پیٹ میں پہنچا اور گرمی سے بدن پھنکا اور کھانے والا اپنے شکم کی گرمی سے جل مرا، یہ لوگ حشر کے عالم نفسانفسی میں لطف ورحمت اور عفوومغفرت کے محبت آمیز خطاب الہی سے محروم ہوں گے اور گناہوں سے پاک وصاف ہوکر لائق جنت نہ ہوں گے انھوں نے علم کتاب کو (جو ذریعہ ہدایت اور سرمایۂ نجات تھا) غارت کرکے گمراہی اختیار کی اور اسباب مغفرت کو ترک کرکے موجبات عذاب کو اپنالیا، انھیں گویا جہنم بہت مرغوب ہے اسی لئے تو جان بوجھ کر یہ جاں سوز حرکتیں کررہے ہیں، یہ انتہائی سنگین سزا اس بنا پر ہے کہ کتاب بھیجی تھی حق کی رہنمائی کے لئے مگر ان لوگوں نے اپنی غلط تاویلات اور تحریفات سے اس میں اس قدر اختلاف پیدا کردیا کہ وہ قابل فیصلہ ہی نہ رہی گویا اپنے طور پر اسے بیکار بنادیا

تنبیہ :۔ نزول آیت کے وقت علمائے سو کے مصداق علمائے یہود تھے اور ان کی مشق ستم بننے والی کتاب توراۃ تھی۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ——— وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ
——(۱۷۷)——

تہذیب اخلاق کے زریں اصول، مرد کامل کی جامع تصویر :۔

علمائے اہل کتاب کو آیات میں مندرج اپنی مذمت کا جب علم ہوا تو کہنے لگے ہم تو انسانی کمالات کے پیکر ہیں کیونکہ خدا کے مقرر کردہ اولین قبلہ کی سمت متوجہ ہوکر افضل عبادت یعنی نماز ادا کرتے

ہیں پھر ان برائیوں اور عذاب جہنم کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں انسانی کمالات کا جامع نقشہ پیش کر دیا گیا ہے، اور انتہائی بلیغ پیرایہ میں ان پر یہ حقیقت ظاہر کردی گئی ہے کہ جس شخص کی زندگی اس نقشہ کے مطابق نہیں ہے وہ اپنے دعوائے کاملیت میں جھوٹا ہے یہ نقشہ دس امور پر مشتمل ہے۔

(۱) اللہ پر ایمان (۲) آخرت پر ایمان (۳) فرشتوں پر ایمان (۴) کتب سماویہ پر ایمان (۵) تمام انبیاء پر ایمان (۶) انفاق فی سبیل اللہ (۷) نماز کا قائم رکھنا (۸) زکوۃ ادا کرنا (۹) ایفائے عہد (۱۰) فقر و فاقہ، بیماری، اور جہاد میں صبر و استقلال۔

عقائد و اعمال اور اخلاق کا یہ وہ مجموعہ ہے جس کے ذریعہ انسانیت پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے اور انسان صحیح معنی میں انسان بنتا ہے درحقیقت اسلام اس انقلاب آفریں نصاب کے ذریعہ افراد امت کی تہذیب و تربیت کر کے ایک ایسا صالح معاشرہ تیار کرنا چاہتا ہے جس سے اعلاء کلمۃ اللہ کا انتہائی اہم و نازک کام لیا جا سکے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ... (۱۷۸)	... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۷۹)

تہذیب اخلاق کا دوسرا شعبہ سیاست مدنیہ :-

صالح معاشرہ کو ظہور میں لانے کے لئے ظلم و فساد کی بیخ کنی اور عدل و انصاف کا قیام ایک لازمی شرط ہے تاکہ مملکت کے نظام میں استواری اور امن و امان کا ماحول پیدا ہو، کیونکہ ظلم و فساد قتل و غارت گری رشوت خوری اور اقتصادی بدحالی کی وجہ سے جو مملکت داخلی انتشار کی شکار ہو اس میں صالح معاشرہ کا وجود غیر ممکن ہے اس لئے مطلوب ہدف تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ سیاست مدنیہ کے قوانین کا ملک میں پورے طور پر نفاذ ہو، اس شعبہ سے متعلق زیر بحث سورۃ میں چار قوانین بیان کئے گئے ہیں (۱) قصاص (۲) تقسیم دولت (۳) صوم (۴) تحریم رشوت،

(۱) قانون قصاص :-

زیر نظر ان دو آیتوں میں نظام فوجداری سے متعلق ایک بنیادی اصول، قانون مساوات کی

تعلیم دی گئی ہے، یہ قانون درج ذیل دفعات پر مشتمل ہے۔

دفعہ ۱: آزاد کو آزاد کے بدلے، غلام کو غلام کے عوض اور عورت کو عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جائے۔

دفعہ ۲: قتل کے جس معاملہ میں مدعی کی جانب سے کچھ بھی معافی ہو جائے تو اب قصاص کے بجائے خون بہا عائد ہوگا۔

دفعہ ۳: خون بہا کے مطالبہ میں مدعی تشدد کے بجائے نرمی وسہولت کا رویہ اختیار کرے

دفعہ ۴: مدعا علیہ کی پابندی ہے کہ وہ خون بہا کی واجب الادا رقم کی ادائیگی میں حسن ادا کا ثبوت دے،

دفعہ ۵: معاملہ کے تصفیہ کے بعد فریقین میں سے جو بھی کسی پر ظلم وزیادتی کرے گا مجرم قرار پائے گا۔

بیان قانون کے بعد قانون عفو کی رحمت آمیز حکمت کا تذکرہ ہے کہ قصاص کے لازمی قرار دینے کے بجائے عفو یا خون بہا کے حکم میں یہ مصلحت ہے کہ اس کی وجہ سے بعوض مال قاتل کی گلوخلاصی ہو جاتی ہے اور مدعی کو ثواب اور مصلحت اندیشی اختیار کرنے کا موقع مل جاتا ہے آخر میں "فی القصاص حیاۃ" کے انتہائی بلیغ ومعجزانہ جملہ سے (جس کی بلاغت وجامعیت پر آج تک زبان عربی کے نکتہ شناس سر دھنتے ہیں) قانون قصاص کے فلسفہ پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ قانون میں اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارہ کی گئی ہے لیکن درحقیقت یہ ہلاکت نہیں بلکہ سراسر حیات وزندگی ہے، کیونکہ اس قانون کے نفاذ سے قتل کا انسداد، مقتول کے ورثہ کی یک گونہ تشفی، باہمی کشت وخون کی بندش، آئندہ کی عداوت کا خاتمہ وغیرہ بہت سارے شخصی واجتماعی حیات آفریں فوائد حاصل ہوتے ہیں

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ــــــ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
(۱۸۲) ــــــ (۱۸۰)

(۲) قانون تقسیم دولت

یہ دونوں آیتیں سیاست مدنیہ کے شعبۂ نظام دیوانی سے متعلق ہیں جس میں قانون تقسیم کی تین دفعات بیان کی گئی ہیں۔

کی یک گونہ تلافی ہوگئی،

پھر تو پوری جمعیت خاطر اور بشاشت قلب کے ساتھ ادا کرو کہ اس نے ایسی بابرکت اور جامع عبادت کی توفیق ارزانی فرمائی جو ثواب آخرت، قرب وحضور کے ساتھ تہذیب نفس کے لئے بھی نسخہ کیمیا اثر کا حکم رکھتی ہے

ترغیب دُعار:-

۱۸۶:- واذا سألک عبادی الخ رمضان المبارک قبولیت دعا کا مہینہ ہے۔ رمضان کے احکام کے درمیان اس آیت کو لاکر اسی بات کی جانب اشارہ ہے کہ اس مہینہ میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ نیز روزہ بھی قرب الٰہی اور اخبات نفس کا ذریعہ ہے اور دعار کے اندر بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے، اس لئے اتمام فائدہ کے پیش نظر احکام رمضان کے درمیان اس آیت پاک کو لاکر دعا کا یہ گرانقدر انعام عطا کیا گیا ہے۔ دعار سے پہلے تکبیر و ثنا کے ذکر سے آداب دعا کی جانب بھی اشارہ ہوگیا۔ واذا سألک عبادی الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرب و وصول طلب پر موقوف ہے، بغیر طلب کے عادۃً یہ دولت نہیں ملتی ؎

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

سحر و افطار کے احکام:-

صحیح بخاری وغیرہ میں بروایت ابن عازبؓ مذکور ہے کہ فرضیت صوم کے آغاز میں افطار کے بعد کھانے پینے اور بیوی سے ہمبستری کی اسی وقت تک اجازت تھی جب تک سو نہ جائے، سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں، بعض صحابہ کو اس میں مشکلات پیش آئیں، بعض صحابہ سونے کے بعد بیوی کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہوگئے، تو یہ آیت نازل ہوئی جس کی رو سے پوری رات کھانے پینے وغیرہ کی اجازت ہوگئی اور روزہ کے وقت کو پورے طور پر منضبط کر دیا گیا کہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا وقت

روزہ کا ہے اس کے سوا تمام رات افطار کا،

اور ھُنّ لباس لکم الخ کے جملہ سے انتہائی نفاست اعجاز کے ساتھ اس حکم کی علت کی جانب اشارہ بھی کردیا کہ زوجین کا باہمی ارتباط واحتیاج نیز ہرایک کا دوسرے کے ذریعہ تحفظ جیسی مجبوریاں اور مصلحتیں اس رعایت وسہولت کی داعی ہیں اب رمضان کی راتوں کو بیویوں سے ہم بستری کرسکتے ہو ساتھ ہی اس لذت نفسانی کو عبادت ربانی بنا دینے کی غرض سے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اس اختلاط ومباشرت کا مقصد لذت کوشی نہیں بلکہ طلب اولاد ہونا چاہیئے کیونکہ قوم میں تعداد کی کثرت خاندان معاشرے اور ملت کی سربلندی کا باعث ہے۔ نیز صالح اولاد بخشش والدین کا ذریعہ ہے، یہ اسلام ہی کے نظام تربیت کا اعجاز ہے کہ ایک خالص جنسی وطبعی عمل کو اجر وثواب کا وسیلہ بنادیا۔

قرآن کریم اور تاریخ اقوام و ملل

از
ضیاء الدین القاسمی الندوی - استاذ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مئو۔

قرآن کریم، وہ واحد کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اور جس کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا ہے، کسی بھی قوم وملت نے اپنی مذہبی کتاب کو اتنا بلند مقام نہیں دیا جو مقام و مرتبہ قرآن پاک کو مسلمانوں نے دیا، اس لئے کہ قرآن مجید صرف ایک متبرک آسمانی صحیفہ ہی نہیں بلکہ یہ مسلمانان عالم کے لئے دستورحیات اور اصول زندگی و قانون خداوندی ہے، جس کے بغیر مسلمان قوم اطاعت و عبادت کا اپنا فطری فریضہ ادا کرسکتی ہے اور نہ ہی عروج و ارتقاء قیادت وسیادت کا وہ اعلیٰ مقام حاصل کرسکتی ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ کے ذریعہ کیا ہے، کیونکہ یہ علوشان مشروط ہے کمالِ ایمان کے ساتھ اور ایمان میں کمال وجمال کا بنیادی ذریعہ قرآن کریم ہے (وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا) لہٰذا مسلمانوں نے قرآن پاک کی خدمت کا جو حق ادا کیا اس کی مثال سے اقوام عالم کی تاریخ یکسر خالی ہے۔

مسلمانوں نے کلام الٰہی کے تراجم وتفاسیر توضیح معانی و تشریح احکام اور مسائل کے استنباط ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآن مجید کا معجزانہ کلام ان کے لئے ایک ایسا سرچشمہ بن گیا جس سے مسلمانوں نے علوم ومعارف کے دریا بہائے اور سیکڑوں جدید علوم وفنون وجود میں آگئے اور لاتعداد نئی نئی اصطلاحیں اور عناوین لکھنے والے کو دعوت فکر وعمل دینے لگے قرآن مبین کی نورانی آیات نے انسانی دل و دماغ سے جہالت وجمود کی تاریکی کو دور کرنا شروع کیا اور مدبران امت ومفکران قوم وملت کے ذہن سے تعطل وجمود کی گرہیں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور علوم ومعارف کے نئے نئے سوتے پھوٹنے لگے اس طرح جہالت کی بنجر زمین گلستان علم وادب میں تبدیل ہونے لگی۔

قرآن کریم کی بدولت جو علمی و فنی انقلاب رونما ہوا اور تالیف و تصنیف کا جو زریں دور شروع ہوا یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی کیونکہ اس انقلاب کی پیشین گوئی تو اسی دن کر دی گئی تھی جب رسول عربی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جبل نور کے غار حرا میں سب سے پہلی آیت نازل ہوئی جس میں انسان کی تخلیق اور قرأت و علم اور قلم کا تذکرہ کر دیا گیا تھا کہ ان چاروں کا باہمی ربط اسلامی تعلیمات کا اہم ترین عنصر ہے، گویا اسلام کی روح ہے وہ یوں کہ سب سے پہلے انسان اپنے رب کو پہچانے، اپنی تخلیق کے اغراض و مقاصد پر غور و فکر کرے، اور اپنے اندر عبدیت کی وہ شان پیدا کرے جس نے اس کو مسجود ملائک بنایا ہے، اسکے بعد علم و قلم اور قرارت کے ذریعہ خدا کے پیغام و احکام کو عام کرے، کیونکہ امت اسلامیہ کی یہی امتیازی خصوصیت ہے، اب ذرا ان آیات کو دیکھئے کتنا لطیف ربط ہے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵)

پڑھئے (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو خون بستہ سے، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی اور انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

اور امت اسلامیہ کی امتیازی شان کو اس آیت میں پیش کیا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(سورۃ آل عمران)

تم بہترین امت ہو جو دوسروں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم لوگ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اسلام کی تعلیمات کا نچوڑ ہے شان عبدیت اور دعوت و تبلیغ۔ اور اسکے وسائل میں سے لکھنا پڑھنا، علم و قلم سب سے موثر ذریعہ و طریقہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ علم و فن کی قدر کرنے والی کوئی دوسری قوم نہیں پیدا ہوئی، اور قرآن پاک سے زیادہ کسی دوسری مذہبی کتاب نے

علوم وفنون، مسائل ومعارف کیلئے راہیں ہموار نہیں کیں۔

قرآن کریم کی بدولت جو خاص علوم وجود میں آئے ان میں سے نحو وصرف، علم البلاغۃ، فن قرأت وتجوید، فن کتابت، فن تفسیر وغیرہ ان کے علاوہ وہ علوم جو صرف قرآن سے تعلق رکھتے ہیں اس ضمن میں مورخ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

علماء اسلام نے قرآن مجید کے متعلق جو خدمات انجام دی ہیں اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے ہر پہلو کے متعلق اتنے علوم مدون کئے اور اس قدر کتابیں تصنیف کی ہیں کہ ان کا حصر بھی مشکل ہے، کشف الظنون اور فہرست ابن ندیم میں سیکڑوں علوم وتصنیفات متعلقہ قرآن کا ذکر ہے جو آج کل بالکل ناپید ہیں، تاہم تلاش وجستجو سے جن علوم وتصنیفات کا پتہ ملتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) رسوم القرآن (۲) تجوید القرآن (۳) اعراب القرآن (۴) مصادر القرآن
(۵) افراد القرآن وجمعہ (۶) مفردات القرآن (۷) غرائب القرآن (۸) معانی القرآن
(۹) اعجاز القرآن (۱۰) مجاز القرآن (۱۱) تشبیہ القرآن (۱۲) امثال القرآن
(۱۳) اسئلۃ القرآن (۱۴) بدائع القرآن (۱۵) اسباب النزول (۱۶) جہات القرآن
(۱۷) متشابہ القرآن (۱۸) اقسام القرآن (۱۹) مناسبۃ الآیات والسور (۲۰) مطالع القرآن
ومقاطعہ وفواتح السور (۲۱) اعلام القرآن (۲۲) ناسخ القرآن ومنسوخہ (۲۳) مشکلات القرآن
(۲۴) حج القرآن (۲۵) احکام القرآن (۲۶) جوہر القرآن (۲۷) نجوم القرآن

(مقالات سلیمان جلد سوم ص ۳)

قرآن کریم اور علم التاریخ

قرآنی علوم وفنون سے متعلق اس اجمالی تعارف کے بعد اب ہم تاریخ اقوام وملل کے موضوع کی طرف آتے ہیں، قرآن کریم کی سور وآیات کا ایک بڑا حصہ گذشتہ قوموں اور انبیاء سابقین کے حالات سے متعلق ہے، انبیاء ومرسلین کی دعوت وتبلیغ اور ان کی قوموں کی سرکشی و بغاوت، مشرکانہ زندگی، ان قوموں کی طاقت وقوت، ذہنی وفکری ارتقاء، صلاحیت واستعداد

اوران کی باغیانہ زندگی اورمعاندانہ روش کی بدولت ان کی ہلاکت وبربادی، خدائی قہراورآسمانی عذاب کی داستان کو قرآن پاک نے بڑے عبرت خیزاورمؤثرانداز میں پیش کیا ہے اورہلاک شدہ قوموں اورامتوں کے آثارقدیمہ کو دیکھنے اوراس سے درس عبرت کی تلقین باربارمختلف انداز میں کی ہے اورایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے ترغیب کا پہلو اجاگر ہوتا ہے، ارشاد باری ہے۔

الم ترکیف فعل ربك باصحب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل وارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارة من سجیل فجعلھم کعصف ماکول۔	کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ کیا معاملہ کیا آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ، کیا ان کی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کر دیا اوران پر چڑیوں کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے بھوسہ کی طرح بنا دیا۔
(سورة الفیل)	
الم ترکیف فعل ربك بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد و ثمود الذین جابوا الصخر بالواد، و فرعون ذی الاوتاد الذین طغوا فی البلاد، فاکثروا فیھا الفساد فصب علیھم ربك سوط عذاب ان ربك لبالمرصاد۔	کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قدوقامت ستون دھمود جیسے دراز تھے جس کی طرح طاقت وقوت میں شہروں میں کوئی نہیں پیدا کیا گیا، اورقوم ثمود کے ساتھ (کیا ہوا) جو وادی القریٰ میں پتھر تراشا کرتے تھے اورمیخوں والے فرعون کے ساتھ (کیا ہوا) جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی اوران میں بہت فساد مچایا تھا سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا بیشک آپ کا رب (نافرمانوں کی) گھات میں ہے
(سورة الفجر)	
آیت ۶ تا ۱۴	

الم تر (کیا نہیں دیکھا آپ نے؟) ہمزۂ استفہام برائے تعجب ہے، مفسرین نے الم تر کی تفسیر الم تعلم سے کی ہے، یعنی اے رسولؐ قوم عاد قوم ثمود، اصحاب فیل اور فرعون کے حالات اگر آپ کو معلوم نہیں تو معلوم ہونا چاہئے، اس انداز خطاب پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر قرآن

کریم گذشتہ قوموں کی تاریخ جاننے کی ترغیب کیوں دے رہا ہے؟ اس کی کیا مصلحت و حکمت ہے؟

قرآن کریم منبع رشد و ہدایت اور سرچشمہ فلاح و نجاح ہے، وہ امثال و حکم اور واقعات و قصص، احکام و معارف کے ذریعہ بنی نوع انسان کو ضلالت و جہالت، شرک و کفر اور سرکشی و بغاوت، کبر و غرور کی تاریکی سے نکال کر اطاعت و بندگی، رشد و ہدایت، فلاح و نجاح، ایمان و توحید کی روشنی میں پہونچائے اور شرافت و کرامت کی بلندیوں پر پہونچائے اور انسان کے سامنے گذشتہ قوموں کی بداعمالیوں اور گستاخانہ حرکتوں کا ریکارڈ پیش کرکے خدا کی قدرت کاملہ اور اس کی آمریت و حاکمیت پر ایمان و یقین کو مستحکم بنایا جانے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن قرآن پاک نے اقوام بائدہ (وہ قومیں جو خداوندی عذاب کا شکار ہوئیں) کے ادوار و عہود، علاقے و مساکن، ان کے تمدن و تہذیب، فطری خصوصیات وغیرہ کو بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں قدرے تفصیلی انداز اختیار کیا ہے لیکن اس کے باوجود ایک قسم کی تشنگی باقی رکھی ہے تاکہ قرآن میں تدبر کرنے والے اپنی زندگی کو سنوارنے کا جذبہ رکھنے والے، ان قوموں کے حالات زندگی کی تحقیق کریں اور پھر ان کے انجام پر غور و فکر کرکے عبرت و نصیحت کی راہ اختیار کریں کہ اگر مسلمانوں نے بھی ان قوموں کی سی زندگی اپنائی تو پھر ان کا بھی وہی انجام ہوگا۔

تمرد و سرکشی کے اسباب

ایمان و توحید اور عبادت و عبدیت کی راہ سے بھٹکنے کے متعدد اسباب ہوتے ہیں (۱) حکومت و اقتدار کا نشہ (۲) جسمانی قوت و طاقت (۳) فکری و ذہنی صلاحیت و استعداد میں ممتاز ہونا (۴) کسی چیز میں احساس برتری کا شکار ہونا (۵) عقل و فراست میں اپنے کو فائق سمجھنا، اور جہاں تک کبر و غرور نخوت و انانیت کا معاملہ ہے تو انھیں عوامل و اسباب کے سبب پیدا ہونے والی صفات ہیں اور یہی صفات انسان کی ہلاکت و بربادی کا آخری سبب بن جاتی ہیں۔

عاد:

قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الجثہ زبردست ڈیل ڈول والا اور طاقتور بنایا تھا اور یہی طاقت و قوت ان کے غرور و تکبر اور اپنے نبی کی اطاعت سے سرکشی کا سبب بن گئی، اور انجام کار ہولناک عذاب کا شکار ہونا پڑا، خداوند عالم نے اس کشی

قوم کی طرف حضرت ہودؑ کو پیغام توحید دے کر بھیجا تھا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ. (سورۃ الاعراف)	اور اسی طرح ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں کیا تم (انکار اور بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے

قوم عاد بت پرست تھی اور قوم نوح کی طرح صنم پرستی و بت تراشی میں مہارت رکھتی تھی مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی ؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر البدایہ والنہایہ جلد اول کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے بتوں میں سے ایک کا نام صمود اور ایک کا نام ہتار تھا، مزید لکھتے ہیں کہ عاد اپنی مملکت کی سطوت و جبروت جسمانی قوت وصولت کے غرور میں ایسا چمکے کہ انھوں نے خدائے واحد کو بالکل بھلا دیا۔

(قصص القرآن جلد اول ص ۱۰۵)

قوم عاد نے اپنی طاقت و قوت اور جسمانی ڈیل ڈول کے غرور و تکبر میں حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات کا مذاق اڑایا، ان سے بحث و مباحثہ کیا، ان کو احمق، جھوٹا، ناعاقبت اندیش تک کہا اور اپنی طاقت پر ناز کرتے ہوئے کہا جس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (سورۃ حم سجدہ)	بہرحال عاد نے تو تکبر کیا زمین میں ناحق اور کہا کون زیادہ قوت والا ہے ہم سے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا وہ زیادہ قوت والا ہے ان سے۔

ثمود:- قوم ثمود کو اللہ تعالیٰ نے ذہنی ارتقاء اور سنگ تراشی و فن تعمیر کی اعلیٰ ترین صلاحیت سے نوازا تھا، سرسبز و شاداب وادی القریٰ میں رہتی تھی اور بت پرستی میں مبتلا تھی وثمود الذین جابوا الصخر بالواد (سورۃ الفجر) وکانوا ینحتون من الجبال بیوتا امنین (سورۃ الحجر)

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ	کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں

وَعُيُوْنٍ وَزُرُوْعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (سورۃ الشعراء آیت ۱۴۹)

بے خوف باغوں اور چشموں میں اور کھیتیوں میں
اور کھجوروں میں جن کا خوشہ نرم ہے اور تم تراشتے
ہو پہاڑوں سے پرتکلف مکانات۔

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو جن آسائشوں سے نوازا تھا جن صلاحیتوں سے سرفراز کیا تھا یہ آیتیں ان کی وضاحت کرتی ہیں اور قوم ثمود کی گمراہی وضلالت کا ان کا یہی فکری واقتصادی عروج تھا یہاں تک کہ اس ناعاقبت اندیش سرکش قوم نے حضرت صالحؑ کی تکذیب کی اور ان سے عجیب وغریب معجزے کا مطالبہ کیا کہ چٹان سے اونٹنی پیدا ہو اور جب ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا گیا تو اس قوم کے ایک ظالم شخص نے باوجود منع کرنے کے اس کو ہلاک کر دیا۔

يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيْبٌ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ
ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ
(سورۃ ھود)

اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لئے نشانی
ہے پس اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین چرتی رہے
اس کو کسی طرح کی اذیت مت پہونچانا ورنہ فوری
عذاب تم کو آپکڑے گا لیکن لوگوں نے اسکو ہلاک
کر دیا، تب صالحؑ نے کہا تم کو تین دن کی مہلت ہے
اپنے گھروں میں مزے لے لو یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد وقوم ثمود کو بادصرصر اور ہولناک کڑاک وزلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ
عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ
حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ
اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ
(سورۃ الحاقہ)

اور بہرحال عاد تو ہلاک ہوئے ٹھنڈی سناٹے
کی ہوا سے کہ نکلی جائے ہاتھوں سے، مقرر کر دیا
اس کو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار،
پھر آپ دیکھیں قوم کو اوندھا پچھاڑا ہوا گویا وہ
اکھڑی کھجور کی جڑیں ہیں، تو کیا آپ ان میں سے
کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہیں۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (سورۃ ھود)

اور پکڑ لیا ظالموں کو کڑک نے تو انھوں نے
صبح کی اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہو کر۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. (سورہ فصلت)

اور ثمود سو ہم نے ان کو ہدایت دی مگر اس نے پسند کیا ہدایت کے بدلے اندھا رہنا پھر پکڑ لیا ان کو ذلت کے عذاب کڑک نے بسبب اسکے جو وہ کماتے تھے اور بچایا ہم نے ایمان والوں اور ڈرنے والوں کو۔

فرعون:- فرعون کو اللہ تعالیٰ نے حکومت و اقتدار اور صولت و سطوت سے سرفراز کیا تھا، یہی اقتدار اس کو گمراہی و ضلالت کے راستہ پر لیگیا اور کبر و نخوت میں مبتلا کیا جو آخر اس کی ہلاکت و بربادی کا سبب بن گیا، فرعون کا واقعہ قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى فَكَذَّبَ وَعَصٰى ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى فَحَشَرَ فَنَادٰى فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى. (سورۃ النّٰزعٰت)

کیا پہونچی ہے تجھکو بات موسیٰ کی جب پکارا اس کو اسکے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے، جا فرعون کے پاس اس نے سر اٹھایا پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو پھر دکھلائی اس کو وہ بڑی نشانی پھر جھٹلایا اس نے اور نہ جانا پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا پھر سب کو جمع کیا پھر پکارا تو کہا میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر پھر پکڑا اس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا کی (ترجمہ شیخ الہند)

قوم عاد و ثمود اور فرعون کے واقعات و حکایات کی طرح اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، قوم ابراہیم قصہ ہابیل و قابیل، اصحاب مدین، اصحاب اخدود اور بنی اسرائیل کے تاریخی واقعات کو اپنے خاص اسلوب و انداز میں بیان کیا ہے، واقعات و قصص اور حکایات و اساطیر کے پہلو بہ پہلو

ہدایات واحکامات بھی نظر آتے ہیں منکرین ومتمردین کی ہلاکت مومنین ومخلصین کی نجات ومغفرت کا واضح بیان ہوتا رہتا ہے

تاریخی واقعات کی ضرورت

کسی بھکے ہوئے گمراہ وسرکش انسان کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو اسکے دل میں خوف پیدا کیا جائے یا اس کے جذبہ طلب کو ہوا دی جائے، لہذا قرآن نے دونوں نکتوں پر توجہ دی ہے، اقوام وملل کے واقعات سناکر خوف پیدا کیا اور انجام بد سے ڈرایا ہے تو دوسری طرف جنت کی نعمتوں کو بار بار ذکر کرکے اسکے حصول کی ترغیب دی ہے اور قرآن میں تدبر کرنے نیز قوموں کے کھنڈرات سے درس عبرت لینے کی تلقین فرمائی۔

تاریخ کی اہمیت وافادیت

تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں گذشتہ قوموں کے حالات زندگی طرز معیشت، افکار وخیالات تہذیب وتمدن سماج ومعاشرہ، رسومات وعادات، اعمال وکردار اور اخلاق ومذاہب کی تصویر نظر آتی ہے اور کسی بھی قوم کے حالات کا تجزیہ کرنے اس سے درس عبرت لینے کیلئے اس کی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔

ہم تاریخ سے کسی بھی صورت میں غفلت نہیں برت سکتے کیونکہ شاندار مستقبل کیلئے ماضی کے واقعات سے سبق لینا ضروری ہے دنیا میں وہی قوم بام عروج پر پہونچتی ہے اور قیادت وسیادت سے مزین تابناک مستقبل کی غیر متزلزل عمارت تعمیر کرتی ہے جس کا رشتہ اپنی تاریخ سے قائم ہوتا ہے ہم تاریخ عالم کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں (۱) قبل از اسلام قوموں کی تاریخ (۲) مابعد اسلام قوموں کی تاریخ، قرآن پاک نے گذشتہ اقوام کی تاریخ سے روشناس کرایا ہے اور قرآن فہمی کیلئے گذشتہ اقوام وامم کی تاریخ سے واقفیت ایک بنیادی ضرورت ہے اسی طرح اسلام کی مایہ ناز شخصیات، سرفروش مجاہدین، تاریخ ساز حکمرانوں اور علماء صالحین، ائمہ مجتہدین، محدثین ومفسرین کے اولوالعزم کارناموں، شاندار وعظیم الشان کرداروں سے سبق لینے اور اسلام کی عظمت وشوکت کا اندازہ کرنے، اسلامی تہذیب وتمدن دینی علوم وفنون سے روشناس ہونے کیلئے تاریخ اسلام سے ربط قائم رکھنا مسلمانوں کیلئے ضروری ہے آج مستشرقین مغربی مفکرین اسلامی تعلیمات کو فرسودہ اور اسلامی تہذیب وتمدن کو ناکارہ قرار دینے اور اسلامی شخصیات کو بدنام کرنے میں بڑی شد ومد سے مصروف ہیں مگر افسوس کہ ہماری مسلم قوم اپنی تاریخ سے نابلد
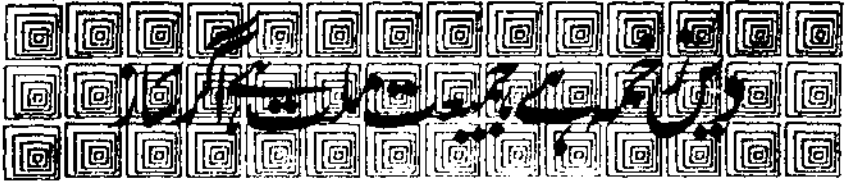
محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہارون نگر فرسٹ سیکٹر پھلواری شریف پٹنہ 801505

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں فرمایا گیا ہے کہ:

اُس (خدا) نے تمھارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ (اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ) یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمدؐ) تم انھیں دعوت دے رہے ہو اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اُسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے:

اس آیت میں "اقامتِ دین" سے خدا کے نزدیک، مراد دین اسلام کی محض تبلیغ کرنہیں بلکہ اس پر کماحقہٗ عمل درآمد کرنا، اسے رواج دینا اور عملاً نافذ کرنا ہے، اس حکم میں دعوت و تبلیغ کو مقصود کی حیثیت نہیں دی گئی ہے بلکہ دین کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کو مقصود قرار دیا گیا ہے، دعوت و تبلیغ اس مقصد کے حصول کے ذرائع ضرور ہیں مگر بجائے خود مقصد نہیں، قرآن اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دین حق کو فکری، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی و سیاسی حیثیت سے مکمل شریعت کے ساتھ تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت اور صلح و جنگ تک زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی کریں۔ اور یہی "اقامت دین" کے قرآنی معنیٰ ہیں، اس لئے کہ عربی زبان میں دین اس نظام زندگی یا طریق زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا اتباع کیا جائے۔

اقامت دین کے بعد ایک اسلامی معاشرہ میں اس کی کوئی معقول گنجائش نہیں رہ جاتی کہ دین کے نصوص میں تحریف کے حد تک پہنچی ہوئی تاویلات کر کے نرالے عقائد اور انوکھے اعمال

ایجاد کیے جائیں، اور ایسی حرکتوں سے معاشرہ میں تفرقہ پیدا کیا جائے، مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلم معاشرہ کے خود غرض لوگ اس کے اندر اپنی خود پسندی، خود رائی اور خود نمائی کے باعث اپنے مفاد کی خاطر تفرقے برپا کرکے نئے نئے مذاہب اور نئی نئی شریعتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں نے کچھ ایسے مطاع بنا رکھے ہیں جنھیں شریک فی الحکم ٹھیرا لیا گیا ہے جن کے سکھائے ہوئے افکار و عقائد اور نظریات اور فلسفوں پر لوگ ایمان لاتے ہیں، جن کی دی ہوئی قدروں کو لوگ مانتے ہیں، جن کے پیش کیے ہوئے اخلاقی اصولوں اور تہذیب و ثقافت کے معیاروں کو لوگ قبول کرتے ہیں، جن کے مقرر کیے ہوئے قوانین اور طریقوں لوگ اپنے مذہبی مراسم اور عبادات میں، اپنی شخصی زندگی میں، اپنی معاشرت میں اور اپنے تمدن، اپنے کاروبار اور لین دین میں، غرض ہر موقع پر اس طرح اختیار کرتے ہیں گویا یہی وہ شریعت ہے جس کی پیروی کرنی چاہئے، جب کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دین کو خالص کرکے اس کی پیروی کی جائے، ایسے ہی لوگوں پر اقبال کے مجموعہ کلام ضرب کلیم کی نظم "آزادی" کے یہ اشعار صادق آتے ہیں کہ ؎

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حرّیت افکار کی نعمت ہے خدا داد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

دین کو صرف عام مذہبی معنوں میں خدائے واحد کی پرستش کرنے اور محض چند مذہبی مراسم و عقائد کی پابندی تک محدود سمجھ لینا اور یہ سمجھنا کہ انسانی تمدن، سیاست، معیشت، عدالت، اور قانون اور ایسے ہی دوسرے دُنیوی امور کا دین سے کوئی تعلق نہیں یا یہ کہ دین کی ہدایات محض اختیاری سفارشات ہیں جن پر اگر عمل کیا جائے تو اچھا ہے، ورنہ انسانوں کے لئے اپنے بنائے ہوئے اصول و ضوابط قبول کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں وہ بنیادی غلطیاں ہیں جنھیں ہم سراسر غلط تصور دین سے موسوم کر سکتے ہیں، خدا نے جس دین کی اطاعت کا مطالبہ کیا ہے اس سے مراد صرف نماز روزہ نہیں بلکہ اسلام کا مجموعی نظام ہے جس سے ہٹ کر کسی دوسرے نظام کی پیروی خدا کے ہاں ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی، بعثت رسول کی غرض خدا نے یہ بتائی ہے کہ جس ہدایت

اور دین حق کو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں ایسے دینی نوعیت کے تمام طریقوں اور نظام زندگی کے ہر شعبہ پر غالب کر دیا جائے۔ کئی مواقع پر فرمایا گیا ہے کہ:

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو" (سورۃ التوبۃ ۹۔ آیت ۳۳)

ہو بہو یہی باتیں انھی الفاظ میں سورۃ الفتح ۴۸ کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصف ۶۱ کی آیت ۹ میں بھی وارد ہوئی ہیں۔ مندرجہ بالا آیت کے پیش نظر ہی ہم ایک اسلامی معاشرہ دین کی اہمیت کا اندازہ ان بنیادی اصولوں کو سامنے رکھ کر کر سکتے ہیں جو سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ کے رکوع ۳ اور ۴ اور سورۃ الانعام ۶ کے رکوع ۱۹ میں پیش کئے گئے ہیں جن پر دین اسلام پوری انسانی زندگی کے نظام کی عمارت قائم کرنا چاہتا ہے اور جنھیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا منشور بھی قرار دے سکتے ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ساری انسانی زندگی کو منضبط کرنے کیلئے یہ احکامات جاری کئے ہیں جو ہمیشہ سے شرائع الٰہیہ کے اصل الاصول بھی رہے ہیں۔ اس منشور کا اطلاق جمعیت ملت کے اجتماعی اخلاق، اس کی ذہنی تربیت، معاشرے میں حق کا تصور اور معاشی مساوات سب پر ہوتا ہے۔ یہ ہدایت دین اسلام کی رو سے اسلامی زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیادیں ہیں جن اصولوں پر فرد اور جمعیت کے عقائد و اخلاق اور تہذیب و تمدن کی ترتیب و تزئین کیجانی چاہئے۔ خدا کا منشا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں دین کی ہر بات قرآن و سنت سے ثابت ہے اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں پیروی کی جائے تاکہ اسلامی روح وسیع پیمانے پر اخلاق میں، قانون میں، سیاست اور انتظام ملکی میں علوم و فنون اور نظام تعلیم میں، غرض ہر شعبۂ حیات میں جاری و ساری ہو جائے۔ اس لئے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرما کر آپ کو اور آپ کے ذریعہ سارے پیروؤں کو تاکید کی گئی ہے کہ:

"پس (اے نبی اور نبی کے پیروؤ) یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (سورۃ الروم ۳۰۔ آیت ۳۰

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا :۔

"پس (اے نبیؐ) اپنا رخ مضبوطی کے ساتھ اس دین راست کی سمت میں قبل اسکے کہ وہ دن آئے جس کے ٹل جانے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔"

(سورۃ الروم ۳۰ آیت ۴۳)

ان آیات سے لازمی ہوجاتا ہے کہ جمعیت کے ہر فرد کی فکر اور سوچ ہو تو اسلامی دائرے میں، پسند اور ناپسند ہو تو دین کی ہم آہنگی کے ساتھ، قدریں اور معیار ہو تو دین اسلام کے مطابق اخلاق اور سیرت پر ٹھپہ ہو تو وہ جو دین اسلام چاہتا ہے، اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات ہوں تو اس طریقے پر جو دین اسلام نے بتایا ہے، مطلب یہ کہ ہر ایمان لانے والا جمعیت کے ہر فرد کے ساتھ جو ایمان لایا ہے مل کر اہل ایمان کی ایک ایسی جماعت بنائے جس سے ایک مومن معاشرہ وجود میں آئے جو اجتماعی طور پر ان بھلائیوں کو قائم کرے جن کا قائم کرنا، اور ان برائیوں کو مٹائے جن کا مٹایا جانا دین اسلام اور اس کی تعلیمات کا تقاضا ہے، کیونکہ اس طرح مجموعی طور پر جمعیت میں بلندترین اخلاقی صفات فروغ پاتے ہیں، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ فرد کی حیثیت سے بھی ایک مومن اللہ کی سنت نیکی کا مظہر ہے اور جماعت کی حیثیت سے بھی مومنوں کا گروہ خدا اور اسکے رسول کا نمائندہ ہے۔

انسانی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جس معاشرہ نے دین اسلام کی تعلیمات سے اپنے آپ کو بے بہرہ رکھا وہ بالآخر خسارے میں رہا، اسی نقطۂ نظر سے قرآن میں ایسی بہت سی قوموں کی تباہی کے قصے تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ کسی جمعیت کو جو چیز خسارے سے بچانے والی ہے وہ صالحات پر عمل کرنا ہے مگر قرآن کی رو سے کوئی عمل بھی اس وقت تک صالح نہیں ہوسکتا جب تک اس کی جڑ میں ایمان موجود نہ ہو اور وہ اس ہدایت کی پیروی میں نہ کیا جائے جو اللہ اور اسکے رسول نے دی ہے، ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو فرد فرد بن کر نہیں رہنا چاہئے۔ بلکہ ان کے اجتماع سے ایک مومن و صالح معاشرہ وجود میں آنا چاہئے تاکہ اس معاشرے کا ہر فرد اپنی ذمہ داری محسوس کرتے معاشرے کو دین حق بتاتے ہوئے راستہ سے ہٹنے نہ دے اور اہل ایمان کا معاشرہ ایسا بے حس نہ ہو کہ اس میں باطل سر اٹھانا

ہو اور حق کے خلاف کام کئے جا رہے ہوں مگر لوگ خاموشی کے ساتھ اس کا تماشا دیکھتے رہیں بلکہ اس معاشرے میں یہ روح جاری و ساری رہنی چاہئے کہ جب اور جہاں بھی باطل سر اٹھائے، کلمۂ حق کہنے والے اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں، علاوہ ازیں معاشرہ کا ہر فرد خود ہی حق پرستی اور راستبازی اور عدل و انصاف پر قائم رہے اور حق داروں کے حقوق ادا کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرز عمل کی نصیحت کرے کیونکہ یہی چیز جمعیت ملت کو اخلاقی زوال و انحطاط سے بچانے کی ضامن ہے۔ اگر یہ اسلامی روح کسی معاشرے میں موجود نہ رہے تو وہ خسران سے نہیں بچ سکتی اور اس خسران میں وہ لوگ بھی آخر کو مبتلا ہو کر رہتے ہیں جو اپنی جگہ پر تو حق پر قائم تھے مگر اپنے معاشرے میں حق کو پامال ہوتے ہوئے دیکھتے رہے تھے۔

ان ہی سارے قرآنی ارشادات کے پیش نظر اقبال نے دین اور جمعیت ملت کو علی الترتیب زخمہ (مضراب) اور ساز سے مماثلت دیتے ہوئے دونوں کے اسی باہمی تعلق کو اپنے مجموعہ کلام "بانگ درا" کی نظم "فردوس میں ایک مکالمہ" کے درج ذیل شعر میں ذہن نشین کرایا ہے

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
دین زخمہ ہے، جمعیت ملت ہے اگر ساز

اور پھر اسی مجموعہ کلام میں اقبال نے اسی تعلق کی تلقین اس طرح بھی اس شعر میں کی ہے

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

(نظم "مذہب" (بعد از نظم "جنگ یرموک کا ایک واقعہ")

علمِ نحو کا امام ابن ہشامؒ

(رحمت اللہ الاعظمی ندوی ریسرچ اسکالر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

آٹھویں صدی ہجری میں جو مسلمان مشاہیر اپنے علم وفضل اور اپنی علمی و اصلاحی کوششوں کی وجہ سے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے ان میں ابو عبد اللہ جمال الدین ابن ہشام الانصاری کا نام بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے، مختلف علوم وفنون میں جامعیت کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان کی نظیر نہ صرف ان کے معاصر علماء میں مفقود ہے بلکہ بعد کے زمانے میں بھی طویل مدت تک ان کا کوئی ہم پلہ پیدا نہیں ہوا، قوت حافظہ، نکتہ سنجی، دقیقہ رسی، ذکاوت وفطانت، فصاحت و بلاغت، فہم وبصیرت اور تحقیق میں ابن ہشام کا مقام منفرد ہے، پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان جیسی ہمہ گیر شخصیات ہماری تاریخ میں خال خال ہی ملتی ہیں، جنھوں نے علم وفضل سے اپنی قابلیت وصلاحیت کا لوہا منوایا اور اپنی تصنیفات کے ذریعہ تاریخ ساز کارہائے نمایاں انجام دیئے، پیش نظر مضمون میں ان کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی علمی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

سلسلہ نسب:-

ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے "جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن ہشام بن یوسف بن عبد اللہ بن یوسف بن احمد بن عبد اللہ بن ہشام الانصاری المصری"[1] بعض تذکرہ نویسوں کے یہاں اجداد کے ناموں میں تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے، مثلاً صاحب دائرۃ المعارف الاسلامیہ نے سلسلۂ نسب اس طرح تحریر کیا ہے "جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن احمد بن

عبداللہ بن ہشام الانصاری المصریؒ

ابتدائی حالات زندگی:۔

ابن ہشام الانصاری ۵ ذی قعدہ ۷۰۸ھ بروز سنیچر اپریل یا مئی ۱۳۰۹ء کو مصر میں پیدا ہوئے وطن ہی میں مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر شیخ شہاب الدین عبداللطیف بن المرجل کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا، شیخ تاج الدین تبریزی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، زہیر بن ابی سلمی کا دیوان ابوحیان النحوی الاندلسی سے پڑھا۔ فکوانی سے بھی تحصیل علم کیا، شاطبہ میں ابن جماعہ کی صحبت میں رہے اور اخیر میں ابن السراج سے اکتساب فیض کیا۔

ابتداءً وہ فقہ شافعی کی طرف مائل تھے لیکن اپنی وفات سے پانچ سال قبل انھوں نے حنبلی مذہب اختیار کرلیا تھا اور اس مقصد کیلئے چار ماہ سے کم عرصہ میں الخرقی کی کتاب المختصر زبانی یاد کرلی تھی۔

ابن ہشام نے اپنی نوعمری ہی میں عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے اور عربی زبان وادب کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی، لغت ونحو میں اعلیٰ بصیرت پیدا کی، عہد جاہلیت اور عرب اولین کے حالات وواقعات کا تفصیل سے مطالعہ کیا، نثر ونظم کا ایک بڑا حصہ یاد کرلیا اور یہ وسیع ومتنوع مطالعہ ان کو اپنے بعد کی علمی زندگی میں بہت کام آیا، چنانچہ انھوں نے عربی زبان اور لغت ونحو پر محققانہ اور ناقدانہ نظر اور اس ادبی ونحوی ملکہ سے اپنی علمی زندگی اور اپنی تصنیفات ومباحث میں بڑا کام لیا، علامہ شوکانی نے ان کی وسعت نظر، وسعت مطالعہ اور علمی تفوق کا اس طرح اعتراف کیا ہے۔ وقد تصدر للتدریس وانتفع بہ الناس ونفرد بھذا الفن یعنی النحو واحاط بدقائقہ ولطائفہ وصارلہ من الملکۃ فیہ مالم یکن لغیرہ واشتھر صیتہ فی الاقطار وطارت مصنفاتہ فی غالب الدیار" انھوں نے مسند درس کو زینت بخشی، لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا اس فن یعنی نحو میں انفرادیت حاصل کی، اسکے لطائف ودقائق کو اپنی گرفت میں کرلیا، انھیں اس فن میں جو امتیاز وخصوصیت حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی، ان کی مقبولیت اور تصانیف کی شہرت دور دور شہروں میں پھیل گئی ہے۔

دوسری جگہ رقم طراز ہیں "انھوں نے عربی زبان میں دسترس حاصل کی اور اکابر معاصرین پر سبقت لے گئے یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص اس فن میں ان کا ہمسر نہیں"[۴۳]

سفر حج :-

مصر کے دوران قیام ابن ہشام کے دل میں حج بیت اللہ کا داعیہ پیدا ہوا چنانچہ اس کی تکمیل کے لئے انھوں نے رخت سفر باندھ لیا اور ۷۴۹ھ میں مکہ کیلئے روانہ ہوگئے، کچھ دنوں مکہ میں قیام کے بعد وطن کی محبت نے انھیں وطن لوٹنے پر مجبور کر دیا، وطن میں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد ان کے دل میں اس مقدس جگہ کی محبت پھر چٹکیاں لینے لگیں اور وہ پھر ۷۵۶ھ میں مکہ کے لئے روانہ ہوگئے اور ایک عرصہ تک وہیں قیام کیا، وہیں انھوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "مغنی اللبیب" مرتب کی اس کتاب کی وجہ تالیف یہ بتائی جاتی ہے کہ مصنف نے اس نام کی ایک اور کتاب ۷۴۹ھ میں مکہ کے دوران قیام لکھی تھی، لیکن مصر واپس آنے پر وہ کھوگئی چنانچہ انھوں نے دوبارہ ۷۵۶ھ میں جب مکہ کا سفر کیا تو وہاں قیام کے دوران یہ کتاب لکھی، مکہ میں ایک طویل عرصہ قیام کے بعد وہ دوبارہ پھر مصر لوٹ آئے

درس وتدریس :-

تحصیل علوم اور ان میں کمال پیدا کرنے کے بعد مکہ سے واپسی پر ذوق علم، شوق مطالعہ افادہ و استفادہ سے مناسبت و دلچسپی کی وجہ سے ابن ہشام نے درس وتدریس کی مسند بچھائی اور شافعی المسلک ہونے کی حیثیت سے قاہرہ کے "القبۃ المصریۃ" میں تفسیر کے استاذ مقرر ہوئے، عوام و خواص نے دینی و علمی فائدہ اٹھایا، آپ کے فضل وکمال کا شہرہ سن کر دور دراز ملکوں کے شائقین علم نے جوق در جوق آپ کی طرف ہجوم کیا، وقت کے اکابر علماء فضلاء تک نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور مصر کے بیشتر علماء نے آپ سے فیض حاصل کیا، چنانچہ عام طور پر لوگ آپ کے خلوص، غیر معمولی ذہن و دماغ اور علمی کمالات کے گرویدہ ہوگئے، لیکن اپنی وفات سے پانچ سال قبل انھوں نے حنبلی مسلک اختیار کر لیا اور پھر بحیثیت حنبلی عالم قاہرہ کے مشہور مدرسہ حنبلیہ میں کچھ عرصہ تک قال اللہ وقال الرسول کے نغمے سنائے، آپ کے درس کی شہرت سے پوری دنیائے اسلام گونج اٹھی اور ملک کے بے شمار شائقین علم آنے لگے جن کی تعداد حد و شمار سے باہر ہے۔

زبان وادب:-

ابن ہشام نے نثر میں قدمار کی پیروی کی ہے، اسی لئے ان کی نثر میں صنائع وبدائع کا استعمال کثرت سے ملتا ہے اس کے باوجود ان کے اسلوب میں پختگی اور الفاظ میں شوکت ومتانت پائی جاتی ہے جس میں سادگی بھی ہے اور وضاحت بھی، ان کے خیالات بھی واضح ہوتے ہیں اور عبارت بھی ابہام سے پاک ہوتی ہے اس کا ثبوت ان کی کتابوں میں نظر آتا ہے، خود "مغنی اللبیب" کا مقدمہ اس کا بہترین مرقع ہے، لیکن ان کے ادبی کمال اور عربی زبان وادب پر دسترس کا اندازہ تو کعب بن زہیر کے قصیدہ کی شرح سے ہوتا ہے

شعر وشاعری:-

ابن ہشام نے اشعار پر بھی طبع آزمائی کی ہے، لیکن ان کے کلام میں حکیمانہ مقولے، عقلمندی کی باتیں اور زندگی کے تجربات کی جھلک نظر آتی ہے، مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اشعار اس کا بین ثبوت ہیں۔

ومن یصطبر للعلم یظفر بنیله ومن یخطب الحسناء یصبر علی البذل

ومن لا یذل النفس فی طلب العلا یسیرا یعش دهرا طویلا اخا ذل مشه

(ترجمہ) جو شخص علم کے حصول میں صبر سے کام لیتا ہے وہ بامراد رہتا ہے اور جو شخص کسی خوبصورت عورت کو پیغام دیتا ہے اسے مال ودولت خرچ کرنا پڑتی ہے، اور جو شخص بلندی حاصل کرنے کے لئے نفس کو نہیں مارتا اس کیلئے آسان ہے کہ ایک عرصہ تک ذلت ورسوائی کی زندگی گذارے۔

سوء الحساب أن یواخذ الفتی بکل شیئ فی الحیاة قد اتی۔ ملا

(ترجمہ) نوجوانوں کا بدترین حساب یہ ہے کہ اس نے زندگی بھر جو کچھ کیا ہے اس پر اس کا مواخذہ کیا جائے

تصانیف:-

ابن ہشام کو مطالعہ اور تصنیف وتالیف کا بڑا شغف تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے تصانیف کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی، جو ضخامت اور صفحات کی تعداد کے لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہیں اور حسن تصنیف اور مواد کے لحاظ سے بھی، ان میں سے متعدد کتابیں کئی جلدوں میں ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) الالغاز یا الغاز ابن هشام۔ مؤلف نے اس کتاب میں مغلق نحوی مسائل اور لغوی مشکلات کا حل پیش کیا ہے۔ یہ کتاب سلطان الملک الکامل کے کتب خانہ کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اس کتاب کا ایک نسخہ مکتبہ امیہ پیرس میں موجود ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں یہ کتاب قاہرہ سے الغاز ابن ہشام کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے۔ بغدادی نے لکھا ہے کہ موقد الاذهان وموقظ اللسان دراصل وہی کتاب ہے جو الغاز ابن ہشام سے مشہور ہے، اور صاحب ایضاح نے بھی اس کی تصدیق کی ہے[۸]

(۲) اوضح المسالک الی الفیۃ ابن مالک۔ جسے غلطی سے التوضیح کہا جاتا ہے الفیہ ابن مالک کی منثور اور اضافہ کردہ شکل ۱۳۰۴ھ میں قاہرہ سے پھر ۱۸۳۲ء میں کلکتے سے شائع ہوئی ہے[۹]

(۳) الاعراب عن قواعد الاعراب۔ قواعد اعراب پر ایک مختصر رسالہ ہے[۱۰]

(۴) اقامۃ الدلیل علی صحۃ التحلیل۔ عسقلانی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے[۱۱]

(۵) التذکرۃ فی النحو۔ یہ کتاب پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے تمام تذکرہ نویسوں نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[۱۲]

(۶) تلخیص الانتصاف من تفسیر الکشاف۔ امام ناصر الدین احمد بن محمد منیر اسکندری ۶۸۳ھ کی انتصاف من الکشاف کا اختصار مع کچھ اضافوں کے کیا ہے، ابن المنیر نے از راہ پسندیدگی کشاف کی جو عبارتیں نقل کردی ہیں جن کا مقصد تنقید نہیں، ابن ہشام نے انھیں حذف کر دیا زمخشری نے جہاں اہل سنت کو کشاف میں برا بھلا کہا تھا ابن المنیر نے اس کا جواب دیا تھا اور معتزلہ کو برا بھلا کہا تھا، اس طرح کی چیزوں کو بھی ابن ہشام نے اپنی تلخیص میں جگہ نہیں دی، عقائد صحیحہ کے بیان کو باقی رکھا اور دلیل و تاویل وغیرہ سب کو شامل خلاصہ کیا، ابن المنیر کے جو جواب انھیں صحیح نظر آئے انھیں بجنسہ خلاصہ میں لے لیا اور جہاں کہیں ان کے جواب میں کمزوری نظر آئی اس کو بیان کر دیا ہے[۱۳]

(۷) الروضۃ الادبیۃ فی شواهد علوم العربیۃ:۔ ان استشہادی اشعار کی شرح جو ابن جنی نے اپنی تصنیف "کتاب اللمع" میں ذکر کئے ہیں۔[۱۴]

(۸) شذور یا شذرات الذہب فی معرفۃ کلام العرب :۔ صرف پر ایک مختصر رسالہ مصر سے کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ [۱۴]

(۹) شرح بانت سعاد :۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمی کے قصیدہ کی شرح، یہ وہ قصیدہ ہے جسے کعب بن زہیر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں موزوں کیا تھا، اور آپ نے اپنی ردائے مبارک عطا فرمائی تھی، یہ شرح ۱۳۰۴ھ اور پھر ۱۳۰۷ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی [۱۵]

(۱۰) شرح البردۃ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بوصیری کے مشہور قصیدہ کی شرح، یہ قصیدہ ایک سو باسٹھ اشعار پر مشتمل ہے [۱۶]

(۱۱) شرح الجامع الصغیر :۔ محمد بن حسن الشیبانی کی الجامع الصغیر کی شرح جو حنفی مسلک سے متعلق ہے [۱۷]

(۱۲) شرح الجمل :۔ فن نحو میں زجاجی کی کتاب الجمل کی شرح جس میں الجمل کے استشہادات کی تشریح کو مدنظر رکھا گیا ہے اس لئے بعض تذکرہ نویسوں نے اس شرح کا نام شرح شواہد الجمل لکھا ہے [۱۸] حاجی خلیفہ نے دو الگ الگ شرحوں کا ذکر کیا ہے ایک تو مکمل الجمل کی شرح دوسرا اس کے شواہد کی شرح [۱۹]

(۱۳) شرح الشواھد الصغریٰ :۔ یہ کتاب نحوی دلائل پر مشتمل ہے [۲۰]

(۱۴) شرح الشواھد الکبریٰ :۔ یہ کتاب بھی نحوی شواہد پر مشتمل ہے [۲۱]

(۱۵) شرح اللمحۃ فی النحو :۔ ابو حیان نحوی (ابن ہشام کے شیخ) کی کتاب اللمحہ کی شرح جو سات ابواب پر مشتمل ہے [۲۲]

(۱۶) شرح قطر الندی :۔ مصنف کی کتاب قطر الندی کی شرح جو تونس میں ۱۲۸۱ھ میں شائع ہوئی۔ [۲۴]

(۱۷) شرح شذرات الذھب :۔ ۱۲۲۸ھ میں شائع ہوئی، الامیر الکبیر کا اس پر حاشیہ بھی ہے۔ [۲۵]

(۱۸) شوارد الملح وموارد المنح :۔ روح کی نجات پر ایک رسالہ [۲۶]

(۱۹) عمدۃ الطالب فی تحقیق تصریف ابن الحاجب :۔ ابن حاجب کی کتاب شافیہ

کی شرح جو دو جلدوں پر مشتمل ہے[۲۷]

(۳۰) قطر الندی وبل الصدی :- نحو پر ایک مختصر رسالہ جو کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔

(۳۱) القواعد الصغری :- نحو پر ایک جامع کتاب[۲۸]

(۳۲) القواعد الکبری :- یہ بھی فن نحو سے متعلق ہے[۲۹]

(۳۳) رفع الخصاصة عن قراءة الخلاصة :- الفیہ ابن مالک پر حاشیہ بعض تذکرہ نویسوں نے اس کتاب کا نام دفع الخصاصہ عن قراءة الخلاصہ لکھا ہے[۳۰]

(۳۴) التحصیل والتفصیل لکتاب التذییل والتکمیل :- ابن مالک کی تسہیل پر ابوحیان نحوی کی کتاب التذییل والتکمیل کے ان پوشیدہ گوشوں کا جائزہ جسے ابوحیان نے چھوڑ دیا تھا[۳۱]

(۳۵) المسائل السفریہ :- صاحب بغیہ اور کشف نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[۳۲][۳۳]

(۳۶) المباحث المرضیة المتعلقة بمن الشرطیة :- ۳ جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب[۳۴]

(۳۷) کفایة التعریف فی علم التصریف :- اسماعیل بغدادی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے[۳۵]

(۳۸) الجامع الصغیر فی النحو :- نحو پر ایک رسالہ، پیرس کے کتب خانہ البیہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے[۳۶]

(۳۹) الجامع الکبیر فی النحو :- فن نحو پر ایک رسالہ، زرکلی اور سیوطی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے[۳۷]

۴۰ مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب :- یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے (ان شاء اللہ اگلے مضمون میں اس کتاب کا مکمل تعارف پیش کیا جائے گا)

فن نحو پر ابن ہشام کے چند رسائل جو سیوطی کی کتاب الاشباہ والنظائر کے ساتھ حیدرآباد سے ۱۳۱۷ھ میں چھپ چکے ہیں

(۱) رسالة فی انتصاب لغة وفضلا وخلافا وایضا۔ الفاظ لغت وغیرہ کی تشریح نحوی، طبع ثانی مسائل فی النحو واجوبتها کے عنوان کے تحت۔

(۲) قرآن کریم کی نو آیات میں حالت مفعولی پر مختصر بحث

(۳) فوح الشذا فی مسألة کذا :- ابوحیان نحوی کی کتاب الشذا فی احکام کذا

کا تکملہ۔

(۴) حتی ولو وغیرہ کے حکم پر مشتمل ایک رسالہ۔

(۵) مسألۃ اعتراض الشرط علی الشرط وغیرہ۔ ۳۵

وفات :۔

ابن ہشام مصر میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے کہ وقت موعود آپہنچا اور ۵ ذی قعدہ ۷۶۱ھ، ۱۸ ستمبر ۱۳۶۰ء کو جمعرات و جمعہ کی درمیان شب میں اس مجسم کمال ہستی نے ترپن سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابن ہشام کے سن وفات کے سلسلہ میں تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے حاجی خلیفہ نے مختلف کتابوں کے ذکر کے ذیل میں مختلف سن وفات ۷۶۱ھ، ۷۶۲ھ، ۷۶۳ھ تحریر کیا ہے لیکن راجح وہی معلوم ہوتا ہے جو متقدمین مترجمین (مثلاً علامہ سیوطی وغیرہ) نے ذکر کیا ہے، کہ ابن ہشام نے ۷۶۱ھ میں وفات پائی۔

ابن ہشام کی قبر مصر کے سور البلد کے صدر دروازہ کے قریب واقع ہے اور آج بھی ان کی قبر مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔

مصنف کی وفات پر بدرالدین بن الصاحب نے ایک مرثیہ موزوں کیا تھا جس کے اشعار یہ ہیں۔

لئن جمال الدین بالخلد اننی ۔۔۔ لفقدك عيشي لزحمة ونحال

فمالد روس غيث عنهات لاوة ۔۔۔ ولا لزمان لست فيه جمال ۳۶

(ترجمہ) تم تو اے جمال الدین جنت کے آرزومند ہو اور ہمارا یہ حال ہے کہ تمہارے چلے جانے سے ہماری زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی ہے نہ تو ان اسباق کی محفلوں میں کوئی رونق ہے جہاں آپ موجود نہیں اور نہ ہی اس زمانہ میں کوئی حسن رہ گیا ہے جس میں آپ نہیں ہیں۔

ابن نباتہ اس طرح مرثیہ گو ہیں

سقى ابن هشام فى الثرى نور رحمة ۔۔۔ يجرعلى مثواه ذيل غمام

سارى له فى سيرة المدح مسندا ۔۔۔ فمازلت اروى سيرة بن هشام ۳۷

دارالعلوم دیوبند کی سیاسی سرگرمیاں

ایک غیر مسلم مورخ کی نظر میں

دیوبند کے مدرسہ کا ان علماء کے ذریعہ قایم ہونا جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں حصہ لیا تھا اس سے پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس مدرسہ کے دو اغراض تھے (۱) مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کی اصلی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کرنا اور (۲) ہندستان کے بیرونی حکمرانوں کے خلاف جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنا۔

ان لوگوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہندوستان کی آزادی نہ صرف ہندوستان کے حق میں ضروری ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے حق میں بھی ضروری ہے اور ان کی نگاہ اس معاملہ میں بالکل صاف تھی کہ ہندوستان کی آزادی بلا ہندو مسلم اتحاد اور دونوں کے تعاون کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

ان لوگوں نے انڈین نیشنل کانگرس کے قیام کا خیر مقدم کیا تھا اور جب ۱۸۸۸ء میں سرسید احمد خاں نے اپنے برطانوی اتالیق کے اثر میں آ کر مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ کانگرس کی شرکت سے گریز کریں تو علماء دیوبند نے سرسید کے رویہ کی مذمت کی اور ایک مذہبی حکم (فتوی) سرسید کی تنظیم انجمن محبان وطن (PATRIOTIC ASSOCIATION) کے خلاف اور اسی کے ساتھ محمڈن اینگلو اورنٹیل ایسوسی ایشن کے خلاف جس کے سکریٹری اور روح رواں علی گڑھ کالج کے پرنسپل بیک (BACK) تھے صادر کیا۔ سرسید کی یہ کوشش کہ وہ اپنی اسکیم میں علماء کا تعاون حاصل کریں۔ علماء دیوبند نے رد کر دی کیونکہ دونوں کے سیاسی نظریات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔

انیسویں صدی کے آخر تک دیوبند پنپ نہ سکا۔ کیونکہ حکومت اس پر ایک سخت نگاہ رکھتی تھی۔ یہ اپنے وجود کو نہایت مشکل حالات میں کسی طرح گھسیٹتا رہا سب سے بڑی پریشانی سرمایے کی تھی کیوں کہ وہ لوگ جو امداد کر سکتے تھے وہ موجودہ حکمرانوں سے خوف زدہ تھے لیکن

پھر بھی یہ مدرسہ عزم و ہمت کے ساتھ اپنے اصولوں پر اڑا رہا اور اپنے طے شدہ راہ پر چلنے میں اس کے پائے استقلال کو کبھی لغزش نہیں ہوئی۔

شروع شروع میں جو طلبا اس میں داخل ہوئے ان میں ایک محمود الحسن بھی تھے وہ تمام عمر اس ادارے میں رہے اولاً طالب علم کی حیثیت سے پھر ایک معلم کی حیثیت اور آخر میں اس کے پرنسپل (صدر مدرس) کی حیثیت سے۔

وہ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں جب بغاوت کا آغاز ہوا تو وہ اپنے والد کے ساتھ میرٹھ میں تھے گھر میں انھوں نے باغیوں کے بہادرانہ کارناموں کو سنا اور برطانوی مظالم کی بربریت آمیز داستانیں بھی سنیں انھوں نے اپنی آنکھ سے شمالی ہندوستان کی اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کی وسیع پیمانہ پر بربادی دیکھی اور ان کی روح میں شگاف ہوگیا۔

دیوبند کے مدرسہ میں پندرہ سال کی عمر میں داخل ہوئے اور اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد وہیں معلم ہوگیے۔ ۷۶-۱۸۷۵ء میں انھوں نے محمد قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی جیسے فاضل اجل اور سرتا پا شفقت استادوں سے تعلیم حاصل کی تھی اور انھیں لوگوں کے فیض سے ان کے اندر علم گہری پاکیزگی اور آزادی سے محبت پیدا ہوئی۔

۸۸-۱۸۸۷ء میں ان کو اس ادارے کے سربراہ ہونے کا ارفع درجہ حاصل ہوا اپنی زندگی کے اوائل ہی میں انھوں نے اپنے مشن (مقصد زندگی) کا فیصلہ کرلیا تھا جس کے لئے اپنی زندگی کے آخری دن تک وہ جدوجہد کرتے رہے۔ ان کا مشن ہندوستان کو آزاد کرانا تھا ۱۹۰۵ء میں انھوں نے اپنے پلان کی عملی نشو و نما شروع کی اور دو محاذوں پر اپنا کام شروع کیا۔ ایک ملک کے اندر اور دوسرا ملک کے باہر۔ دونوں کو ایک ساتھ اور ایک وقت میں مسلح بغاوت کے لئے کھڑا ہونا اور انگریزوں کو ہندوستان سے باہر کھدیڑ دینا تھا۔

ہندوستان میں ان کے مشن کا ہیڈ کوارٹر دیوبند تھا اور اس کی شاخیں، دلی، دیناج پور، امروٹ، کراچی، کھیڈا اور چکوال میں تھیں۔ بیرون ہند یاغستان جو شمالی مغربی سرحد پر ایک چھوٹی سی ریاست تھی کارروائیوں کا مرکز قرار دی گئی۔ سید احمد شہید اور مولوی عنایت علی اور شرافت علی کے پیرو جواب تک انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رکھے ہوئے تھے انھوں نے مرکزی فوجی انتظام

مہیا کیا اور حاجی ترنگ زئی ان کے لیڈر مقرر کئے گئے قریب رہنے والے قبیلوں اور ہندستان سے آدمیوں اور رضا کاروں کی شرکت کی توقع تھی۔ یہ بھی امید تھی کہ افغانستانی حمایت کریں گے۔

اس مسلح بغاوت کی تنظیم صرف مسلمانوں کا مسئلہ قرار دے کر نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ سکھوں اور بنگال سے انقلابی پارٹی کے ممبران کو تعاون کی دعوت دی گئی تھی۔ دیوبند میں محمود الحسن کی جائے رہائش کے قریب ایک مکان ان لوگوں کے رہنے کے لئے کرایہ پر لیا گیا تھا، یہ کل تیاریاں خفیہ طریقہ پر کی گئیں تھیں، عبید اللہ سندھی جنھوں نے مذہب سکھ کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا، دیوبند میں کام کرتے تھے اور جمعیۃ الانصار کی تنظیم انھوں نے قائم کی بعدہٗ وہ دلی چلے گئے جہاں مدرسہ نظارۃ المعارف حکیم اجمل خاں اور وقار الملک علی گڈھ کی سرپرستی میں کھولا گیا۔

۱۹۱۱ء مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نازک وقت تھا، تقسیم بنگال پر نظر ثانی کر دی گئی تھی ہندوستان کا دارالسلطنت کلکتہ سے دلی کر دیا گیا تھا، عیسائی صوبوں نے حکومت آل عثمان کے خلاف جنگ بلقان چھیڑ دی تھی، اس کے بعد فوراً پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی، جس میں ترکی، جرمنی اور ان کے حلیفوں کے ساتھ برطانیہ اور ان کے اتحادیوں سے برسر جنگ ہوا، سنکیانگ (SINKING) کے سرحدی صوبہ نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

محمود الحسن ان واقعات سے انتہائی مشتعل ہوئے اور انھوں نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ برطانیہ کے خلاف مسلح کارروائی کی جائے ایک پلان بنایا گیا اور ریشمی رومالوں پر لکھے ہوئے خطوط پلان کے تمام شرکاء کو جاری کئے گئے، عبید اللہ کو افغانستان روانہ کیا گیا اور خود سرحد پر جانے کا انھوں نے منصوبہ بنایا، اسکیم کی بدقسمتی یہ تھی کہ حبیب اللہ کو اس کی تائید پر آمادہ نہ کیا جا سکا، بلکہ اسکے برخلاف وہ گورنمنٹ آف انڈیا کو ہندوستان کے انقلابیوں کی حرکات و سکنات سے برابر اطلاع دیتے رہے اور اسی طرح جرمن مشن کے بارے میں خبریں پہنچاتے رہے جو کابل اس غرض سے آیا تھا کہ مرکزی طاقتوں کی موافقت میں ان کی مداخلت حاصل کریں، راجہ مہندر پرتاپ اور برکت اللہ اس مشن کے ممبر تھے، جرمن مشن کی واپسی کے بعد دونوں افغانستان میں رہ گئے تاکہ ہندوستان کی آزادی کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھیں۔

اس موقع پر محمود الحسن کو معلوم ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے ان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے

تو ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری (دہلی) کی مدد سے انھوں نے بعجلت تمام ہندوستان کو خیرآباد کہا اور مکہ چلے گئے اور گرفتاری سے بچ نکلے یہ واقعہ ۱۹۱۶ء کا ہے

مکہ پہنچ کر وہ غالب پاشا سے ملے جو اس وقت حجاز کے گورنر تھے اور ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک خط لکھ کر دیں جس میں یہ وعدہ کریں کہ برطانیہ کے خلاف ہندوستان کی بغاوت کی پوری ہمدردی اور مکمل تائید کریں گے۔ یہ خط خفیہ ذرائع سے ہندوستان لایا گیا اور اس کی نقلیں تقسیم کی گئیں۔

جب کچھ دنوں کے بعد انور پاشا سلطنت ترکیہ کے وزیر دفاع اور جمال پاشا جو جنوبی افواج کے کمانڈر تھے مکہ آئے تو ان سے انھوں نے گذارش کی کہ ہندوستان کی سرحد تک ان کے سفر کا بندوبست کر دیا جائے اور قسطنطنیہ جانے کی بھی تجویز پیش کی، لیکن بدقسمتی کو کیا کہئے کہ مکہ کے شریف حسین نے انگریزوں کے ترغیب دینے پر حکومت آل عثمان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا محمود الحسن معہ حسین احمد مدنی اور دوسرے ساتھیوں کے برطانیہ کے حوالے کر دئے گئے اور برطانیہ نے ان کو جلاوطن کر کے مالٹا بھیج دیا جہاں وہ قیدی کی حیثیت سے رکھے گئے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد وہ اور ان کے ساتھی بمبئی لے جائے گئے اور جنوری ۱۹۲۰ء میں رہا کر دئے گئے جہاز سے اترتے ہی وہ فوراً خلافت کمیٹی کے دفتر گئے اور باوجود اپنی بیماری اور کبرسنی کے پورے خلوص اور دل سے اپنے آپ کو تحریک میں ڈال دیا۔

وہ علی گڑھ گئے اور یونیورسٹی کے اسٹاف اور طلبہ سے اپیل کی کہ ان اداروں کا بائیکاٹ کریں جو گورنمنٹ سے امداد لیتے ہیں اور جدید نیشنل یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) میں جسے قائم کرنے میں انھوں نے مدد دی تھی شامل ہو جائیں۔

انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کی دلی کی کانفرنس کی صدارت کی اور ۱۹ نومبر ۱۹۲۱ء کو اپنے افتتاحی خطبہ میں سیاسیات ہند پر اپنے سیاسی عقائد کا اظہار کیا، انھوں نے مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں سے اپیل کی کہ وہ مقامات مقدسہ پر مسلم اقتدار کے قیام کے لئے اور ہندوستان کو جابرانہ حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے جنگ کرتے رہیں انھوں نے مختلف فرقوں کے مابین اتحاد و اتفاق اور سماجی میل کو مضبوط کرنے کیلئے حسب ذیل الفاظ کی نصیحت کی۔

"آپ لوگ خوب سمجھ لیجئے کہ اگر اسکے خلاف حالات (افتراق) قائم رہے تو ہندوستان کی آزادی کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ناممکن بنادیں گے، دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز سخت ہوتا جائے گا اور جو اسلامی اثرات کے دھندھلے نقوش رہ گئے ہیں وہ بھی صفحۂ وجود سے حرف غلط کی طرح مٹادیئے جائیں گے، اس لئے اگر ہندوستان کے دونوں فرقے اور حربی نسل سکھ کو ملاکر یہ تینوں صلح وآشتی سے رہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے ایک چوتھی قوم خواہ وہ کسی قدر طاقتور ہو، ہندوستانیوں کے مشترکہ مقاصد کو اپنی متشددانہ اور جابرانہ حکومت کے بل پر شکست دے سکے گی"

پانچسو علماء جو اس کانفرنس میں شریک تھے انھوں نے اس فتویٰ پر دستخط کئے جس میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ گورنمنٹ سے ترک موالات کریں اور تمام سول اور ملٹری ملازمتوں سے علیحدہ ہوجائیں۔

محمود الحسن کا اس کانفرنس کے کچھ ہی دنوں بعد انتقال ہوگیا، ان کا خرقہ خلافت ان کے محبوب شاگرد حسین احمد مدنی کے باوقار کندھوں پر پڑا جو مالٹا میں ان کے ساتھی تھے اور احیار اسلام اور ہندوستان کی آزادی کے متعلق وہی رائے رکھتے تھے جو ان کے استاد کی تھی۔

ڈاکٹر تارا چند

مسجد جدید دارالعلوم دیوبند

جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے

دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان و معاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً چار سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک آراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔

الحمد للہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے، اس مسجد سے طلبہ دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کے لئے جگہ ہو جائے گی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقۂ جاریہ ہوگا اور وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے۔

تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اس وقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے

اس لئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہو سکے۔

پتہ

ڈرافٹ و چیک کیلئے: دارالعلوم دیوبند اکاؤنٹ نمبر 30076 اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کیلئے: حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ پن کوڈ نمبر ۲۴۷۵۵۴

جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۹

ماہ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۹۱ء

فی شمارہ ۵/- سالانہ ۵۰/-

نگران
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ	۳۰۰/-	روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم	۱۰۰/-	//
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم	۷۵/-	//

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی۔ پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کھیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذهب الذين يعاش في أكنافهم

وقعت الواقعۃ

آہ کہ! استاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند، ۷ر صفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸ر اگست ۱۹۹۱ء یکشنبہ کو سوا دس بجے دن میں رہگرائے عالم جاودانی ہوگئے اور اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں اور بے شمار عقیدت مندوں کو چھوڑ گئے جو ان کی یاد میں مدتوں اشک بار و دل فگار رہیں گے۔

ادھر چند مہینوں سے آپ کی صحت بتدریج گرتی جا رہی تھی، عمر طبعی کا ضعف، بیماری کی گرفت، اور دماغی محنت نے موصوف کو اس قدر واماندہ اور نڈھال کر دیا تھا کہ علاج و معالجے سب بے اثر ہو کر رہ گئے تھے، اور آپ کی زندگی کے یہ آخری ایام بس مادر علمی دار العلوم دیوبند کی یاد ماضی اور فکر مستقبل کے سہارے گذر رہے تھے کہ وہ وقت موعود آگیا جس سے کسی کو بھی کسی صورت میں مفر نہیں ہے۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

ابھی چند مہینے کی بات ہے کہ ماہ رمضان میں پہلے دار العلوم کے قابل فخر فرزند اور ملک کے نامور عالم دین، امیر شریعت بہار مولانا منت اللہ رحمانی رخصت ہوگئے، ان کے بعد دار العلوم کے ایک دوسرے لائق ترسپوت اور مشہور صاحب تصنیف فاضل مولانا قاضی زین العابدین سجاد

میرٹھی داغِ مفارقت دے گئے، اور اب برصغیر ہند و پاک کی مجلس علمی کے صدر نشین حضرت مو
معراج الحق صاحب بھی چلے گئے۔ دینی و علمی محفلیں اجڑتی جارہی ہیں اور اس وقت ملت
اسلامیہ ایک زبردست خلا کا شکار ہے، علمی و عملی انحطاط کے اس دور میں جب کہ جانے و
اپنا کوئی بدل چھوڑ کر نہیں جاتا حضرت مولانا کی وفات ایسا عظیم حادثہ ہے جس پر اظہار کرب
الم کے سارے الفاظ بے معنی معلوم ہوتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ حادثہ صرف مولانا مرحوم کے اع
کا نہیں، محض ان کے تلامذہ کا نہیں، تنہا دارالعلوم کا نہیں بلکہ پوری دنیائے علم و فن کا حا
ہے، مشہور مقولہ موت العالم موت العالم کی صداقت کا صحیح اور مکمل ادراک آپ جیسی ح
کے وقت ہوتا ہے۔

ولادت اور علمی نشوونما:-

حضرت مرحوم ماہ رجب ۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء میں دیوبند کے ایک محلہ کوٹلہ میں پیدا ہوئے، پرائم
درجات کی تعلیم قصبہ "برنالہ" صوبہ پنجاب میں حاصل کی جہاں آپ کے والد بزرگوار منشی نور ا
بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ آگے مڈل تک کی تعلیم دیوبند میں مکمل کی، اس کے بعد دارالع
دیوبند کے شعبۂ دینیات میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کے والد ماج
مولانا محمد یٰسین دیوبندی سے اردو، فارسی، ابتدائی عربی وغیرہ کی تحصیل کی، ۱۳۴۵ھ میں یہاں
تعلیم موقوف کرکے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا کیونکہ آپ کے والد محترم کا تبادلہ سہار
ہوگیا تھا اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ سہارنپور ہی میں قیام پذیر تھے، مظاہر علوم میں ت
پانچ سال زیر تعلیم رہ کر حسب ذیل کتابیں پڑھیں۔

تہذیب، نورالایضاح، کافیہ، قطبی تصدیقات، شرح تہذیب، اصول الشاشی، شرح جامی بح
فعل، قدوری، نفحۃ الیمن، نورالانوار، میر قطبی، سلم العلوم، کنزالدقائق، شرح وقایہ، مقامات ح
ملاحسن، مختصر المعانی، سبعہ معلقہ، مناظرہ رشیدیہ، حسامی، ہدایہ اولین، ہدیہ سعیدیہ۔

۱۳۴۹ھ ماہ ربیع الثانی میں دوبارہ پھر دارالعلوم میں داخل ہوگئے اور اس سال دارالعل
مختصر المعانی، حسامی، ہدایہ اولین، ملاحسن اور میبذی پڑھیں، سنہ ۱۳۵۰ھ میں دیوان متنبی، ہدا

مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، نخبۃ الفکر سراجی اور میبذی (مکرر) کی تحصیل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اور ۱۳۵۲ھ میں فنون کی حسب ذیل کتابیں پڑھ کر دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوگئے۔

صدرا، شمس بازغہ، دیوان حماسہ، شرح عقائد، سبعہ معلقہ، بیضاوی، خیالی، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، شرح چغمینی، تصریح۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، ان میں مجاہد عصر شیخ وقت، عارف باللہ، محدث کبیر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام معقولات حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی، حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندی، حضرت مولانا رسول خاں صاحب سرحدی، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس اسرارہم جیسے اساطین علم و فن اور یگانہ روزگار علماء و مشائخ شامل ہیں، اگر یہ بات درست ہے اور یقیناً درست ہے، کہ کامل اساتذہ کے تلامذہ بھی کامل ہوتے ہیں، تو حضرت صدر صاحب مغفور کے کمال علمی کی اس سے بڑی سند اور کیا ہوگی۔

یوں تو حضرت مولانا مرحوم کو اپنے سب ہی اساتذہ سے تعلق خاطر تھا، لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، حضرت علامہ بلیاوی اور حضرت شیخ الادب قدس اسرارہم سے والہانہ عقیدت تھی، بالخصوص حضرت شیخ الادب سے تو آپ بیحد متاثر تھے، اور حضرت موصوف کی بھی آپ پر خصوصی عنایت تھی، اسی لئے حلقۂ دارالعلوم میں آپ ان کے مخصوص و منتخب شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات (فرسٹ ڈویژن) سے کامیاب ہوئے۔

درس و افادہ: تعلیمی مرحلوں کی تکمیل کے بعد اپنے اساتذہ و اکابر کے منشاء و منہاج کے مطابق مسند درس و افادہ کو زینت بخشی اور سب سے پہلے مدرسہ ہاشمیہ

جامع مسجد زکریا اسٹریٹ بمبئی کو اپنی علمی و دینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء سے ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء تک یہاں رہ کر علوم نبوت کے جواہر پاروں سے عروس البلاد کو آراستہ و پیراستہ کرتے رہے آپ کے درس وافادہ کا یہ اولین تجربہ تھا جس سے بڑی خوش اسلوبی اور نیک نامی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے بعد ازاں اپنے اساتذہ کے مشورہ اور اہل گلبرگہ کی طلب پر جنوبی ہند کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ دینیہ روضتین گل برگہ سے وابستہ ہوگئے یہاں صدارت تدریس کے ساتھ اہتمام کا اہم ترین منصب بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ ان مختلف النوع دونوں اہم ترین و نازک ترین ذمہ داریوں کو تقریباً چار سال تک حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا کہ آپ کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کے معترف و معتقد خود آپ کے اساتذہ بھی ہوگئے چنانچہ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں بلالیا گیا۔ اس وقت سے حیات کے آخری لمحے تک دارالعلوم ہی سے وابستہ و پیوستہ رہے یہ آپ کا گھر بھی تھا اور درسگاہ بھی۔ دنیا کے تمام علائق سے یکسو ہو کر بس دارالعلوم کو اپنی تمامتر توجہات کا مرکز بنا لیا تھا، اس طرح نصف صدی کی طویل مدت دارالعلوم کی خدمت اور طلبہ کی تعلیم و تربیت میں گذار دی ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام ہے ترے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں تدریس کے ساتھ نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی مولانا مرحوم سے متعلق ہوگئی جسے ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء تک بالغ نظری و تندہی کے ساتھ انجام دیتے رہے، پھر ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم کی ہیئت حاکمہ مجلس شوریٰ نے صدارت تدریس کے عظیم ترین منصب کے لئے آپ کا انتخاب کیا جس پر تادم واپسیں فائز رہے۔

علمی کمال:-

دارالعلوم کی پچاس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت مولانا نے نحو، بلاغت، ادب، منطق، فلسفہ، فقہ، تفسیر، حدیث، وغیرہ ہر فن کا کامیاب درس دیا، جو علوم متداولہ میں آپ کی دستگاہ اور جامعیت کی ایک زندہ شہادت ہے، لیکن اپنے خصوصی استاذ و مربی

شیخ الادب کی طرح آپ کا پسندیدہ موضوع فقہ اسلامی اور قدیم عربی ادب تھا، فقہ حنفی کی بلند پایہ و ادق ترین کتاب ہدایہ اخیرین کا درس بے تکان دیتے تھے، اور اہم سے اہم پیچیدہ مباحث کی ایسی دل نشین اور سلجھی تشریح کرتے تھے کہ طلبہ کو احساس تک نہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی اہم اور سخت بحث تھی، اسی طرح متنبی، حماسہ اور سبعہ معلقہ کے درس میں تحقیق لغات، حل ترکیب، اشعار کے معیار بلاغت، متعلق شعراء کے ادبی مقام اور ان کے کلام کے معانی و مفہوم پر ایسی جامع اور فاضلانہ تقریر کرتے تھے کہ باصلاحیت طلبہ جھوم جھوم اٹھتے تھے، ان دونوں فن میں مولانا مرحوم کی انفرادیت پورے حلقۂ دارالعلوم میں معروف و مسلم تھی، جس میں کوئی دوسرا ان کا ہم پایہ و ہم پلہ نہیں تھا۔

حضرت صدر صاحب مغفور علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو تصنیف و تالیف کے بالمقابل افراد سازی اور مردان کار کی ساخت و پرداخت کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے بھرپور تصنیفی صلاحیت رکھنے کے باوجود جس کا اندازہ زمانۂ تعلیم کی نوشتہ تقریر ترمذی وغیرہ سے ہوتا ہے، کتابوں کی تالیف اور شروح و حواشی کی تحریر کے بجائے اپنے شاگردوں کی علمی تہذیب و تربیت اور ان کے اخلاق و کردار کو آراستہ و پیراستہ کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے آپ کی اسی جہد مسلسل کا نتیجہ ہے کہ آپ کے چراغ علم و حکمت سے علم و آگہی کی ہزاروں شمعیں روشن ہوگئیں جن کی ضیاء پاش کرنوں سے آج دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے۔

عادات وخصائل :-

حق گوئی اور طریق حق پر استقامت میں مولانا مرحوم پختہ کردار کے مالک تھے، نفع و نمود کے جذبہ سے بلند ہو کر ہمیشہ سچی بات کہنے کے عادی تھے، آپ کا دینی مزاج بزرگان سلف کی طرح "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز" کا حامل تھا، رائے میں پختہ تھے کسی شخصیت سے کم ہی مرعوب ہوتے تھے، مزاج اصول پسند تھا، اس لئے بے اصولی بے حد ناگوار تھی، اپنے کام میں بڑے چست اور چاق و چوبند رہتے اور دوسروں سے بھی اسی کی توقع رکھتے تھے، سخت گیر تھے مگر سخت دل نہیں تھے، چھوٹے بچوں کے ساتھ بڑی شفقت و محبت اور

پیار و دلار کا معاملہ کرتے، وقار اور سنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے شدید غصہ اور ناراضگی کے وقت بھی سخیف و رکیک الفاظ زبان پر نہیں لاتے تھے، قہقہہ مار کر ہنسنے کے بجائے زیر لب مسکرا دینے کی عادت تھی، طبیعت میں نفاست اور پاکیزگی تھی، کپڑے ہمیشہ صاف ستھرے اور عمدہ استعمال کرتے تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ان کے تلقین کردہ اوراد و وظائف کے بڑے پابند تھے، آخر شب میں اٹھ جانے کا معمول تھا جس میں تخلف نہیں ہوتا تھا، رمضان المبارک میں ساری رات جاگنے کا اہتمام کرتے تھے۔ خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں جانے والے میں"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم اپنے فضل و کمال اور وسیع تر علمی و دینی خدمات کے پیش نظر جس قدر دانی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ نہ ہو سکی، دعا ہے کہ خدائے رحیم و کریم اپنے رحم و کرم سے انھیں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ — اپنی خصوصی رضوان و رحمت سے ہم کنار کرے۔ اور زلات و تقصیرات کو حسنات میں تبدیل فرمادے دارالعلوم اور تمام مسلمانوں کی طرف سے انھیں جزائے خیر عطا کرے۔

سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم لوٹ گئے ہو
تم ساتھ تھے، تم ساتھ ہو، تم ساتھ رہوگے

ایک ضروری نوٹ :-

ان سطور کے لکھنے اور کاتب کے حوالہ کر دینے کے بعد ایک گرامی قدر اور ہر اعتبار سے اپنے ایک بزرگ معاصر کا تأثراتی مضمون کل کے قومی آواز میں نظر آیا۔ جسے پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی، کیونکہ موصوف کی یہ تحریر ان کی حیثیتِ عرفی کے معیار سے (گستاخی معاف) گری ہوئی ہے، موصوف نے حضرت استاذ الاساتذہ مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے حادثۂ وفات پر بطور اظہار تعزیت کے یہ تأثراتی تحریر شائع کرائی ہے، جس میں انھوں نے حضرت صدر صاحب مرحوم کی حیات پر بھی قدرے روشنی ڈالی ہے، چنانچہ موصوف نے دارالعلوم کی مسند صدارت کی

رفعت وعظمت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"مولانا معراج الحق مرحوم تقریباً دس سال سے اسی مسند پر فائز تھے، مولانا مرحوم کا بڑے سے بڑا مداح بھی غالباً یہ کہنے کی جرأت نہ کرسکے گا کہ موصوف اس سنہری زنجیر کی ایک کڑی ہونے کے باوجود علم وشہرت کے اعتبار سے انھی کے ہم پایہ تھے۔"

(قومی آواز، مورخہ ۷ر ستمبر ۱۹۹۱ء)

مولانا کی یہ بات اگرچہ اپنی جگہ پر درست ہے اور صدفی صد درست ہے، لیکن کہی گئی ہے بے موقع، کیونکہ تعزیت کا موقع جانے والے کے حسنات وبرکات کے بیان کا ہوتا ہے اسکے اکابر کے ساتھ تقابل وموازنہ کا نہیں، "اذکروا محاسن موتاکم" کے ذریعہ ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے اس لئے یہ بات قطعی طور پر بے موقع ہے اور حضرت مرحوم کے تلامذہ اور عقیدت مندوں کو اس سے ناگواری خلاف توقع نہیں ہے، پھر آگے چل کر معاصر موصوف نے حضرت مولانا مرحوم سے اپنے رشتۂ تلمذ، اپنے اوپر ان کی خصوصی عنایات اور اپنی نیازمندی وحق شناسی پر جس تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس میں خود نمائی کا پہلو نمایاں ہوگیا ہے، یہ چیز بھی بے موقع ہے اور ان کی شایان شان نہیں ہے آخر میں موصوف نے "دارالعلوم کے قضیۂ نامرضیہ" کے سلسلے میں بھی اظہار رائے کیاہے اور حضرت مولانا کی جانب منسوب کرکے ایسی بات کہی ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے، انھوں نے یہ بات ایسے وقت کہی ہے جب کہ وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں، کاش کہ معاصر موصوف ان کی حیات میں اس کا اظہار کردیتے تو مولانا مرحوم کی طرف سے تائید یا تردید سے حقیقت کا انکشاف ہوجاتا لیکن جب وہ دنیا میں نہیں رہے تو اس کا دوٹوک فیصلہ ممکن نہیں ہے، لیکن مولانا مرحوم کے ساتھ اپنی دس سالہ خادمانہ رفاقت کی بنیاد پر پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہنے میں مجھے قطعاً باک نہیں ہے کہ مولانا اس تبدیلی کو آخر وقت تک حق اور درست سمجھتے رہے، اگر انھیں کچھ شکایت تھی تو اس کا تعلق اس تبدیلی سے قطعاً نہیں تھا۔

موصوف نے اس مسئلے کو ایسے وقت میں چھیڑا ہے جب کہ دارالعلوم اپنے غم میں مبتلا ہے، ایسے وقت میں موصوف کا یہ طرز عمل دارالعلوم کے ساتھ نسبت تلمذ اور حق خیرخواہی کے بالکل خلاف ہے جو ان کی شایان شان نہیں ہے اور نہ ان سے اس کی توقع تھی، اس قصۂ پارینہ کو پھر سے زندہ کرنا اور ایسے وقت میں کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں ہے۔

قسط دوازدہم مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی

سورہ بقرہ کے رہنما اشارات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِىَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوا فِى سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَآءُ الْكَٰفِرِينَ ﴿۱۹۱﴾ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَٰنَ إِلَّا عَلَى الظَّٰلِمِينَ ﴿۱۹۳﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَأَنفِقُوا فِى سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوٓا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق، اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق)، اور تم کو معلوم ہے ﴿۱۸۸﴾ تجھ سے پوچھتے ہیں

حال نئے چاندکا، کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے، اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو (۱۸۹) اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو (۱۹۰) اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ، اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے، اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی (۱۹۱) پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۱۹۲) اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا، پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر (۱۹۳) حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے، پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے (۱۹۴) اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں، اور نیکی کرو، بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو (۱۹۵)

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم ـــــــ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ
(۱۸۸)

تحریم رشوت :-

اسلام نے حلال وحرام، جائز وناجائز کا جو قانون بنایا ہے وہ نہایت جامع اور امن عامہ کا ضامن ہے، کیونکہ اس قانون میں قابل اشتراک چیزوں کو مشترک رکھا گیا ہے، جس میں تمام انسان مساوی حق رکھتے ہیں جیسے ہوا، پانی، خودرو گھاس وغیرہ، اور جن چیزوں کے اشتراک میں انسانی معاشرت میں خلل پیدا ہوتا ہے یا نزاع کی صورتیں ظہور میں آتی ہیں، ان میں انفرادی ملکیت کا قانون جاری کیا، پھر انتقال ملکیت کا علیحدہ قانون بنایا جس میں اس بات کا پورا پورا لحاظ ہے کہ کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، بشرطیکہ وہ اپنی جدوجہد کو ان کی تحصیل میں

خرچ کرے۔ انتقال ملکیت خواہ بعداز موت قانون وراثت کے ذریعہ ہو یا تجارت، مزدوری وغیرہ کے ذریعہ اس میں دھوکہ، فریب، دوسرے کو نقصان پہنچا کر نفع حاصل کرنا وغیرہ امور کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے تاکہ انتقال ملکیت کا نظام استواری کے ساتھ قائم رہے، اسی سلسلہ میں رشوت کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ آدمی اپنے حق سے زائد اشیاء حاصل کرتا ہے جس سے دوسروں کی حق تلفی لازم ہے، رشوت معاشرے کیلئے ایک ایسی دبا کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس معاشرہ میں اس کا چلن ہو جائے اس کا سارا نظام معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور قانون وانصاف کی تمام تر قوت ختم ہو جاتی ہے، اسی لئے اسلام نے جو اصلاح معاشرہ کو بنیادی حیثیت دیتا ہے رشوت پر نہایت سخت بندش لگائی ہے، اور رشوت لینے، دینے دونوں کو حرام قرار دیا ہے، حدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، آیت زیر بحث بھی تحریم رشوت کے متعلق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ یہ مال بطور رشوت حاکموں کو مت دو کہ حاکم کو موافق بنا کر کسی کا حق لے لو۔

احکام رمضان کے ذیل میں اس آیت کو لاکر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ایک ماہ کا روزہ رکھ کر نفس کی تطہیر و تہذیب کا جو فائدہ حاصل ہوا ہے اسے باقی رکھو حرام غذائیں یا حرام افعال کر کے اسے دوبارہ گناہوں کی آلائش سے مکدر نہ کرو، ورنہ روزہ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ـــــــ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
(۱۸۹)

روزہ چونکہ ماہ رمضان کے ساتھ موقت ہے اس لئے سوال پیدا ہوا کہ مہینے کی تعیین قمری حساب سے ہوگی یا شمسی سے[1]۔ شمسی تاریخوں کا حساب عام فہم نہیں ہے اس لئے حکم ہوا کہ دینی عبادات ومعاملات مثلاً روزہ، حج، عدت، مطالبۂ حقوق وغیرہ میں قمری حساب سے مہینوں کا اعتبار ہوگا

شریعت میں چونکہ قمری تاریخوں کا اعتبار ہے اس لئے اس کا استعمال فرض علی الکفایہ ہے دنیاوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال اگرچہ جائز ہے، لیکن اگر سارے مسلمان قمری حساب کو ترک کردیں تو گنہ گار ہوں گے۔

---

[1] عام طور پر اہلہ کا معنی چاند سے کیا گیا ہے لیکن ہم نے اس موقع پر مہینہ کے معنی لئے ہیں جس کا ماخذ القرطبی ج۲ ص ۳۴۲ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی اپنے ترجمہ میں مہینہ ہی کا معنی لیا ہے۔

دلیس البرہان تاتوا ۔ صحیح بخاری میں بروایت حضرت برار منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ احرام باندھ لینے کے بعد گھروں میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آجاتی تو بجائے دروازوں کے پچھواڑے سے راہ نکال کر جاتے، اور اپنے اس لغو عمل کو نیکی اور فضیلت تصور کرتے تھے، حکم ہوا کہ گھروں میں ان کی پشت سے داخل ہونا کوئی نیکی کا کام نہیں، نیکی و فضیلت تو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے، اجر و ثواب کے لئے اس قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بوقت ضرورت گھروں میں دروازے سے داخل ہوا کرو۔

فائدہ :۔ اس حکم سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو چیز شرعاً مباح ہو اس کو طاعت و عبادت سمجھنا مذموم اور بدعت ہے، چنانچہ مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا ایک مباح کام ہے، لیکن لوگوں نے اسے عبادت سمجھ لیا تھا، اللہ نے اس اعتقاد کو خلاف تقویٰ قرار دیا اور جو کام خلاف تقویٰ ہوگا وہ مذموم و بدعت ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ——— وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
(۱۹۰) ——— (۱۹۵)

دعوتِ جہاد :۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں (۱) اقدامی (۲) دفاعی

۱ :۔ جہاد اقدامی : جب خدا کے نظامِ عدل کی راہ میں کسی طاقت کی جانب سے رکاوٹ پیدا کی جائے اور دین و اعتقاد کے حق خود اختیاری کو چھیننے کی کوشش ہو تو اس وقت ناگزیر ہو جاتا ہے کہ بزور طاقت اس رکاوٹ کے امکان کو ختم کر دیا جائے۔

۲ :۔ جہاد دفاعی :۔ ہر فرد اور جماعت کو حق خود حفاظت حاصل ہے، جب کوئی طاقت یہ حق چھین لے اور فرد یا جماعت کو حملوں کا نشانہ بنائے تو مظلوم کو اپنی دفاع کا حق پہونچتا ہے۔

ہجرت مدینہ سے پہلے باتفاق امت منکرین و معاندین سے جہاد و قتال ممنوع تھا، اس وقت کی تمام آیات قرآنی میں مسلمانوں کو منکرین کی ایذا و ں پر صبر اور عفو و درگذر کی تلقین تھی، ہجرت کے بعد سب سے پہلے اس آیت میں منکرین سے جنگ کا حکم آیا[۱]

[۱] قالہ الربیع بن انس وغیرہ، القرطبی ج ۲ ص ۳۴۴ ۔

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان منکرین سے جنگ کریں جو ان سے جنگ کیلئے مستعد ہیں، اور جنگ میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ یعنی عورتوں، بچوں، جنگ کی طاقت نہ رکھنے والے بوڑھوں، اپاہجوں، دنیا سے یکسو پجاریوں، اور جنگ میں شرکت نہ کرنے والے مزدوروں کو لڑائی میں قتل نہ کریں۔

یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ جنگ وقتال جیسے انتہائی جذباتی ماحول میں بھی انسانی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتا اور احترام انسانیت کا لحاظ ہر وقت اور ہر حالت میں رکھتا ہے۔

۱۹۱۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ الخ ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ کیلئے نکلے، حدیبیہ میں مشرکین مکہ نے آپ کو آگے جانے سے روک دیا، بڑی گفت وشنید کے بعد یہ طے پایا کہ اس سال تو بغیر عمرہ کے واپس لوٹ جائیں، آئندہ سال اسی ماہ میں آکر عمرہ ادا کرلیں، اس معاہدہ کے مطابق ذی قعدہ سنہ ۷ھ میں آپ پھر اسی قصد سے نکلے، اس وقت مسلمانوں کو یہ اندیشہ دامنگیر ہوا کہ اگر مشرکین بدعہدی کرتے ہوئے آمادۂ پیکار ہوگئے تو اس وقت نہ سکوت کی گنجائش ہوگی (کیونکہ اس صورت میں مارے جائیں گے) اور نہ ہی جنگ کی (اسلئے کہ حرم کے اندر نیز اشہر حرام میں جنگ وجدال ممنوع ہے۔

(تنبیہ) اشہر حرام چار مہینے ہیں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، اس وقت تک ان چار مہینوں میں جنگ مطلق ممنوع تھی، اور اب بھی راجح قول کے لحاظ سے اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا پسندیدہ نہیں۔

مسلمانوں کے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لئے یہ تین آیتیں ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، نازل ہوئیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ حدود حرم میں اگرچہ جنگ کی ابتدا ممنوع ہے لیکن اپنی دفاع میں لڑنا پڑجائے تو اسکی اجازت ہے، لہٰذا یہ حملہ آور جہاں بھی ملیں حدود حرم میں یا حرم سے باہر انھیں مارو اور جس طرح مکہ مکرمہ سے انھوں نے تمھیں نکال دیا ہے تم بھی انھیں وہاں سے نکال دو، ان کی یہی سزا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جنگ وخوں ریزی وہ بھی حدود حرم میں بظاہر سخت بُرا کام ہے لیکن شرک وانکار لوگوں کو حج وغیرہ عبادات سے روکنا اور دین سے لوگوں کو دور کرنا قتل اور جنگ

سے بھی سخت جرم ہے، لہٰذا جب تک ان جرائم کا انسداد نہ ہو جائے جنگ جاری رکھی جائے، ہاں اگر یہ مجرمین اپنے جرائم سے باز آجائیں تو پھر ان سے جنگ کرنی درست نہیں۔

اسلامی تعلیم کی خوبی ملاحظہ کیجئے کہ جہاں دشمن نے لڑائی بند کی تو فوراً مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ وہ بھی اپنی تلواروں کو نیام میں رکھ لیں، اسکے مقابلہ میں نام نہاد صلح پسند انگریزوں کے ۱۸۵۷ء کے واقعات کا مطالعہ کیجئے تو حقیقت سامنے آجائے گی کہ حقیقی صلح پسند کون ہے، اسلام یا عیسائیت۔

الشہر الحرام بالشہر الحرام الخ اور آیت میں حرم کی بنیاد پر جو اندیشہ تھا اس کو دفع کیا گیا تھا۔ اب اس سے شہر حرام (محترم مہینوں) کی بنا پر جو تردد تھا اسے دور کیا جا رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حرم مکہ میں دفاعی جنگ جائز ہے اسی طرح ان محترم مہینوں میں اپنی مدافعت میں لڑنا درست ہے کیونکہ احترام کی چیزوں میں مساوات اور برابری ہے، لہٰذا جو تمہارے معاملہ میں ان محترم اشیاء کی حرمت کا لحاظ کرے تو تم بھی اس کی رعایت کرو، یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک فریق تو ان مہینوں کی حرمت سے بے پروا ہو کر حملہ کرے اور دوسرا فریق حرمت کا خیال کرکے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔ پس جو کوئی ان حرمتوں کی رعایت نہ کرکے تمہارے ساتھ زیادتی کا معاملہ کرے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دو، البتہ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں زیادتی کا بدلہ لینے میں تم سے زیادتی نہ ہو جائے، اور یہ بات خوب یاد رکھو کہ اللہ انھی کا ساتھی ہے جو اپنے کاموں میں پرہیزگار ہیں، اور فتح و کامرانی کا تمام تر دارو مدار اسی کی معیت پر ہے اس لئے تقویٰ کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو۔

۱۹۴۔ وانفقوا فی سبیل اللہ الخ جہاد میں جس طرح افرادی قوت ضروری ہے اسی طرح سرمائے کی طاقت بھی ناگزیر ہے، تجربہ کار جرنیل، مخلص جرأت مند سپاہی سرمائے کی قوت کے بغیر کیا کر سکتا ہے مضبوط عقیدے اور معاشی خوشحالی کے بغیر مجاہد ذہنی و اعصابی الجھنوں کا شکار رہتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جہاد و قتال میں مال و دولت کی قربانی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا جان پر کھیل جانا، اسلئے حکم ہو رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور اگر تجارت و زراعت میں دل لگا کر جہاد کا خیال چھوڑ دیا تو اپنی ہلاکت کا سامان اپنے ہاتھوں کروگے۔

قاضی اطہر مبارک پوری

علمائے سلف نے قرآن و حدیث کے حکم کے مطابق علم دین کو ذریعۂ معاش و معیشت نہیں
بنایا، اور نہ ہی اس کو حصول دنیا کیلئے استعمال کیا بلکہ کوئی نہ کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرکے ضروریات
زندگی فراہم کی ہیں اور نہایت خود داری اور خود اعتمادی سے دین اور علم دین کی خدمت کی ہے
اسی کے ساتھ ان حضرات نے اپنے تلامذہ و اصحاب کو اہل دنیا سے بے نیاز رہنے کی تلقین کی ہے
وہ خود کوئی نہ کوئی کام کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کی معاشی مصروفیات کا لحاظ کرکے حتی الامکان
ان کیلئے آسانی فراہم کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل علم سے کہا کرتے تھے۔

یا معشر القراء استبقوا الخیرات وابتغوا من فضل اللہ ولا تکونوا عیالاً علی الناس۔	اے گروہ علماء! نیک کاموں میں آگے آگے رہو اور اللہ کے رزق و فضل کو حاصل کرو، اور لوگوں پر بار نہ بنو۔

مشہور تابعی عالم ابوظبیان ازدیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے
کہا کہ ابوظبیان! تمہاری آمدنی کتنی ہے؟ میں نے کہا کہ میرا وظیفہ ڈھائی ہزار ہے، یہ سنکر
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کچھ مویشی پال لو، ہوسکتا ہے کہ قریش کے نوخیز نوجوان نظام خلافت
میں دخل دیں اور تمہارا یہ وظیفہ و عطیہ بند کردیں۔

حضرت ابوقلابہؒ اپنے تلمیذ رشید حضرت ایوب سختیانی سے کہا کرتے تھے

یا ایوب الزم سوقک فان فیها غنی عن الناس وصلاحا فی الدین (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶)	ایوب! تم بازار میں اپنا کاروبار کرو اس لئے کہ اس میں لوگوں سے بے نیازی اور دین میں خوبی ہے۔

ایوب سختیانی نے اپنے استاد کی وصیت و نصیحت پر یوں عمل کیا کہ سختیان (کچے چمڑے) کی تجارت سے ضروریات زندگی پوری کرکے بے فکری و بے نیازی سے تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دی، وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے۔

لو علمت ان اھلی یحتاجون الی دستجة بقل ما جلست معکم۔	اگر میں جانتا کہ میرے گھر والے ایک مٹھی سبزی ترکاری کے محتاج ہیں تو تم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر درس نہ دیتا

حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ ہم طلبۂ حدیث بازار میں ایوب سختیانی کے سامنے جاکر بیٹھتے تو وہ کہتے تھے کہ تم لوگ میرے سامنے بیٹھ کر خریداروں کو نہ روکو بلکہ میرے پیچھے بیٹھ کر سوال کرو میں جواب دیا کروں گا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے شاگرد حسن بن ربیع بورانی کوفی سے دریافت کیا کہ حسن! تمھارا پیشہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میں بورانی ہوں، حضرت ابن مبارک نے پوچھا بورانی کا مطلب کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میرے یہاں چند لڑکے بوریہ یعنی چٹائی بناتے ہیں یہ سنکر حضرت ابن مبارک نے کہا۔

ان لو یکن لک صناعة ما صحبتنی۔ [2]	اگر تمھارا کوئی پیشہ نہ ہوتا تو تم میرے ساتھ رہ کر علم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک خود تجارت کرکے اس کی آمدنی سے اہل علم کی خدمت کرتے تھے

سہیل بن علی کا بیان ہے کہ بچپن میں قاضی مصر خیر بن نعیم حضرمیؒ کے پاس بیٹھا کرتا تھا میں دیکھتا تھا کہ وہ تیل کی تجارت کرتے ہیں۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آپ قاضی ہوکر روغن فروشی کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے میرے مونڈھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

استطر حتی تجوع ببطن غیرك۔	تم اس وقت کا انتظار کرو جب دوسرے کے شکم کی وجہ سے بھوکے رہوگے۔

یہ جملہ سن کر میں نے دل میں سوچا کہ کوئی انسان دوسرے کی شکم کی وجہ سے کیسے بھوکا رہ سکتا

---

[1] تاریخ جرجان سہمی ص ۲۷ ۔ [2] الانساب سمعانی ج ۲ ص ۳۵ ۔

ہے؟ اس کی حقیقت اس وقت معلوم ہوئی جب میں بال بچوں کے جھیلے میں پڑا اور ان کی شکم سیری کے خیال سے میں بھوکا رہنے لگا۔[1]

ابو العباس احمد بن محمد وزی ادب و لغت کے مشہور عالم تھے، نہایت خوشخط اور زود نویس تھے، ان کا ذریعۂ معاش وراقت یعنی اجرت پر کتابیں لکھنا تھا، ان کا بیان ہے۔

کل یوم مالم اعمل بدرھم لا اخرج من الدار۔[2] — روزانہ جب تک میں ایک درہم کا کام نہیں کر لیتا گھر سے نہیں نکلتا ہوں۔

عبید اللہ بن ابراہیم تفتازانی محدث، مفسر، واعظ اور عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کے حال میں لکھا ہے۔

یتولی الحرث والحصاد بنفسہ ویاکل من کدہ۔[3] — وہ خود کھیتی باڑی اور کٹیا کرتے تھے اور اپنی محنت سے روزی کماتے تھے۔

امام ابوبکر محمد بن عبداللہ صبغی، رنگ ساز اور رنگ فروش تھے، ان کی دکان پر محدثین کی بھیڑ رہا کرتی تھی اور دوکانداری کے ساتھ درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، ان کی دکان نیساپور کے کرمانی چوک میں پکی سرائے کے دروازے پر تھی، سمعانی کا بیان ہے کہ مختلف پیشوں سے منسوب علمائے سلف کی عادت کے مطابق امام صبغی اپنی دکان میں رنگ فروخت کرتے یا رنگ تیار کرتے تھے۔[4]

حجاج بن منیر مصری، حمصی کی نسبت سے مشہور تھے (چنے والے) وہ بھنے ہوئے چنے فروخت کرتے تھے، مصر کے ایک چوک میں ان کا مکان دار الحمص کے نام سے مشہور تھا جس میں چنا بھونتے اور بیچتے تھے، اسی کے ساتھ حدیث کا درس بھی دیا کرتے تھے، ان کے بھائی عبداللہ بن منیر حمصی مصری بھی یہی کام کرتے تھے اور حدیث کا درس دیتے تھے، حجاج بن منیر حمصی کے صاحبزادہ ابراہیم بن حجاج حمصی کے ساتھ قلاّر (بھوننے والے) کے لقب سے مشہور تھے، امیر ابن ماکولا اور سمعانی نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے۔

---

[1] الولاۃ و کتاب القضاۃ، کندی ص ۳۵۲۔ [2] الانساب ج ۲ ص ۱۹۵۔ [3] طبقات المفسرین داودی ج ۱ ص ۳۶۹۔
[4] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۴۔ [5] الاکمال ج ۳ ص ۲۳۔

ھذا الرجل کان یقلی الحمص و یبیعہ وکان یعرف بالقلاء ۔ لہ	یہ چنا بھونتے اور بیچتے تھے اور قلار کے لقب سے مشہور تھے ۔

جو طلبہ اپنی معاشی مصروفیات کی وجہ سے محدثین و فقہاء کے حلقہ درس میں نہیں آسکتے تھے یا دیر سے آتے تھے شیوخ و اساتذہ خود ان کے مکان یا دکان پر جاکر پڑھایا کرتے تھے تاکہ ان کا نقصان نہ ہو، اور معاش و معیشت کی بحالی اور سکون کے ساتھ علم حاصل کریں۔

امام ولید بن عتبہؒ دمشق کے باب الجابیہ کی مسجد میں درس حدیث دیتے تھے، ایک شخص بہت دیر سے حلقہ درس میں شریک ہوتا تھا اور ولید بن عتبہ ان کی وجہ سے سبق دہرایا کرتے تھے ایک دن اس شخص سے پوچھا کہ تم اتنی تاخیر سے کیوں آتے ہو؟ اس نے بتایا کہ میں بال بچوں والا آدمی ہوں، بیت لہیا میں میری ایک دکان ہے، صبح سویرے سامان خرید کر اس میں بند کرتا ہوں، پھر دوڑتا ہوا آپ کے پاس آتا ہوں تاکہ سبق چھوٹ نہ جائے، میں اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ میرا معاشی معاملہ خراب نہ ہوجائے، اس کی باتوں کو سنکر ولید بن عتبہ نے کہا کہ اچھا اب میں تم کو یہاں دوسری بار نہ دیکھوں، اس کے بعد ولید بن عتبہ کا معمول ہوگیا کہ مسجد کے درس حدیث دے کر ہاتھ میں کتاب لیتے اور اور سیدھے بیت لہیا جاتے اور اس کی دوکان میں بیٹھ کر وہیں درس دیا کرتے تھے ۔ لہ

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد امام وکیع بن جراحؒ دوپہر میں قیلولہ اور آرام چھوڑ کر سقاؤں کے پاس جاتے اور ان کو حدیث پڑھاتے، ان کا کہنا تھا ۔

ھولاء قوم لھم معاش لایقدرون ان یاتونی ۔	ان لوگوں کا ایسا ذریعہ معاش ہے کہ میرے پاس نہیں آسکتے ہیں

امام وکیع ان بہشتیوں اور سقاؤں کو نہایت پیار اور نرمی سے پڑھاتے تھے ۔ لہ اسکے نتیجے میں معمولی معمولی پیشہ والوں میں حدیث و فقہ اور دینی علوم کا ذوق عام تھا حتیٰ کہ حمال اور مزدور راستہ چلتے آپس میں علمی و دینی مسائل پر گفتگو کرتے تھے، امام ابواسحٰق مروزی سے

لہ لہ الاکمال ج ۳ ص ۱۱۶ والانساب ج ۴ ص ۱۵۱ ۔ لہ الجامع لاخلاق الراوی، خطیب ص ۲۶
لہ ازص ۔

ایک مرتبہ بغداد میں ایک راستہ سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ دو مزدور اپنے سروں پر سبزی ترکاری کا ٹوکری لئے جارہے ہیں، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ حضرت ابن عباس نے یہ بات کیسے کہی، دوسرے نے کہا کیا بات؟ پہلے نے جواب دیا کہ ابن عباس کا قول ہے کہ قسم کھانے والے کیلئے جائز ہے کچھ دیر کے بعد اس میں استثنار کرے اور یہ استثنار صحیح ہوگا، اگر یہ بات ہوتی تو حضرت ایوب نے جو قسم کھائی تھی اللہ تعالیٰ اس میں بعد میں استثنار کا حکم دیدیتا اور وہ قسم پوری کرنے کے لئے اپنی زوجہ کو نہ مارتے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۸)

اہل علم کے ذرائع معاش اور ان کے پیشوں کو معلوم کرنا ہو تو تراجم وطبقات کی کوئی کتاب مثلاً تاریخ بغداد اور انساب سمعانی اٹھالو، شاید باید کوئی ایسا صاحب علم ملے جو کسی نہ کسی پیشہ سے مشہور نہ ہو اور اس کی نسبت کسی پیشہ کی طرف نہ ہو، علمائے سلف اپنے معاشی ذرائع کے نمایاں کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور ظاہر کرتے تھے کہ وہ کسی جماعت یا فرد پر بار بن کر زندہ نہیں ہیں بلکہ اپنے کاروبار سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں اور عزت نفس، معاشی خوش حالی، استغنار اور خود اعتمادی کے ساتھ علم دین اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں، یہی حکم ہے اسی میں زہد و تقویٰ ہے، یہ فخر کی بات ہے، اس میں ذلت اور احساس کمتری کے بجائے عزت اور احساس برتری ہے، ایک عالم و عارف نے بالکل صحیح کہا ہے

الا انما التقوی ھو الشرف والکرام	وفخرك بالدنیا ھو الذل والعدم
تقویٰ ہی شرافت ونجابت ہے	اور تمھارا دنیا پر فخر کرنا ذلت اور محرومی ہے
ولیس علی عبد تقیٍ نقیصۃٌ	اذا صحح التقوی وان حاک او حجم
متقی بندے کیلئے کوئی عیب نہیں ہے	اگرچہ وہ پارچہ بافی کرے یا حجامت کرے

ابتدا میں ارباب علم وفضل اپنی نسبت قبیلہ اور خاندان سے بیان کرتے تھے، پھر اپنے اوطان وبلاد کی طرف نسبت کارواج ہوا، اس کے بعد صنعت وحرفت اور پیشوں کی نسبت عام ہوئی، بلکہ بہت سے اہل علم نے صرف پیشہ کی نسبت پر اکتفا کیا، علامہ سمعانی نے لکھا ہے بہت سے شہر والوں کے علمار کی عادت ہے کہ وہ صنعت وحرفت کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں جیسے خوارزم، جرجان، آمل اور طبرستان وغیرہ کے علمار کی یہی عادت ہے، تاکہ دنیاوالوں کو

معلوم ہو کہ وہ خود کفیل اور دوسروں سے بے نیاز ہیں۔

صنعت وحرفت پر زور دیتے ہوئے بعض علما نے اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہے تاکہ اخلاف اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اپنی معاش کا خود انتظام کریں، چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن سعید سعدی ہروی رح نے اس موضوع پر کتاب "الصُّناعَ من الفقہاء والمحدثین" تصنیف کی ہے، جس میں پیشہ ور فقہاء محدثین کا تذکرہ ہے، اس کے بارے میں علامہ سمعانی لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی تصانیف میں ایک بہترین کتاب دیکھی ہے، میرے خیال میں اس موضوع پر ان سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ لہ

اہل علم کی تشویق وتشجیع کیلئے علمی معاشیات کا تذکرہ طبقات ورجال کی عام کتابوں میں بھی کثرت اور خصوصیت سے پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق حلال اور جائز کسب کیلئے بزرگوں نے ہر چھوٹا بڑا کام کیا ہے اور کام کی نوعیت وحیثیت سے بالاتر ہو کر جائز طریقہ سے اپنی روزی کا انتظام کیا ہے اور جس طرح دنیا میں ہر طبقہ کے لوگ اپنے اپنے علمی مشاغل اور کاروبار میں رہ کر دوسروں سے بے نیاز رہتے ہیں اسی طرح اہل علم بھی دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ ہم تین چار طالب علم علی بن عبداللہ مدینیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے ہم لوگوں کو دیکھ کر کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق تم لوگ ہی ہو۔

لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم او خالفهم۔	میری امت کا ایک گروہ حق وصداقت پر قائم و دائم رہے گا ان کی رسوائی اور مخالفت کرنیوالا ان کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکے گا۔

اور اس کی توجیہ یوں فرمائی کہ تاجروں نے اپنے کو تجارت میں مشغول کر رکھا ہے، دستکاروں اور اہل صنعت نے اپنے کو صنعتوں میں مشغول کر رکھا ہے اور ملوک وسلاطین نے اپنے کو امور مملکت میں مشغول کر رکھا ہے، اور ان سب سے الگ تھلگ رہ کر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن سے تعلق ومحبت رکھتے ہو۔ لہ

صنعت وحرفت کی انقلاب انگیز توسیع وترقی کے اس دور میں ہمارے علماء کو زندگی کے عملی میدان سے دور نہیں رہنا چاہئے بلکہ ان کو اسلاف کی طرح رزق ومعیشت کے بارے میں خود کفیل بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

لہ الانساب ج ۲ ص ۱۷۰۔ لہ شرف اصحاب الحدیث، خطیب بغدادی ص ۲۸

از حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر یو کے

سرورِ دو عالم خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مطہر کی ہر چیز اتنی قیمتی اور پیاری تھی کہ دنیا کی کوئی بڑی سی بڑی چیز کا اس کے ہم پلہ ہونا تو کجا اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہونچ سکتی، اسی لئے حضرات صحابۂ کرام رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مطہر سے صادر ہونے والے تمام کمالات معنوی کا جس طرح احاطہ کیا اور حفاظت فرمائی اسی طرح آپ کے کمالات ظاہری اور آپ کے بدن مبارک سے مس کی ہوئی ایک ایک چیز کو دل وجان سے چاہا، اس کا ادب واحترام کیا اور اسے محفوظ کیا، تاکہ بعد میں آنے والی امت سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات ظاہری سے بھی اپنی آنکھوں کو منور کریں۔

حضرات صحابۂ کرام رض کی اس تمنا اور تڑپ وتعظیم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی علم تھا آپ جانتے تھے کہ حضرات صحابہ رض کے دلوں میں آپ کی محبت کتنی شدید ہے اور کس طرح آپ کی ذات گرامی پر فدا در فدا ہوتے چلے جاتے ہیں اسی جذبے کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے کمالات ظاہری صحابۂ کرام میں تقسیم فرمائے، انھیں تبرکات میں سے "موئے مبارک" بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۰ ذی الحجہ کی صبح مزدلفہ سے منٰی تشریف لائے، آپ نے پہلے جمرۃ العقبہ پر پہونچ کر اس کی رمی فرمائی پھر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور جانور ذبح فرمایا، پھر آپ نے حجام کو بلایا اور اور اپنے سر مبارک کا داہنا جانب اس کے سامنے کیا اس نے اس جانب کے بالوں کو مونڈا، آپ نے حضر

ابوطلحہؓ کو طلب فرمایا اور بال مبارک ان کے حوالہ فرمائے، پھر آپ نے بائیں جانب کے بال منڈائے اور حضرت ابوطلحہؓ کے حوالہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ (قسمہ بین الناس) اسے لوگوں میں تقسیم کردو۔ (صحیح مسلم جلد ۱ ص۴۲۱)

حضرت انس رضؓ کی والدہ محترمہ کے پاس بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جنھیں حضرت انس کی والدہ محترمہ نے ایک شیشی میں محفوظ کرلیا تھا۔ اسی شیشی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک بھی تھا۔ (بخاری)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ کو جو بال مبارک عطا فرمائے اسی طرح دیگر صحابۂ کرام رضؓ نے بھی آپ کے موئے مبارک جمع فرمائے تھے اس کی ضرور حفاظت کی ہوگی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جنھیں آپ کی ایک ایک چیز اپنی جان سے زیادہ پیاری اور عزیز تھی) نے ان مقدس تبرکات کی حفاظت نہ کی ہوگی۔

بہت سے صحابۂ کرام رضؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مقدس تبرکات کو زاد آخرت بھی سمجھتے تھے اور مرتے وقت وصیت کرجاتے کہ ان مقدس تبرکات کو ان کے ساتھ ہی رکھنا ہے، کسی وقت بھی اپنے سے جدا کرنا پسند نہ فرماتے تھے، حضرت انسؓ کی والدۂ محترمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پسینہ مبارک جمع فرمایا تھا، حضرت انسؓ نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ یہ پسینۂ مبارک ان کے حنوط میں شامل کی جائے (صحیح بخاری)

سیدنا حضرت امیر معاویہ رضؓ کے پاس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے، جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ موئے مبارک ان کے ناک اور منہ میں رکھدیے جائیں (نزہۃ الابرار)

مرزا محمد تقی سپہ شیعی نے بھی اپنی کتاب ناسخ التواریخ جلد ۱ ص۳۲۹ تہران میں ان تبرکات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص چادر اور تہبند مبارک کے علاوہ موئے مبارک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ناخن مبارک بھی تھے اور پھر اس وصیت کا بھی ذکر کیا ہے جو چند سطروں پہلے آپ نے ملاحظہ فرمائی ہیں۔

بلکہ حضرات صحابۂ کرام رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تبرکات کے نافع ہونے کا اتنا

یقین تھا کہ میدان جہاد میں بھی ان تبرکات کو ساتھ لے جاتے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تبرکات کی بدولت اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی عطا فرمائے۔ سیدنا حضرت خالد بن ولید رضہ کے پاس ایک ٹوپی تھی جو جنگ یرموک میں کہیں گم ہوگئی۔ آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس ٹوپی کو تلاش کرو تلاش بسیار کے بعد ٹوپی مل گئی۔ ساتھیوں نے ٹوپی کی خستہ حالت دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضہ سے استفسار فرمایا کہ آپ اس خستہ ٹوپی کیلئے کیوں اتنے پریشان تھے آپؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عمرہ ادا کرنے کے بعد اپنا سر منڈایا صحابہ کرام رضہ آپؐ کے موئے مبارک کی طرف لپکے؎ حضرت خالد رضہ فرماتے ہیں کہ میں بھی آگے بڑھا اور میں نے آپ کی پیشانی مبارک سے گرے چند بالوں کو اٹھا لیا اور اسے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا جب میں کسی لڑائی میں جاتا ہوں اور یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ (موئے مبارک کی برکت سے) مجھے فتح عطا فرماتے ہیں (طبرانی، حیات الصحابہ ج ۲ ص ۳۳۰)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد رضہ نے فرمایا کہ میں نے یہ اس لئے کیا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ میں پہونچ جائیں اور میں ان کی برکات سے محروم ہو جاؤں (الشفاء ج ۲ ص ۵۶)

حضرت صحابہ کرام رضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے مبارک اور نعمت بے بہا ہونے کا اتنا پختہ یقین تھا کہ اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو شفاء حاصل کرنے کے لئے موئے مبارک والا پانی پلایا جاتا۔ حضرت عثمان بن عبداللہ بن رہب کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضہ کے پاس ایک پیالہ پانی کا دیکر بھیجا اور یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہ رضہ کے پاس پانی کا پیالہ بھیجدیتا، ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال مبارک تھے جن کو انھوں نے چاندی کی نلکی میں رکھا تھا۔؎ حضرت ام سلمہ رضہ ان بالوں کو پانی میں ملا دیا کرتی تھیں اور

؎ مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنا سر منڈوا رہے تھے صحابہ کرام رضہ آپکے قریب ہی تھے، حجام بالوں کو کاٹتا جاتا تھا اور صحابہ کرام اوپر ہی اوپر سے بالوں کو حاصل کرنے کیلئے لپک رہے تھے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶) شیعہ مفسرین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسالہ کو حاصل کرنے کیلئے لپکتے تھے (تفسیر مجمع البیان ج ۹ ص ۱۱۵) ؎ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی

وہ پانی بیمار کو پلایا جاتا تھا۔ (رواہ البخاری ص۸۷۴، وعظ راس الربعین ص۲۵ از حضرت تھانویؒ)

مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے موئے مبارک صحابۂ کرام میں تقسیم فرمائے اور حضرات صحابۂ کرام رضہ نے بھی ان مقدس تبرکاتِ نبوی کو حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضہ حرمین شریفین سے باہر نکلے اور قرب وجوار کے علاقوں میں پہونچے تو ان کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک بھی تھے اس لئے اکابر دیوبند کا مسلک تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک چونکہ انتہائی قیمتی اور برکات کے حامل ہیں اس لئے اگر کہیں موئے مبارک پایا جائے تو اس کا جلدی سے انکار نہ کرنا چاہیئے بلکہ سندِ صحیح سے اس کا وجود یا یہ ثبوت کو پہونچ جائے تو اس کا ادب واحترام کرنا چاہیئے، لیکن اسے تجارت کا ذریعہ بنالینا یا اس کے ذریعہ بدعات کا دروازہ کھولنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ جو لوگ قابلِ اعتماد ثبوت اور سند کے بغیر کسی کے بال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک بتلاکر اسے تجارت کا ذریعہ بنارہے ہیں وہ بہت بڑے جرم کا ارتکاب کررہے ہیں۔

آیئے آج کی مجلس میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے چند ارشادات بھی ملاحظہ فرمادیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں اس کے (یعنی موئے مبارک کے) مصنوعی ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو اس کا اکرام ہی کرنا چاہیئے۔" (مجالس حکیم الامت ص۲۴۳)

ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اگر کہیں موئے مبارک پایا جائے تو جلدی سے ان کا انکار نہ کردیا جائے بلکہ اگر سندِ صحیح سے اس کا پتہ معلوم ہوجائے تب تو اس کی تعظیم کی جائے (اشرف الجواب ص۱۱۱ وعظ راس الربعین ص۲۴)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے سر کے موئے مبارک اتار کر تقسیم فرمائے ہیں، ظاہر ہے کہ کتنوں کے پاس پہونچے ہوں گے اور اس میں ایک ایک بال

کے کتنے حصے کئے ایک ایک نے تقسیم کئے ہوں گے اور کتنی حفاظت سے رکھے ہوں گے اسلئے اگر کسی جگہ موئے مبارک کا پتہ چلے تو اس کی جلدی تکذیب ہرگز نہ کی جائے۔"

(ملفوظات ۔ انفاس عیسیٰ)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی سند صحیح ہے تو اس کی تعظیم کرنے میں اجر و ثواب ہے بشرطیکہ حد شرع سے نہ بڑھ جائے اور پانی میں غوطہ دے کر اس کا پینا بھی باعث خیر و برکت و شفاء امراض ظاہری و باطنی ہے۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۴ ص۵۶)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشادات سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم و اکرام ادب و احترام ہر حال میں ضروری ہے۔ اور موئے مبارک ملا ہوا پانی پینا بھی خیر و برکت کا حامل اور اسکے ذریعہ امراض ظاہری و باطنی دور ہوتے ہیں، آپ کے ہاں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا کہ کوئی چیز حد شریعت سے نہ بڑھنے پائے

جو لوگ علماء دیوبند بلکہ حضرت حکیم الامتؒ پر یہ تہمت باندھتے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اگر بسند صحیح بھی ثابت ہوجائے تو منع کرتے ہیں انہیں حضرت حکیم الامتؒ کے مندرجہ بالا ارشادات کو دوبارہ پڑھ کر اپنی بدگمانی دور کردینی چاہیے

حضرت حکیم الامتؒ ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ایک سفر میں ریل کے اندر ایک آریہ کی کتاب دیکھی جو ایک مسافر نے مجھے دکھلائی اس میں کم بخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ تقسیم موئے مبارک پر اعتراض کیا ہے کہ نعوذ باللہ آپ نے انسان پرستی کی تعلیم فرمائی ہے؟

ارے تو عشق کے آثار کو کیا سمجھے، کافر کو عشق سے کیا تعلق۔ بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے اور آپ جانتے تھے کہ میرے بعد یہ میری صورت کو ترس جائیں گے جس سے ان کو بہت بے چینی ہوگی، اس لئے آپ نے اپنے بال تقسیم فرما دیئے تاکہ ان کو دیکھ کر کسی قدر تسلی ہوجایا کرے، جس نے عشق کا چرکہ کھایا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ محبوب

کے بعد اس کی نشانی کو دیکھ کر کس قدر تسلی ہوتی ہے، عشاق کی تو یہ حالت ہے کہ وہ اس خبر ہی سے مسرور ہیں کہ دنیا میں آپ کی زلف کا موئے مبارک موجود ہے گو ہم نے دیکھا بھی نہیں ؎

مرا از زلف تو موئے بسند ست

ہوس را رہ مدہ بوئے بسند ست

(یعنی تیری زلف کا ایک بال بھی مجھے بہت ہے۔ نہیں بلکہ اس کی خوشبو ہی کافی ہے)

یہ شعر اسی موقع پر شیخ عبدالحق دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ہم نے گو موئے مبارک کی زیارت نہیں کی مگر خبر تو ملی ہے کہ ہاں دنیا میں موجود ہے، بس ہم کو تسلی کیلئے یہی کافی ہے، تو بتلایئے عشاق کی تسلی کرنا یہ کون سی انسان پرستی ہے۔ اس کو پرستش سے کیا تعلق۔ یہ تو جواب عاشقانہ مذاق پر تھا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں اتفاق کو سنبھالا تھا کیونکہ صحابہ آپ کے ایسے عاشق تھے کہ وضو کے پانی پر بھی گرتے تھے اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ آپ کا چھینٹا میرے اوپر گرے، تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو کب چھوڑتے جو کہ اجزائے جسم تھے، اگر آپ تقسیم نہ فرماتے تو عجب نہ تھا کہ تقابل کی نوبت آجاتی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی تقسیم فرما دیئے۔ (وعظ العلم والخشیۃ ص۱۸)

حضرت حکیم الامتؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیے اور آپ کی محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی غور فرمائیے۔

امرؤالقیس کی اشک فشانی

ایک تنقیدی مطالعہ

جناب انظار احمد قاسمی شعبۂ عربی زبان وادب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

عربی زبان وادب کی تاریخ کے موضوع پر، برصغیر ہندوپاک میں، اردو زبان میں، عربی سے ترجمہ، تلخیص اور تصنیف کا کام جاری ہے۔ ان میں چند کتابیں "تاریخ ادبیات عرب" "ادب العرب" "عربی ادب کی تاریخ" "شعر العرب" "عربی زبان وادب ایک تاریخی مطالعہ" "تاریخ ادب عربی تلخیص مختصر تاریخ ادب عربی" عربی میں "تاریخ الادب العربی" "العصر الجاہلی اور" تنقیدات طہٰ حسین" بالترتیب سید ابوالفضل، زبید احمد، ڈاکٹر عبدالحلیم، محبوب صدیقی، خالد حامدی، ڈاکٹر سید طفیل محمد مقتدی حسن، واضح رشید الحسنی اور عبدالصمد الصارم کی ہیں۔ ان میں مقتدی حسن کے علاوہ دیگر بقیہ حضرات کی دو ٹوک رائے یہ ہے کہ عرب جاہلی شاعروں میں امرؤالقیس وہ سب سے پہلا شاعر ہے جس نے رفیقان سفر کے ساتھ مل کر دیار محبوب کے باقی ماندہ آثار پر آنسو بہانے کی ریت ایجاد کی۔ جبکہ مقتدی حسن نے اس سلسلے میں مبہم اور غیر واضح طریقہ اپنایا ہے بلکہ متضاد رائے کا اظہار کیا ہے۔

اوپر کی ترتیب کے ساتھ ہر ایک رائے ان کی تصانیف سے، عبارت کے اقتباس کے ساتھ پیش ہے۔ تاریخ ادبیات عرب میں ہے۔

"عربی شاعری میں سب سے پہلے اسی امرؤالقیس نے دیار محبوب کے باقی ماندہ آثار پر آنسو بہانے سے قصیدہ کا آغاز کیا" [1]

ادب العرب میں ہے۔

"قصائد کے شروع میں ٹیلوں پر کھڑے ہو کر منازل معشوق کی یاد میں رونے کا ذکر امرؤالقیس کی اختراع ہے، چنانچہ کہتا ہے

ؔ قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل [۳]

عربی ادب کی تاریخ میں ہے۔

"شاعر کو یہ سب نشانات دیکھ کر اپنی محبوبہ اور اس کے ساتھ اس جگہ جو حسین لمحات گذرے یاد آجاتے اور وہ بے خود ہو کر رو پڑتا ہے، اس مضمون کو سب سے پہلے جاہلی شاعر امرؤالقیس نے ایجاد کیا، چنانچہ اس نے اپنے مشہور معلقہ میں کہا ہے کہ۔

قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل بسقط اللوى بين الدخول فحومل [۴]

یعنی اے میرے دونوں ساتھیو، ذرا ٹھہرنا ہم اپنے محبوب اور اس کے گھر کو یاد کرکے جو سقط لوی میں دخول اور حومل کے درمیان ہے رو لیں۔

شعر العرب میں ہے۔

"کھنڈرات دیار محبوب پر کھڑے ہو کر رونے کی رسم اسی امرؤالقیس کی یادگار ہے" [۵]

عربی زبان و ادب ایک تاریخی مطالعہ میں ہے

"امرؤالقیس جاہلی دور کا پہلا شاعر ہے جس نے محبوبہ کے اجڑے دیار و آثار پر رک کر محبوبہ کی یاد میں دوستوں کے ساتھ مل کر رونے کی باقاعدہ شعری روایت جاری کی" [۶]

تاریخ ادب عربی تلخیص میں ہے۔

"یہ سب سے پہلا شاعر ہے جس نے محبوب کے کھنڈروں پر کھڑے ہونے اور رونے کی رسم ایجاد کی" [۷]

تاریخ الادب العربی، العصر الجاہلی میں ہے۔

"ومن مستحدثاته الوقوف على الاطلال والبكاء عليها" [۸]

تنقیدات طہ حسین کے مقدمہ میں ہے۔

"اس امر پر اتفاق ہے کہ امرؤالقیس سب سے پہلا شاعر ہے جو دیار محبوب پر ٹھہرا اور رویا" [۹]

مختصر تاریخ ادب عربی میں تین مقامات پر تین طرح کی باتیں ہیں۔ ختا پر ہے۔ امرؤالقیس کے دیوان میں ایک شعر ہے۔

عوجا على الطلل المحيل لاننا نبكي الديار كما بكى ابن خذام

یہ ابن خذام کون تھا، ہمیں کچھ معلوم نہیں صرف اس شعر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاید وہ

شعراء میں پہلا شخص ہوگا جس نے دیار حبیب پر رونے اور کھنڈرات پر ٹھہرنے کی طرح ڈالی ہو؛ اور ص۱۲۵ میں ہے " اس مطلع کو متقدمین نے امرؤالقیس کی جدت پسندی کا نمونہ قرار دیا ہے ، ص۱۴۹ میں ہے :" سطور بالا سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امرؤالقیس ہی نے جاہلی شعراء کے لئے آثار و مقامات پر گریہ و بکاء ...... کی بناء ڈالی " ۹ھ

پہلی عبارت ، مقتدی حسن کے نقطۂ نظر کی ترجمان ہے تو جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اقوال میں امرؤالقیس کا تذکرہ اس کی تاریخی اور غیر افسانوی شخصیت کے وجود کا پتہ دیتا ہے اسی طرح امرؤالقیس کے اس شعر میں ابن خذام کے ذکر کی بنیاد پر اس کا حتمی اور قطعی وجود مان لیا جائے نہ یہ کہ " شاید " اور " ہوگا " ایسے تشکیکی الفاظ کا پیرایہ اختیار کیا جائے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کی زندگی کے بارے میں اور کہیں تذکرہ نہیں ملتا تو محض اس بنیاد پر یہ طریق تعبیر غیر مناسب ہے ، بہرحال اگر پہلی عبارت ان کے نقطۂ نظر کی ترجمان ہے تو دوسری اور تیسری عبارت کا کیا مطلب ہے ، اور یہ کہا جائے کہ مابعد کی دونوں عبارتیں ان کے مسلک کی ترجمان ہیں تو پھر پہلی عبارت کا حاصل کیا ہے ۔

سچ تو یہ ہے کہ امرؤالقیس نے دیار محبوب پر دوستوں کے ساتھ آنسو بہانے کے مضمون میں اپنے پیش رو شاعر ابن خذام کا تتبع کیا ہے چنانچہ " جدید شخصیت اور شاعری " میں ہے " خود جاہلی دور کا مشہور ترین شاعر امرؤالقیس فن شاعری میں قدماء کی تقلید کا اعتراف کرتا ہے شاعر کی زبان سے سنئے ۔

عوجا على الطلل المحيل لعلنا　　　نبكي الديار كما بكى ابن خذام

(دوستو) تم دونوں دیار محبوب کے اس خرابات کی طرف ذرا دیر کے لئے مڑ کر دیکھو شاید کہ ہم پھر اس دیار پر ایسے ہی رولیں جیسا کہ ابن خذام رویا ہے ۔

قصیدہ نگاری میں طلول پر آنسو بہانے کا فن ، امرؤالقیس نے اگلوں سے سیکھا ہے یہ اس کی اپنی زندگی پر کھارت نہیں ۱۰ھ

معلقات العرب دراسة نقدية تاريخية في عيون الشعر الجاهلي میں ہے

وامرؤالقيس نفسه يذكر ان غيره من الشعراء

تدبکی الدیار فی قوله

عوجا علی الطلل المحیل لعلنا تبکی الدیار کما بکی ابن خذام[۲]

الشعر والشعراء میں ہے

قال ابن الکلبی : اول من بکی فی الدیار امرؤ القیس بن حارثة بن الحمام بن معاویة وایاه عنی امرؤ القیس بقوله :-

یا صاحبی قفا النواعج ساعة تبکی الدیار کما بکی ابن حُمام

وقال ابو عبیدة : هو ابن خذام وانشد :-

عوجا علی الطلل المحیل لعلنا تبکی الدیار کما بکی ابن خذام[۲]

شرح دیوان امرؤ القیس میں ہے

وابن خذام رجل بکی الدیار قبل امرؤ القیس ویروی ابن حمام وهو شاعر یقال له امرؤ القیس

ورواه ابو عبیدة ابن خذام[۳]

یہ امرؤ القیس کے قصیدۂ میمیہ کا ایک شعر ہے، اور یہ جوابی ہجویہ قصیدہ ہے جو اس نے اپنے رشتہ دار شاعر سُبیع بن عوف بن مالک بن حنظلہ کے مذمتی ہجویہ قصیدہ کے رد میں کہا ہے، واقعہ یہ ہوا کہ سبیع کو کسی چیز کی ضرورت پڑی تو امرؤ القیس کے پاس آیا اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرنے کو کہا، امرؤ القیس نے انکار کردیا، تب اس نے امرؤ القیس کی مذمت میں چند اشعار کہے، جس کے ردعمل میں امرؤ القیس نے یہ میمیہ قصیدہ کہا[۴]

اس قصیدہ کی ترتیب میں اختلاف ہے، الاعلم الشانمری کے مرتب کردہ دیوان میں پندرہواں قصیدہ ہے، الطوسی کے نسخے میں گیارہواں، السکری کے یہاں دسواں، البطلیوسی کے نزدیک چوبیسواں، ابن النحاس کے نسخہ میں بتیالیسواں اور ابن سہل کے نسخہ میں ستائیسواں قصیدہ ہے، نیز الاعلم الشنتمری، السکری البطلوسی، ابن النحاس اور ابو سہل کے مرتب کردہ مطبوعہ اور مخطوطہ دواوین میں پورا کا پورا قصیدہ موجود ہے، البتہ البطلیوسی کے یہاں المفضل کی روایت کے حوالہ سے زیربحث شعر کا تذکرہ نہیں ہے، اس کے علاوہ السکری اور

اور ابو سہل کے نسخوں میں علی الطلل المحیل لعلنا" اور بقیہ نسخوں میں لعلنا کے بجائے، لأننا ہے[۱] اس قصیدہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے

لمن الدیار غشیتها بسحام فعمایتین فهضب ذی اقدام

فصفا الأطیط فصاحتین فغاضر تمشی النعاج بها مع الأرام

دار لهند والرباب وفرتنی ولمیس قبل حوادث الایام

عوجا علی الطلل المحیل لأننا نبکی الدیار کما بکی ابن خذام[۲]

امرؤ القیس کے دیوان کے مختلف نسخوں میں قصیدہ میمیہ کے اس چوتھے شعر کی موجودگی میں خاص طور پر اس کی صحت کی یقینی صورت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امرؤ القیس نے سب سے پہلے خرابات محبوب پر رونے کی رسم ایجاد کی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ امرؤ القیس کے قصیدۂ لامیہ کے بارے میں ابن الکلبی نے اعراب کلب کی دو رائیں بیان کی ہیں، پہلی یہ کہ یہ قصیدہ ابن خذام کا ہے، دوسری یہ کہ اس قصیدہ کے ابتدائی پانچ اشعار ابن حمام کے ہیں اور بقیہ اشعار امرؤ القیس کے ہیں۔

عن ابن الکلبی اعراب کلب ینشدون هذه القصیدة لابن خذام وفی جمهرة الأنساب لابن حزم عن ابن الکلبی ایضاً ان اعراب کلب کانوا اذا سئلوا بماذا بکی ابن حمام الدیار انشدوا خمسة ابیات متصلة من اول "قفا نبك من ذکری حبیب ومنزل" ویقولون ان بقیتها لامرئ القیس[۳]

عام طور پر محمد بن سلام الجمحی کی کتاب "طبقات الشعراء" کی عبارت نقل کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ محمد ابن سلام کی رائے بھی یہی ہے کہ اس نے بھی جاہلی شاعروں میں امرؤ القیس کو سب سے پہلا شاعر قرار دیا ہے جس نے محبوب کے خرابات پر آنسو بہانے کی رسم ایجاد کی جب کہ صورت حال یہ ہے کہ یہ عبارت اس پس منظر میں نقل کی ہے کہ جن ادباء اور شعراء کی نگاہ میں امرؤ القیس سب سے بڑا شاعر ہے وہ اس کی ایک دلیل یہ دیتے ہیں، چنانچہ طبقات الشعراء میں ہے

فاحتج لامرئ القیس من یقدمه ولیس علی انه قال مالم یقولوا ولکنه

سبق الی اشیاء ابتدعها استحسنتها العرب واتبعته فیه الشعراء منه استیقان صحبه والبکاء فی الدیار ۔ ۔ ۔ ۔ [۶]

اس عبارت میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ یہ ابن سلام کے خیالات ہیں، ابن سلام نے اپنے نقطہ نظر کا اظہار طبقات الشعراء ہی میں کیا ہے اسے دیکھئے۔

وقال امرؤ القیس،

عوجا علی الطلل المحیل لعلنا ۔۔۔ نبکی الدیار کما بکی ابن خذام

وهو رجل من طیئ لم نسمع شعرہ الذی بکی فیه ولا شعراً غیر هذا البیت الذی ذکرہ امرؤ القیس [۸]

امرؤ القیس کا یہ شعر نقل کرکے ابن سلام نے اپنے نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے کہ ابن خذام کو یہ اولیت حاصل ہے کہ اس نے امرؤ القیس سے پہلے دیار محبوب رونے کی رسم ایجاد کی۔ اور امرؤ القیس نے اس فن میں اس پیش رو کی تقلید کی۔

حوالے

۱: تاریخ ادبیات عرب، ص۴۵ سید ابوالفضل، طبع اول ۱۹۵۴ء اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار، حیدرآباد، دکن۔

۲: ادب العرب ۱/۱۳۷ زبید احمد، طبع اول ۱۹۲۹ء یونانی دواخانہ الہ آباد۔

۳: عربی ادب کی تاریخ ۱/۵۵ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی، طبع دوم ۱۹۸۲ء نیشنل پریس۔

۴: شعرالعرب ص۱۱۳ محبوب صدیقی، طبع اول ۱۹۷۸ء مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڈھ۔

۵: عربی زبان وادب ایک تاریخی مطالعہ ۱/۱۹۲ خالد حامدی، طبع اول ۱۹۸۲ء جمالی پرنٹنگ پریس دہلی۔

۶: تاریخ ادب عربی تلخیص ص۲۰ ڈاکٹر سید طفیل احمد ندوی، طبع دوم ۱۹۵۵ء اسرار کریمی پریس الہ آباد

۷: تاریخ الادب العربی العصر الجاہلی ص۲۰ واضح رشید الحسنی الندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ الهند

ﮥ : تنقیدات طہ حسین ص۱۷ عبدالصمد الصارم، طبع اول ۱۹۶۱ء، سویرا آرٹ پریس لاہور۔

ﮥ : مختصر تاریخ ادب عربی ۱/۵۰، ۴۹، ۴۵، ۲۲، ۱۰۷۔ مقتدی حسن ازہری طبع اول ۱۹۷۶ء قومی لیتھو پرنٹنگ پریس جبیب پورہ بنارس۔

۱۰ﮥ : جریر شخصیت اور شاعری ص۱۲، ڈاکٹر عبدالباری، طبع اول ۱۹۸۰ء، تاج پرنٹنگ ورکس نئی بستی علی گڈھ

۱۱ﮥ : معلقات العرب دراسۃ نقدیۃ تاریخیۃ، ڈاکٹر بدوی طبانہ، طبع اول ۱۹۵۸ء مطبعۃ الرسالہ، عابدین۔

۱۲ﮥ : الشعر والشعراء ص۶۹ ابن قتیبہ۔

۱۳ﮥ : شرح دیوان امرؤ القیس ص۱۶۳، وزیر ابوبکر عاصم بن ایوب بطلیوسی، طبع اول ۱۳۰۷ھ مطبعۃ الخیریہ مصر۔

۱۴ﮥ : دیوان امرؤ القیس، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم ۱۹۵۸ء، دارالمعارف مصر۔

۱۵ﮥ : نفس مصدر ص۱۰۴۔

۱۶ﮥ : شرح دیوان امرؤ القیس ص۱۶۲۔

۱۷ﮥ : دیوان امرؤ القیس ص۳۲۷۔

۱۸ﮥ : طبقات الشعراء ص۱۲ محمد بن سلام ۱۹۱۳ء مطبع لیدن

۱۹ﮥ : نفس مصدر ص۳۔

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مولانا نورعالم خلیل امینی
ایڈیٹر "الداعی"
واستاذ دارالعلوم دیوبند

عراق کے صدر صدام حسین نے عربوں کو جو سبز باغ دکھایا تھا وہ عربوں کی تاریخ کا سب سے بڑا فریب تھا. جب انھوں نے ۲ راگست ۱۹۹۰ء کی صبح کو کویت پر حملہ وقبضہ کرکے وہاں شر و فساد کا وہ طوفان برپا کیا جس پر پوری دنیا نے ان کی مذمت کی، پھر معاً اپنے خلاف مشرق ومغرب کی طرف سے عائد کردہ معاشی، فوجی اور اخلاقی پابندی نیز عربی اور اسلامی ملکوں کی جانب سے مکمل بائیکاٹ کی نزاکت کے ادراک کے بعد انھوں نے ذرائع ابلاغ کی پوری طاقت سے یہ شور مچایا کہ کویت پر قبضہ اور سعودی عرب اور اس جیسے دیگر خلیجی امپریلسٹ ملکوں (جو ان کے بقول امریکہ اور اسرائیل کے مفادات کے محافظ، عربوں کی دولت فراواں کو ان پر بے دریغ لٹاتے اور عربی دولت کی غیر مساویانہ بلکہ ظالمانہ تقسیم کے جرم مسلسل کے مرتکب ہیں) پر آئندہ شب خوں مارنے اور قبضہ کرنے کے ارادے سے اس کا واحد مقصد اسرائیلی حکومت کے "حرف غلط" کو صفحۂ ہستی سے مٹانا، عربی مقبوضہ علاقوں اور مسجد اقصیٰ کو واگذار کرانا، روئے زمین پر قافلۂ شر وظلم و ناہمواری کے قائد اعظم امریکہ کو ایسی ضرب لگانا جس کا اثر اس کو اپنے دل کی گہرائیوں اور دماغ کی سلوٹوں میں محسوس ہو، اور اس صیہونی، صلیبی مشترکہ سازش کو ناکام بنا دینا ہے جو "نیل سے فرات تک" وسیع تر اور عظیم تر اسرائیل کے قیام کے خواب پریشاں کی عملی تعبیر کے لئے مصروف جہد مسلسل ہے۔

خانماں برباد فلسطینیوں، بعض ان چھوٹے چھوٹے عربی ممالک جن کی حکومتوں کا آشیانہ "شاخ نازک" پر بنا ہوا ہے، دانہائے تسبیح شیخ کے مثل یہاں وہاں بکھرے ہوئے "اسلام پسندوں" اور ناخواندہ مسلم عوام جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعبیر بلیغ میں " اتباع کل ناعق" یعنی کسی بھی داری

کے پیچھے چل پڑنے والے ہیں، کا اس پرفریب کھوکھلے نعرے سے ناقابل بیان حدتک متاثر ہوجانا، یقیناً ان کی ایسی سادگی کا غماز ہے جس کی نظیر تاریخ انسانی میں خال خال ہی ملتی ہے، یا اس کم نگاہی کا نتیجہ ہے جو ایک آدمی کیلئے تصویر وحقیقت اور آواز و آوازِ بازگشت کے مابین واضح فرق کو محسوس کرنے سے مانع رہتا ہے۔

عربی ممالک، فلسطینی تنظیموں، دنیائے اسلام کے عوام وحکام اور مسلمانانِ عالم کو ماضی میں تجربہ رہا ہے اور مستقبل میں بھی تجربہ ہوجائے گا کہ صدام حسین اور ان کے ایسے افکار وخیالات اور خواہشات ورجحانات والے موجودہ وگذشتہ سربراہانِ عرب جن کو ہم مسلمانوں اور عربوں کی بدقسمتی سے حالات نے عربیت، اسلام، عربوں کی قسمت اور عربی واسلامی کاز سے اس طرح کھلواڑ کرنے کا موقع دیا جیسے ایک طفل ناشناس گوشۂ قرطاس سے۔

فلسطین اور عربوں کی سرزمین کی بازیابی اور اسرائیل کو نذرِ محیط بے کراں کرنے، یا کسی صحرائے ناپیداکنار کا پیوند بنا چھوڑنے کی راہ پر ایک قدم چلنے سے بھی درماندہ ہیں اور رہیں گے۔

ماضی کے اس تلخ اور سبق آموز تجربہ کے باوجود انھوں نے صدام کو اسی طرح واہ واہ کہا جیسے ماضی میں وہ ان جیسوں کو کہتے رہے تھے، اور ان کے نعروں کے نت آدرا اور بے معنی نغموں سے مسحور وبدمست ہوگئے، کیوں؟ یا تو اس لئے کہ وہ (جیساکہ میں نے ابھی اشارہ کیا) فریب کھاگئے، کیوں کہ مسلمان اپنے نبی صادق کے ارشاد کے برخلاف ایک سوراخ سے لاتعداد مرتبہ ڈسی جانے والی دنیا کی واحد قوم ہے۔ یا وہ اس ڈوبنے والے کی طرح تھے جس کو تنکے کا سہارا بھی کافی ہوا کرتا ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ اسرائیلی قبضہ کی شب تیرہ نہ صرف دراز تر ہوتی جارہی ہے بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تیرگی اس درجہ فزوں تر ہے کہ ایک لمحہ وہ آئے گا جب ایک فلسطینی بلکہ ایک عربی اگر اپنا ہاتھ نکالے گا تو گھٹاٹوپ تاریکی سے وہ اسے ہرگز نہ دیکھ پائے گا۔

دوسری طرف انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص نے جو قدرے توانائی حاصل کرلی ہے اسرائیل کے زوال کا نعرہ لگاتا اور دریائے اردن کے مغربی کنارہ، غزہ کی پٹی، ساری صحرائے سینا، گولان کی پہاڑیوں اور تمام سرزمین فلسطین سے اس کی مکمل بے دخلی تک لڑتے رہنے کے ارادہ کا اظہار کررہا

ہے، لہٰذا وہ اس کی طاقت سے مرعوب ہوکر اس کے ہم نوا بن گئے کہ طاقت زمانۂ قدیم سے مسجود انسان رہی ہے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کھڈ میں گرا چاہتا ہے، کھڈ کے کنارے پر ایک قوی الہیکل شخص کھڑا آواز لگا رہا ہے، لوگو! اس مہلک کھڈ سے تمھیں صرف میں ہی بچا سکتا ہوں، شخص مذکور اور دیگر لوگ اسے نجات دہندہ تصور کرکے اس کی بانہوں میں جا گرتے ہیں اور وہ انھیں فوراً ہی کھڈ میں دھکیل دیتا ہے کہ وہ اسی مقصد سے وہاں کھڑا تھا، اگر یہ لوگ اس سے پناہ نہ لیتے تو عین ممکن تھا کہ موت کے اس گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہتے۔

صدام حسین کی اپنے عرب پڑوسی کے خلاف جارحیت، اور اس کے آرام و راحت، اس کی سرزمین اور اس کی عزت و ناموس پر ڈاکہ، چاہے حامیان صدام کے مطابق اس جارحیت اور ڈاکہ کا اشارہ امریکہ نے دیا ہو یا اسلام و عربیت کے تعلق سے عالمی صیہونی اور صلیبی سازش کا نتیجہ ہو۔ لیکن جن لوگوں نے اس جارحیت کو نہ صرف یہ کہ سراہا بلکہ دامے، درمے، قدمے اور سخنے ہر طرح اس کی تائید و مدد کو دین و ایمان سمجھا، خصوصاً وہ فلسطینی حضرات جنھیں صدام کے مذکورہ عرب پڑوسی نے اپنے دیگر پڑوسیوں کی طرح سینے سے لگایا، آنکھوں میں بسایا ان کے بجھے ہوئے چراغ میں تیل ڈالا، ان کی شام غم کو صبح مسرت میں بدل دینے کی ہر ممکن کوشش کی، ان کو اپنا ہم نوالہ و ہم پیالہ بنایا اور انھیں قرآن کریم کی معجز نما تعبیر میں " اندیشوں سے نجات دی "

یقیناً انھوں نے ایک زبردست تاریخی غلطی کی بلکہ ان عربوں کی تاریخ میں بے مثال جرم کا ارتکاب کیا جن کا خمیر احسان شناسی، مروت، شرافت اور وفا شعاری سے تیار ہوا تھا درحقیقت انھوں نے اپنی فطرت کے خلاف ورزی کی کہ احسان کا بدلہ برائی سے دیا، تاریخ ان کی اس غلطی بلکہ جرم عظیم کو ہرگز معاف نہیں کرے گی، جس کی تفصیلات جاننے کے بعد ہر شخص غم سے پگھلنے لگتا ہے۔

● ● ●

یہ مسئلہ کا ایک پہلو ہے۔ لیکن اس کا ایک دوسرا قابل غور پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ ارض

فلسطین ارض اسلام ہے، لہٰذا اس کی اور مسجد اقصی کی بازیابی، اس کیلئے جہاد، اور اس سلسلہ میں تمام وسائل و ذرائع کی تسخیر و استعمال عین اسلامی ہدف ہے۔ اور یہ یقین کہ اسرائیل کو اس سرزمین مقدس میں لا بسانا غیر قانونی اور غیر قدرتی عمل تھا اور ہے، لہٰذا اسے وہاں سے اس لا نیخرے بلکہ ضرر رساں سبزۂ خود رو کی طرح اکھاڑ پھینکنا از حد ضروری ہے، جو ثمرآور پودوں کے پہلو میں نکل آتے ہیں، اور بلا وجہ اس کی زمینی غذا اور آب و ہوا میں شریک ہو کر اس کی "صحت مندی" کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے دین و ایمان کا حصہ ہے۔

اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی فکر و عمل اور اس سلسلہ میں کوشش پیہم سے دریغ عقیدۂ اسلامی کے حوالہ سے ایک ایسا جرم ہے جو اس غیرت ایمانی کے تقاضے کے برخلاف ہے جو ایک انسان کے ایمان کا تتمہ ہے۔ فلسطینیوں اور بعض ان عربی ممالک کی ساری غلطیاں بھی اس کوتاہی کے لئے وجہ جواز نہیں بنتیں جنھوں نے صدام کی جارحیت کا ساتھ دیا کل کسی اور جارح کا ساتھ دے سکتے ہیں جیسا کہ ماضی میں وہ ایسا بارہا کر چکے ہیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ اسلامی عقیدہ سے مربوط ہے، تو فرض کیجئے کہ اگر سارے فلسطینی یا اردنی یا شامی یا مصری اسلام سے وفاداری واپس لینے کا اعلان کر دیں تو کیا جواب آں غزل کے طور پر ہم بھی یہی کچھ کرینگے؟ ہرگز نہیں۔

ہاں اس سلسلہ میں کسی طرح کی کوتاہی اور ان زمینوں پر جہادتاوی ذرائع اختیار کرنے یا "حقیقت حال" کو مان لینے یا ان گناہوں کی وجہ سے جن کا ارتکاب عربوں کے ایک گروہ نے کیا، کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا، قطعاً ناروا ہے، چہ جائے کہ اسرائیل کے ساتھ "تعلقات کی استواری" کے اس گناہ کا ارتکاب کیا جائے جس کے ارتکاب کا آغاز کر کے مصری صدر انور سادات نے ایک گھناؤنی بدعت کی طرح ڈالی تھی، جب انھوں نے ۱۹۷۸ء میں کیمپ ڈیوڈ میں امریکی صدر جمی کارٹر کی ثالثی سے اسرائیل کے ساتھ سارے عرب ملکوں کی مخالفت کے باوجود وہ مشہور "معاہدۂ عشق و وفا" کیا تھا جو ان کے قتل پر منتج ہوا اور جس کی وجہ سے عرب ممالک مصر سے ابھی کل تک قطع تعلق کئے رہے، صدر سادات کے جانشین حکام مصر کی طرف سے اسرائیل کے ساتھ اس "ناروا تعلقات" کے سلسلہ میں کسی معذرت خواہی کے بغیر آخرش عربوں

کو مصر کا یہ "گناہ عظیم" معاف کردینا پڑا کہ مصر کے "بادہ و مینا" کے بغیر میخانہ عرب میں خاک اڑنے کا اندیشہ تھا!

اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی اسلامی سرزمین میں یہودیت کے شجرۂ خبیث کی کاشت صلیبی صیہونی، اشتمالی مغربی بالخصوص امریکی شرارت و سازش کے ذریعہ عمل میں آئی تھی، ہم عربوں اور مسلمانوں کو شب و روز کے کسی بھی لمحہ میں اس سازش کی خطرناکی سے غافل نہیں ہونا چاہئے، یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان مشترکہ و متعاون طاغوتی طاقتوں سے اس فراست ایمانی کے تقاضے سے ہمیشہ ہوشیار رہیں، جس کی وجہ سے ایک مؤمن ایک سوراخ سے ایک سے زائد بار ڈسے جانے سے محفوظ رہتا ہے. سوراخ کے زمانی ومکانی ماحول کی تمام تر تاریکیوں کے باوجود، ہم سے اسلام کا (جو ہماری عزت و سربلندی کا واحد سرچشمہ ہے اور اسکے بغیر ہمارا نصیبہ محض ذلت و زوال ہے) حتمی مطالبہ ہے کہ ہم عربوں اور مسلمانوں اور ہمارے عقیدہ و تہذیب و ثقافت کے خلاف ان طاقتوں کی دیرینہ دشمنی و ریشہ دوانی کے استحضار کو شعار بنالیں، اور کسی "تقاضا" یا "دباؤ" کے تحت، ان کے اخلاق و وفا کے قائل ہوکر ہم ان سے "عشق" نہ کر بیٹھیں۔

مصلحت پسندی، مرحلہ واریت، ٹیکنک، حقیقت پسندی، یا اسرائیل و امریکہ کو تنگ کرنے یا "سدراہ" پر ڈالنے کی کسی طویل المیعاد اور دیرپا حکمت عملی کے تقاضے کے دباؤ کے تحت بھی ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ "صلیبیت" (جس کی نمائندگی امریکہ، برطانیہ اور سارے مغربی ممالک کررہے ہیں، صیہونیت (جس کا مقصد اولین نیل سے فرات تک اسرائیلی مملکت کا قیام ہے) اور یہودیت کے کاشتہ اشتمالیت واشتراکیت کے زمیں بوس شجرۂ منحوس، کا مشرق وسطی کے حوالے سے کوئی بھی اقدام محض اسرائیل کے مفادات کیلئے ہوا کرتا ہے، جس کی خدمت کیلئے اس وقت صلیبیت اسی طاقت و قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہے جس طرح بذات خود صیہونیت۔

ہم ان سطروں میں پوری طاقت کے ساتھ اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ عربوں کو ایک مسلمان کی طرح ہوشیار ہونا چاہئے جو نہ فریب دیتا اور نہ فریب کھاتا ہے۔ عربوں

کے وسیع تر علاقہ میں (جسے عربوں کے دشمنوں نے بالاتفاق "مشرق وسطیٰ" کا نام محض اس لیے
دیا ہے کہ اپنے مصالح کے تقاضے کے مطابق جب چاہیں "مشرق وسطیٰ" کا دائرہ وسیع تر کردیں اور
جب چاہیں تنگ کردیں) مکمل امن یا عالمی نظام نو (NEW WORLD ORDER) (جس کا راست
مطلب صیہونی و صلیبی مشترکہ مفادات کی خدمت والا نظام ہے) کے جام خوش نما میں موجود —
شراب تلخ کو ہر وقت محسوس کرنے کیلئے اپنے حواس مجتمع کریں۔

بطور خاص موجودہ مرحلہ میں "ہوشیاری و سمجھداری" کو کام میں لانے کا وجوب ان
شرارت پسند طاقتوں کی نیتوں کے واشدہ اشاریوں سے ہوتا ہے۔ یہ اشارے عربوں کو غلام
در تمام فوجی اور اقتصادی ضروریات میں امریکہ اور مغربی طاقتوں کا دست نگر و دریوزہ گر اور
محتاجی کے اژدھے کا لقمہ تر بنا ڈالنے کی خاطر عربوں کو غیر مسلح کرنے اور ان کی ہر نوع
فوجی صلاحیتوں کو غارت اور دوسری طرف ان کے دشمن اول اسرائیل کو مختلف حیلوں اور
بہانوں سے مسلسل مسلح کرتے رہنے کی کارروائی سے عبارت ہیں۔ اگر بین الاقوامی سطح
پر یہ امر مسلمہ ہے کہ دو متحارب گروہوں یا ممالک کے مابین توازن خوف ہی وہ واحد و قابل
بھروسہ ذریعہ ہے جو ان دونوں کے درمیان گرم جنگ چھڑنے کو روک سکتا ہے۔ تو کیا
یہ توازن کو محض اسرائیل کو مسلح کرنے اور عربوں کو غیر مسلح یا ان کی فوجی صلاحیتوں
کو کم کرنے کے ذریعہ ہی بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

عربوں کی پیہم پسپائی، خود سپردگی اور اپنے حقوق سے دستبرداری کے
بالمقابل اسرائیل اپنے غرور بے جا، ہٹ دھرمی، سرکشی اور سرمو کسی حق سے دست
کشی سے انکار اور تمام عالمی میثاقوں، قانونوں، قراردادوں اور تجویزوں کو ٹھکراتے
رہنے کی پالیسی پر تادم تحریر پوری قوت کے ساتھ قائم ہے۔ وہ اپنے خطرناک منصوبوں
کے کسی حصے یا جزئیے سے ذرا ہٹنے کو تیار نہیں، اور ساری پابندیاں اور دباؤ صرف عربوں پر
ڈالے جاتے رہے ہیں اور ڈالے جارہے ہیں۔ ان عربوں پر جو اپنی خودداری اور اپنی ناک کی خاطر
جاں سپاری کے لیے مشہور تھے، ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کا اطمینان بخش جواب صرف
ایک ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے یہ [illegible] بچے اس ذلت و پسپائی کو گوارہ کر لینے کے خوگر

ہوتے جارہے ہیں، جس کی آلودگی سے اپنا دامن بچانے کیلئے وہ عرب کفن بردوش ہوجایا کرتے تھے، جن کو اسلام نے ستاروں پر کمند ڈالنے کا سلیقہ اور طریقہ سکھادیا تھا جب وہ اسلام کی چاشنی سے لطف اندوز تھے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ امریکہ (جو وسیع تر عربی علاقہ میں " اتالیق " یا " مدرسے کے مہتمم " یا " ہیڈ ماسٹر " یا " قاضی القضاۃ " یا " پولس مین " کا کردار ادا کر رہا ہے) عربوں کے گلے میں غلامی کا طوق ڈالنے کے منصوبہ کو دور رس صیہونی حکمتِ عملی کے ذریعہ اس طرح عملی جامہ پہنا رہا ہے کہ عربوں کو یقین ہوجائے کہ وہ ان کا تنہا مخلص اور وفادار دوست ہے جو ہر اس مصیبت کے وقت ان کی آواز پر لبیک کہے گا، جو انھیں غیروں یا اپنوں کی طرف سے پہونچ سکتی ہے، لیکن امریکہ کو یہ بخوبی معلوم ہونا چاہئے کہ ہم عربی مسلمان کسی بدعہد عربی کی جارحیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس کی بدکارانہ صیہونی اور صلیبی غلامی کی بیڑی اپنے پیروں میں نہیں ڈال سکتے۔ اور ہم جیتے جی سعودی عرب ایسے پاسبان حرم، خادم اسلام، قافلہ خیر کے ہراول دستہ، نیز مصر ایسے ملک جہاں جامعہ ازہر ہے، اور جس نے عظمائے اسلام اور پیغام محمدی کے شیر دل جوانوں کو جنم دیا، اور جو عربی ثقافت کا گہوارہ ہے اور ان خلیجی ملکوں کی موجودگی میں جن کو اسلام پر ناز، عربیت پر فخر، اسلامی بیداری، دعوتی تحریکوں اور علم و تہذیب و ترقی کے رواں قافلوں کی حوصلہ افزائی و دادرسی جن کا شعار ہے۔

ہم آزادی و عزت جو ہمارے لئے اسلام کے بعد عزیز تر ہیں، کا ایک ذرہ بھی اس غلامی کے بدلے فروخت نہیں کرسکتے، جو دشمنان اسلام و عربیت ہمارے اوپر مسلّط کرنا چاہتے ہیں۔ غلامی کی ساری رعنائیوں، بوقلمونیوں اور سحر انگیزیوں کے باوجود مختصر یہ کہ اسلام ناشناس ایک بعثی اور خود سر عربی کے ذریعہ ۲ راگست ۱۹۹۰ء کو پیدا کردہ بحران کے دوران اس سے پہلے اور اس کے بعد عرب دنیا میں ان طاقتوں کی طرف سے تمام تر چالاکی سے تیار کردہ ڈرامہ کو ہوشیاری سے اسٹیج کردینے کی زبردست قیمت ہم وفادار، فرزندان اسلام ہرگز ادا نہیں کرسکتے۔ (باقی ص ۳۲)

مولانا عبدالعلی فاروقی فاضل دیوبند

جو بادہ کش تھے پرانے .....

روزنامہ قومی آواز کی ۴ اگست ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں جب دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کی وفات کی خبر پڑھی تو بے ساختہ زبان پر یہ مصرع آگیا۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں۔

یاد آیا ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء جب میں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا، اور رئیس الاہتمام کی حیثیت سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور ان کے دو نائبین حضرت مولانا مبارک علی صاحبؒ اور حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ تھے۔

مولانا مبارک علی صاحبؒ بہت ضعیف تھے۔ اور مولانا معراج الحق صاحب گو کہ بڑھاپے کی عمر میں تھے مگر پوری طرح ہشاش بشاش تندرست و توانا۔ پھر مولانا مبارک علی صاحبؒ کی تو غالباً اسی تعلیمی سال میں وفات ہوگئی، اور تنہا مولانا معراج الحق صاحب ہی بحیثیت نائب مہتمم رہ گئے ـــــ دارالعلوم میں میرا قیام تین سال رہا، اس دوران کئی مرتبہ سننے میں آیا کہ مجلس شوریٰ کے رواں اجلاس میں مولانا مبارک علی صاحبؒ کی جگہ دوسرے نائب مہتمم کا انتخاب ہوگا مگر بہرحال میرے سامنے کسی دوسرے نائب مہتمم کا تقرر نہیں ہوا۔ وجہ اس کی چاہے جو کچھ رہی ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا معراج الحق صاحبؒ نیابت اہتمام بلکہ عملی طور پر کار اہتمام کی انجام دہی کیلئے بالکل کافی تھے اور ان کے ہوتے کسی کمی کا احساس کبھی نہیں ہوتا تھا۔

مولانا معراج الحق صاحب اس وقت صرف ایک کتاب "ہدایہ اخیرین" پڑھاتے تھے اور بقیہ وقت دفتر اہتمام میں لگاتے تھے، اور میں نے "ہدایہ اخیرین" حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ سے پڑھی تھی، اس لئے مجھے ان کی باقاعدہ شاگردی کی سعادت تو نہیں حاصل ہوئی، البتہ میں ہی کیا اس وقت کے دارالعلوم کا کوئی طالب علم ایسا نہ ہوگا جس کا کسی نہ کسی نسبت سے مولانا معراج الحق صاحبؒ سے تعلق نہ رہا ہو۔

میری نگاہِ تصور میں اس وقت جن مولانا معراج الحق کا چہرہ ہے وہ دارالعلوم کے صرف ایک استاذ یا نائب مہتمم ہی نہ تھے بلکہ وہ عظیم دارالعلوم کے ہر ہر جز و کل پر نظر رکھنے والے ایک تنہا شخص تھے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اس وقت کچھ اس طرح کی شخصیت کے مالک تھے کہ ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی برہم
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

ان کی عمر اُس وقت ۵۵ - ۶۰ کے درمیان تھی، اور اس عمر کا آدمی بوڑھا ہی کہا جاتا ہے لیکن مولانا معراج صاحب بس اس حد تک تو ضرور بوڑھے تھے کہ ان کی ڈاڑھی سفید ہو چکی تھی باقی اسکے بعد اگر وہ بوڑھے تھے تو ایسے بوڑھے کہ ان پر جوانوں کو رشک آئے، سرخ و سفید رنگت، کشادہ پیشانی، کھلتا ہوا قد، مضبوط گٹھا ہوا جسم، پر رعب چہرہ، پاٹ دار آواز، اور ان سب کے ساتھ چستی کا یہ عالم کہ جیسے جسم میں بجلیاں بھری ہوں، پتہ کھڑکا بندہ بھڑکا۔

اور ان کی یہی خوبی یا "خامی" تھی جو بہتوں کیلئے "مصیبت" بنی ہوئی تھی، مولوی عنایت اللہ مدراسی دارالعلوم کے ایک پرانے فاضل تھے، استعداد بہت مضبوط تھی، طلبہ ان سے اس لئے بہت مانوس رہتے کہ وہ مسجد چھتہ میں طلبہ کو تکرار کراتے تھے خصوصاً امتحانات کے زمانہ میں اہم اور مشکل درسی کتابوں کی تکرار میں تو طلبہ کی بڑی بھیڑ ہو جاتی، عجیب کھلنڈرے مزاج کے آدمی تھے "چٹکی بجاتے" نہیں "چٹکی لیتے ہوئے" مسئلے حل کرتے۔ درس ہوتا مگر درسگاہ کا ماحول نہیں ہوتا، کسی کو گدگدا رہے ہیں، کسی کی ٹوپی اچھال رہے ہیں تو کسی کے مکا لگا رہے ہیں، اور ساتھ ہی سلّم و ملا حسن کی مشکل بحثیں چل رہی ہیں، کوئی پوچھتا کہ آپ دارالعلوم میں مدرسی کی درخواست کیوں نہیں دیتے؟ وہ برجستہ کہتے: ارے بھائی جب تک مولوی معراج ہیں اس کا نام نہ لینا ورنہ تمہارا بھی "اخراج" ہو جائیگا وہ دارالعلوم میں ملازمت کے خواہشمند تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ اس سلسلہ میں ان کی سب سے بڑی رکاوٹ مولانا معراج ہیں۔

اور ان کی اس "یقین دہانی" کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ان کی تکرار میں شرکت کرنے والے اکثر طلبہ مولانا معراج کو اس سلسلہ میں "ظالم" اور عنایت اللہ مدراسی کو "مظلوم" سمجھتے تھے، حقیقت کچھ بھی ہو۔ مگر مولانا معراج الحق صاحبؒ کے طلبہ میں ذکر و چرچا کا ایک موضوع یہ بھی تھا۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد کچھ طلبہ اسٹیشن "تفریح" کرنے گئے، وہاں کے عملہ سے کسی بات پر ان کی تکرار ہوگئی، طلبہ تعداد میں کم تھے اس لئے اس وقت واپس آگئے اور پھر دارالعلوم پہونچ کر انھوں نے نہ جانے کس انداز میں "اپنی مظلومیت" کی داستان سنائی کہ دیکھتے ہی دیکھتے "چمن" میں کئی سو طلبہ جمع ہوگئے، اور اسٹیشن کے عملہ کے ساتھ ساتھ مولانا معراج صاحبؒ کے خلاف بھی نعرے لگنے لگے۔ کچھ "موقع کے منتظر" طلبہ نے قیادت سنبھال لی، مولانا معراج صاحب فوراً پہونچ گئے، طلبہ ان سے برہم، مطالبہ یہ کہ فوراً اسٹیشن کے عملہ کے خلاف تادیبی کارروائی کرائی جائے، ورنہ ہم خود جاکر ابھی "سمجھے" لیتے ہیں۔ مولانا معراج صاحبؒ نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے فوراً دربانوں کو حکم دے کر دارالعلوم کے تمام دروازے بند کرا دیئے، بس پھر کیا تھا، اب ان کی بات سننے کو کوئی تیار نہیں، وہ "ظالم" تھے اس لئے کہ انھوں نے طلبہ کو اسٹیشن کے عملہ کو سزا دینے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ طالب علمی کا دور، ہوش کا فقدان اور جوش کی فراوانی، نتیجہ یہ کہ اسٹرائیک کی تیاری شروع ہوگئی ——— اور اب نشانہ مولانا معراج تھے نہ کہ اسٹیشن کا عملہ۔ کوئی ہوشمند بتائے کہ مولانا معراجؒ کا قصور کیا تھا؟

مدنی گیٹ کا دربان اپنا اسٹول کمروں کمروں ڈھونڈتا پھر رہا تھا، اور مولانا معراج الحقؒ دور سے کھڑے دیکھ رہے تھے، آخر کچھ دیر کے بعد ایک طالب علم کو بھیج کر دربان کو بلوایا، اور اس سے دریافت کیا کہ کیا ڈھونڈھ رہے ہو؟ دربان پہلے کچھ گھبرایا، پھر سنبھل کر بولا، جی وہ حضرت میرا اسٹول نہیں مل رہا ہے، مولانا معراج صاحب نے ناگواری کے ساتھ تابڑ توڑ سوالات جڑ دیئے اسٹول کیسے غائب ہوا؟ کیا تم ڈیوٹی پر موجود نہیں تھے؟ تمھارا اسٹول تمھاری ڈیوٹی میں اٹھ گیا اور تمھیں خبر بھی نہیں؟ ڈیوٹی کرتے ہو یا سیر سپاٹا؟ کہاں گئے تھے؟ کیوں گئے تھے؟ اور دربان خاموش، اس کے پاس کوئی جواب بھی تو نہ تھا ——— کچھ دیر سناٹے کے بعد مولانا معراج صاحب کی آواز پھر گونجی، دیکھو تمھاری بہت شکایتیں مل رہی ہیں، یہ لاپرواہی برداشت نہیں کی جائے گی، اسٹول وہاں سے اٹھالو لیکن آئندہ اگر تم ڈیوٹی کے وقت غائب ہوئے تو سمجھ لینا کیا ہوگا؟

اور پھر دربان ڈیوٹی کا پابند ہوگیا، طلبہ کے کمروں میں بیٹھ کر گل چھرے اڑانا بند ہوگیا — لیکن

ظاہر ہے کہ وہ مولانا معراج سے "خفا" تھا، کیونکہ انھوں نے اس کی "آزادی" پر روک لگائی تھی۔

عصر کی نماز کے بعد مطبخ کی "کھڑکیوں" کے سامنے طلبہ کی بھیڑ لگی ہے اور کھانا تقسیم نہیں ہو رہا ہے ــــ معلوم ہوا اندر "چیکنگ" ہو رہی ہے، مولانا معراج صاحب موجود ہیں، اور آج مطبخ کے عملہ کی باری "ہے۔

دارالعلوم کے قیام کے تین سالہ دور میں یہ اور اس جیسے نہ جانے کتنے واقعات نظروں کے سامنے آئے جن سے مولانا معراج صاحب سے "خفگی دبرہمی" کی وجہ دریافت کرنے میں کچھ مشکل نہیں۔

مولانا معراج صاحب نے شادی نہیں کی تھی، ان کا کوئی قریبی عزیز بھی غالباً دیوبند میں نہیں تھا، دارالعلوم ہی کی دوسری منزل کے ایک کشادہ کمرہ میں ان کا قیام تھا، اور دارالعلوم ہی ان کا اوڑھنا بچھونا۔ وہ ایک اصول پسند انسان ہونے کی وجہ سے سخت گیر ضرور تھے لیکن سخت دل نہیں۔ وہ بیمار طلبہ کی خیریت پوچھنے ان کے کمروں میں چلے جاتے، اور غریب طلبہ کی اپنی جیب سے مدد بھی کر دیتے۔ پچھلے کئی برسوں سے وہ دارالعلوم کے "نائب مہتمم" یا "قائم مقام مہتمم" نہیں بلکہ صدرالمدرسین تھے، لیکن راقم الحروف نے ان کے "بدلے بدلے تیور" دیکھ کر یہ اندازہ لگایا کہ شاید ان کا "اصل میدان" بدل گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اندازہ غلط ہو، اور "تبدیلیاں" ڈھلتی ہوئی عمر یا موجودہ منصب کا تقاضا ہوں۔

آج مادر علمی دارالعلوم دیوبند مولانا معراج الحق صاحب سے خالی ہے۔ ۸۱ سال کی عمر پاکر وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے مگر دارالعلوم کے در و دیوار پر ان کے نقوش ابھی بہت دن قائم رہیں گے۔

فرحمة الله عليه رحمة واسعة

مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور میں ایصال ثواب

۲۱ اگست ۱۹۹۱ء آج حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ صدرالمدرسین ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال پُرملال کی اطلاع پر جامع مسجد جلال پور میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا جس میں مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور کے طلبہ واساتذہ نے شرکت کی، خبر کے مطابق انتقال پرملال، صفر مطابق ۱۹راگست کو دیوبند میں ہوا۔

حضرت مولانا نبیہ محمد صاحب مدظلہٗ صدرالمدرسین مدرسہ کرامتیہ دارالفیض نے انتہائی رنج وغم کا اظہار کیا اور مدرسہ کرامتیہ کے محسن حضرت مولانا ضمیر احمد صاحبؒ اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کی زندگی کے باہمی افادی ربط پر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دونوں بزرگوں نے اپنی زندگی علمی ودینی خدمت میں صرف کی اور حیات کے آخر دور تک پورے استقلال کے ساتھ تشنگان علوم نبوی کو سیراب کیا، اور اس راہ میں آنیوالی رکاوٹ کی پرواہ نہ کی۔

حضرت موصوف نے آبدیدہ ہوکر فرمایا یہاں موجود جملہ علماء واساتذہ کو حضرتؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور انتہائی افسوس کہ محض دو سال کے اندر ہم لوگ اپنے دو بہت ہی عظیم محسنوں سے محروم ہوگئے۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب ناظم تعلیمات مدرسہ ہذا نے حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کی خدمات کو سراہا اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ کی خصوصیات وخدمات مختصر طور پر بیان کرکے ارشاد فرمایا کہ موت العالم موت العالم کا مقولہ درحقیقت آپ ہی جیسے عظیم المرتبت جامع کمالات علماء پر صادق آتا ہے۔

مولانا اظفر جمال قاسمی مدرس مدرسہ ہذا نے آپ کی زندگی کو علماء وطلبہ کیلئے اسوہ اور نمونہ بتایا اس لئے کہ اسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ معیار پر آپ قائم تھے۔

جملہ طلبہ نے قرآن خوانی اور کلمہ خوانی کرکے ایصال ثواب کیا اور جلسہ مولانا نبیہ محمد صاحب کی دعاء پر ختم ہوا۔

کارروائی مجلس تعزیت

یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ عالم اسلام کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم
ند کے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد معراج الحق صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہدیا ہے۔
چنانچہ آج مورخہ ۹۱/۸/۲۸ ، بعدنماز فجر مدرسہ اسلامیہ آدا پور کے فوقانی ہال میں
م کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کا نظم کیا گیا جس میں مدرسہ ہذا کے اساتذۂ کرام اور
عزیز نے حصہ لیا، بعدہٗ ایک تعزیتی مجلس منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا منظور احمد
ں نے حضرت مولانا مرحوم کی عالمی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا مرحوم کی خدمات
را ذکر فرمائے، اور مولانا مرحوم کی وفات کو دینی وعلمی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا
بعدہٗ حضرت مولانا مرحوم کیلئے جنت الفردوس اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا
بس کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی،
شرکا میں حضرت مولانا ذاکر حسین صاحب، مولانا وصی اختر صاحب، مولانا سکندر اعظم صاحب و
محمد غنی صاحب وحافظ محمد محفوظ صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

الراقم :۔ محمد قریش انور، آفس انچارج

مدرسہ اسلامیہ آدا پور، مشرقی چمپارن، بہار۔

بقیہ ــ سادگی مسلم کی دیکھ . . . . . .

موجودہ صورت حال میں خوددار عربی ملکوں کے لئے جو اپنی آزادی اور عزت کے
لے سے یقیناً غیرت مند ہیں، جو قول وفعل کے سچے ہیں، جو سنجیدگی اور بے لوثی سے اسلام
بیت کے مفادات کے لئے سرگرم عمل ہیں، ضروری ہے کہ کسی بھی ایسے طرز عمل سے گریزاں
ں جس کو عربیت، عرب، اور نام نہاد قومیت عربیہ کے نام نہاد وفادار (جیسے کہ صدام اور
کے ٹولے) اپنے اس بے بنیاد الزام کی تصدیق کے لئے حوالہ کے طور پر پیش کر سکیں، کہ یہ عرب
ب اسلام دشمن طاقتوں جن میں سرفہرست امریکہ ہے کے اشارہ کے پابند اور حق خودارادیت
سلسلہ میں مجبور ومعذور ومغلوب ہیں۔

مسجد جدید دارالعلوم دیوبند

جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے

دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان و معاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً چار سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بناء پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک اراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔

الحمدللہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اس وقت فرشی منزل مکمل ہو چکی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے۔ اس مسجد سے طلبہ دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں مسقف، چھت والے، حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کے لئے جگہ ہو جائے گی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقہ جاریہ ہوگا اور وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے۔

تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اس وقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے

اس لئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہو سکے۔

پتہ

ڈرافٹ و چیک کیلئے] دارالعلوم دیوبند — اکاؤنٹ نمبر 30076
اسٹیٹ بینک آف انڈیا، دیوبند
بینک کوڈ نمبر ۲۴۰۵۵۴

منی آرڈر کیلئے] حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

○ یہاں پر سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

****

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی.پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ۔ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کھیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

منیجر

دارالعلوم دیوبند کے خلاف "ترجمان" دہلی کی الزام تراشیاں

شیشے کے گھر میں بیٹھ کے ....

****

دارالعلوم دیوبند کیا ہے! ظلمت کدۂ ہند میں علم و آگہی کا ایک مینارۂ نور، دین الٰہی کی حسنات و برکات کا ایک چشمۂ فیاض۔ احسان و سلوک اور اخلاص و للٰہیت کا ایک عظیم مرکز دعوت و عزیمت اور جہد و جہاد کی ایک روشن تاریخ، مجدد الف ثانیؒ محدث دہلوی، اور شہدائے بالاکوٹ کی امانتوں کا حامل و محافظ، اور برصغیر میں بقائے دین و تحفظ اسلام کا اہم ترین ذریعہ، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت خدمات اور محیر العقول کارناموں کو دیکھ کر ایک مبصر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گل چیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

دارالعلوم دیوبند ! رب کریم کے لطف بے پایاں، صلحائے امت کی مستجاب دعاؤں اپنے بانیوں کے حسن اخلاق اور اپنی بے شان خدمات کی بنا پر عظمت و رفعت اور شہرت و مقبولیت کے جس مقام بلند پر فائز ہے، برصغیر کی سوا سو سال کی طویل علمی و دینی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے — دارالعلوم کا یہی مجد و شرف اور اس کی یہی نیک نامی، بعض بے ہنر تحزب پسند افراد اور جماعتوں کی نظر میں کانٹے کی طرح چبھ رہی ہے، یہ لوگ نشۂ بغض و حسد میں اس درجہ سرمست ہیں کہ دارالعلوم سے متعلق گفتگو میں علمی دیانت ہی نہیں بلکہ انسانی شرافت کا بھی پاس و لحاظ نہیں رکھتے۔

حسدوا الفتیٰ اذ الم ینالوا فضله   فالناس اعداء له وخصوم

کضرائر الحسناء قلن لوجهها   حسدا وبغیا انه لدمیم

چنانچہ مرکزی جماعت اہل حدیث کے نقیب "ہفت روزہ ترجمان دہلی" نے یکم ربیع الاول کے شمارہ میں "دارالعلوم دیوبند" اور اس کے اکابر کے خلاف اسی بغض و عناد کا کھل کر مظاہرہ کیا ہے، اور تحریک حریت میں دارالعلوم دیوبند، اس کے اکابر اور فضلاء کی بے لوث خدمات اور روشن تاریخ کو اپنے دل کی کدورتوں سے داغدار بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

آج کی اس مختصر تحریر میں ہم "ترجمان دہلی" کی اس مذموم روش کا علم تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیں گے، لیکن اصل گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نو پید جماعت کا جس کا مذکورہ جریدہ نقیب و ترجمان ہے، خود اس جماعت کے اکابر و اعاظم علماء کی تحریروں سے مختصر تعارف پیش کر دیا جائے، تاکہ اس جماعت کی اصل حقیقت، سلف صالحین کے ساتھ اس کے رویہ وغیرہ سے یک گونہ واقفیت ہو جائے جس سے صحیح نیصلہ تک پہنچنے میں سہولت اور آسانی ہوگی۔

(۱) جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کے مجدد جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی جن کے زر و مال کے سہارے غیر مقلدیت سرزمین ہند میں پروان چڑھی، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے بارے میں اپنی منظور نظر جماعت کے رویہ کی ان الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔

"اس زمانہ کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے رد و قدح میں حضرات ائمہ عظام تک طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، یہ بدبختی اور صریح گمراہی ہے، چند

بدنام لوگ سلف صالحین کے رسوا کرنے میں اپنے منہ کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں
نعوذ باللہ من الخذلان" (آثر صدیقی ص ۲۲ ج ۴)

(۲) غیر مقلدین کے ایک دوسرے مشہور عالم مولانا داؤد غزنوی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی جماعت کے طرزِ عمل پر یوں نوحہ کناں ہیں۔

"جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہ رہ کی روحانی بد دعا لے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابو حنیفہ ابو حنیفہ کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کہہ دیتا ہے، پھر اُن کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو انھیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں یکجہتی و اتحاد کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے" یا غربۃ الاسلام انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶) مرتبہ ازابو بکر غزنوی۔

(۳) اس گروہ کے بہت بڑے عالم مولانا محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ (جو جماعت اہل حدیث کے عظیم محسن ہیں کیونکہ انھیں کی جانفشانیوں اور انتھک کوششوں سے برطانوی حکومت کی طرف سے "اہل حدیث" کا نام اس جماعت کے لئے الاٹ ہوا، تفصیل کیلئے سیرت ثنائی ۲، ۳۷۲ از مولوی عبد المجید سوہدری ملاحظہ ہو) غیر مقلدین کے گمراہ کن نتائج پر یوں اظہار افسوس کرتے ہیں۔

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔
کفر وارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے، گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم (اور ایسے ہی افراد کی کثرت ہے) ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں" (بحوالہ خیر التنقید)

(۴) جماعت اہل حدیث کے متعلق اسی جماعت کے ایک اور مشہور محقق عالم مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری کی رائے بھی ملاحظہ کیجئے، موصوف اپنی مشہور تصنیف "کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ" کے ص ۲۴۲ پر رقم طراز ہیں۔

• اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین، سلف صالحین جو حقیقت اخبار رسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ و روافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ، منافقین کے بعینہٖ مثل اہل تشیع کے .... مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کرکے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کرکے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں، اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلادیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی، کاذب اہل حدیثوں میں کوئی ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ جن کی امامت فی الفقہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے، اور پھر جس قدر کفر، بداعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلادے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بہ جبیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے، سبحان اللہ یا اشبہ اللیلۃ البارحۃ اور سبب اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب عقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہوگئے ہیں؛

جماعت اہل حدیث کے مذکورالصدر علمائے عظام کے ان بیانات سے اس جماعت کی دینی و عملی حیثیت اور حضرات ائمہ مجتہدین بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس کا نقطہ نظر کسی حد تک واضح ہوجاتا ہے، جس سے ایک ذی رائے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ جو طبقہ فکری تشتت کا شکار ہوکر جادۂ اعتدال کو چھوڑ بیٹھا ہو، جس کے یہاں فقہائے مجتہدین و سلف صالحین کسی اعتنا کے مستحق نہ ہوں وہ دارالعلوم دیوبند یا اس کے اکابر کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کرسکتا۔

• اسی کے ساتھ تحریک حریت ۱۸۵۷ء میں اس جماعت کا کیا کردار رہا؟ اس موضوع پر ہلکی سی روشنی بے محل نہ ہوگی، کیونکہ دینی و سیاسی دونوں اعتبار سے اس طائفہ کا موقف سامنے رہے گا تو صحیح نتیجہ تک پہونچنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

جب انگریزوں کے ظلم پیہم، اہانت آمیز رویے اور مذاہب میں بے جا مداخلت سے تنگ آکر ملک کے تمام باشندوں کے دلوں میں تنگ آمد بجنگ آمد کا فطری جذبہ بھڑک اٹھا، اور بلا لحاظ مذہب و ملت پورا ملک برطانوی سامراج کو ملک بدر کرنے پر آمادہ ہوگیا تو اس وقت کے حالات کے پیش نظر جامع مسجد دہلی میں حضرات علماء کرام کا ایک اجتماع ہوا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ مرتب کیا گیا، جس پر اکابر دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے بھی دستخط ہیں (علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۲۷۳) اس فتوی کے شائع ہوتے ہی مسلمانوں کے جذبات میں ایک طوفان برپا ہوگیا، اور ان کے دینی احساسات شعلۂ جوالہ کی طرح بھڑک اٹھے، لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین کے امام الہدیٰ، آیت من آیات اللہ شیخ الکل فی الکل شمس العلماء مولانا سید میاں نذیر حسین سورج گڑھی دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ نے وقت کے شرعی مطالبہ کے مقابلے میں عافیت کوشی کو ترجیح دی، اور حاکم وقت کی رضا جوئی میں اس متفقہ شرعی فتوی پر دستخط سے انکار کر دیا، چنانچہ میاں صاحب کے سوانح نگار مولوی افضل حسین بہاری "الحیات بعد المماۃ" (سوانح حیات میاں صاحب) میں "گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری" کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت لکھتے ہیں۔

> "یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریز پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے اس پر دستخط کئے نہ مہر لگائی، خود فرماتے تھے کہ میاں وہ ہلڑ تھا شاہی نہ تھی، وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا ..... بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے کرتے تو کیا کرتے (الحیات بعد المماۃ ص ۱۲۵)

جس وقت غیور مسلمان اپنے قائدین کے زیر کمان حریت کی جنگ میں تن من دھن کی قربانیاں دے رہے تھے ایسے سنگین اور جان لیوا حالات میں شیخ الکل حضرت میاں صاحب سے یہ تو نہ ہوسکا کہ کسی زخمی مجاہد کے زخم پر مرہم رکھتے، کسی شہید کے اہل خانہ سے تعزیت کے دو لفظ کہہ دیتے یا مجاہدین کی جانی و مالی نہ سہی اخلاقی اعانت کرتے، بلکہ اس کے برعکس انگریزوں کی خوشنودی

حاصل کرنے کیلئے رات کے سناٹے میں ایک زخمی میم کو اٹھوا کر اپنے گھر لے جاتے ہیں، اس کا علاج معالجہ کرتے ہیں اور ساڑھے چار ماہ تک اسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کی ہر طرح سے خاطر مدارات کرتے ہیں اور بعد از اطمینان اسے انگریزی کیمپ میں پہنچا کر مبلغ ایک ہزار تین سو روپے نقد، وفاداری کا سرٹیفکٹ اور شمس العلماء کا خطاب حاصل کرتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم و صحافی مولانا محمد حسین بٹالوی میاں صاحب کے اس کارنامہ کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

" غدر ۱۸۵۷ء میں کسی اہل حدیث نے گورنمنٹ کی مخالفت نہیں کی (اس خط کشیدہ جملہ کو بطور خاص ذہن میں رکھا جائے) بلکہ پیشوایان اہل حدیث (میاں صاحب) نے عین طوفان بے تمیزی میں ایک زخمی یوروپین لیڈی کی جان بچائی اور عرصہ کئی مہینہ تک اس کا علاج معالجہ کر کے تندرست ہونے کے بعد سرکاری کیمپ میں پہنچا دی۔" (اشاعۃ السنۃ ص ۲۹۰ شمارہ ۹ جلد ۸)

مولوی فضل حسین بہاری میاں صاحب کے سوانح نویس اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھتے ہیں۔

" ڈاکٹر حافظ مولوی نذیر احمد صاحب (میاں صاحب کے قریبی عزیز) فرماتے تھے کہ زمانہ غدر میں مسز لیسنس زخمی میم کو جس وقت میاں صاحب نے نیم جان دیکھا تو روئے اور اپنے مکان میں اٹھا لائے، اپنی اہلیہ اور عورتوں کو ان کی خدمت کیلئے نہایت تاکید کی ...... امن قائم ہونے کے بعد میم کو انگریزی کیمپ میں پہنچایا جس کے نتیجے میں آپ کو اور آپ کے متوسلین کو گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے امن و امان کی چٹھی ملی (الحیات بعد المات ص ۲۷۵)

امام الہدیٰ شیخ الکل فی الکل جناب میاں نذیر حسین صاحب بالقابہ کے سامنے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، مسلم عورتوں کی عصمتیں لوٹی جاتی ہیں، مسلمانوں کی لاشیں درختوں پر لٹکائی جاتی ہیں، کئی کئی دن تک ان کی نظروں کے سامنے نیم جان تڑپتی ہوئی مسلمان عورتیں، زخموں سے چور معصوم بچے، ہاتھ پیر کٹے ہوئے بوڑھے دہلی کی سڑکوں پر اور گلی کوچے میں انتہائی بے کسی کے عالم میں دم توڑتے رہے مگر ان کی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو بھی نہ ٹپکا، اس کے برخلاف انگریز میم کے لئے میاں صاحب تڑپ اٹھتے ہیں اور شدت غم سے بے تحاشا ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتے ہیں کیا مسلمانوں سے نفرت اور انگریزوں سے محبت کی یہ نظیر پیش کی جاسکتی ہے، میاں صاحب کی اسی بے مثال

وفاداری کے صلہ میں انگریزی سامراج نے انھیں اپنی رضا کی خصوصی سند عطا کی اور اسی کے ساتھ تین سو روپے نقد اور شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔ ذیل میں غیر مقلدین کے ترجمان اشاعۃ السنہ اور میاں صاحب کی سوانح حیات "حیات بعد الممات" کے حوالہ سے سند وفاداری کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

سرٹیفکیٹ وفاداری وخوشنودی از جناب جی ڈبلو جی وار فیلڈ صاحب بہادر قائم مقام کمشنر سابق دہلی

۔ سو مولوی نذیر حسین اور ان کے پسر مولوی شریف حسین صاحب نے مع دیگر مرحوم خاندان کے مسز لیسنس کی غدر میں جان بچائی تھی اس وقت میں یہ اس کو اپنے گھر لے گئے تھے جس وقت وہ زخمی پڑی تھیں اپنے مکان میں ساڑھے تین مہینے تک رکھا آخر سرکاری کیمپ میں پہنچایا ...

ان کو دو سو روپیہ ایک مرتبہ اور چار صد روپیہ ایک مرتبہ انعام ملا اور سات صد روپیہ بوجہ گرنے مکانات کے ملا پس یہ خاندان قابل لحاظ مہربانی کے ہے۔ دستخط ڈبلو جی وار فیلڈ قائم مقام کمشنر

(رسالہ اشاعۃ السنہ شمارہ ۲ جلد ۱۹ والحیات بعد الممات ص ۱۳۲،۱۳۳)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ۲۶ سال بعد جب حضرت میاں صاحب سفر حج کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک اور سند منجانب سرکار عنایت ہوتی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنھوں نے مشکل اور نازک وقتوں میں اپنی وفاداری ونمک حلالی گورنمنٹ برطانیہ پر ثابت کی ہے اب وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو جاتے ہیں امید کرتا ہوں کہ جس کسی افسر برٹش گورنمنٹ کی وہ مدد چاہینگے وہ ان کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور سے اس کے مستحق ہیں۔ دستخط، جی، ڈی ترلیٹ بنگال سروس کمشنر دہلی ۱۰ راگست ۱۸۸۳ء۔

(الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۴۰ مطبوعہ کراچی ورسالہ اشاعت السنہ شمارہ ۱۰ ج ۸)

شمس العلماء مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب بالقابہ کی یہ عزت افزائی کہ برٹش انگلشیہ حضر وسفر ہر جگہ ان کی امداد واعانت کے لئے مستعد نظر آتی ہے، اسی کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کیجئے کہ ۱۹۱۵ء ۱۳۳۳ھ میں، جب دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سفر حج میں جاتے ہیں تو برطانوی حکومت انھیں گرفتار کرلینے کے لئے بے چین نظر آتی ہے، چنانچہ حضرت شیخ الہند کی روانگی کے بعد یوپی حکومت بذریعہ تار بمبئی حکومت کو مطلع کرتی ہے کہ انھیں گرفتار کرلیا جائے لیکن حسن

اتفاق سے یہ تار بمبئی اس وقت پہنچا جب حضرت شیخ الہند کا جہاز بمبئی سے روانہ ہو چکا تھا، بعد ازاں گورنر یوپی نے مرکزی حکومت کے توسط سے عدن کے گورنر کو یہ تار بھیجا کہ مولانا محمود حسن کو جہاز سے اتار لیا جائے، مگر یہ تار بھی عدن سے جہاز کی روانگی کے بعد گورنر عدن کو ملا اس لئے یہ کوشش بھی بے سود ہوگئی، پھر جہاز کے کپتان کو تار دیا گیا کہ مولانا محمود حسن کو جہاز پر گرفتار کرلو مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس تار کے پہنچنے میں بھی تاخیر ہوگئی اور حضرت شیخ الہند جزیرہ سعد میں جہاز سے اتر گئے (مقام محمود ص ۲۲۱-۲۲۲)

تحریک ریشمی رومال کے خلاف پولیس استغاثہ میں بھی حضرت شیخ الہند کی گرفتاری کی کوشش کا ذکر ہے، چنانچہ استغاثہ کے پیرا ۲، کے آخر میں ہے " درحقیقت ستمبر ۱۹۱۵ء میں بھی مولانا کو جب وہ عرب کو جانے کے لئے سمندری سفر کر رہے تھے روکنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن یہ ہدایات اس وقت عدن پہنچیں جبکہ جہاز اس بندرگاہ سے گذر چکا تھا۔" (تحریک شیخ الہند ص ۲۱۹، از مولانا محمد میاں صاحب مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی)

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جناب شیخ الکل فی الکل، امام الہدیٰ، شمس العلماء میاں سید نذیر حسین دہلوی کے اس افسوسناک طرز عمل کے بعد غیر مقلدین کے امام السنۃ، خاتم المحدثین، مجدد فی الہند جناب نواب صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالی کے کردار و عمل کے بھی چند نمونے دیکھتے چلئے۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ ملک کے جیالے وطن عزیز کو ظالم انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کے لئے صفحۂ عالم پر اپنے خون جگر سے ایک لازوال تاریخ مرتب کرنے میں مصروف تھے، اور انگریزی سامراج بطور خاص مسلمانوں کو اپنے ظلم و ستم اور جارحیت و بربریت کا نشانہ بنائے ہوئے تھا، ایسے وقت میں کم از کم قومی حمیت کا تقاضا یہی تھا کہ وطن عزیز کی آزادی پر اپنی جانوں کو نچھاور کرنے والے مجاہدین کی مدد و اعانت میں نواب صاحب والا تبار اپنے تمام اسباب و ذرائع کو لگا دیتے۔ لیکن حیف صد حیف کہ امام السنۃ و مجدد فی الہند نے وقتی نفع و نمود کی خاطر مجاہدین حریت کی ہمت افزائی کے بجائے انھیں پسپا کرنے اور کچلنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردی اور انگریزی لشکر کے دوش بدوش اپنی فوجوں کو مجاہدین کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، چنانچہ نواب صاحب خود انگریزوں کے ساتھ اپنی اس بے مثال وفاداری کی داستان ان لفظوں میں سناتے ہیں۔

"جو خیر خواہی ریاست بھوپال وغیرہ نے اس زمانہ میں کی ہے وہ گورنمنٹ برطانیہ پر ظاہر ہے ساگر و جھانسی تک سرکار انگریزی کو مدد غلہ و فوج وغیرہ سے دی، جس کے عوض میں سرکار نے پرگنہ "بیرسیہ" جمع ایک لاکھ روپیہ عنایت فرمایا (ترجمان وہابیہ ص ۱۴)

انگریزی سامراج کی اس فوجی و مالی امداد کے علاوہ نواب صاحب علی الاعلان مجاہدین حریت کو جاہل و نادان اور عام علماء کے برخلاف اس جہاد کو فساد کہتے رہے، چنانچہ ترجمان وہابیہ ص ۰ پر رقمطراز ہیں۔

"پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ حکومت برٹش مٹ جائے اور یہ امن و امان جو آج حاصل ہے فساد کے پردہ میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے سخت نادانی اور بے وقوفی کی بات ہے"

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

یہ بغاوت جو ہندوستان میں بزمانۂ غدر ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو اصل دین سے آگاہ نہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن و امان اٹھانا چاہتے ہیں　(ترجمان وہابیہ ص ۱۰۷)

اس جہاد حریت میں جسے میاں صاحب بلڑ و ہنگامہ اور نواب صاحب فساد سے تعبیر کرتے ہیں اہل ہند اس قدر حق بجانب تھے کہ خود ظالم انگریز اس کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ مسٹر لیکی اس کے بارے میں اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے۔

اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جاسکتی ہے تو وہ ہندوستان کے ہندو مسلمان کی بغاوت تھی　(بحوالہ حکومت خود اختیاری ص ۲۲)

جہاد حریت میں شرکت سے اپنی اور اپنی پوری جماعت کی برأت کا اظہار و اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد متبع سنت حدیث و قرآن پر چلنے والا بیوفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو یا فتنہ انگریزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہو اور جتنے لوگوں نے غدر میں شر و فساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسر فساد ہوئے وہ

سب کے سب مقلدان مذہب حنفی تھے نہ متبعان سنت نبوی (یعنی غیر مقلد) (ترجمان وہابیہ ص ۲۵)

گویا نواب صدیق حسن خاں صاحب کے نزدیک شہدائے بالاکوٹ حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا عبدالحی بڈھانوی شہید اور بہت سے علمائے صادقپور جنھوں نے انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائی اور داد شجاعت دیکر رفیق اعلیٰ جا ملے، ان میں کوئی بھی موحد متبع سنت، حدیث و قرآن پر چلنے والا نہیں تھا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

نواب صاحب کی مسطورہ بالا تحریر سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی اہل حدیث و غیر مقلد نے قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ، یہ احناف ہی تھے جنھوں نے اپنی عظیم سابقہ روایات اور قابلِ فخر کردار کے مطابق انگریز جیسے ظالم و جابر اور مکار و عیار حکمراں کے پنجۂ استبداد سے ملک و قوم کو نجات دلانے کیلئے بے خطر جنگ کی آگ میں کود پڑے اور تاریخ کے اوراق پر جرأت و بہادری کی ایسے حیرت انگیز اور محیر العقول تابناک داستانیں رقم کیں جو تاقیامت جگمگاتی رہیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

مولانا محمد حسین بٹالوی مدیر رسالہ اشاعت السنہ جو جماعت اہل حدیث میں نامی گرامی، نہایت نمایاں اور عظیم شخصیت کے مالک ہیں، انھوں نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ کے ذریعہ غیر مقلدین اور انگریزوں کی خوب خوب خدمت انجام دی، اور نہ صرف یہ کہ انگریز نوازی میں اپنے دونوں پیشواؤں نواب صاحب اور میاں صاحب سے آگے بڑھ گئے بلکہ انگریزوں کی رضا جوئی میں انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، جبکہ مرزا قادیانی انگریزوں ہی کا خود کاشتہ پودہ تھا اس اجمال کی تفصیل مشہور محقق و مؤرخ جناب پروفیسر محمد ایوب قادری کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے، موصوف اپنی محققانہ تاریخی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" کے ص ۶۴ پر لکھتے ہیں

مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل

رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" لکھا، انگریزی اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے یہ رسالہ سر چارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا مولوی محمد حسین نے اپنی جماعت کے علماء سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۲ھ میں رسالہ اشاعۃ السنۃ کی جلد دوم شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا، پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۰ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔

جہاد اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد الجہاد ماض الی یوم القیمۃ دیگر فرائض اسلام کی طرح تاقیام قیامت جاری وساری رہے گا، لیکن انگریزوں کی رضاجوئی میں اپنے آپ کو اہل حدیث اور دنیا بھر مقلدین کو مخالف حدیث کہنے والوں نے متفقہ طور پر اس فریضۂ الہٰی کو بیک جنبش قلم منسوخ قرار دیدیا۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

خود بٹالوی صاحب لکھتے ہیں۔

"اگرچہ اس مضمون منسوخی جہاد کے رسائل گورنمنٹ اور ملک کے اور خیر خواہوں (غلام احمد قادیانی) وغیرہ نے بھی لکھے ہیں لیکن جو ایک خصوصیت اس رسالہ میں ہے وہ آج تک کسی تالیف میں نہیں پائی جاتی، وہ یہ ہے کہ یہ رسالہ صرف مؤلف کا خیال نہیں اس گروہ کے عوام وخواص نے اس کو پسند کیا اور اس سے آراء کا توافق ظاہر کیا۔

(اشاعت السنہ ص ۲۶۱ شمارہ ۹، ج ۸)

بٹالوی صاحب کی اس اہم ترین خدمت اور اپنے طرز کی انوکھی وفاداری کو سرکار برطانیہ کے حضور بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور اسکے صلے میں انھیں خاطر خواہ جاگیر اور انعام سے نوازا گیا۔ (دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹ از مولانا مسعود عالم ندوی)

جماعت اہل حدیث کی انگریز نوازی اور ملک وملت کے ساتھ بے وفائی کی طویل داستان سے یہ چند نمونے پیش کئے گئے ہیں جو بزبان حال کہہ رہے ہیں ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

تاریخ کا یہ رخ بھی کتنا عجیب اور عبرت خیز ہے کہ ایک طرف تو جماعت اہل حدیث اور اسکے

علمائے کبار ہیں جو انگریزی حکومت کی ہمدردی اور خیر خواہی میں محبان حریت کو ظالم، غاصب، فتنہ پرور، شریر، عہد شکن، جاہل، ایمان سے دور وغیرہ، تہذیب و شرافت سے گرے ہوئے الفاظ سے نوازتے ہیں اور اپنے برطانوی آقاؤں کی خوشنودی میں فریضۂ الٰہی جہاد کو منسوخ کرنے کی ناروا کوشش میں صفحۂ قرطاس کو سیاہ کرنے میں مصروف ہیں اور اپنی ان خدمات جلیلہ کے صلے میں ان سے خوشنودی کے سرٹیفکیٹ، جاگیریں اور نقدی انعامات وصول کر رہے ہیں۔

دوسری جانب اکابر دارالعلوم دیوبند ہیں جو ظالم و جابر انگریزوں کے مقابلہ میں شاملی ضلع مظفرنگر کے میدان میں جرأت و بہادری کے جوہر دکھارہے تھے جس کی پاداش میں سب کے سب باغی و مجرم قرار پائے اور سب کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا، جس کی وجہ سے کسی کو مدتوں روپوشی کے چکر لگانے پڑے، کوئی قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوا، کسی کے لئے ملک کی زمین تنگ ہوگئی اور اسے ہمیشہ کیلئے محبوب وطن کو خیرباد کہدینا پڑا، لیکن ان ساری مصیبتوں کے باوجود ان کے پائے استقامت میں معمولی سی بھی لغزش نہیں آئی، بلکہ صبر و استقلال اور پوری پامردی کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہے البتہ حالات و واقعات کے مطابق طریقۂ کار کو بدل دیا، اور جہاد بالسیف کے بجائے جہاد بالعلم کی تحریک کا آغاز کیا، جس کا اولین مظہر دارالعلوم دیوبند ہے، چنانچہ جنگ شاملی کے سپہ سالار حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید و سچے جانشین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے ایک موقع پر دارالعلوم دیوبند کے مقصد قیام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

> حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم و تعلم کیلئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی تلافی کی جائے۔

(ماہنامہ دارالعلوم ص ۲۴ ج ۲ شمارہ ۲ اشاعت جولائی ۱۹۴۱ء)

---

[۱] جہاد شاملی کیلئے دیکھئے علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۴، (نقش حیات ج ۲ ۔ [۲] مولانا محمد قاسم نانوتوی رح، [۳] حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی [۴] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مولانا رحمت اللہ کیرانوی اعلی اللہ مراتبہم ؎

ہندوستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند کے درج ذیل بیان سے حضرت شیخ الہند کے مذکورہ بالا قول کی تائید ہوتی ہے۔

"دیو بند کے مدرسہ کا ان علماء کے ذریعہ قائم ہونا جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں حصہ لیا تھا اس سے پہلے باب میں بیان ہوچکا ہے اس مدرسہ کے دو اغراض تھے (۱) مسلمانوں میں قرآن وحدیث کی اصلی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کرنا (۲) ہندوستان کے بیرونی حکمرانوں کے خلاف جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنا (تاریخ تحریک آزادی ہند ج ۲ ص ۳۵۸۔ ترجمہ اردو قاضی عدیل عباسی مطبوعہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں،

(حضرت شاہ) ولی اللہ (محدث دہلوی) کے مستقل کارناموں میں ایک کارنامہ مدارس کا قیام تھا جس میں دیوبند کا مدرسہ جو مسلسل قومی جدوجہد کا حامی رہا سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے (ص ۵۵۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں،

دیوبند کا مکتبہ برطانوی اور ملوکیت پرستی کا مخالف رہا تھا۔ (ص ۵۵۰)

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مقصد قیام کو بروئے کار لانے کیلئے دارالعلوم کے اولین فرزند حضرت شیخ الہند اپنے اکابر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ وغیرہ کی پیروی کرتے ہوئے مدرسہ وخانقاہ کے گوشۂ عافیت سے نکل کر انقلاب کے پرشور وپرخطر میدان میں کود پڑے۔ مشہور محقق مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں۔

"میرے مطالعہ اور غور وفکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشہ تیار کرچکے تھے اور اسے لباس عمل پہنانے کی کوششیں انھوں نے اس وقت سے شروع کردی تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں برائے نام تھیں، ملک کے حالات کسی تیز تحریک کیلئے ہرگز سازگار نہ تھے .... پھر حضرت شیخ الہند کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں (سرگذشت مجاہدین ص ۵۵۲)

حضرت شیخ الہند رحمہ نے اپنی انقلابی سرگرمیوں یا بالفاظ دیگر تحریک حریت کا نقشہ اس طرح مرتب

کیا تھا کہ اندرون ملک جذبہ آزادی کو بیدار کر کے مخلص فدا کاروں کی ایسی جماعت تیار کی جائے جو تحریک کی راہ میں ہر مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل جائے۔ پھر قابل، اعتماد موثر افراد کی زیر نگرانی ملک کے اہم مقامات پر ایسے مراکز قائم کئے جائیں جہاں اسلحوں کی فراہمی کے ساتھ رجال کار کی تربیت کا کام بھی انجام پاتے جہاں آزاد قبائل کے مرکز سے مسلح جد وجہد کا آغاز کیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ بیرون ملک ترکی افغانستان وغیرہ کی حکومتوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے اس مسلح تحریک کی مالی دفوجی مدد کریں۔ ان حکومتوں کی مدد حاصل ہوتے ہی اندرون ملک مراکز اپنی اپنی جگہ متحرک ہو جائیں اس طرح بیک وقت بیرونی مداخلت اور اندرونی بغاوت پر قابو پانا برطانوی حکومت کیلئے مشکل ہو جائیگا جس کے نتیجہ میں وہ ملک بدر ہونے پر مجبور ہو جائے گی، یہ تحریک اپنے منصوبے کے اکثر مراحل طے کر کے کامیابی کی منزل کے قریب پہنچ گئی تھی کہ حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ تحریک کے سارے تانے بانے بکھر گئے اور حضرت شیخ الہند اپنے رفقاء حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، مولانا وحید احمد مدنی کے ساتھ گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیئے گئے۔ حضرت شیخ الہند کی یہی وہ تحریک ہے جو بعد میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی[1] حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد ان کے جانشین، مجاہد جلیل، بطل حریت محدث کبیر عارف باللہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اپنے پیش رو بزرگوں اور اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے موقف کے مطابق تحریک انقلاب کی قیادت سنبھالی۔ در ۱۹۲۱ء میں کراچی کے مقدمہ میں دار ورسن کو اس طرح دعوت دی۔

"اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں، حدیث شریف کو مٹا دیں اور کتب فقہ کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر جان قربان کرنے والا میں ہوں"

تو مولانا محمد علی جوہر بے اختیار ان کے قدموں پر گر پڑے (کراچی کا تاریخی مقدمہ ج ۲، ص ۱۶۵)

اور بقول پروفیسر خلیق نظامی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے ذوق سرفروشی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو قربانی اور عزیمت کا وہ سبق پڑھایا جس سے ملک کی آزادی کی تحریک ایک اور ہی منزل پر پہنچ گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ع

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی (شیخ الاسلام حیات اور کارنامے)

---

[1] تفصیل کیلئے ... تحریک شیخ الہند ... مولانا محمد میاں ... کی طرف رجوع کیا جائے۔

اپنی اسی سرفروشانہ سرگرمیوں کی پاداش میں قید فرنگ کی صبر آزما اذیتوں سے دوچار ہوئے، اور وہ ایک سال کے لئے نہیں بلکہ مجموعی طور پر پونے آٹھ برس تک انھیں اس آزمائش سے گذرنا پڑا، مگر عزم وہمت کی چٹان بن کر اپنے مسلک وموقف پر قائم رہے، اور سامراجی طاقتوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ مادی قوت لپٹ مارنے والے شعلے کو دبا سکتی ہے، مگر دلوں میں سلگنے والی آگ کو نہیں بجھا سکتی، اور مردانہ وار سامراج کے ہر ظلم وستم کو جھیلتے ہوئے منزل کی جانب آگے بڑھتے رہے، تاآنکہ ملک عزیز فرنگی تسلط سے آزاد ہو گیا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ ہے تحریک حریت اور جہاد انقلاب میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کا قابل فخر کردار، جنھیں انگریزوں کا وفادار بتا کر، ترجمان دہلی اپنی جماعت اہل حدیث کے داغوں کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ (باقی آئندہ)

قسط ۔ سیزدہم - مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

سورۂ بقرہ کے رہنما اشارات

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا ھَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا

عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ
وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ
اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ
﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ
﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ
الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ
اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ
نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ
كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے، پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو
قربانی سے، اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر، پھر جو کوئی
تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر
جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے، پھر جس
کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے
پورے، یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس، اور ڈرتے رہو اللہ سے

بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے (۱۹۶) حج کے چند مہینے ہیں معلوم، پھر جس نے لازم کرلیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بے شک بہتر فائدہ زاد راہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو (۱۹۷) کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا، پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا، اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف (۱۹۸) پھر طواف کے لئے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان (۱۹۹) پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو، پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں (۲۰۰) اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے (۲۰۱) انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۲۰۲) اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں، پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں، اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس جمع ہوگے (۲۰۳) اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھکو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے (۲۰۴) اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو (۲۰۵) اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانا ہے (۲۰۶) اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں، اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر (۲۰۷) اے ایمان والو داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے (۲۰۸) پھر اگر تم بچلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۰۹) کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہوجاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام (۲۱۰) پوچھ بنی اسرائیل سے کس

قدر عنایات کیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئیں اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے (۲۱۱) فریفتہ کیا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار (۲۱۲)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ــــــــ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ
(۲۰۷) ــــــــ (۱۹۶)

حج وعمرہ کے احکام :-

جہاد اور حج میں ظاہری اور معنوی ہر لحاظ سے بڑی یکسانیت ہے، جہاد میں جان و مال کی قربانی دی جاتی ہے، حج میں بھی جانی و مالی مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں، جہاد اسلامی شوکت کا ذریعہ ہے حج کا عظیم اجتماع بھی ملتِ اسلامیہ کی عظمت کا مظہر ہے، نظم و ضبط جہاد کا ایک اہم عنصر ہے حج میں بھی خاص طرز کا نظم و ضبط ملحوظ ہے، جہاد میں جذبۂ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی کارفرمائی ہے حج کے مناسک و احکام سے بھی اسی کا ظہور ہوتا ہے، جہاد تقربِ الٰہی، طہارت ضمیر خواہشات نفسانی پر قابو پانے کا ایک اعلیٰ ترین ذریعہ ہے، حج میں بھی یہ معنوی برکتیں بوجہ اتم موجود ہیں، غرضیکہ فریضۂ حج جہاد کی ایک عملی تصویر ہے اس لئے مسئلہ جہاد کو تمثیلی انداز میں ذہن نشین کرانے کی غرض سے ان نو آیتوں میں حج کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، جو درج ذیل احکامات پر مشتمل ہیں

۱ـ اتموا الحج الخ جب حج و عمرہ کا ارادہ کرو تو انھیں خالص اللہ کے واسطے انجام دو، کسی اور غرض کا اس میں شائبہ نہ آنے پائے۔

۲ـ فان احصرتم الخ اگر کسی دشمن یا مرض کے سبب انھیں پایۂ تکمیل تک پہونچانے سے روک دیے جاؤ تو اس صورت میں ایک جانور کی قربانی دو اور اس وقت تک احرام کھولنے کی غرض سے سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے یعنی حرم میں پہونچ کر ذبح نہ ہو جائے۔

۳ـ فمن کان منکم مریضا الخ اگر کوئی بیمار ہو یا سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو بال اتار

کا فدیہ دو دو یہ ہے کہ تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو فی مسکین بقدر صدقۂ فطر دو یا جانور کی قربانی دو
۵ فاذا امنتم الخ اگر امن و اطمینان کی حالت میں کوئی شخص عمرہ و حج کو ملا کر ادا کرے یعنی ایک ہی سفر میں دونوں عبادتوں سے متمتع ہو اس کے ذمہ جانور کی قربانی ہے مگر جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں اور بقیہ سات حج گذار کر رکھ لے کل دس روزے مذکورہ ترتیب سے رکھے۔
۶ ذلک لمن لم یکن الخ یہ حج و عمرہ ملانے کی اجازت اس شخص کو ہے جس کا وطن حدود حرم میں نہ ہو۔
۷ واتقوا اللہ الخ دیکھو حرم خدا میں ہو اس لئے احکام کی بجا آوری میں پرہیزگاری کا ہمہ وقت خیال رکھو۔

۱ الحج اشھر معلومٰت الخ حج کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں وہ شوال ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخیں ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں احرام باندھ کر حج کو اپنے اوپر لازم کرے تو اب تکمیل حج تک اس کیلئے نہ جنسی گفتگو جائز ہے نہ کوئی بے حکمی درست ہے اور نہ لڑائی جھگڑا زیبا ہے۔
۸ جب حج کو جانے لگو تو مصارف سفر لے لیا کرو اس کی وجہ سے گداگری سے بچ جاؤ گے اس وقت تم فوجی نما تربیتی کیمپ میں ہو، پوری فضا تقوی و توجہ الی اللہ کی ہے۔ لہذا دانش و بینش کا تقاضا ہے کہ اس بابرکت موقع کو غنیمت سمجھو اور سفر آخرت کیلئے تقوی کی زادراہ زیادہ سے زیادہ سمیٹ لو۔

مردم سازی کے اصول خمسہ

حج کے سلسلہ میں یہ جو پانچوں اخلاقی اصول بیان ہوئے ہیں (یعنی (۱) فلا رفث، عورتوں کے متعلق زبان پر کوئی نازیبا کلمہ نہ لانا (۲) ولا فسوق: لاقانونیت اختیار نہ کرنا (۳) ولا جدال، لڑائی جھگڑا نہ کرنا (۴) وتزودوا، اپنا بوجھ خود برداشت کرنا دوسروں پر مالی بوجھ نہ ڈالنا (۵) واتقون، قانون الٰہی کی پیروی کرنا) ان پر مسلسل عمل کرنے سے ایسی تربیت حاصل ہو جاتی ہے کہ آدمی کارزار حیات میں ہر مزاحمت کا بآسانی مقابلہ کر سکتا ہے، یہ مزاحمت خواہ شیاطین انس کی طرف سے پیش آئے یا شیاطین جن کی طرف سے ہو۔

۹۔ لیس علیکم جناح الخ اگر حج موقع پر کاروبار معاش کا مشغلہ رکھا جائے تو اس کی اجازت ہے۔
(فائدہ) اس حکم الٰہی سے یہ اہم بات معلوم ہوئی کہ دینداری کی راہ دنیاوی معیشت اور اس کی فلاح و ترقی دینداری کے خلاف نہیں ہے۔
۱۰۔ فاذا افضتم من عرفات الخ جب عرفات میں ٹھہر کر واپس لوٹو تو شب میں مشعر حرام کے پاس ٹھہر کر اللہ کا ذکر کرو اور اسے اس طرح یاد کرو جس طرح یاد کرنے کی تمھیں تعلیم دی گئی ہے۔
عرفات:۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۲ میل دور حدود حرم سے باہر ایک خاص میدان ہے، حاجی کو نویں ذی الحجہ کو اس میں پہنچنا اور زوال آفتاب سے مغرب تک یہاں ٹھہرنا حج کا اہم ترین فرض ہے
مشعر الحرام:۔ عرفات سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کا نام ہے اس کے پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں اس میدان میں رات گذارنا اور مغرب و عشاء دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا واجب ہے۔ "وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُم" سے شاید اسی جمع بین الصلوتین کی جانب اشارہ ہے۔
۱۱۔ ثم افیضوا الخ پھر جس جگہ تک جاکر عام لوگ لوٹتے ہیں تم (اہل مکہ) بھی خواہ قریشی ہو یا غیر قریشی وہیں سے واپس لوٹو۔
اس حکم کے ذریعہ دور جاہلی کی ایک رسم کی اصلاح کی گئی ہے، وہ یہ کہ قریش مکہ جن کا اقتدار عرب میں مسلّم تھا اپنی امتیازی شان کا مظاہرہ کرنے کی غرض سے یہ حرکت کرتے تھے کہ عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور اپنے اس ناروا عمل کی یہ توجیہ بیان کرتے تھے کہ ہم چونکہ بیت اللہ کے مجاور ہیں اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں حق تعالیٰ نے ان کی اس متکبرانہ روش کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیدیا۔
فائدہ:۔ اس حکم ربانی سے باب معاشرت کا یہ اہم اصول معلوم ہوا کہ رہن سہن قیام و مقام میں بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں سے الگ اور ممتاز ہوکر نہ رہیں بلکہ مل جل رہیں اس سے باہمی اخوت و محبت پیدا ہوتی ہے، امیر و غریب کی تفریق مٹتی ہے اور مزدور و سرمایہ دار کی جنگ ختم ہوتی ہے۔
۱۲۔ فاذا قضیتم مناسککم الخ پھر جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو چاہئے کہ جس طرح پہلے تم اپنے

آباء واجداد کی قصیدہ خوانی کرتے تھے اب اس کے بجائے خدا کی حمد و تکبیر میں رطب اللسان رہو، کیونکہ تمام اعمال حج سے مقصود ذکر اللہ کا استظہار ہے۔

اس حکم کے ذریعہ بھی عہد جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح کی گئی ہے، عرب زمانہ جاہلی میں عرفات، مزدلفہ، طواف اور قربانی سے فارغ ہوکر منی میں قیام کرتے تو مجلس مشاعرہ منعقد کرتے جس میں اپنے آباء واجداد کے جھوٹے سچے مفاخر اور کارناموں کا تذکرہ کرتے تھے حکم ہوا کہ اس فضول اور لغو کام میں پڑکر ذکر وعبادت کے اس زرین موقع کو ضائع مت کرو، اللہ نے حج جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کیا ہے تو یہ مقام شکر ہے جس کا تقاضا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کا ذکر کیا جائے۔

مقصد کے اعتبار سے افراد انسانی کی تقسیم :-

فمن الناس من یقول الخ حج وغیرہ جیسے بابرکت اور نفع بخش اجتماعات میں اطاعت گذار مخلصین کے ساتھ دنیا پرست آخرت فراموش بھی شامل ہوجاتے ہیں جو پورے نظام میں بظاہر مخلصین کے دوش بدوش چلتے ہیں اس لئے دونوں میں امتیاز مشکل ہوجاتا ہے جب کہ دونوں کی الگ الگ شناخت ضروری ہے، اس لئے خدائے عالم الغیب اطلاع دے رہا ہے کہ حج کرنے والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو صرف دنیا کے بھکاری ہیں جن کی طلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ ملنا ہے دنیا ہی میں مل جائے۔ ان آخرت بیزار لوگوں کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ انھیں دنیا میں جو ملنا ہوگا ملیگا پر آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں ہے۔

اور کچھ دوسرے مخلص و نکوکار ہیں جو دنیا و آخرت دونوں کے فلاح کے طلب گار ہیں ایسے باتوفیق لوگوں کو ان کے عقیدہ وعمل کے مطابق دنیا و آخرت کی فلاح کامل ملے گی۔ اللہ ہر انسان کو اسکے عمل کے مناسب جلد نتیجہ دینے والا ہے۔

(۳) واذکروا اللہ الخ اور منی میں چند دن خاص طور پر اللہ کا ذکر کرو یعنی دسویں، گیارہویں اور بارہویں کو جمرات پر کنکریاں مارو۔

(۴) فمن تعجل الخ پھر جو کوئی واپسی میں جلدی کرے اور دو ہی دن پر رجوع کردے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی تاخیر کرے یعنی بارہویں کو منی سے واپس نہ ہو بلکہ تیرہویں کو واپسی کرے اس پر بھی

کوئی گناہ نہیں۔

تشریح :۔ رمی جمرات کی یہ دونوں صورتیں اختیاری ہیں، حاجی جس پر چاہے عمل کرے البتہ افضل یہی ہے کہ تیسرے دن ٹھہرے۔ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے چلا آیا اس پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں، لیکن اگر منیٰ میں سورج ڈوب گیا تو تیسرے دن کی رمی سے پہلے واپس آجانا جائز نہیں، ہاں اس رمی میں یہ رعایت ہے کہ زوال آفتاب سے پہلے صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

دونوں گروہوں کی شناخت بذریعۂ کردار و عمل :۔

ومن الناس من یعجبك الخ گذشتہ بیان میں جماعت میں شریک مخلص و غیر مخلص کی نشاندہی کی گئی تھی، زیرِ نظر آیت میں اسی طرح کی ایک اور تقسیم ہے۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سابق میں مذکور دونوں گروہ کی ان کے کردار و عمل کے لحاظ سے مزید شناخت بتائی جارہی ہے، کیونکہ اوپر بیان کردہ علامت یعنی طلب و دعا ایک امر باطنی ہے جس کا علم عام طور پر نہیں ہوتا اس لئے کردار و عمل کو ان کے اخلاص و عدم اخلاص کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، ارشاد ہے عقیدۂ آخرت سے بے بہرہ یہ ظاہر دار معاشرے کے وہ افراد ہیں جو دنیوی اغراض کی خاطر منافقانہ اسلام کا نعرہ بلند کرتے ہیں، اپنے جذبۂ اخلاص و جاں سپاری پر بڑی لچھے دار دل پسند تقریریں کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان کے دل کی آواز ہے، حالانکہ یہ رسول، اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں اور ان کی یہ لن ترانیاں صرف زبانی جمع خرچ ہیں، جب کبھی موقع پاجاتے ہیں تو ان کی تمام ترکدو کاوش، سعی و عمل ملک میں فساد برپا کرنے، کھیتوں اور نسلوں کو تباہ و ہلاک کرنے میں صرف ہوتی ہے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا تو انھیں اللہ سے کیا تعلق ؟ ان کے کبر و نخوت کا یہ عالم ہے کہ جب ان فساد انگیزیوں سے انھیں روکا جاتا ہے تو یہ فرعون صفت مزید سرگرم فساد ہوجاتے ہیں، انھیں تو بس جہنم ہی کفایت کرے گا جو نہایت برا ٹھکانہ ہے۔

ان کے برخلاف دل کے سچے زبان کے پکے کچھ وہ جاں فروش بھی ہیں جن کے قلوب

ایمان واخلاص سے معمور ہیں، یہ رضائے الٰہی کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیتے ہیں ایسے مخلصین جاں نثاروں کیلئے اللہ ہی سرتاسر شفیق ومہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ ــــــ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(۲۰۸) ــــــ (۲۱۲)

پیروی کامل کی ہدایت :-

دونوں گروہ کی پہچان اور انجام بیان کر دینے کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اب جب کہ تم نے ایمان واخلاص کے بھرپور جذبہ سے اللہ کی عائد کردہ پابندیوں کے مطابق حج ادا کر کے احکام خدا پر چلنے کی عملی مشق پوری کر لی اور قرب وحضور کے بے پایاں انعام سے فائز المرام ہو چکے ہو تو یاد رکھو اب بقیہ زندگی میں دل کی سچی عقیدت کے ساتھ پورے نظام الٰہی کی پیروی کرتے رہنا، عقائد وعبادت، معاملات ومعاشرت، صنعت وتجارت، حکومت وسیاست غرضیکہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اس نظام سے سرمو انحراف نہ کرنا، اور اس معاملہ میں شیاطین کی وسوسہ اندازیوں سے خبردار رہنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، ہدایت کی روشن دلیلیں آچکنے کے بعد بھی اگر تم ڈگمگا گئے تو یاد رکھو خدا کے قانون مکافات عمل سے بچ نہ سکو گے۔

۲۱۰ هل ینظرون الخ خدا کی جانب سے دلیل وبرہان کی تابناک روشنی (رسول وکتاب) کے آجانے کے بعد بھی جو لوگ اس نظام الٰہی کے متعلق شکوک وتردد کی تاریکی میں اپنے آپ کو مقید کئے ہوئے ہیں کیا وہ قیامت کے منتظر ہیں کہ جب وہ آجائے تب مانیں گے؟ حالانکہ ظہور قیامت کے بعد تو سارا معاملہ ہی لپیٹ دیا جائے گا، اس وقت کے ماننے سے کیا فائدہ ہوگا۔

گذشتہ تاریخ سے درس عبرت :-

۲۱۱ - سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ الخ یہودیوں کے ماضی سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کیسے کیسے نبی انھیں دیئے گئے، کیسی کیسی روشن دلیلوں سے راہ حق ان پر واضح کی گئی اور کتنی

عدیم المثال نعمتوں سے شادکام کیے گئے، مگر انھوں نے نبیوں کو جھٹلادیا، دلیلوں کو ٹھکرادیا اور نعمتوں کی ناقدری کی، بالآخر قانونِ پاداش عمل میں گرفتار ہوکر ابدی ذلت و عذاب کے سزاوار ہوئے، مسلمانوں کو اپنے پیش روؤں کی تاریخ عبرت سے بصیرت و موعظت کا درس لینا چاہئے۔

اہم فائدہ:۔ آیت کریمہ میں نعمت اللہ کی عمومیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نعمت کی ناقدری و اضاعت باعثِ عذاب ہے، پس اگر نعمت دینی مثلاً توحید، رسالت، اتباع شریعت وغیرہ کو ضائع کیا جائے گا تو اس سے اخروی عذاب کا ہونا بالکل ظاہر ہے، اور اگر دنیوی نعمت ہے مثلاً اجتماعیت، خوش اخلاقی، مصلحت بینی وغیرہ تو ان کی اضاعت اور ناقدری سے دنیاوی عذاب یعنی ناکامی و نامرادی، اختلاف و انتشار، افلاس، محکومی وغیرہ لازم ہوگی۔

حق پرستی کی مخالفت کا سبب :۔

۲۱۲۔ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الخ: اس آیت میں حق پرستی کی مخالفت کے سبب کو بیان کیا گیا ہے، کہ یہ راہِ حق سے منحرف حب دنیا کی سرمستی سے اس درجہ بے خود ہیں کہ اہل حق کی موجودہ بے سرسامانی کو دیکھ کر ان کی ہنسی اڑاتے ہیں جب کہ معاشی خوش حالی و بدحالی آدمی کی بلندی کا معیار نہیں ہے اصل چیز تو تقویٰ ہے، اسی معیار پر خدا کے حضور اعزاز ملے گا، رہا معاملہ دنیاوی عروج و ترقی کا تو آج کا تہی دست نادار کل کو بفضل خدا دولتِ دنیا سے مالا مال ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی عطائے بے نہایت سے نہال کر دیتا ہے۔

اس آیت میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اہل حق کو صبر و استقلال اور ہمت و پامردی کے ساتھ تمسخر اڑانے والوں کے مقابلے میں غلبۂ حق کی جد وجہد میں مصروف رہنا چاہئے، رہی بات اسباب و ذرائع کی تو اللہ اسے اپنے لطف و کرم سے مہیا کر دیگا۔
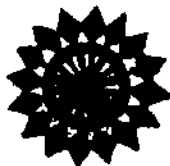
اخبار العالم الاسلامی - العدد ۱۱۹۲ - ۳۰ - جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ -

انسانی اعضاء کی پیوندکاری

حلال اور حرام

تحریر:- شیخ احمد محمد جمال
استاذ التفسیر الثقافۃ جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمۃ

ترجمہ:- ابوالکلام شفیق القاسمی المظاہری
مدرس مظاہر العلوم سیلم تامل ناڈو

(۱) انسانی اعضاء جو کسی زندہ یا مردہ شخص سے دوسرے شخص میں لگائے جائیں اور وہ اس کا محتاج ہو مثلاً گردہ، دل، جگر! ! علماء اور فقہی علمی اکیڈمیوں نے اس کے جواز اور مباح ہونے کے فتوے شرائط کے ساتھ دیئے ہیں۔

مثلاً ہیئۃ کبار العلماء ریاض نے فیصلہ نمبر ۹۹ بتاریخ ۶/۱۱/۱۴۰۲ میں کہا کہ کسی عضو یا اس کے ایک حصہ کو کسی زندہ یا مردہ انسان سے خواہ مسلمان ہو یا ذمی جب کہ ضرورت ہو تو منتقل کرنا جائز ہے اور جس سے وہ عضو لیا گیا ہے اس کے مصیبت میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہو اور جس کو وہ عضو لگایا

انسانی اعضاء کی خرید فروخت کا مسئلہ علماء میں مختلف ہوگیا

جائے اس کی کامیابی کا غالب گمان ہو جیسا کہ ایک زندہ انسان کا کسی عضو یا اس کے ایک حصہ کا تبرع کرنا جائز ہے کسی مضطر مسلمان کے لئے

(۲) المجمع الفقہی التابع رابطۃ العالم الاسلامی مکۃ المکرمہ نے اپنے آٹھویں اجلاس مورخہ ۲۸ /۴/ ۱۴۰۵ھ میں اعضاء کی پیوندکاری کے متعلق ہیئۃ کبار العلماء کی طرح فیصلہ دیا۔

(۳) المجمع الفقہی نے بھی جو منظمۃ المؤتمر الاسلامی کے تابع ہے اپنے جدہ کے اجلاس ۱۴۰۸ھ میں اس کی اجازت دی۔

(۴) فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد سید الطنطاوی مفتی مصر نے فتویٰ دیا کہ مردہ کے بدن کے تمام اعضاء

سے استفادہ کی اجازت ہے، جبکہ ضرورت ہو اور مردہ سے نقل کردہ عضو سے مریض کو فائدہ ہو، اس شرط کے ساتھ کہ ماہر ڈاکٹر اس کا فیصلہ کریں، ورثہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی کسی اور نمائندہ کی طرف کیونکہ " الضرورات تبیح المحظورات " ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز کردیتی ہے۔

نیز مفتی مصر نے فرمایا: انسانی اعضاء کی فروختگی مثلاً گردہ یا آنکھ شرعاً حرام ہے کیونکہ انسان کا جسم اس کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کی ملکیت ہے، اب رہا رضاکارانہ طور پر دینا تو وہ جائز ہے بغیر مادی بدلہ کے۔ (جریدۃ الاہرام المصریۃ مورخہ ۱۸/۱۱/۱۴۰۷ھ: ۳/۷/۱۹۸۷ء)

خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے علماء کی اکثریت تقریباً اس بات پر متفق ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کسی زندہ یا مردہ شخص سے منقول الیہ مریض کی مصلحت کیلئے جائز ہے۔

بیع اور تبرع میں علماء کا اختلاف

لیکن عضو کی خرید و فروخت یا اس کے تبرع میں اتفاق نہیں ہے یا یوں کہئے کہ اختلاف ہے بعض حضرات اس کی بیع کو حرام اور تبرع کو مباح کہتے ہیں اور بعض جیسا کہ شیخ محمد متولی شعراوی بیک وقت بیع اور تبرع کو منع کرتے ہیں، اس وجہ سے کہ انسان اپنے بدن کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کی ملکیت صرف اللہ کے لئے ہے اور جس کو بیچنا جائز نہیں اس کا تبرع بھی جائز نہیں۔

علماء اور اطباء میں انسانی اعضاء کی بیع اور تبرع کی بحث بار بار ہو رہی ہے (بیمار کے جسم میں پیوست کئے جانے والے عضو کے متعلق)

ڈاکٹر علی عبدالفتاح، عمید کلیۃ طب عین الشمس القاہرہ

آج کل مسلمانوں کی زندگی میں جو نئی بات پیش آئی وہ یہ کہ بعض بیمار مجبور رہوتے ہیں کہ دوسرے کے بدن کے عضو کو پیوست کرائیں جیسا کہ گردہ، شروع شروع میں تو کچھ رشتہ دار رضاکارانہ طور پر اپنے گردوں کو دیدیتے تھے، پھر یہ تجارت بن گیا، اور تندرست اعضاء والے اپنے عضو کی بھاری قیمت مانگنے لگے، بیمار اور اس کے رشتہ داروں پر اس کے ذریعہ ظلم کرنے لگے، کچھ شوہروں نے اپنی بیویوں پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے ایک گردہ کو بڑی قیمت میں فروخت کردیں تاکہ خاندان کے معیار کو بلند کیا جائے، اور بیمار کے رشتہ دار خود لالچ کرنے لگے کہ ایک گردے کے بدلے ان کو کوئی پلاٹ یا گھر یا کارخانہ دیدیا جائے۔

ڈاکٹر علی عبدالفتاح مزید فرماتے ہیں، ڈاکٹر اب حیرت میں پڑے ہوئے ہیں کہ کیا وہ کام جو وہ کرتے ہیں حلال ہے یا حرام اور علمار کرام کی رائیں معلوم کرتے رہتے ہیں۔

اس مسئلہ کے دو جوابات ملتے۔

پہلا جواب شیخ محمد متولی شعراوی کا۔ انھوں نے فتویٰ دیا کہ مطلقاً جائز نہیں ہے کہ انسان اپنے بدن میں کسی قسم کا تصرف کرے رضا کارانہ طور پر، نہ بیع کے طور پر، اس لئے کہ کسی چیز کا تبرع اس کی ملکیت پر مبنی ہوتا ہے آپ اس کا تبرع کر سکتے ہیں جس کے آپ مالک ہوں یا اس کے ایک حصہ کے مالک ہوں، ایسی چیز کا تبرع نہیں کر سکتے جس کے آپ مالک نہ ہوں، اور انسان اپنی ذات کا مالک نہیں ہے۔ (مجلہ اللواء الاسلامی ۲/۴/۱۹۷۷ء)

شیخ شعراوی کی دلیل اللہ پاک کا فرمان ہے

امن یملك السمع والابصار ۔ کیا وہ جو کان اور نگاہ کا مالک ہے (سورہ یونس)

نیز اسلام نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ وہ اپنی ذات کا مالک نہیں ہے

دوسرا جواب ہے مفتی مصر ڈاکٹر سید الطنطاوی کا ہے انھوں نے فرمایا:

فقہار متفق ہیں انسانی بدن یا اس کے اعضار میں سے کسی عضو کی بیع و شرا کے بطلان پر، کیونکہ مالک حقیقی وہ اللہ تعالیٰ ہیں، اور انسان اپنے بدن کا امین ہے اور اس کو حکم دیا گیا کہ وہ اس امانت کی حفاظت کرے، اسکے اصلاح کی اس کو اجازت ہے اس کو بگاڑنے کی اجازت نہیں۔

ڈاکٹر طنطاوی آگے فرماتے ہیں:

علمار کی ایک جماعت انسانی عضو کا تبرع دوسرے انسان کے لئے کچھ شرائط کیساتھ جائز سمجھتی ہے، اس کی اہم شرط یہ ہے کہ ماہر اور ثقہ ڈاکٹر صاف طریقے سے بتلائیں کہ تبرع کرنے والے شخص کو اس کے تبرع سے نقصان نہیں ہوگا، اور جس کو یہ عضو دیا گیا ہے اسکی زندگی اس پر مبنی ہے، یا مہلک بیماری سے نجات ہے، میں اسی رائے کی طرف مائل ہوں جو تبرع کے جواز کی ہے جب کہ ضرورت سخت ہو اور ڈاکٹر بتلادیں کہ عضو کو دینے والے شخص کو بڑا نقصان نہیں ہوگا اور جس کو دیا گیا ہے اس کو بڑا فائدہ دے گا۔ (جریدہ عکاظ، ۲۷/۱/۱۴۰۸ھ)

میں نے اس کے علاوہ دوسرے علماء کی رائے بھی پڑھی ہے جو انسانی اعضاء کے تبرع کو جائز جانتے ہیں اور متفقہ طور پر اس کی بیع کو منع کرتے ہیں، ڈاکٹر طنطاوی مفتی مصر کے نقطۂ نظر کی طرح ان کا نظریہ بھی ہے

میرا نظریہ :- میرا نظریہ یہ ہے کہ شیخ شعراوی کا نہج اس مسئلہ میں درست ہے کہ اپنے بدن کے کسی عضو کا تبرع کرنے والا، اپنے بدن کا مالک ہوتا ہے کیونکہ جو مالک نہیں وہ تبرع نہیں کرسکتا، لہٰذا تبرع اور بیع دونوں برابر ہیں جب بیع جائز نہیں تو تبرع بھی جائز نہیں۔

شیخ شعراوی کے طریقۂ استنباط سے تو میں متفق ہوں لیکن ان کے فیصلے کے ساتھ میں متفق نہیں ہوں کہ بیع اور تبرع مطلقاً حرام ہے۔

اور میرا اختلاف ڈاکٹر طنطاوی سے طریقۂ استنباط میں ہے کیونکہ انھوں نے بیع اور تبرع میں فرق کیا ہے، بیع کے حرام ہونے کے اصول میں بھی مجھکو اختلاف ہے۔

میری رائے ہے کہ انسان اپنے بدن کا مالک ہوتا ہے جو اس کی صحت اور زندگی کو خراب نہ کرے اتنی مقدار میں اس کو تصرف کا بھی اختیار ہوتا ہے کیونکہ دین انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے بدن اور عقل کی حفاظت کرے۔

اگر انسان اپنے بدن کا مالک نہ ہوتا تو جروح اور قتل میں قصاص اور دیت کو مشروع نہ کیا جاتا، نیز مجروح اور مقتول کے ورثہ کو معاف کرنے کی گنجائش نہ ہوتی، شریعت نے قصاص اور دیت کا حق جو بندہ کو دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان کا مالک ہے اسی وجہ سے خود اپنے اور غیر سے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

کسی کا رضاکارانہ طور پر خون یا ایک گردہ یا ایک آنکھ یا اپنے بدن کے کسی حصہ کو دینا جس سے اس کا نقصان نہ ہو اس کے اور اسکی ذات کے حق میں گناہ شمار نہ کیا جائے گا، اور بیع کا بھی یہی حکم ہوگا خصوصاً جبکہ دینے والا فقیر اور اس کو مال کی سخت ضرورت ہو۔

اللہ تعالیٰ انسانی بدن کے مالک ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے مالک ہیں۔ ملکیت عامہ له ملك السموات والارض، اللہ تعالیٰ ہماری جانوں مالوں،

اولاد اور تمام دنیا کے مالک ہیں، یہ خدائی ملکیت ہمارے امور اور معاملات میں تصرف سے مانع نہیں
بلکہ شرعی پانچ حقوق کی حفاظت ہو (۱) نفس (۲) عقل (۳) نسل (۴) مال (۵) عزت۔

جو حضرات اعضاء کی بیع کرنا ناجائز کہتے ہیں وہ غور فرمائیں، لوگوں کے دل سخت ہوگئے
حتی کہ رشتہ دار، جیسا کہ ڈاکٹر بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اپنے اعضاء کی تجارت اور اس کا
کرتے ہیں، دوسری طرف بیمار کو سخت ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ان اعضاء کو خرید کر اپنی زندگی کی حفا
ہے، کوئی وجہ نہیں کہ بیع کے ناجائز ہونے پر تشدد اختیار کیا جائے اور تبرع کو جائز کہا جائے
ملکیت ایک ہے اور تصرف بھی ایک ہے

جنین کے اعضاء کی پیوند کاری

جو بحث انسانی اعضاء کے جواز و عدم جواز کی
وہی بحث مادر رحم سے ساقط ہونے والے بچہ
متعلق ہے بشرطیکہ یہ سقوط ہو اسقاط نہ ہو، والدہ کی کمزوری یا خود بچہ کی کمزوری کی وجہ سے
گر گیا ہو، تجارت کی غرض سے عمداً نہ گرایا گیا ہو، اور نہ اس کو غنیمت سمجھا جائے۔

اعضاء تناسل کی پیوند کاری

عضو تناسل کی تبدیلی اور پیوند کاری کے سلسلہ میں
اور ڈاکٹروں میں بحث و مباحثہ جریدۃ المسلمون میں:

تعجب کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اس کو منع کرتے ہیں اور علماء اس کی اجازت دیتے ہیں
ڈاکٹروں کے ساتھ ہے کیونکہ اعضاء تناسل اور اس کی ترکیب سے وہ زیادہ واقف ہیں
بنانے میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے اور نطفہ کی حفاظت ڈاکٹروں کی بات ماننے کی
میں ہوگی، برخلاف دوسرے اعضاء مثلاً گردہ کیونکہ اس کے ساتھ منقول عنہ کی خصوصیات کی
نہیں ہوتی ہے، اگر فرض بھی کر لیں کہ جس سے وہ نقل کیا گیا اس کی خصوصیت دوسرے اعضا
تبدیلی میں بھی آتی ہے تو بھی اس کی تاثیر خصیہ کی طرح نہیں نسب کے اختلاط میں جو پہلے شخص
موروثیت کو نقل کرتی ہیں۔

ڈاکٹروں کے قول کے مطابق خصیہ پہلے شخص کی شخصیت ہوتی ہے لہذا خصیہ کو
کرنا اور اس کی پیوند کاری مطلقاً ناجائز ہوگی۔

اس کے ساتھ غرض یہ ہے کہ قانونیوں اور مفتیوں کے لئے ضروری ہے کہ تجربہ کار

ڈاکٹروں کی شہادت اور رائے لیں، ظاہری حجت اور دلیلوں سے فیصلہ نہ کریں ۔

جن حضرات نے خصیتین کے نقل کے جواز کا فتویٰ دیا ان کے سامنے میں نے کہا کہ اسلام نے عورت کے معاملات میں صرف عورت کی شہادت معتبر مانی ہے خصوصاً ان چیزوں میں جن پر عورت ہی واقف ہو سکتی ہے ،مثلاً رضاعت، ولادت، بکارت وغیرہ ،بلکہ اسلامی قضاء نے مرد کی قضاء پر عورت کے فیصلہ کو مقدم مانا ہے ،ان حالات میں (اسی طرح ڈاکٹر جو ماہر ہیں ان کے فیصلہ کو شرعی علماء کے فیصلہ پر مقدم کیا جائے گا) ۔

حدود میں الگ کردہ عضو کی پیوندکاری

کچھ دنوں قبل یہ مسئلہ اٹھایا گیا ہے اور بہت بحث ہوئی ،اور بہت سے لوگوں نے چوری کی حد میں کاٹے ہوئے ہاتھ کو چور پر رحم کھاتے ہوئے دوبارہ لگانے کی تجویز پیش کی ہے ۔

حد میں کاٹے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنا چور پر رحم کھاتے ہوئے محض ایک جذباتی محبت کا فیصلہ ہے جو عقلاً اور نقلاً درست نہیں ہے ،اصل میں یہ نظریہ لادینی کمپنیوں کے ان خیالات میں سے ہے جو اسلامی حدود کو وحشیت اور سختی تصور کرتی ہیں ۔

چور یا باغی جس کا ہاتھ یا ہاتھ اور پیر کاٹا گیا ،ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سزا عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے واجب کی ہے تاکہ دوسرے لوگ چوری سے باز رہیں، لوٹ مار نہ کریں ،اور امن پسند لوگوں کے ساتھ دہشت گردی کا معاملہ نہ کریں اور مسلم معاشرہ میں امن واطمینان کی زندگی پائی جائے ،جان ،مال اور عزت کی حفاظت رہے ۔

جب ہم ان سزاؤں کی حکمت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چور کے ہاتھ کو جوڑنے کا مطالبہ ،یا اس کا دعویٰ کرنا ،یا محارب کے ہاتھ پاؤں کو لوٹانے کا تقاضا کرنا شریعت کے مقصد کے خلاف ہے ،شریعت کا مقصد ان نافرمانوں کی زجر ہے جو معاشرہ میں فساد پھیلاتے ہیں اور امن پسند لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں ۔

کتنی بڑی اور عظیم حکمت ہے جس کو قرآن کریم نے کہا ہے ولکم فی القصاص حیاة عرب زمانۂ جاہلیت میں کہتے تھے ،القتل انفی القتل قتل قتل کو روکنے والا ہے انگریزی

مثل - لایفل الحدید الا الحدید" لوہے کو لوہا ہی کند کرے گا، اس مثال کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں
چور یا محارب کے ہاتھ اور پاؤں کو دوبارہ جوڑ دینا شریعت کی حکمت کو ختم کر دیتا ہے۔ قطع (کاٹنا) یہ شرعی حد ہے جب دوبارہ اس کو جوڑ دیا جائے تو ایسا ہوگیا جیسا کہ کاٹا ہی نہ گیا ہو بلکہ ایک ڈرامہ کا طرز اختیار کیا۔

کٹے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ نہ لگانا یہ حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوگا جس میں قصاص کا حکم وارد ہے، ناک، آنکھ، کان، انگلی، دانت وغیرہ وکتبنا علیہم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص ہم نے ان پر جان کے بدلے جان، آنکھ کے عوض آنکھ، ناک کے عوض ناک، کان کے بدلے کان دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص فرض کیا ہے (سورۃ المائدۃ)

اخیر میں یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالمی تنظیم صحت جو اقوام متحدہ کے تابع ہے اس نے اعلان کیا ہے کہ انسانی اعضاء کی بیع و شراء ممنوع ہے، کیونکہ اس کا استعمال غلط طریقہ سے ہونے لگا ہے اور اعضاء ایک ملک سے دوسرے ملک کو اکسپورٹ کئے جانے لگے اور اس کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ خصوصاً غریب ممالک جہاں یہ کم اخلاق تاجر اعضاء کا بازار سستا پاتے ہیں پھر وہاں سے عالمی اسپتالوں میں اس کو فروخت کرتے ہیں۔

میں اس موقع پر کہوں گا کہ اعضاء انسانی کی تجارت کا مسئلہ ایک اخلاقی مسئلہ ہے صرف ایک طبقے کے لوگوں کے راہ مستقیم سے ہٹنے کی وجہ سے اس کو حرام قرار دینا مناسب نہیں اللہ تعالیٰ نے اعضاء کی پیوندکاری کے مختلف گوشوں کے اعتبار سے مجھکو یہ بحث لکھنے کی توفیق بخشی۔

پتہ
شیخ احمد جمال
ص.ب ۲۴۷۵، مکۃ المکرمہ

حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر۔ یو۔ کے۔

جبہ شریف کا ادب واحترام

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب کسی کو کسی کے ساتھ انس و محبت، مودت و عقیدت ہوجاتی ہے تو اس کی ہر ہر ادا اور ہر ہر چیز جان سے زیادہ پیاری ہوجاتی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رض کو چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت تھی اس لئے ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور ہر ہر چیز پیاری اور قیمتی تھی، جس طرح ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی تعظیم کی، اس کا ادب واحترام اور اس کی حفاظت فرمائی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف کا ادب واحترام کیا۔ اس کو زاد آخرت سمجھا اور شفاء امراض باطنی وظاہری کا ذریعہ بنایا، اور اس کی حفاظت فرمائی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ محفوظ تھا جب آپؓ کا انتقال ہوا تو اس جبہ شریف کو حضرت اسماء رض نے لیا اور اس کی حفاظت کی، حضرت اسماء رض فرماتی ہیں کہ:-

فنحن نغسلها للمرضی نستشفی بها (رواہ مسلم، مسند احمد جلد ۶ ص۳۴۸)

یعنی ہم اس کو پانی میں دھوکر (جبہ شریف کو) بیماروں کو پلاتے تھے تاکہ اسے شفا حاصل ہوجائے

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رض اور صحابیات رض کے عقیدے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف اتنا مقدس و مبارک تھا کہ اگر کوئی بیمار ہوجاتا تو اسے جبہ شریف کو دھویا ہوا پانی پلایا کرتے تھے اور وہ صحت یاب ہوجایا کرتا تھا، صحابہ کرام نے جبہ شریف کی کھلی برکات کا خود بھی مشاہدہ کیا اور اس کی حفاظت کی تاکہ بعد میں آنے والی

امت بھی جبہ شریف کی برکات سے فائدہ اٹھاسکیں۔

علاوہ ازیں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قمیص مبارک تھی، آپ اسے زاد آخرت سمجھتے تھے، جب آپ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ یہ قمیص میرے کفن میں لگادی جائے۔ (نزہۃ الابرار، اسوۂ صحابہ ص۱۳۰)

حضرات اکابر دیوبند رح کا مسلک اس باب میں بھی وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے بارے میں ہے یعنی جبہ شریف کا ادب واحترام، تعظیم واکرام ہر حال میں لازم ہے، کسی پہلو سے بھی گستاخی یا بے ادبی نہ ہونے پائے اس لئے کہ اس کپڑے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مطہر سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے، اور یہ وہ مبارک جسم ہے جس کی کوئی نظیر نہیں سہ

واحسن منك لوترقط عيني   واجمل منك لوتلد النساء

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا مسلک ملاحظہ فرمایئے، آپ فرماتے ہیں غلاف کعبہ کو حضور کے قمیص سے کیا نسبت، حضورؐ کا جسد اطہر عرش وکعبہ سے افضل ہے۔

(وعظ الرفع والوضع ص۲۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حکیم الامت رح کی نگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک غلاف کعبہ سے ہزار گنا افضل ہے، جبکہ حضرت رح تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ

اگر ایک طرف قرآن رکھا ہو اور ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک بھی رکھا ہو دیکھ لو دل کدھر کھنچتا ہے، طبیعت کا جذب کدھر زیادہ ہوتا ہے، گو اعتقاداً وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے اس کی تعظیم واجب ہے مگر عملاً تم اس کے ساتھ وہ برتاؤ کروگے جو قرآن کے ساتھ نہیں کرتے، پھر بھی نہ یہ شرک ہے نہ ترکِ ادب کیونکہ فطرۃً انسان اس کے خلاف پر قادر نہیں البتہ حدود شرعیہ سے تجاوز معصیت اور بدعت ہے (وعظ روح القیام ص۱۲)

جو لوگ علماء دیوبند بالخصوص حضرت حکیم الامت پر یہ بہتان باندھتے نہیں تھکتے کہ ان کے نزدیک پیغمبر کا ادب شرک ہے انھیں چاہئے کہ مذکورہ ارشاد کو غور سے پڑھیں، حضرت حکیم الامت رح تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مطہر سے مس کی ہوئی قمیص مبارک کے

ادب کی تلقین کرتے ہیں، ہاں جو لوگ حدود شرعیہ سے تجاوز کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ طریقہ ادب و احترام کا نہیں بلکہ بے ادبی اور گستاخی کا ہے جو معصیت اور بدعت ہے، اس کی کسی صورت میں اجازت نہیں،

حضرت حکیم الامت ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

جو چیز ملبوس نبوی سے مس کی گئی ہو اس میں بھی برکت ہوتی ہے (وعظ اراس الاربعین ص۱۵)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف اپنی ذات میں ایسی بزرگ و محترم چیز ہے کہ سر کے بل چلنا بھی کم ہے، مگر چونکہ ایسی باتیں انتظام شریعت کے خلاف ہیں لہذا اجتناب ضروری ہے
(الافاضات حصہ اول ص۲۰۶)

حضرت اقدس جبہ شریف کے ادب و احترام کے متعلق ایک اصول بیان فرماتے ہیں کہ:

اس کیلئے یقین شرط نہیں احتمال ہی کافی ہے جیسے مختلف فیہ سید کی کوئی عزت یا احترام کرے گو اس کی سیادت کی سند صحیح اور قوی نہ ہو تب بھی کیا گناہ ہے بلکہ اقرب الی الاحتیاط ہے اور وہ احترام بھی محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے، یہاں بھی یہی سمجھ لیا جاوے (الافاضات حصہ ۵ ص۲۶۱)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

میں نے ایک رسالہ جبہ کے متعلق لکھدیا ہے اس میں افراط و تفریط اور درجۂ اعتدال کو صاف صاف ظاہر کر دیا ہے اور بوجہ اختلاف اقوال کے ایک مثال سے اس کے درجۂ احترام کو ظاہر کیا ہے، وہ مثال یہ ہے کہ جیسے کسی کا سید ہونا مختلف فیہ ہو تو اس کا بھی ادب تو کرتے ہیں مگر نافی سیادت پر نکیر نہیں کرتے اور مثبت پر اعتراض نہیں کرتے
(ایضا ص۲۲۶ و حصہ ۴ ص۱۵۱)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے مندرجہ بالا ارشادات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک جبہ شریف کا اکرام و احترام کرنا چاہیئے، گستاخی و بے ادبی نہ ہونی چاہئے، البتہ غلو اور حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو، کیونکہ یہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہوگا۔

تھانہ بھون کے قریب ایک قصبہ جلال آباد ہے، جہاں ایک شخص کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا جبہ شریف تھا حضرت اقدسؒ جلال آباد میں تشریف لائے اور اس کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور فرمایا، آپ خود فرماتے ہیں

ہمارے قصبہ کے قریب ایک تبرک بھی موجود ہے اور وہ جبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کی سند مثل احادیث کے متصل تو نہیں مگر ہمارے بزرگوں نے اس کا انکار نہیں کیا اور جی کو بھی یہ بات لگتی ہے کہ وہ صحیح ہے اور اس کی زیارت اسی ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے۔ (وعظ راس الربعین صد)

حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفۂ اجل حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ اس زیارت کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں کہ۔

(حضرتؒ نے) جبہ شریف کی زیارت بھی نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کی اور اس طرح کہ اس کے خدام سے یہ اجازت لے لی کہ مجھکو تنہائی میں زیارت کا موقع دیا جائے، چنانچہ وہ لوگ خود بھی ہٹ گئے اور حضرت والاؒ نے بالکل تنہائی میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ مخلی بالطبع ہو کر خوب اطمینان سے زیارت کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالی اس وقت حضرت والاؒ پر نہ معلوم کیا کیا کیفیات طاری ہوئی ہوں گی جن کی سوائے حضرت والاؒ کے اور کسی کو خبر نہیں، بمصداق شعر ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں ⁂ بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

(اشرف السوانح ص۳۰۲)

حضرت حکیم الامتؒ کی زبان فیض ترجمان سے بھی اس کیفیت کو سنیں:

اول بار جبہ شریف یہاں لایا گیا مجمع میں تو بعض منکرات کے سبب میں نے زیارت نہیں کی مگر خلوت میں زیارت کرنا چاہی تو میں نے خدام جبہ سے کہا کہ جس وقت کوئی نہ ہوگا اس وقت خلوت میں اس کی زیارت کرادیں مگر جبہ شریف کو کھول کر تم ہی جانا کیونکہ میرے ہاتھ اس قابل نہیں کہ جبہ شریف کو مس کریں ۔ ۔ ۔ ۔ چونکہ وہ خادم ہیں جبہ شریف کے اس لئے میں نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے افضل سمجھا، انھوں نے منظور کرلیا۔ بس میں نے خلوت میں اس جبہ شریف کی زیارت کی تو خوب چوما، آنکھوں سے لگایا۔ (الافاضات حصہ ۱ ص۲۲۲)

حضرتؒ کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف کے ادب واحترام کا یہ حال تھا کہ

• جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف جو جلال آباد میں ہے اور اپنے اکابر سے اس کی تصدیق وجدانی سنی ہے تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پاؤں کرنا تو جائز ہے مگر غلبۂ ادب کی وجہ سے میں اس طرف پاؤں نہیں کرسکتا۔ (اشرف السوانح ص۳۲)

جبہ شریف کی زیارت کے سلسلے میں حضرتؒ نے اپنے احباب کو بھی ترغیب دی تھی اور انھیں حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ ارشاد سناتے کر۔

جبہ شریف کی زیارت سے ہرگز دریغ نہ کریں اگر تنہائی میں بدون منکرات کے موقع ملے تو ضرور زیارت کریں (ملفوظات ص۹۰)

حضرت حکیم الامتؒ کے مندرجہ بالا چند ارشادات اور آپ کا اپنا حال ملاحظہ فرمانے کے بعد کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ,,معاذ اللہ گستاخ تھے یا آپ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی یا آپ کا ادب واحترام نہ تھا، جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں یا تو وہ بالکل ناواقف ہیں یا انھیں غلط سبق سکھایا گیا ہے، یا پھر ایسے لوگ خوف خدا اور فکر آخرت سے بالکل غافل ہوچکے ہیں، انھیں شاید معلوم نہیں کہ ان غلط الزامات کا پردہ ایک دن چاک ہوکر رہے گا اور ملمع سازی اتر کر رہے گی حضرت حکیم الامت,, کے حالات زندگی اور آپ کے ارشادات اس پر شاہد عدل ہیں کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی اور شرعی امور اور سنت مطہرہ کا ہر وقت خیال رہتا تھا جہاں تک برکات کا تعلق ہے آپ خود ان واقعات کو سناتے اور نہایت معتقدانہ طور پر بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ تبرکات کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ،

تبرکات کے سلسلے میں بھی حضرت والا کا مذاق نہایت معتدل ہے اور وہ یہ کہ ان کی برکت کا انکار نہیں بلکہ ان برکتوں کے واقعات اپنے بھی اور دوسروں کے بھی مشاہدے کئے ہوئے اکثر نہایت معتقدانہ طور پر بیان فرماتے رہتے ہیں (اشرف السوانح ص۳۲)

فضلات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ جل شانہ نے سرور دو عالم خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو کمالات باطنی ومعنوی میں جس طرح سب سے ممتاز فرمایا ہے اسی طرح آپ کو کمالات ظاہری میں بھی

بے شمار خصوصیات کا حامل فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انھی خصوصیات ظاہری میں سے ایک خصوصیت "فضلات" کے پاک ہونے کی بھی ہے۔ حضرات علمار محدثین اور فقہار عظام انبیار کرام کے فضلات کے پاک ہونے کی صراحت کرتے ہیں اور اسے "خصوصیات" میں شامل فرماکر انبیار کرام کے مقام و مرتبہ عظمت وجلالت شان کو واضح فرماتے ہیں۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت پر ایمان لانے کی دعوت تو کسی کو نہیں دی گئی کہ جو شخص آپ کی اس خصوصیت کا انکار کر دے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے۔ مگر چونکہ کتب احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک ہیں، اور پھر حضرات محدثین اور بے شمار ائمہ دین اسے تسلیم کرتے ہیں اور اپنی تالیفات میں اس کی صراحت بھی کرتے ہیں اسلئے قطعیت کے ساتھ اس کا انکار کر دینا بھی کوئی دانشمندانہ بات نہیں، اور زبان و قلم کو اس راہ پر لے آنا کہ ان خصوصیات کا انکار کر دیا جائے انتہائی بے احتیاطی ہوگی۔

اس بات کا کون انکار کر سکتا ہے کہ انسانوں کے بدن کا پسینہ معطر اور خوشبودار نہیں ہوا کرتا، بلکہ عام طور پر اس میں بدبو ہوتی ہے۔ مگر آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا پسینہ انتہائی معطر ہوا کرتا تھا، اور اس کے سامنے ساری دنیا کی خوشبو کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر میں ہمارے گھر ہی آرام فرمایا۔ آپ کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لائیں اور آپ کا پسینہ اس میں جمع کرنے لگیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو، حضرت انس کی والدہ محترمہ نے عرض کی:

ھذا عرق نجعله لطیبنا وھو	یہ آپ کا پسینہ مبارک ہے ہم عطروں میں اسے
اطیب الطیب	ملا لیتے ہیں اور یہ عطر ہمارے یہاں سب سے زیادہ
(صحیح مسلم ترجمان السنۃ)	خوشبودار ہو جاتا ہے۔

اس روایت سے حضرت انسؓ کی والدۂ محترمہ کی محبت رسولؐ کی ایک جھلک کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کو عام انسانوں کے پسینہ پر

قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پسینہ مبارک کو انتہائی معطر بنایا کہ جس نے سارے عرب کے عطروں کو شرمندہ کررکھا تھا۔

بالکل اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کو بھی عام انسانوں کے فضلات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مبارک کو صحابہ کرام کا پینا، اسی طرح ام ایمنؓ کے شرب بول کی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں، اور علماء عظام نے اس روایت کو صحیح قرار بھی دیا ہے اور طہارت فضلات کی صراحت بھی فرمائی ہے، شارح بخاری حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانیؒ (۹۲۳ھ) اپنی مشہور کتاب المواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

وفی هذه الاحادیث دلالة علی طهارة بوله ودمه صلی الله علیه وسلم قال النووی فی شرح المهذب واستدل من قال بطهارتهما بالحدیثین المعروفین وحدیث شرب البول صحیح رواه الدارقطنی وقال هو حدیث حسن صحیح وذلك كان فی الاحتجاج بكل الفضلات قیاسًا.....	ان احادیث میں آپ کے بول اور خون کی طہارت پر دلالت موجود ہے، حضرت امام نوویؒ نے شرح مہذب میں فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کے بول ودم کی طہارت کا حکم لگایا ہے انھوں نے انھی دونوں معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے اور شرب والی حدیث صحیح ہے جسے دار قطنی نے روایت کی، اور کہا کہ یہ حدیث حسن وصحیح ہے اور یہ آپ کے تمام فضلات کے پاک ہونے کی قیاس حجت بننے کیلئے کافی ہے..........
وقال شیخ الاسلام ابن حجر وقد تكاثرت الادلة علی طهارة فضلاته صلی الله علیه وسلم وعد الائمة ذلك فی خصائصه۔ (المواهب اللدنیة جلد ۱ ص۲۸۵)	شیخ الاسلام علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل موجود ہیں اور ائمہ حدیث نے اسے آپ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص۲۷۲)

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ:

وینبغی طرد الطهارة فی فضلات	طہارت فضلات کی خصوصیت تمام انبیاء کرام

سائر الانبیاء (زرقانی شرح مواہب جلد ۴ ص۲۲۵) میں عام ماننی چاہئے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ: **وھو یقول بطھارۃ بولہ وسائر فضلاتہ** (عمدۃ القاری ج ۲ ص۳۵)

حضرت علامہ ملا علی قاری حنفی (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ: **ومن ثم اختار کثیرون من اصحابنا طھارۃ فضلاتہ علیہ الصلوۃ والسلام** (مرقاۃ جلد ۲ ص۳۵)

حضرات اکابرین کی عبارات وصراحت کا بیان **استیعاب مقصود نہیں**، بتلانا صرف یہ ہے کہ امت محمدیہ کے بے شمار اکابرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **فضلات کی طہارت کے قائل ہیں** اس لئے اس خصوصیت کا یونہی انکار کر دینا سراسر زیادتی ہوگی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر محدث شہیر حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کی چند تشریحات پیش کی جائیں تاکہ اس مسئلہ کو سمجھنے میں اور آسانی ہوسکے، آپ **ایک حدیث کی** شرح میں فرماتے ہیں کہ:

انسانی فضلات میں اس کے بول و براز کا درجہ سب سے گرا ہوا ہے مگر اس میں بھی انسانی غذا اور اس کی جسمانی صحت کے فرق سے **کیفیات کا بلکہ مقدار کا بھی بڑا فرق** پڑ جاتا ہے انبیاء علیہم السلام بھی اس بشری ضعف سے مستثنیٰ نہیں ہوتے مگر چونکہ ان کے جسمانی خواص عام انسانوں سے کہیں بالاتر ہوتے ہیں چنانچہ **ان کے جسم** اور جسم کا پسینہ خوشبودار ہونا **صحیح حدیثوں سے ثابت ہے** اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان کے یہ فضلات بھی بعض احکام میں عام انسانوں سے ممتاز ہوں —

شیخ بدرالدین عینی نے صحیح بخاری کی شرح میں **حنفیہ کی طرف سے** اور **شیخ جلال الدین سیوطی** نے بعض کبار علماء کی طرف سے آپ کے فضلات کے متعلق **طہارت کا قول بھی نقل کیا ہے**، **حدیث مذکور کا** روایتی پہلو گو کمزور رہے مگر یہ مسئلہ **کوئی عقائد یا اعمال کا مسئلہ** تو نہیں جس کے **متعلق اعلیٰ درجہ** کی صحت درکار ہو، صرف ایک **فضیلت کا باب ہے** اور وہ بھی زندگی کے **ایک ایسے شعبہ** سے متعلق ہے جس کی عوام کو اطلاع نہیں ہوسکتی، نیز **امور تبلیغیہ میں داخل بھی نہیں** جس کا تعلق امت کے ساتھ وابستہ ہو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم **کی ایک ذاتی خصوصیت ہے** جس پر ایمان **لانے کی کسی کو دعوت نہیں دی گئی ہے**، پس اگر آپ کی **مخصوص حیات کا کوئی مستور گوشہ ضعیف**

اسناد کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے تو اسی درجہ میں اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، نہ اس امر کے تسلیم کر لینے میں کسی عقیدہ پر کوئی زد پڑتی ہے، پھر وہ علماء اور محدثین کے درمیان ہمیشہ نقل بھی ہوتا چلا آیا ہے، حتیٰ کہ بعض ائمہ اس کے طہارت کے قائل بھی ہو چکے ہیں، ان وجوہات کی بنا پر یہاں قطعیت کے ساتھ اس کا انکار کر ڈالنا قطعاً بے احتیاطی ہے (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۶)

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کا معاملہ ایسا نہیں ہے اس لئے اگر محدثین اس کو نقل کرتے ہیں تو اس کو مان لینا آپ کی محبت کا تقاضا ہونا چاہئے، اس کا بلند آہنگی سے انکار کرنا آپ کی محبت کا ثبوت تو نہیں مگر آپ کی بے نمکی کا ثبوت ضرور ہے (ایضاً ص۳۰۷)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

شیخ حافظ بدرالدین شارح بخاری، فرماتے ہیں کہ اس باب میں متعدد روایات آئی ہیں اور میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے شخصوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر ان کے بول و براز نجس ہوں تو اس قیاس پر آپ کے فضلات کو بھی نجس کہہ ڈالنا بالکل بے بنیاد ہوگا اس بارے میں میرا عقیدہ تو یہی ہے اب کوئی شخص اس کے خلاف کہے تو میں اس کے سننے سے قاصر ہوں۔ (ایضاً جلد ۳ ص۱۳۱)

حضرات اکابرین دیوبند میں سے ایک جلیل القدر بزرگ کا مسلک آپ نے ملاحظہ فرمایا اس سے آپ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرات اکابرین کے دلوں میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عظمت تھی اور آپ کا کس قدر اکرام و احترام فرماتے تھے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز اور غسلہ کا ذکر بھی اکابرین دیوبند کے نزدیک مستحب اور پسندیدہ ہے، شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں، اور اس تحریر پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے دستخط بھی موجود ہیں کہ:۔

فالاحوال التی لہا ادنیٰ تعلق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرھا من احب المندوبات واعلی المستحبات عندنا	وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذرا سا بھی تعلق ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب

سواء کان ذکر ولادته الشریفة او ذکر بوله وبرازه وقیامه وقعوده ونومه ونبهته (المهند علی المفند ص۲۲)

ہے خواہ ذکر ولادت ہو یا آپ کے بول وبراز، نشست وبرخاست اور بیداری وخواب کا تذکرہ ہو الخ

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

آپ کا ذکر تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے، پھر آپ کی ہر ادا کا ذکر ہونا چاہئے حتی کہ آپ کے غصہ اور خفگی کا بھی ذکر ہونا چاہئے، محبوب کی تو خفگی اور تیزی بھی محبوب ہوتی ہے، محبت تو وہ چیز ہے کہ واللہ العظیم اگر حضور کے غصہ اور عتاب کا بھی ذکر ہو تو مزے لے کر ذکر کریں، صحابہ کرام نے اس راز کو سمجھا تھا اور محبت کی یہ دولت ان حضرات کو نصیب تھی (وعظ النور ص۱۲۱)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کا فضلات کے سلسلے میں کیا مسلک تھا اسے بھی ملاحظہ فرمالیں

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فضلات شریفہ پاک تھے ان پر دوسرے کو قیاس نہیں کرسکتے:

(الکلام الحسن ص۹۷)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عظمت تھی اسے ملاحظہ فرمایئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فضلہ بھی کسی جگہ گرا ہو تو ہم کو اس جگہ سے محبت ہوگی یہ جائیکہ وہ جگہ جہاں حضور کے پاؤں لگے ہوں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کا دہن مبارک لگا ہو الخ

(محاسن اسلام ص۶۸، اشرف الجواب ص۲۹)

مذکورہ بالا تحریرات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ السامی آنحضرت سرور دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سچے محب اور فدائی تھے اسی عشق و محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے زندگی بھر اتباع سنت کا دامن تھاما، احباب اور اعزہ کو اس کی تاکید کی۔ معتقدین ومتوسلین کو نصیحت و وصیت فرمائی اور قرآن وحدیث کی جو خدمت اللہ نے آپ کے ہاتھوں لی ہے اور پھر اسے جو قبولیت نصیب ہوئی ہے اس کا اعتراف غیروں نے بھی کیا ہے، جو لوگ ان واضح حقائق کے باوجود آپ پر کفر والحاد کے گولے برسا رہے ہیں اور جن کی تحریر وتقریر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ پر طنز وتشنیع اور تکفیر سے خالی نہیں ہوتی وہ غور کریں اور اس دن سے ڈریں جس دن نہ کتابوں میں تحریف ہوسکے گی اور نہ کسی مکار کا کوئی مکر چل سکیگا۔ ضوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلك ام حمار

مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی رحؒ

ایک مثالی معلم و منتظم

مولانا شمس تبریز خاں صاحب
لکھنؤ یونیورسٹی

افسوس صد افسوس کہ علمائے ربانیین، خادمان دین متین اور حامیان شرع مبین کی اگلی صفیں خالی ہوتی جارہی ہیں اور ملت کا علمی و دینی اور اجتماعی محاذ کمزور پڑتا جارہا ہے اور ہم میں ان کی جگہ لینے والے بہت مشکل سے نظر آنے لگے ہیں ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ درس نظامی اور دارالعلوم دیوبند کے نصاب و نظام تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی جامعیت اور ہمہ گیری بھی ہے جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے کو جامع جہات اور مجموعۂ صفات افراد اور مثالی علماء میسر آتے تھے جو علوم دینیہ کی جامعیت کے ساتھ سیاست و معاشرے کی رہنمائی کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، اور ہمہ گیر دینی و دنیوی لیاقتوں کی بدولت معاشرے کی اصلاح اور صلاح و فلاح کا کارنامہ انجام دیتے تھے اور ان کا وجود مسعود ملک و ملت کی خیر و صلاح اور دین و دنیا کی برکتوں اور سعادتوں کا باعث ہوتا تھا اور معاشرے کے لئے خدا کی رحمت و نعمت ثابت ہوتا تھا۔

ایسے ہی ربانی و حقانی علماء میں ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کی شخصیت بھی تھی، جس سے ہم ۲ صفر ۱۴۱۲ھ / ۱۸ اگست ۱۹۹۱ء کو محروم ہوگئے القلب یحزن والدمع یجری ولا نقول الا مایرضی به ربنا وانا بفراقك یا مولانا لمحزونون۔

مولانا مرحوم دیوبند میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد غالباً کچھ عرصے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی، اس سلسلے میں ان سے اورینٹل کالج لاہور کے مشرقی امتحانات پاس کرنے کا ذکر بھی سنا تھا پھر ۳۲-۱۹۳۰ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، مدرسہ ہاشمیہ، زکریا مسجد بمبئی میں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء تک استاذ رہے، پھر مدرسہ اسلامیہ گلبرگہ میں ۱۹۴۱ء تک تعلیمی فرائض انجام دیے

پھر ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے جہاں نصف صدی تک علمی وانتظامی
فرائض انجام دیے۔

مولانا مرحوم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے تلمیذ رشید وجانشین تھے اور
ایک ہاتھ میں فقہ وحدیث کا جام شریعت اور دوسرے میں ادب کا سندان عشق رکھتے تھے، ان کی
ذات والاصفات میں ایک ادیب کی ذہانت ظرافت طباعی وشگفتگی اور ایک عالم وفقیہ کی متانت
سنجیدگی، نکتہ آفرینی ودقیقہ رسی، امانت ودیانت اور صلاح وتقویٰ بیک وقت جمع تھے، علم وفن کی
نادر جمعیت تھی جو بڑی خوش اسلوبی سے ان میں جمع ہوگئی تھی اور جس نے ان کی شخصیت کو مثالی
ومعیاری بنادیا تھا ع یوں بہم کس نے کئے شیشۂ وسنداں دونوں۔

ہمارے اور علمی دنیا کے لئے یہ بات بھی بڑے خسارے کی ہے کہ مولانا مرحوم ادب وفقہ پر جیسی
گہری نظر رکھتے تھے اور درس میں انھیں جو انہماک تھا اسی قدر تقریر وتحریر سے انھیں بُعد تھا
درس کی تقریر بھی جامع اور مختصر کرتے تھے، اگر مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی طرح مولانا معراج الحق صاحبؒ
نے بھی اپنے علمی افادات کو قلمبند کیا ہوتا تو ادب وفقہ کی بڑی یادگار خدمت انجام دے جاتے اور
علماء واساتذہ اس سے مستفید ہوتے۔

اس علمی جامعیت کے ساتھ ان میں انتظام کی بھی بڑی صلاحیت تھی جس کی وجہ سے وہ حضرت
مولانا محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے زمانے سے اب تک نائب مہتمم، ناظم مطبخ، ناظم دارالاقامہ، ناظم تعلیمات
اور صدرالمدرسین جیسے اہم انتظامی عہدوں پر فائز رہے، اور ان عہدوں کے فرائض سے بحسن
وخوبی عہدہ برآ ہوئے۔

مجھے مولانا مرحوم سے دیوان متنبی اور ہدایہ آخرین پڑھنے کی سعادت حاصل رہی، یہ کتابیں
انھیں اس طرح ازبر تھیں کہ بے دیکھے ان کے اشعار اور عبارتیں پڑھ کر ان کی تفہیم وتشریح کرتے
تھے، اور حل لغات اور نقل اقوال کے بعد شعر وعبارت کا مفہوم نپے تلے انداز میں بیان فرماتے
تھے، اسی طرح مآخذ پر بھی انھیں کامل عبور حاصل تھا، اور ان کی تشریح خطیب، تبریزی، مولانا
فیض الحسن، مولانا ذوالفقار علی اور مولانا اعزاز علی صاحب کی تحقیقات پر مبنی اور ان کا خلاصہ
ہوتی تھی، کبھی کبھی عربی اشعار کے ہم معنی اردو اشعار بھی پڑھ دیتے تھے، جس سے شعر کا لطف دوبالا

ہوجاتا تھا، مثلاً متنبی کے اشعار پڑھانے کے دوران اردو فارسی کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو اساتذہ کا کلام بھی ان کی نظر میں تھا۔ ؎

؎ الحبه داحب فيه ملامة ان الملامة فيه من اعدائه
؎ شرکت غم بھی گوارا نہیں غیرت کو مری غیر کی ہوکے رہے یا شب فرقت میری
؎ غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
؎ مثلت عينك في حشاي جراحة فتشابها كلتا هما نجلاء
؎ نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

درس میں ایک منٹ کی تاخیر یا بے توجہی سے انھیں سخت کوفت ہوتی اور اس پر بروقت تنبیہ فرماتے تھے، جس طرح خود پابند اوقات تھے اسی طرح طلبہ سے بھی پابندیٔ وقت اور نظم و ضبط کی توقع رکھتے تھے، ان کا نظم و ضبط اور کسی حد تک سخت گیری مشہور تھی، جس کی وجہ سے دارالعلوم کے ماحول میں ان کا رعب و داب محسوس کیا جاتا تھا، طلبہ انھیں دور ہی سے دیکھ کر مؤدب ہوجاتے تھے، ایک بار فرمایا کہ مجھے لغو اور فضول باتوں سے سخت نفرت ہے، اور مجھے طلبہ کی یہ حرکت عجیب لگتی ہے کہ راہ چلتے کسی چیز کو ٹھوکر مارتے چلیں یا بجلی کے کھمبوں یا راستے کی چیزوں کو چھوتے ہوئے چلیں۔

ایک بار یوپی اور بہار کے کچھ طلبہ میں روستانہ چشمک شروع ہوئی، اور دونوں طرف کے بشعراء و ادباء نے پوسٹربازی شروع کی تو مولانا مرحوم نے سارے پوسٹر ضبط کرلئے اور فریقین کو بلاکر صوبائی عصبیت کے خلاف تنبیہ اور سرزنش کی اور اس فتنہ کو اپنی وجاہت و لیاقت سے فرو کردیا۔

مجھ پر بھی شفقت فرماتے تھے، میں نے مطالعہ و یکسوئی کے خیال سے ان سے تنہا کمرے کی درخواست کی تو اسے قبول فرمایا، اور اپنی قیام گاہ سے متصل حجرہ عنایت فرمایا، پھر میں معراج گیٹ کے زینے والے تنہا کمروں میں رہتا رہا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنی بے روزگاری کے متعلق انھیں لکھا تو حضرت الاستاذ نے بڑی تسلی و تشفی کا خط لکھا جو کبھی شائع ہوگا۔

مولانا معراج صاحبؒ بڑے وجیہ و شکیل اور بلند قامت انسان تھے، کبھی کبھی پیشانی پر ایک

سرخ رنگ ابھرآتی تھی، سنت کے مطابق کانوں تک بال رکھتے تھے۔ خوش خوراک وخوش پوشاک تھے
ٹوپی اس سلیقے سے پہنتے کہ تاج شاہی معلوم ہوتی تھی، لباس میں شروانی اور گلے میں ایک لمبا رومال
بھی ہوتا تھا، اس طرح وہ اسلامی تہذیب کا ایک دلکش نمونہ نظر آتے تھے۔

مدت العمر مجرد رہے مگر اس کی تلافی طلبہ پر شفقت اور مستقل یتیم پروری، اور جانوروں
کو پالنے کے شوق سے کرتے تھے، ان کے یہاں پالتو بکریاں، مرغیاں، کبوتر اور طوطے ان کا دل بہلا
اور وہ بڑے شوق سے ان کی خاطر داری کرتے تھے۔

پان کے بھی شوقین تھے اور ان کا پاندان اچھا خاصا خاصدان ہوتا تھا، اور خوش رنگ
بٹوا ہاتھ میں ہوتا اور باتیں کرتے ہوئے چھالیا بھی کترتے جاتے تھے، مجھی مولانا عتیق احمد بستو
آخری علالت میں ان سے ملے تھے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت الاستاذ نے بہت دیر تک دارالعلم
کے حالات اور اس کے اکابر و اصاغر کا موازنہ کرتے ہوئے سوداؔ کے یہ اشعار بڑے درد سے پڑھے
جو ان کے دردِ دل کا ترجمان ہیں ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن — بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

رحمہ اللہ رحمۃ الابرار الصالحین وادخلہ جنت النعیم۔

ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

شمارہ نمبر ۱۱
جلد نمبر ۷۶

فی شمارہ =/۵
سالانہ =/۵۰

نگران: حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ	=/۱۸۰ روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم	=/۱۰۰ "
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم	=/۷۵ "

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی، پی میں صرفہ زائد ہوگا
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کھیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۹ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

منیجر

دوسری قسط

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبے است

اسس مختصر و ضروری تمہید کے بعد آیئے اب "ترجمان دہلی کے مقالہ نگار جناب خالد حسین صدیقی کے پیش کردہ ان دلائل پر بھی ایک نظر ڈالیں جن کے سہارے وہ اپنے اس مفروضہ تک پہنچنے کی ناکام سعی میں سرگرداں ہیں کہ "علماء دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دارالعلوم دیوبند کو حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی" (ترجمان)

اپنے اس خود ساختہ مفروضہ کے ثبوت میں پہلی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز جس کا نام پامر تھا، اس نے دارالعلوم دیوبند کا معاینہ کیا اور متاثر ہو کر یہ ریمارکس دیا کہ "جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہوتا ہے، جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے، یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ سرکار کے موافق اور اس کا معاون و مددگار ہے (احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

مندرجہ حوالہ کے بعد لکھتے ہیں، ناظرین کرام! آپ خط کشیدہ جملے کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں، مذکورہ خط کشیدہ جملے سے میں نے کون سا غلط مفہوم اخذ کر لیا ہے" (جریدہ ترجمان ص ۵۔ ۱۱/۹/۹۱)

موصوف نے یہاں جس عبارت کو پیش کیا ہے ہم اس پر کسی تبصرہ کے بغیر تاریخ دارالعلوم سے پ
عبارت نقل کر رہے ہیں۔ اور فیصلہ ناظرین پر چھوڑ رہے ہیں کہ موصوف نے اس عبارت کو من چاہے معن
پہنانے کی ٹیکنک اختیار کی ہے یا نہیں؟ یہ ایک طویل رپورٹ ہے جو تاریخ دارالعلوم کے تقریباً چھ
پر پھیلی ہوئی ہے

مرتب تاریخ دارالعلوم جناب محبوب رضوی ایک انگریز جاسوس کے دلچسپ مشاہدات" ک
عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"دارالعلوم دیوبند جس زمانے میں قائم ہوا اس وقت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر صرف دس
گذرے تھے چونکہ عام مسلمان اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلا
صف آرا ہو چکے تھے، اس لئے انگریزی حکومت مسلمانوں کے سخت خلاف اور ان سے بدظن و برگش
تھی مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی، اس بنا پر دارالعلوم کی نسبت مدت تک خف
وعلانیہ تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۵ء میں صوبہ متحدہ (اترپردیش) کے گورنر سر ج
اسٹریچی نے اپنے ایک معتمد جان پامر کو اس غرض سے دارالعلوم میں بھیجا کہ وہ خفیہ طور پر تحقیقا
کرکے رپورٹ پیش کرے کہ دارالعلوم کے قیام کا مقصد کیا ہے؟ اور مسلمان علماء دارالعلوم کے پس پر
کس فکر وعمل میں مصروف ہیں" جان پامر نے دارالعلوم کو دیکھ کر جو رپورٹ تیار کی جو تاثرات اس ن
اخذ کئے وہ اس نے اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں" جان
نے دارالعلوم کی تعلیمی کیفیت کا انگریزی یونیورسٹیوں سے موازنہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدا
وتاثرات کا جس دلچسپ اور عالمانہ انداز میں اظہار کیا ہے وہ دارالعلوم کے علمی موقف کو سمجھنے م
بڑی مدد دیتا ہے . . . . جان پامر لکھتا ہے گورنر ممالک مغربی وشمالی کے سا
دورے میں ۳۰ جنوری ۱۸۷۵ء کو دیوبند میں قیام ہوا۔ گورنر نے مجھ سے کہا کہ "یہاں دیوبند
مسلمانوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایک مدرسہ جاری کیا ہے تم اجنبیانہ طور پر اس مدرسہ میں جاکر پتہ لگ
کہ کیا تعلیم ہوتی ہے؟ اور مسلمان کس فکر وخیال میں لگے ہوئے ہیں! چنانچہ ۳۱ جنوری کو اتوار کے
دن میں آبادی میں پہنچا . . . . . . پوچھتے پوچھتے مدرسے میں پہنچا، یہاں پہونچ کر میں نے ایک ع
کو دیکھا جس میں چٹائی کے فرش پر لڑکے کتابیں سامنے رکھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک بڑا لڑکا ا

کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے لڑکوں سے دریافت کیا تمھارا استاذ کون ہے؟ ایک لڑکے نے اشارہ سے بتایا، معلوم ہوا کہ جو شخص درمیان میں بیٹھا ہوا تھا وہی استاذ ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاذ ہوگا! یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہوئے تھے، سامنے بڑی عمر کے طلبہ کی ایک قطار تھی قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلث کی بحث ہورہی تھی، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ علم مثلث کے ایسے ایسے عجیب اور مشکل قاعدے بیان ہورہے تھے جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپرنگر" سے بھی نہیں سنے تھے، یہاں سے اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم معمولی کپڑے پہنے بیٹھے ہیں یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہورہے تھے اور مولوی صاحب اس برجستگی سے بیان کررہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے، میں منھ تکتا رہ گیا، اسی دوران میں مولوی صاحب نے جبر و مقابلہ ٹاڈہنٹر سے مساوات درجہ اول کا ایک ایسا مشکل سوال طلبہ سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا، اور میں حیران رہ گیا کہ بعض طلبہ نے جواب صحیح نکالا، یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہنچا، ایک مولوی صاحب حدیث کی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے ...... یہاں سے میں ایک زینے پر چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچا اس کے تین طرف مکلف مکان تھے بیچ میں ایک چھوٹی سی صحنچی تھی جس میں دو اندھے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے، میں یہ سننے کیلئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں دبے پاؤں ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کررہے ہیں، اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے سے کہا بھائی کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی اگر تم سمجھے ہو تو بتلاؤ، دوسرے اندھے نے پہلے دعویٰ بیان کیا اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا، پھر جو آپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا اور مسٹر بریگر پرنسپل کی تقریر کا سماں میری نظروں میں پھر گیا...... (الی ان قال) میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ نیک چلن اور نہایت سلیم الطبع ہیں، کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں نہ پڑھایا جاتا ہو، جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے میں کررہا ہے، مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہوسکتی اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلم بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں، انگلستان میں اندھوں کا اسکول سنا تھا مگر یہاں آنکھوں سے

دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ باید وشاید مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم میور موجود نہیں ہیں ورنہ بکمال ذوق وشوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔" (تاریخ دارالعلوم ج ۱ ص از ۱۷۵ تا ۱۸۱ بحوالہ روداد ۱۳۰۲ھ بعنوان بشارت)

ناظرین کرام! آپ پوری عبارت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور فیصلہ فرمائیں کہ اس عبارت کے کس جملہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "علماء دیوبند حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور دارالعلوم دیوبند کو حکومت کی جانب سے امداد ملتی تھی۔

موصوف نے اس رپورٹ کو مطابق مقصد بنانے کے لئے اس کے اول وآخر کو حذف کر دیا اور اپنی جانب سے خط کشیدہ جملے کا اضافہ کر کے ناظرین کو بار بار پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں، پھر موصوف نے اسے ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء کا واقعہ بتایا ہے جب کہ برطانوی جاسوس خود بیان کر رہا ہے کہ اس کی یہ تحقیقات ۱۸۷۵ء کی ہیں، علاوہ ازیں انھوں نے اپنی پیش کردہ عبارت کا ماخذ احسن نانوتوی ص ۲۱۷ درج کیا ہے، اگر یہ محولہ کتاب مولانا احسن نانوتوی کی سوانح مؤلفہ محمد ایوب قادری ایم اے ہے تو یہ حوالہ غلط اور فرضی ہے، کیونکہ احسن نانوتوی کے کل صفحات ۲۸۸ ہیں پھر ۲۱۷ صفحہ پر اس عبارت کے ہونے کا کوئی مطلب نہیں البتہ صفحہ ۲۱۷ پر یہ عبارت ہے جس میں سے موصوف نے اپنے مفروضہ کے خلاف عبارت حذف کر دی ہے، مرحوم ایوب قادری صاحب نے پامر کی رپورٹ کے اس حصہ کو دارالعلوم دیوبند کی یوماً فیوماً ترقی کے ثبوت میں نقل کیا ہے، انھوں نے رپورٹ کے اس حصہ کو کہاں سے نقل کیا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے اس لئے اس رپورٹ کا صحیح ماخذ دارالعلوم دیوبند کی روداد ۱۳۰۲ھ ہی ہے جس کے حوالہ سے تاریخ دارالعلوم میں اسے نقل کیا گیا ہے۔

اپنے مدعا مقصود کی وضاحت کے لئے خالد حسین صدیقی صاحب نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے۔

(۲) " دہلی کالج کے دو حصے بن گئے ایک حصہ مولانا محمد قاسم صاحب دیوبند لے گئے جسے عربی حصہ کہتے ہیں اور دوسرا حصہ سرسید خاں صاحب علی گڈھ لے گئے، اس کے مؤسسین میں سے پہلا نام نامی اور اسم مولانا محمود الحسن صاحب کے والد بزرگوار کا ہے جن کا نام مولانا ذوالفقار علی ولد فتح علی تھا یہ دہلی کالج میں پڑھتے تھے، بریلی کالج میں پروفیسر رہے پھر پنشن کے بعد دیوبند تشریف لے آئے اور حکومت سے وفاداری کے

اعزاز میں آنریری مجسٹریٹ بنا دیئے گئے۔ انھیں مولانا ذوالفقار علی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم الحرام مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء میں رکھی (احسن نانوتوی ص۴۴ ملخصاً)

کتاب "احسن نانوتوی" ص ۴۴ کے اس حوالہ کے بعد اپنا اخذ کردہ نتیجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے موسس اول انگریزوں کے پکے وفادار تھے۔ ایسے انگریز وفادار سے بھلا کون امید رکھے گا کہ وہ مدرسہ کی بنیاد مرکز تحریک آزادی کے طور پر رکھے گا"

موصوف نے اس موقع پر دجل وفریب کی حد ہی کر دی کہ اپنی جانب سے ایک عبارت گڑھ لی اور اسے احسن نانوتوی مؤلفہ محمد ایوب قادری کی جانب منسوب ومحول کر دیا، ہٰذَا بُهتَانٌ عَظِيمٌ۔ شاید حافظ شیرازی نے یہ مصرعہ انھیں کے لئے کہا تھا ؎

چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

صفحہ ۴۴ ہی نہیں بلکہ پوری کتاب میں کہیں بھی یہ عبارت موجود نہیں ہے پھر اس عبارت کے اختراع میں انھوں نے تاریخی اعتبار سے دو فاش غلطیاں کی ہیں (الف) ان کا خیال ہے کہ سرسید احمد خاں صاحب نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی ہے اپنے اسی وہم کو بنیاد بناکر پروفیسر ایوب قادری مرحوم کی جانب منسوب کرکے یہ جملہ گھڑ لیا۔ دوسرے حصہ کو سرسید خاں صاحب علی گڈھ لے گئے۔ جبکہ سرسید خاں صاحب نے دہلی کالج میں ایک دن بھی تعلیم حاصل نہیں کی، خود ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں۔ "سرسید احمد خاں تو دہلی کالج کے طالب علم بھی نہیں رہے" (احسن نانوتوی ۱۸۵ مطبوعہ جادو پریس کراچی ۱۹۶۶ء) (ب) اپنی اس من گھڑت عبارت کو بزعم خود مفید مقصد بنانے کے لئے لکھتے ہیں کہ "انھیں مولانا ذوالفقار علی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۴ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء میں رکھی۔ (جریدہ ترجمان دہلی ۱۱/۹/۹۱ء)

یہ بھی کھلی بے خبری یا اپنے ناظرین کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے فریب افزا تجاہل ہے، کیونکہ خود مولانا ذوالفقار علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔

لما اراد الله تعالیٰ شانہ دعز سلطانہ خیر ھذہ البلاد وارشاد العباد باحیاء العلوم الدینیۃ والفنون الیقینیۃ...... الھم السید النسیب الجلیل ...... محمد عابد ادامہ الله دابقاہ ...... بتاسیس ھذہ المدرسۃ التی اسست علی التقوی ...... فندب السید اھل الخیر الی اعانۃ

هذه المثوبة وتائيد هذه المشورة سنة اثنتين وثمانين بعد الالف والمائتين

من هجرة سيد الثقلين صلی الله عليه وسلم .... فاستمعوا له وانتدبوه

واجابوه واتبعوه فصار المدرسة بسعيه المشكور ملجأ للعلم ومدرسه

(الهدية السنية فی ذكر المدرسة الاسلامية الديوبندية ص ۲ مطبوعہ بار اول ۱۳۰۳ھ)

مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے صاف طور پر ثابت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مؤسس اوّل حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی قدس سرہٗ ہیں نہ کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب، البتہ مولانا مرحوم ابتداء ہی سے مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں کوشاں اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے تفصیل کیلئے تاریخ دارالعلوم دیوبند، سوانح قاسمی، تاریخ دیوبند، علمائے حق وغیرہ دیکھی جائیں، علاوہ ازیں جناب محمد ایوب قادری صاحب نے اپنی اس کتاب میں صفحات ۱۴، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۸، ۴۵، ۴۲، ۸۰، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۲۰، ۱۴۰، ۱۸۳، ۲۱۵، ۲۳۹ سترہ مقامات پر مولانا ذوالفقار علیؒ کا تذکرہ کیا ہے، لیکن کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ موصوف حکومت سے وفاداری کے اعزاز میں آنریری مجسٹریٹ بنادیئے گئے۔ ایوب قادری مرحوم پر اتنا بڑا اتہام اور وہ بھی یاد عائے نسبت اہل حدیث بڑی جسارت کی بات ہے، ظاہر ہے جس دعویٰ کی عمارت ایسی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہو جو خود علیٰ شفا جرفٍ ھارٍ کی مصداق ہو اس عمارت کا حال معلوم ہے۔

(۳) اس خودتراشیدہ مفروضہ اور اس سے اخذ کردہ من مانے نتیجہ کے بعد اہل حدیث صاحب رقم طراز ہیں۔ یہ حال تو بانی دیوبند کا تھا، اراکین مدرسہ کے حالات زندگی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

> مدرسہ دیوبند کے اراکین میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور پنشن یافتہ تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی
>
> (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۴۷، ہفت روزہ ترجمان ۱۱ ۔ ۴ ۔ ۹۱ء)

یہ منقولہ عبارت سوانح قاسمی میں تحریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم کے طویل حاشیہ سے ماخوذ ہے جس کے سیاق و سباق کو حذف کرکے اپنے مدعا و مقصود کو ثابت کرنے کی ناشکور سعی کی گئی ہے۔ سوانح قاسمی کے مرتب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ "نام مہتمان" کے زیر عنوان لکھتے ہیں "نام مہتمان" نیچے حسب ذیل ناموں کو ہم پاتے ہیں یعنی حاجی عابد حسین، مولوی

محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی مہتاب علی، مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمٰن، منشی فضل حق۔ شیخ نہال احمد۔ بظاہر ارکان شوریٰ کی تعبیر مہتمان کے لفظ سے کی گئی ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ دیوبند میں عربی مدرسہ جو قائم ہوا تھا اس سے اپنے تعلق کو سیدنا الامام الکبیر قطعاً پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتے ...... تو یہ کہنا کہ ابتدا میں حضرت والا اس مدرسہ سے سیاسی مصالح کے پیش نظر ایسا تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھے جس پر حکومت کی نظر پڑ سکتی ہو۔ بجز ایک خودتراشیدہ مفروضہ کے اور بھی کچھ ہے؟"

مولانا گیلانی کے اس بیان پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ نے یہ حاشیہ لکھا ہے

احقر کے خیال ناقص میں بسلسلۂ تاسیس دارالعلوم حضرت والا کے کھل کر سامنے نہ آنے کو وقت کے سیاسی مصالح پر محمول کر لیا جانا کوئی ایسی بے سروپا توجیہ نہیں کہ اسے خودساختہ مفروضہ کہہ کر کلیتہً نظر انداز کردیا جائے۔ اس وقت کے نازک حالات حضرت والا کا وارنٹ، روپوشی، سرکاری دوشوں کا پیچھے لگا رہنا، پھر حضرت والا کے جذبات و نظریات ...... جن کی رو سے یہ مدرسہ تعلیمی ہونے کے ساتھ ساتھ گویا اہل اللہ کی سیاست کا ایک مرکز بھی تھا، کچھ ایسی باتیں نہ تھیں جو کلیتہً پردۂ خفا میں ہوں ...... ایسی صورت میں حضرت والا کا بحیثیت بانی یا بحیثیت کسی ذمہ دار و عہدیدار کے سامنے آنا بلاشبہ مدرسہ کو خطرات کا شکار بنا سکتا تھا ...... جس سے وہ حریت پرور مقاصد بروئے کار نہ آسکتے تھے جن کے لئے یہ تاسیس عمل میں آئی تھی، ان حالات میں حضرت والا کا رسمی ذمہ دار کی صورت میں سامنے نہ آنا ...... ایک اچھی خاصی سیاسی مصلحت کی صورت ہو سکتی ہے، رہا ممبران یا مہتمین کی فہرست میں حضرت والا کا نام شائع ہو جانا کسی رسمی ذمہ داری کو ظاہر نہیں کرتا اور اگر اس میں ذمہ داری نمایاں ہوتی ہے تو ایک جماعت کی پھر جس میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور رسال کے پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، ایسے رلے ملے ناموں میں قدرتاً کسی خاص

شخصیت پر نگاہ عادۃً نہیں پڑسکتی، اس پر بھی مخالفین مدرسہ نے حضرت کے تعلق کو بنیاد قرار دے کر مدرسہ کو حکومتِ وقت کی نگاہوں میں مشتبہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی (سوانح قاسمی حاشیہ ص ۱۴۶، ۱۴۷ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند)

اس طویل حاشیہ سے موصوف نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ ایک جملے کو اس کے سیاق و سباق سے الگ کر کے نقل کر دیا ہے تاکہ اسے من چاہے معنی پہنا سکیں، موصوف کے اس غیر ذمہ دارانہ بلکہ مجرمانہ رویہ پر اگر کسی کو یہ شکوہ ہو کہ یہ وہی تکنیک ہے جو اہل بدعت کا شعار ہے تو یہ الزام نہیں بلکہ برمحل گرفت ہے۔

پھر جس طرح کسی کا انگریزی ملازمت سے الگ رہنا اس کے انگریز مخالف ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے چنانچہ مجدد اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں، استاذ الکل مولانا سید نذیر حسین ترجمان اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی وغیرہ علمائے غیر مقلدین حکومت برطانیہ کے ملازم نہ ہوتے ہوئے مدت العمر برطانوی سامراج کے وفادار و قصیدہ خواں رہے، جس کے چند نمونے گذشتہ سطور میں نظر سے گذر چکے ہیں، ٹھیک اسی طرح کسی کی انگریزی ملازمت سے وابستگی اسکی انگریز نوازی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ جہاد حریت کے قائد اعظم جنرل بخت خاں (انگریزی فوج میں سب سے بڑے ہندوستانی افسر) علامہ فضل حق خیرآبادی (محکمہ ریزیڈنٹ کے سررشتہ دار، صدر الصدور، مہتمم کچہری) مفتی عنایت احمد کاکوروی (منصف صدر امین) نیز مولوی کریم اللہ خاں صدر الصدور، خان بہادر مفتی انعام اللہ وکیل صدر، مولوی آل حسن منصف۔ مولوی سید باقر علی ناظم محکمۂ دیوانی، مفتی عبدالوہاب گوپامئوی، قاضی محمد کاظم علی وغیرہ رفقائے مولانا شاہ احمد اللہ سب کے سب سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے، تو کیا ان محبانِ حریت و کشتگانِ خنجر آزادی کے بارے میں کوئی ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ ایسے انگریزوں کے ملازم اور وفاداروں سے بھلا کون امید رکھے گا کہ وہ تحریک آزادی میں قائدانہ خدمات انجام دیں گے؟

ان ضروری امور کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ دارالعلوم دیوبند کے اولین اراکین میں یہ سات بزرگ ہیں حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندی، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی، جناب

منشی فضل حق دیوبندی، جناب شیخ نہال احمد دیوبندی ۔ چنانچہ قیام دارالعلوم دیوبند کے چوتھے دن یعنی ۱۹ محرم ۱۲۸۳ھ کو جو اعلان شائع کیا گیا تھا اس پر انھیں مذکورہ سات بزرگوں کے دستخط ہیں ان میں مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمٰن عثمانی اور منشی فضل حق صرف تین حضرات کا رسمی تعلق برطانوی سرکار سے رہا، اور ان میں بھی پنشن یافتہ صرف مولانا ذوالفقار صاحبؒ تھے، بقیہ چار اصحاب یعنی حضرت حاجی عابد حسین صاحب، حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا مہتاب علی اور شیخ نہال احمد کبھی بھی سرکاری ملازمت سے وابستہ نہیں رہے، اس لئے خالد صدیقی صاحب کا یہ فرمان کہ "مدرسہ دیوبند کے اراکین میں سے اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور پنشن یافتہ تھے" تاریخی اعتبار سے بالکل غلط اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی تحریر میں کھلی تحریف ہے کیونکہ حضرت قاری صاحب نے اپنے حاشیہ میں اکثریت کا لفظ مسجد نشین اور تارک الدنیا بزرگوں کے ساتھ استعمال کیا ہے نہ کہ ان حضرات کے ساتھ جو گورنمنٹ کی ملازمت سے وابستہ رہ چکے تھے حضرت قاری صاحب کی عبارت ایک بار پھر ملاحظہ کر لیجئے "پھر جس میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے"۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ص ۲۴۲، ۲۴۷) اب ناظرین ہی بتائیں کہ موصوف کی اس علمی خیانت کو اہل بدعت کی تیکنیک نہ کہا جائے تو پھر کیا نام دیا جائے۔

(۴) صدیقی صاحب کی یہ مثال بھی انھی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں۔

"گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے یہ مقولہ آپ حضرات نے سنا ہوگا، مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب "علماء حق حصہ دوم ص ۳۳۶ پر فرماتے ہیں" علمائے دیوبند کے بھی وہ چند افراد جو ہمیشہ تحریک حریت کے مخالف رہے اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پنشنر تھے اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داران سے تعلق رکھا حتی کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم میں مدعو کیا اور اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ یہ تھا کہ حافظ احمد صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔

(تحریک شیخ الہند ص ۱۶۰) (جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱ء)

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے! اوپر تو "علمائے حق" جلد دوم ص ۳۳۶ کا حوالہ دے کر لکھتے

ہیں کہ مولانا محمد میاں فرماتے ہیں اور پھر اسی عبارت کے نیچے "تحریک شیخ الہند" صفحہ ۱۶۰ کا حوالہ دے رہے ہیں۔" دروغ گورا حافظہ نباشد" آپ حضرات نے یہ مقولہ سنا ہوگا، موصوف کا دماغ عبارت سازی و افتراپردازی میں اس درجہ مصروف رہا کہ انھیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ اوپر علمائے حق کا حوالہ دیا جا چکا ہے، حافظہ کی اس کوتاہی کی بنا پر آخر میں "تحریک شیخ الہند" کی جانب اس عبارت کو محول کر دیا، پھر اس پر طرہ یہ کہ علمائے حق جلد دوم صفحہ ۳۳۶ کا حوالہ دیا ہے، جب کہ جلد دوم کے کل صفحات ۳۰۴ ہیں اس لئے یہ حوالہ ایک مغالطہ ہے جو علمی دیانت کے یکسر منافی ہے، اسی طرح تحریک شیخ الہند: ص ۱۶۰ کا حوالہ بھی غلط ہے اس کتاب کے صفحہ ۱۲۰ پر تو" وائسرائے فارن ڈپارٹمنٹ کے ٹیلیگرام کا ترجمہ ہے"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل ماخذ کی جانب رجوع کئے بغیر چلتی ہوئی کتابوں کی جانب منسوب کر کے عبارت نقل کر دی گئی ہے اس لئے نہ تو صفحات میں مطابقت ہے اور نہ اصل عبارت میں خالد صدیقی صاحب کا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ انھیں خالد بن قاسم مدائنی و خالد بن الیاس مدنی وغیرہ متروکین کی صف میں کھڑا کر دیگا اس لئے احتیاط لازم ہے۔ البتہ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۹ پر یہ عبارت ضرور ہے" اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داروں سے تعلق رکھا حتیٰ کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ صاحب کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا" لیکن موصوف نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس پر یہ خود ساختہ اضافہ کر دیا" علماء دیوبند کے وہ چند افراد جو ہمیشہ سے تحریک حریت کے مخالف رہے اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پنشنر تھے"۔ چنانچہ اصل اور خانہ ساز اضافے میں بے ربطی واضح ہے، تحریک شیخ الہند کی اس عبارت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داران سے تعلق رکھا، اس عبارت کے یہ معنی کہ یہ دونوں حضرات تحریک آزادی کے مخالف اور برطانوی حکومت کے مؤید اور معاون تھے، الفاظ و معانی میں عدم مطابقت کی بنا پر قابل التفات نہ ہوگا، پھر اگر یہ تعلق ملی مصلحت کے پیش نظر بطور حکمت عملی کے اختیار کیا جائے تو اس کی معقولیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ان حضرات کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند کے تحفظ و بقاء کا مسئلہ تھا اسی بنا پر خواہی نخواہی انگریزوں سے تعلق قائم رکھا، اور حکومت کو مطمئن کرنے کی غرض سے گورنر یوپی کو دعوت دی اور شمس العلماء کا

خطاب قبول کیا، لیکن بعد میں جب حالات بدل گئے تو ان حضرات کا رویہ بھی بدل گیا، چنانچہ حضرت مولانا حافظ احمد صاحب نے انگریز کے دیئے ہوئے شمس العلماء کے خطاب کو واپس کر دیا اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے اجلاس گیا ۱۹۲۲ء کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں کھل کر انگریزوں کی مخالفت کی، اس خطبہ کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"صرف قوم نصاریٰ اور ان میں سے بھی یورپ کے نصاریٰ کا مقابلہ اسلام سے دائمی رہا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ اسلام کے اصلی اور حقیقی دشمن عیسائی ہیں بالکل صحیح ہے"

(خطبہ صدارت اجلاس گیا ص ۱۵)

اس لئے ملی مصالح کے پیش نظر اس وقتی تعلق کو بنیاد بنا کر یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ یہ حضرات انگریزوں کے وفادار اور وظیفہ خوار تھے حقائق سے چشم پوشی ہوگی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(۵) اس کے بعد "حافظ محمد احمد صاحب کا دور" عنوان قائم کر کے اسکے تحت لکھتے ہیں۔

"حافظ محمد احمد صاحب پسر مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت برسوں میں سیاست سے بالکل پاک صاف رہا اور اس کے مدرسین و متعلمین نے جدید سیاست اور امور خارجہ میں مطلق دلچسپی نہ لی۔"

(تحریک شیخ الہند ص۲۳۲)

یہ "تحریک شیخ الہند" و بالفاظ انگریزی سرکار "ریشمی خطوط سازش کیس" کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ کا ایک پیرا ہے جو تحریک شیخ الہند مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب مطبوعہ جمعیۃ پریس دہلی کے ۱۹۳ پر ہے، موصوف نے حسب مرضی اس میں بھی حذف و ترمیم کے ذریعہ مقصد برآری کی روش اپنائی ہے اور عنوان بھی بدل دیا ہے، اصل عبارت اور اس کا عنوان یہ ہے۔

"دیوبند کا مدرسہ اب تک سیاست سے الگ تھلگ رہا: ۹۔ دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد پسر مولانا محمد قاسم بانی مدرسہ کے محتاط انتظام میں، ماضی کے بہت سے برسوں میں سیاست سے بالکل پاک وصاف رہا تھا اور اس کے مدرسین

اور متعلموں نے جدید سیاست یا امور خارجہ میں نہایت خفیف دلچسپی لی تھی یا مطلق دلچسپی نہ لی تھی، عبید اللہ کی آمد سے اور اس کے اثر سے مدرسہ کا رنگ بدلنا شروع ہوگیا۔

خط کشیدہ جملے چونکہ موصوف کے مدعا و مقصود کے لئے مخل تھے اس لئے اسے ہضم کرگئے اور حوا صفحہ غلط دیدیا تاکہ اصل و نقل کے درمیان مطابقت میں دشواری ہو اور سہل پسند طبائع اس ز سے بچنے کے لئے ان کی نقل پر اعتماد کریں۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ ایک سی ڈی کی رپورٹ ہے مستند تاریخ نہیں، لہٰذا جو چیز جس درجہ کی ہو اس کا استعمال اس کے معیا لائق ہونا چاہئے، اس لئے موصوف کا یہ حوالہ حذف و ترمیم کے باوجود بھی بے سود ہے۔

(۶) اسی مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک اور مثال ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"مولانا مرحوم کی سب سے بڑی قابل قدر خدمت یہ ہے کہ انھوں نے ریشمی رومال تحریک کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ رولٹ کمیٹی رپورٹ پیرا نمبر ۱۷۲ میں درج ہے کہ اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا عبید اللہ سندھی نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ یہ تحریک چلائی مگر مہتمم اور ارباب شوریٰ نے اسکو (عبید اللہ سندھی) اور اسکے وابستگان کو نکال کر اس تجویز کو درمیان ہی میں ختم کردیا

(نذیر حسین ص ۲۲ پروفیسر مبارک)

پروفیسر مبارک کی یہ کتاب باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہوسکی اس لئے اس حوالہ کی صح یا عدم صحت کے بارے میں ہم کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ البتہ ایک بات ضرور کھٹکتی ہے کہ ریشمی تحریک کے سلسلے میں مستند ترین بسہولت دستیاب کتاب "تحریک شیخ الہند" انگریزی زبان میں ریشمی خطوط سازش کیس اردو میں کیا تھا، مرتبہ مولانا سید محمد میاں جس کا حوالہ خود موصوف نے بار دیا ہے کو نظر انداز کرکے ایک غیر متعلق کتاب کا سہارا کیوں لیا گیا ہے" کچھ تو ہے جس کی پردہ آئیے تحریک شیخ الہند، یعنی ریشمی خطوط سازش کیس" کی روشنی میں موصوف کے پیش کردہ حوالہ کا جائزہ لیں تاکہ اس حوالہ کی حیثیت بھی معلوم ہوجائے اور ناظرین کرام کو یہ فیصلہ کرنے ہو کہ اس حوالہ میں کتنا جزو اصل کے مطابق ہے اور کتنا حصہ موصوف کی دماغی کاوش کا نتیجہ۔

سلسلے کی پہلی چیز جو ملتی ہے وہ سینٹرل انٹلی جنس کے ڈائرکٹر کی رپورٹ ۱۹۱۵ء کا یہ پیراگراف ہے جس میں وہ لکھتا ہے۔

"مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں سرکشی کا آغاز عبیداللہ سے ہوتا ہے یہ شخص نومسلم سکھ ہے اس نے ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۱ء کے درمیان مدرسہ میں تعلیم پائی ۱۹۰۹ء میں استاذ بن کر مدرسہ میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کے ارادہ سے شامل ہوا ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین پر اس کو برطرف کر دیا گیا لیکن اس دوران اس نے صدر مدرس محمود حسن کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا تھا (تحریک شیخ الہند ص۱۴۸)

صفحہ ۱۲۹ پر یہ بیان ہے۔

"مولوی عبیداللہ نومسلم سکھ پنجابی ہیں انھوں نے دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور یوپی میں تعلیم پائی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد انھوں نے بارہ برس سندھ میں گذارے جہاں وہ بہت با اثر ہوگئے تھے اور انھوں نے جنونی جذبات رکھنے والوں کے لئے مدرسہ قائم کیا تھا، پھر وہ دیوبند میں استاذ بن کر واپس آئے اور انھوں نے "جمعیۃ الانصار" قائم کی یہ دیوبند کے پرانے طالب علموں کی انجمن تھی بظاہر بالکل بے ضرر تھی لیکن اس کے مقاصد جیسا کہ اب ظاہر ہوا ہے باغیانہ تھے۔"

دارالعلوم دیوبند میں ایک استاذ کی حیثیت سے مولوی عبیداللہ نے بڑی کامیابی کے ساتھ کئی اساتذہ کی وفاداری کو متاثر کیا جن میں خصوصیت سے مولانا محمود الحسن صدر مدرس شامل ہیں وہ بہت با اثر عالم ہیں اس معاملہ میں آگے پھر ان کا ذکر آئے گا۔ اساتذہ میں اختلاف کے باعث بالآخر مولوی عبیداللہ کو برطرف کر دیا گیا ۱۹۱۳ء میں وہ دلی میں متوطن ہوگئے اور ترکوں کے مشہور حامی رام پور کے مولانا محمد علی مدیر کامریڈ کے گہرے دوست بن گئے، عبیداللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے عربی کا ایک مدرسہ قائم کیا حالیہ تحقیقات سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کے قیام کا مقصد اسے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر بنانا تھا۔"

استغاثہ ملک معظم شہنشاہ ہند بنام عبیداللہ وغیرہ کے زیر عنوان یہ تفصیل مذکور ہے

" مدرسہ میں عبیداللہ کا ضرر رساں اثر تیزی سے پھیلنے لگا اور اس نے مدرسہ کے اساتذہ اور طلبار میں بہت سے لوگوں میں اپنے باغیانہ افکار بھر دیئے، اس نے مولانا محمود الحسن کو اس سے پہلے ہی مکمل طور پر اپنا ہم خیال بنالیا تھا کہ مدرسہ کے منتظمین مدرسہ کو درپیش خطرات کا اندازہ کرسکیں اور عبیداللہ کو اسے چھوڑنے پر مجبور کریں (ص ۱۹۱)

اسی استغاثہ کے پیرا ۸ میں جمعیۃ الانصار کے سلسلے میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہے۔

" عبیداللہ نے جمعیۃ الانصار کے اندر ایک خفیہ جماعت بنائی تھی یہ ایک قسم کا اندرونی حلقہ تھا جس کے اغراض و مقاصد ظاہر نہیں کئے گئے تھے لیکن رسوا کن حد تک قابل اعتراض تھے چنانچہ مدرسہ کے سربراہ نے موقع نکال کر مولوی عبیداللہ کو طلب کیا اور اس بارہ میں سخت سرزنش کی " (ص ۱۹۲)

پیراگراف ۱۴ میں یہ لکھا گیا ہے۔

" مدرسہ کی نیک نامی کی بقار کے لئے مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ عبیداللہ کو اس کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ سے خارج کردینا چاہئے " (ص ۱۹۵)

ان سارے بیانات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) (مولانا) عبیداللہ سندھی دارالعلوم دیوبند میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کی غرض سے بحیثیت استاذ کے یہاں مقیم ہوگئے

(۲) ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی وجہ سے انھیں مدرسے الگ کردیا گیا۔

(۳) انھوں نے صدر مدرس مولانا محمود حسن (قدس سرہ) کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔

(۴) ۱۹۰۹ء میں عبیداللہ نے جمعیۃ الانصار قائم کی جس کے مقاصد باغیانہ تھے۔

(۵) اساتذہ سے اختلاف کے باعث (مولانا) عبیداللہ سندھی کو مدرسہ سے الگ کردیا گیا۔

(۶) (مولانا) عبیداللہ نے مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ میں نہایت تیزی کے ساتھ باغیانہ افکار بھر دیئے۔

(۷) مدرسہ کے سربراہ نے (مولانا) عبیداللہ کی خفیہ سرگرمیوں کی بنا پر سخت سرزنش کی۔

. مدرسہ کی نیک نامی کے لئے منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ (مولانا) عبیداللہ اور ان کے ساتھیوں کو مدرسہ سے الگ کردیا جائے۔

محکمۂ خفیہ کی اس رپورٹ کو پڑھئے اس میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کے تین اسباب بتائے گئے ہیں (الف) غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی دعوت (ب) اساتذۂ دارالعلوم سے اختلاف (ج) دارالعلوم کی نیک نامی کی بقا۔ پھر مولانا سندھیؒ کو کس نے الگ کیا اس سلسلے میں سی آئی ڈی نے دو جگہ کسی کی تعیین نہیں کی ہے بلکہ برطرف کردیا گیا کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ایک جگہ لکھا ہے کہ مجلس منتظمہ نے ان کی علیحدگی کا فیصلہ کیا۔

جب کہ آں موصوف کے نقل کردہ حوالہ میں اس کی تمامتر ذمہ داری دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر ڈال دی گئی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں "مولانا مرحوم کی سب سے بڑی قابل قدر خدمت یہ ہے کہ انھوں نے ریشمی تحریک کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی" موصوف اپنے اس نادرالوجود حوالہ کے ذریعہ یہ انوکھا انکشاف بھی فرمارہے ہیں کہ مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے رفقائے کار کو دارالعلوم سے علیحدہ کرکے اس تحریک اور اس کی تجویز کو درمیان ہی سے ختم کردیا۔ موصوف کی یہ دریافت تاریخ میں ایک اضافہ ہے جس پر انھیں جتنی بھی داد دی جائے کم ہے، ورنہ سی آئی ڈی کی تحقیق یہ ہے کہ "دیوبند سے عبیداللہ کے اخراج کے معنی یہ نہیں تھے کہ اس کا وہاں آنا جانا بند ہوگیا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کی نشستگاہ (بیٹھک) ستمبر ۱۹۱۵ء تک جبکہ مولانا ہندوستان سے حجاز روانہ ہوئے سازشوں کی جلسہ گاہ بنی رہی، عبیداللہ اور دوسرے لوگ مشوروں میں شریک ہونے کے لئے دیوبند آتے رہے" (تحریک شیخ الہند ص ۱۹۲-۱۹۵)

اگر یہ تحریک د تجویز درمیان ہی سے ختم ہوگئی تھی تو پھر بقول سی آئی ڈی یہ سازشیں کس لئے ہو رہی تھیں؟ آں موصوف ہی اس سوال کو حل کریں گے، اور خود مولانا سندھی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں "حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۴ء میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی" (آپ بیتی ملحقہ مولانا سندھی کی سرگزشت کابل ص۱ از مولانا عبداللہ لغاری مطبوعہ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد پاکستان) اسی نظارۃ المعارف کو سرکاری خفیہ پولس اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر بتاتی ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گیا مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا اس لئے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے

لئے جانا ضروری تھا، خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کردیا اور میں افغانستان پہنچ گیا ..... کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سالہ محنتوں کے حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں ..... میں سات سال تک کابل حکومت کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رہا الخ (ایضاً ص ۱۲)

تحریک درمیان ہی سے ختم ہوگئی تھی تو بقول سی آئی ڈی دہلی میں نظارۃ المعارف کے نام سے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر کس لئے قائم کیا گیا اور حضرت شیخ الہند نے کس کام کے لئے مولانا سندھی کو کابل بھیجا اور وہ کون سا ہندوستانی کام تھا جسے مولانا سندھی کابل حکومت کی شرکت میں انجام دیتے رہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ سی آئی ڈی کی یہ رپورٹ رجماً بالغیب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ آخر تک تحریک کی حقیقت سے بے خبر رہا۔ اسی بے خبری کا نتیجہ ہے کہ وہ تحریک کا بانی مبانی مولانا سندھی کو قرار دیتا ہے جب کہ یہ بات سرے سے غلط ہے، اسی طرح وہ مولانا سندھی کے دارالعلوم سے علیٰحدگی کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرسکا اسی بنا پر وہ اس سلسلے میں متعدد وجوہ بیان کررہا ہے اور اسکے یہ سارے بیانات خود صاحب معاملہ مولانا سندھی مرحوم کے بیان سے مختلف ہیں، کیونکہ مولانا سندھی تو یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخ الہند کے حکم سے انھوں نے اپنا محاذ بدل دیا۔ مولانا سندھی کے خود اپنے الفاظ یہ ہیں: "حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا" جس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر ملکی مال کا مقاطعہ، اساتذہ سے اختلاف، اور دارالعلوم کی نیک نامی کی بقاء، یہ امور اس درجہ کے نہیں تھے کہ ان کی وجہ سے مولانا سندھی کو دارالعلوم چھوڑنا پڑگیا، بلکہ اس کا سبب اصلی کمانڈر کا حکم تھا اس سلسلے میں مولانا سندھی کے تلمیذ رشید اور کارہائے سیاسی میں ان کے رفیق خاص مولانا عبداللہ لغاری نے جو تفصیلات دی ہیں ان سے صحیح صورت حال بالکل سامنے آجاتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

"ایک بار نجات غیر مسلم کے بارے میں مولانا سندھی، مولانا انور شاہ سے گفتگو کررہے تھے، مولانا سندھی نے فرمایا کہ اگر ایک غیر مسلم آدمی جو بااخلاق ہے، اللہ کو وحدہٗ

لاشریک مانتا ہے، اور لوگوں میں اصلاح کرتا ہے اور اس کے اعمال بھی بھلے ہوں تو وہ قیامت میں نجات کا مستحق ہے، مولانا انور شاہ صاحبؒ نے کہا، کیا آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی نہ مانے تو بھی وہ نجات کا مستحق ہو سکتا ہے؟ مولانا نے غصے سے کہا۔ بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کیونکہ تمھاری تبلیغ ان کے کانوں میں پہنچی نہیں، اس پر غصہ ہو کر انھوں نے مولانا پر کفر کا فتویٰ صادر کیا اور اراکین مدرسہ کو اطلاع کر دی .... انھوں نے مولانا سندھی کو ایک مجلس میں بلایا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے اور اس کے اخلاق اچھے ہوں وہ مسلمانوں کی طرح نجات کا مستحق ہے، مولانا سندھی نے فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کلمہ کہا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ نے کلمۂ کفر زبان سے نکالا ہے .... اب آپ اس سے توبہ کریں تو یہاں رہیں ورنہ چلے جائیں، مولانا سندھی نے فرمایا میں توبہ کرنے کے لئے تیار ہوں پھر انھوں نے مولانا کو کلمہ اور آیت (آمنت باللہ) پڑھائی اور استغفار اور توبہ کرانے کے بعد کہا اب آپ مسلمان ہیں۔

اس مخالفت کے زمانے میں مولانا شیخ الہندؒ موجود نہ تھے وہ گنگوہ کی طرف گئے ہوئے تھے اور وہاں ہفتہ بھر کے لئے ٹھہر گئے تھے، مولانا سندھیؒ نے "جمعیۃ الانصار" کی نظامت کے عہدے سے استعفار لکھ کر اراکین مدرسہ کے حوالے کیا اور اسٹیشن آکر سہارن پور کا ٹکٹ لیا، سہارن پور کے اسٹیشن پر مولانا شیخ الہندؒ سے ملاقات ہوگئی، ان سے سارا واقعہ بیان کیا اور اپنے استعفیٰ کا بھی ذکر کر دیا، وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا آپ نے بہت اچھا کیا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ دیوبند میں رہیں، آپ سیدھے دہلی چلے جائیں اور وہاں کوئی مدرسہ کھول لیں، مولانا سندھی نے دہلی پہنچ کر فتح پوری مسجد میں نظارۃ المعارف القرآنیہ" قائم کی، حضرت شیخ الہندؒ کی غرض یہ تھی کہ مولانا دہلی میں رہ کر ہندو مسلم اتحاد کی تحریک شروع کریں۔ (مولانا عبید اللہ کی سرگذشت کابل از مولانا لغاری ص ۳۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ اختلاف اساتذہ جس کو سی آئی ڈی مولانا سندھی کے دارالعلوم سے اخراج کا سبب بتا رہا ہے رفع دفع ہو گیا تھا، لیکن اس واقعہ کے بعد مولانا سندھی نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور استعفا دے کر مدرسہ سے علیحدگی اختیار کر لی مولانا کے اس فیصلے کو شیخ الہند نے بھی پسند کیا اور انھیں دہلی میں رہ کر کام کرنے کی ہدایت دی، یہ ہے واقعہ کی اصل حقیقت ہے

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

ان حقائق کے بعد آں موصوف کی اس دلیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اسے ناظرین کرام اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں؟

(جاری)

نوابی فرمان

ہم لوگ صرف کتاب وسنت کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں پھر کیوں کر ہو سکتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب (نجدی) کی طرف کہ وہ بھی ایک مذہب خاص حنبلی کی طرف منسوب تھا اس کے ساتھ نسبت اپنی ظاہر کریں اور اس طرف منسوب ہونے سے مسرور و محظوظ ہوں

(نواب صدیق حسن خان)

ترجمان وہابیہ ص ۲۰

ے: اصل نسخہ میں فقرہ نامکمل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ، وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ، فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ، وَاللهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ، مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللهِ، أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ، وَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ، وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ، قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ، وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَإِخْرَاجُ أَهْلِهٖ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ، وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ، وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوْا

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِ
اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ
قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي ال
وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُ
فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْ
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْ
اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَ
تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ
فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْ
اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ

تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوش خبری سنانے والے اور ڈرا
اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں
نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انھی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اسکے بعد کہ ان کو پہنچ
صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات
۔ وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ ﴿۲۱۳﴾ کیا

ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد، سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے (۲۱۴) تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ کروگے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے (۲۱۵) فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تمکو اور شاید کہ تمکو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں۔ اور شاید کہ تمکو اچھی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۱۶) تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اسکے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۱۷) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۱۸) تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوے کا، کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے، اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو (۲۱۹) دنیا و آخرت کی باتوں میں اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم کہدے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا بے شک اللہ ہے زبردست ہے تدبیر والا (۲۲۰) اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کرو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے، وہ بلاتے ہیں دوزخ کی

طرف، اور اللہ بلاتا ہے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ﴿۲۲۱﴾ اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا، کہدے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں، پھر جب خوب پاک ہوجاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے تم کو حکم دیا اللہ نے۔ بے شک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے ﴿۲۲۲﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔ ﴿۲۲۳﴾

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ــــــــــ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۲۱۳) ــــــــــ (۲۱۵)

فطری اکائی، اختلاف اور قانون الٰہی کی ضرورت۔

ابتدائے عالم میں تمام انسان صحیح دین و عقیدہ میں باہم متحد و متفق اور ایک جماعت تھے، پھر افراد بڑھے، تمدنی و معاشرتی تقاضے بدلے، سماج ابھرا تو افراد کے جذبات و خواہشات میں تصادم رونما ہوا اور پھر نوبت دین و عقیدہ میں اختلاف تک پہونچی، تو لوگوں کو دین حق پر متحد رکھنے کیلئے قانون کی ضرورت پیش آئی، خدائے علیم و حکیم نے قانون ہدایت یعنی کتابیں نازل کیں اور اس قانون حق کی تعلیم و تنفیذ کے واسطے حضرات انبیاء کو بھیجا جنھوں نے خدا کے ہمہ گیر نظام ہدایت کو عملی طور پر رائج کر کے لوگوں کو دین حق پر متفق بنانے کی جان توڑ کوشش کی مگر دنیا پرست، ہٹ دھرم اور ضدی قسم کے لوگوں نے دولت و ریاست کی طمع میں حق کے واضح اور روشن ہوجانے کے باوجود اسے قبول نہیں کیا اور اختلاف کو زندہ رکھا، ان کے بالمقابل حضرات انبیاء کی بشارت و انذار پر یقین و اعتماد رکھنے والوں کو اللہ نے راہ حق کو اختیار کرنے کی توفیق بخشی اور وہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر پہنچا دیتا ہے۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ابتداء سے سنت الٰہی یہی چلی آرہی ہے کہ ہٹ دھرم دنیا پرست ہر نبی بعوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی سے اختلاف کرتے آئے ہیں اور حق کی ہر آواز کو

دبا دینے اور غیر مؤثر بنا دینے کے لیے اپنی ساری توانائیاں خرچ کرتے رہے ہیں تو اب اہل حق کو بھی جو خدا کے نظام عدل کے نقیب و محافظ ہیں ان خوگرِ فساد منکرین کے خلاف وشقاق کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ممکن تھا کہ مسلمانوں کو اس کبھی نہ ختم ہونے والی مقابلہ آرائی سے وحشت ہو اور عافیت پسندی کی بنا پر اس روز روز کی جنگ سے گھبرائیں اس لیے آئندہ آیت میں اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے۔

۲۱۴۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ الخ کیا تمھارا خیال ہے کہ دعوائے ایمان کے بعد چین وسکون سے جنت میں پہنچ جاؤ گے اور تمھارے لیے ابتلاء و آزمائش کا قانونِ الٰہی بدل جائیگا انبیاء و مرسلین اور اہل حق کی حیات کا مطالعہ کرکس طرح ان فقر و فاقہ اور منکرین حق کے حملوں کی یلغار ہوئی کہ ان کا وجود کانپ کانپ اٹھا حتیٰ کہ عاجزانہ لہجے میں وہ پکار اٹھے اے مولیٰ تیری مدد کب آئے گی، ان کی اس اضطراری فریاد کو سنتے ہی دریائے رحمت جوش میں آگیا اور اس کی موجوں نے بڑھ کر انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

جب دشمنانِ حق سے جنگ ناگزیر ہے تو اسکے لیے تیاری بھی ضروری ہے۔ اس لیے آئندہ آیت میں انفاق کا بیان ہے۔

۲۱۵۔ یَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ الخ سوال ہوا کتنا خرچ کیا جائے اور کن لوگوں پر، جواب ملا کہ جو مقدار بھی خرچ کرنی ہو اس میں صلہ رحمی کا لحاظ رکھو اور اس مالی فائدہ رسانی میں ماں باپ کو مقدم رکھو، پھر دیگر عزیز و اقرباء ہیں، ان کی خوش حالی سے قریب کا ماحول خوش گوار ہوتا ہے یتیم بھی فراموش نہ ہوں، غریب و تنگدست بھی توجہ کے مستحق ہیں کیونکہ وہ معاشرہ بدترین معاشرہ ہے جہاں ایک خاندان پیٹ بھر کر سوئے اور اس کے قریب بھوکے تڑپ تڑپ کر رات بسر کریں راستے میں تہی دست مسافر بھی قابلِ امداد ہے، یہ سب قابل توجہ افراد ہیں، ان سب کا خیال رکھو۔

اگر خرچ میں اس ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو اس سے ایک جماعت وجود میں آجائے گی پھر جماعت سے معاشرہ اور سوسائٹی کی تشکیل ہوگی اور ایک خدائی فوج تیار ہو جائے گی۔

سوال کی دو شقوں میں سے یہاں تک ایک شق یعنی مصرف کا بیان تھا آخر میں مقدار صرف

ے متعلق سوال کا جواب ہے کہ انفاق کی کوئی تحدید نہیں ہے، اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ بھی خرچ کروگے اس کا اجر ملیگا یہ بات یاد رکھی جائے کہ آیت زیر نظر زکوۃ فرض سے متعلق نہیں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ۔۔۔۔۔۔۔ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
(۲۱۶) ۔۔۔۔۔۔۔ (۲۱۸)

مقصد کی یاد دہانی ۔ فرضیت جہاد کا اعلان :۔

تیاری کے بعد اعلان ہو رہا ہے، جہاد تم پر فرض کیا گیا ہے۔ الفاظ کے دروبست سے ... ہے کہ جہاد ہر مسلمان پر ہر حالت میں فرض ہے مگر دیگر آیات قرآنی اور احادیث رسول سے ... ہے کہ یہ فریضہ فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اسے ادا کردے تو باقی سارے سبکدوش ہوجائیں گے ہاں کسی زمانہ میں مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی فریضۂ جہاد ادا کرنے ... ہے تو ترک فرض کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے، ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم الجہاد ماض الی یوم القیمۃ کا یہی مطلب ہے کہ قیامت تک ایسی جماعت کا موجود رہنا ضروری ہے جو اس فریضہ کو ادا کرتی رہے۔

انسان طبعی طور پر قتل و خوں ریزی سے متوحش اور امن و عافیت کا خوگر ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ مسلمانو! تم کو یہ فریضہ بار ناگوار ہو لیکن اسے خوب سمجھ لو آج کی خونریزی کل بہار لائیگی ... آج کی یہ جنگ کل اسلام کو حیات جاوداں بخشے گی، دراصل حقائق و انجام سے خدا ہی واقف ہے تمہیں کوئی خبر نہیں لہذا اپنی طبعی رغبت و نفرت کے بجائے خدائے علیم و حکیم کے حکم کی پیروی کرو۔

۲۱۷۔ یسئلونک عن الشھر الحرام الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں اپنے پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی آٹھ یا بارہ (باختلاف روایت) مہاجرین کا ایک دستہ مشرکین مکہ کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کی غرض سے بھیجا جو مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں جاکر فروکش ہوا، عین اسی وقت قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ نظر آگیا ان حضرات نے اس قافلہ پر چھاپہ مارا جس میں دو مشرک گرفتار اور ایک عمرو بن الحضرمی قتل ہوا،

باقی بھاگ گئے، جس دن یہ واقعہ پیش آیا رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر وہ حضرات جمادی الاخری کی تیس سمجھے ہوئے تھے، چونکہ رجب ماہ محترم میں سے ہے اس لئے مشرکین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ انھوں نے ماہ محترم کی حرمت بھی پامال کر دی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ لائق احترام چار مہینوں رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم میں قتل و جنگ بڑی بری بات ہے، لیکن یہ بھی سن لو کہ حق کی راہ سے روکنا، خدا کا انکار کرنا، مسجد حرام سے منع کرنا، شہر مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا، محترم مہینوں کے ترک احترام سے بھی زیادہ بری بات ہے، اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنا فتنہ و فساد کرنا اس ابن الحضرمی کے قتل سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔

یہ دشمنانِ اسلام تم کو دین سے برگشتہ کرنے کی غرض سے برابر جنگ کرتے رہیں گے تو یاد رکھو تم میں سے جو کوئی دین سے پھر گیا اور اسی حالت میں مرگیا تو اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا، اور اسے ہمیشہ جہنم میں جلنا پڑے گا، اسلئے استقلال واستقامت کے ساتھ اپنے دین پر ڈٹے رہو اور اپنی مدافعت میں محترم ومتبرک مہینوں میں بھی جنگ کرو تاکہ دشمن اس سے غلط فائدہ نہ اٹھالے

۲۱۸۔ ان الذین امنوا الخ ارتداد کی سزا سنانے کے بعد دین کی خاطر ترک وطن اور جہاد کی سختیاں برداشت کرنے والے مسلمانوں کو رحمت و بخشش کا مژدہ حیات آفریں سنایا، یہ آیت بتارہی ہے کہ تمام مہاجرین صحابہ مرحوم ومغفور ہیں اس لئے ان کی شان میں کوئی تنقیصی جملہ استعمال کرنا خود اپنی زبان وقلم سے اپنی بربادی کی شہادت دینا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ــــــــــ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔
(۲۱۹) ــــــــــ (۲۲۳)

(۳) تدبیر منزل:

باب ذیل میں باب اخلاق کے تیسرے شعبے تدبیر منزل سے متعلق آیات آرہی ہیں یعنی اب ان اصول وضوابط کا بیان ہوگا جن کو ملحوظ رکھنے سے خانگی نظام درست رہتا، گھر گھرانہ خاندان کا ماحول خوشگوار رہتا ہے اور آدمی ذہنی واعصابی الجھنوں سے نجات پاجاتا ہے اس

ے متعلق یہاں علی الترتیب سولہ احکام بیان کئے گئے ہیں جس کا سلسلہ آیت ۲۱۹ سے ۲۴۲ تک
ئا گیا ہے تفصیلات ذیل میں درج ہیں۔

(۱) شراب اور قمار کی مذمت وممانعت :-

۲۱۹ :- یسئلونك عن الخمر والمیسر الخ امام رازی کی تحقیق کے مطابق اسی آیت کے ذریعہ
شراب حرام کی گئی، تفصیل کیلئے تفسیر کبیر دیکھی جائے، جمہور کی رائے اس سے مختلف ہے پھر بھی دلائل
کی قوت کی بنا پر امام رازی کی تحقیق سے یکسر صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

شراب :- از روئے شرع حرام اور تمام گناہوں کی منبع اور بنیاد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشاد ہے "یہ ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ) اور ام الفواحش (تمام بدکاریوں کی جڑ) ہے اس
کو پی کر بڑے سے بڑے گناہ کا آدمی مرتکب ہوسکتا ہے (نسائی) درحقیقت شراب جسمانی، اخلاقی
اقتصادی، تمدنی ہر پہلو سے نقصان دہ اور مضرت رساں ہے، چنانچہ شراب رفتہ رفتہ معدے کے نظام
کو فاسد کر دیتی ہے، اس کے استعمال سے جگر اور گردے خراب ہوجاتے ہیں، نشہ کی حالت میں آدمی مضحکہ
اور کھلونا بن جاتا ہے اس کی حرکتیں دیکھ کر بچے ہنستے ہیں، کسی بستی میں اگر شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ
پوری بستی کی دولت سمیٹ لیتا ہے، شراب باہمی لڑائی جھگڑے اور قتل وخوں ریزی کا اہم محرک ہے
شراب کے انہیں مفاسد کی بنا پر ایک تجربہ کار ماہر جرمنی ڈاکٹر کا قول ہے کہ اگر آدھے شراب خانے بند
کردیے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفا خانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہوکر
بند ہوجائیں گے، الغرض جو صاحب عقل وفہم ٹھنڈے دل سے اس کے مفاسد میں غور وفکر کرے گا اس کا
یہی فیصلہ ہوگا کہ یہ رجس اور گندگی ہے، شیطانی عمل ہے، تباہی وبربادی کا ذریعہ ہے اور ام الخبائث ہے
اس کے ترک ہی میں انسانیت کی فلاح ونجاح ہے۔

میسر :- میسر یعنی جوا ہر ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں مال کے مالک بنانے کو ایسی
شرط پر موقوف کردیا جائے جس کا وجود وعدم برابر ہو یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ شرط پوری ہوجائے گی، اور
مال حاصل ہوجائے گا، اور یہ بھی احتمال ہو کہ شرط پوری نہ ہو اور کچھ بھی نہ ملے، جیسے آج کل کی لاٹری
اور معمہ حل کرنے کا چلتا ہوا کاروبار، یہ سب قمار ومیسر ہیں اور شرعاً حرام ہیں اسی طرح تاش وغیرہ کھیل میں

روپیہ کی ہار جیت ہو تو وہ بھی جوا ہے، صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص چوسر کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے۔

شراب کی طرح جوا بھی معاشی اور سماجی برائیوں کا مجموعہ ہے، کیونکہ اس کھیل کا تمام تر انحصار ایک شخص کے نفع اور دوسرے کے ضرر پر ہے اس سے دولت بڑھتی نہیں بلکہ پہلے ہی کی طرح منجمد رہتی ہے، بس اتنا ہوتا ہے کہ ایک کے پاس سے نکل کر دوسرے کے پاس پہنچ گئی اس لئے قمار مجموعی اعتبار سے قوم کی اور انسانی اخلاق کی موت ہے کہ جس انسان کو نفع رسانی خلق اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہونا چاہیے تھا وہ ایک خونخوار درندہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے کہ ایک بھائی کی موت میں اپنی زندگی، اس کی مصیبت میں اپنی راحت، اس کے نقصان میں اپنا نفع سمجھنے لگتا ہے، نیز قمار کی نحوست سے دیکھتے دیکھتے بہت سے گھر برباد ہوجاتے ہیں، کل کا لکھ پتی آج کوڑیوں کا محتاج ہوجاتا ہے جس سے صرف وہ جوا کھیلنے والا ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ اس کا پورا گھرانہ اور خاندان مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

اس لئے خانگی نظام اور گھریلو معاملات میں استواری و خوش گواری پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے شراب اور جوئے پر بندش لگائی گئی ہے اور "فیھما اثم کبیر" کے مختصر سے جملہ میں اس کی تمام برائیوں اور خرابیوں کی طرف اشارہ کرکے اس سے اجتناب کا حکیمانہ حکم دیا گیا ہے۔

(۲) انفاق فی سبیل اللہ:۔

یسئلونک ماذا ینفقون الخ سوال ہوا مصارف جنگ اور دوسری قومی و اجتماعی ضرورتوں پر کس قدر خرچ کریں، جواب دیا گیا اپنی ضروریات سے جو فارغ ہو یعنی جہاں جتنی ضرورت ہو وہاں دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر خرچ کرو، اسراف میں مبتلا ہو کر گھر، خاندان والوں کو فقر و احتیاج میں مبتلا کرو نہ بخل اختیار کرکے قومی و دینی مصلحتوں کو ضائع کرو۔

(۳) اصلاح یتامیٰ:۔

۲۲۰۔ یسئلونک عن الیتمیٰ الخ یتیموں کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمان جاری ہوا، جس

صورت میں ان کے لئے اصلاح و درستگی ہو وہی بہتر ہے اگر ان کے ساتھ مل جل کر ہو تو بہرحال وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کون اصلاح کی نیت سے ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور کون ان کے مال کو ہضم کر جانے کے ارادے سے ایسا کرتا ہے۔ لہٰذا اگر نیت بخیر ہے تو یتیموں کے مال کی ذمہ داری لینے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

(۴) منکرین کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کی ممانعت :-

۲۲۱۔ وَلَاتَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ الخ شریک حیات خاندان کی بنیاد ہے، اولاد کی فکری عملی اور اخلاقی نشو ونما اسی کے ہاتھوں انجام پاتی ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے میاں بیوی کے عقائد اگر متضاد ہوں تو گھریلو ماحول میں توازن نہ رہے گا، اس لئے خدائے علیم وحکیم نے مسلم ومشرک کے درمیان نکاح حرام قرار دیدیا اور اسکے بالمقابل اتحاد عقیدہ کی بنیاد پر شرف قبول بخشا اور دولت وحسن کو معیار ہمسری ماننے سے انکار کر دیا، اور فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ مشرک ومنکر کی منزل دوزخ اور اہل توحید کی عشرت گاہ جنت نعیم ہے دونوں ایک ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں۔

(مسئلہ) (۱) جو قوم اپنی وضع اور طرز سے اہل کتاب سمجھی جاتی ہو لیکن تحقیق سے وہ کتابی ثابت نہ ہو اس کی عورتوں سے نکاح درست نہیں، جیسے آج کل عموماً انگریزوں کو لوگ عیسائی خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ نہ خدا کے قائل، نہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معتقد نہ انجیل کے آسمانی کتاب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں تو ایسے لوگ فی الحقیقت عیسائی نہیں ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح صحیح نہیں ہے

(۲) اسی طرح سے جو ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جائے لیکن اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوں ایسے شخص سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں، اور اگر نکاح ہو جانے کے بعد عقائد خراب ہو جائیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا، جیسے قادیانیوں کو عوام مسلمان سمجھتے ہیں جب کہ بہت سے فاسد عقائد کی بنا پر وہ باتفاق امت کافر ہیں، ان سے کسی مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں۔

(۵) حالتِ حیض میں جنسی عمل سے پرہیز کا حکم :-

۲۲۲۔ **وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ** الخ عورتوں کے ایام ماہواری کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمان جاری ہوا حیض گندی چیز ہے اس زمانے میں ان سے صحبت نہ کرو، جب خوب پاک ہوجائیں تب ہمبستری کرو، ایام ماہواری تین دن سے دس دن تک ہیں، اس سے کم یا زائد بیماری ہے، بحالت حیض عورتوں کے بارے میں دو رویے تھے یہود تو اس زمانہ میں عورت کو اچھوت بنا کر زندگی سے ... الگ کر دیتے اور نصاریٰ اس میں کسی قسم کی احتیاط کو مناسب نہیں سمجھتے تھے اسلام نے ایک معتدل اور میانہ راہ بتائی "اصنعوا کل شئی الا النکاح" (رواہ مسلم و بخاری) جنسی عمل کے سوا سب کچھ کر سکتے ہیں۔

۲۲۳۔ **نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ** الخ اسلام نے جنسی جذبات کو اعتدال اور قابو میں رکھنے کے لئے مرد وعورت کے تعلقات کو نکاح کا پابند کیا پھر نکاح کی غرض معین کی اور کہا کہ مرد وعورت کا بندھن محض شہوت پرستی ولذت کوشی کے لئے غلط ہے بلکہ نئے رشتے کا مقصد انسان اور بحیثیت مسلمان نسل پیدا کرنی ہے، فرمایا تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، مرد کاشت کار، عورت زمین کاشت، نطفہ بیج اور بچہ بمنزلہ پیداوار کے ہے لہذا جس طرح بھی چاہو اپنی زمین میں فطری طریقہ سے کاشت کرو اور اپنے واسطے مستقبل کا سروسامان کرو یعنی اولاد کی پیدائش کے قصد سے ہم بستری کرو، صرف لذت نفس کے خواہاں نہ رہو، کیونکہ اولاد سے دنیا میں بقائے ذکر، راحت قلب ونظر اور اعانت وخدمت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بشرط عمل صالح وسیلہ نجات بنیں گے، نیز اگر بچپن میں فوت ہوجائیں تو صبر ورضا سے اور زندہ رہیں تو صحیح تعلیم وتربیت سے ثواب عظیم ملتا ہے، ان مصالح وفوائد کا تقاضا ہے کہ اس فطری عمل کا وقت پیدائش اولاد کی تمنا ہو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ نہ بھولو کہ ایک دن اسکے حضور پیش ہونا ہے۔

صورت میں ان کے لئے اصلاح و درستگی ہو وہی بہتر ہے اگر ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو بہرحال وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ کو معلوم ہے کہ کون اصلاح کی نیت سے ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور کون ان کے مال کو ہضم کر جانے کے ارادے سے ایسا کرتا ہے، لہذا اگر نیت بخیر ہے تو یتیموں کے مال کی ذمہ داری لینے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

(۴) منکرین کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کی ممانعت:-

۲۲۱- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ الخ شریک حیات خاندان کی بنیاد ہے، اولاد کی فکری عملی اور اخلاقی نشوونما اسی کے ہاتھوں انجام پاتی ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے میاں بیوی کے عقائد اگر متضاد ہوں تو گھریلو ماحول میں توازن نہ رہے گا، اس لئے خدائے علیم وحکیم نے مسلم ومشرک کے درمیان نکاح حرام قرار دیدیا اور اسکے بالمقابل اتحاد عقیدہ کی بنیاد پر شرف قبول بخشا اور دولت وحسن کو معیار ہمسری ماننے سے انکار کر دیا، اور فرمایا۔ اُولٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ مشرک ومنکر کی منزل دوزخ اور اہل توحید کی عشرت گاہ جنت نعیم ہے دونوں ایک ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں۔

(مسئلہ) (۱) جو قوم اپنی وضع اور طرز سے اہل کتاب سمجھی جاتی ہو لیکن تحقیق سے وہ کتابی ثابت نہ ہو اس کی عورتوں سے نکاح درست نہیں، جیسے آج کل عموماً انگریزوں کو لوگ عیسائی خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ نہ خدا کے قائل، نہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معتقد نہ انجیل کے آسمانی کتاب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں تو ایسے لوگ فی الحقیقت عیسائی نہیں ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح صحیح نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح سے جو ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جائے لیکن اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوں ایسے شخص سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں، اور اگر نکاح ہوجانے کے بعد عقائد خراب ہوجائیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا، جیسے قادیانیوں کو عوام مسلمان سمجھتے ہیں جب کہ بہت سے فاسد عقائد کی بناء پر وہ باتفاق امت کافر ہیں، ان سے کسی مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں۔

(۵) حالتِ حیض میں جنسی عمل سے پرہیز کا حکم:-

۲۲۲۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ اِلخ عورتوں کے ایام ماہواری کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمان جاری ہوا حیض گندی چیز ہے اس زمانے میں ان سے صحبت نہ کرو، جب خوب پاک ہو جائیں تب ہمبستری کرو، ایام ماہواری تین دن سے دس دن تک ہیں، اس سے کم یا زائد بیماری ہے، بحالتِ حیض عورتوں کے بارے میں دو رد یے تھے، یہود تو اس زمانہ میں عورت کو اچھوت بنا کر زندگی سے ـــــ الگ کر دیتے، اور نصاریٰ اس میں کسی قسم کی احتیاط کو مناسب نہیں سمجھتے تھے اسلام نے ایک معتدل اور میانہ راہ بتائی " اصنعوا کل شئی الا النکاح " (رواہ مسلم و بخاری) جنسی عمل کے سوا سب کچھ کر سکتے ہیں۔

۲۲۳۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اِلخ اسلام نے جنسی جذبات کو اعتدال اور قابو میں رکھنے کے لئے مرد و عورت کے تعلقات کو نکاح کا پابند کیا پھر نکاح کی غرض معین کی اور کہا کہ مرد و عورت کا بندھن محض شہوت پرستی و لذت کوشی کے لئے غلط ہے بلکہ نئے رشتے کا مقصد انسان اور پختہ مسلمان نسل پیدا کرنی ہے۔ فرمایا تمھاری بیویاں تمھاری کھیتیاں ہیں، مرد کاشت کار، عورت زمین کاشت، نطفہ بیج اور بچہ بمنزلہ پیداوار کے ہے لہذا جس طرح بھی چاہو اپنی زمین میں فطری طریقہ سے کاشت کرو اور اپنے واسطے مستقبل کا سروسامان کرو یعنی اولاد کی پیدائش کے قصد سے ہم بستری کرو، صرف لذتِ نفس کے خواہاں نہ رہو، کیونکہ اولاد سے دنیا میں بقائے ذکر و راحت قلب و نظر اور اعانت و خدمت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بشرط عمل صالح وسیلۂ نجات بنیں گے، نیز اگر بچپن میں فوت ہو جائیں تو صبر و رضا سے اور زندہ رہیں تو صحیح تعلیم و تربیت سے ثواب عظیم ملتا ہے، ان مصالح و فوائد کا تقاضا ہے کہ اس فطری عمل کا وقت پیدائش اولاد کی تمنا ہو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ نہ بھولو کہ ایک دن اسکے حضور پیش ہونا ہے۔

اگر عہد رسالت سے لے کر عصر حاضر تک اسلامی تاریخ کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی اصلاح وتربیت، اور ان کے اخلاقی وروحانی، عبادتی واجتماعی معیار کو بلند کرنے اور ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل میں مساجد کا کردار سب سے زیادہ مؤثر اور اہم رہا ہے، ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دینی وفکری، اخلاقی وتمدنی تربیت کیلئے جس جگہ کا انتخاب فرمایا تھا وہ مسجد نبوی تھی، لہذا اسی مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے، ان کے انفرادی واجتماعی مسائل حل کرتے تھے اور ان کی روحانی ونفسانی، ظاہری وباطنی تطہیر فرماتے تھے۔ یہی مسجد نبوی آپ کا مرکز تھا، جہاں سے آپ نے شاہانِ روم وفارس، سربراہان مصر ویمن، والیان حیرہ وبحرین کو دعوتی خطوط لکھے، یہی مسجد نبوی آپ کا فوجی ہیڈ کوارٹر تھا، جہاں سے آپ نے غزوات کیلئے مجاہدین روانہ کئے، یہی مسجد نبوی آپ کا دارالمشورہ تھا جہاں جنگی ودفاعی امور، اور داخلی وخارجی معاملات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے، یہی مسجد نبوی اسلامی سپریم کورٹ تھی جہاں مظلومین کو عدل وانصاف ملتا تھا اور مجرمین پر حدود شریعت جاری ہوتی تھیں اور اسی مسجد نبوی کے گوشۂ خاص میں وہ اصحاب صُفّہ رہتے تھے جن کو دارالعلوم محمدیہ کے اولین طلبہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

محسن انسانیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیرت مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے مسجد نبوی ہی کو اپنے دینی ودنیاوی، اجتماعی وسیاسی، ا

و دعوتی، معاشی و اقتصادی، حربی و دفاعی امور کا مرکز بنایا، خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رض نے مانعین زکوۃ اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے کارروائی کا تاریخ ساز فیصلہ اسی مسجد میں بیٹھ کر کیا، اور اسی مسجد کے فرش خاکی پر بیٹھ کر خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روم و فارس اور مصر و افریقہ میں برسرپیکار مجاہدین اسلام کی کمانڈ کی، اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا نظام سنبھالا اور اسی مسجد پاک سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سندھ و کابل کے لئے مجاہدین روانہ کئے اور کاروبار خلافت سنبھالا۔

تاریخ اسلام میں مساجد نے دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کے ایسے نایاب لعل و جواہر اس دنیا کو دیئے جن کی آب و تاب آج تک برقرار ہے، بلکہ انشاء اللہ تا قیامت باقی رہے گی، اور ان مساجد سے علوم و معارف اور فنون کے ایسے چشمے جاری ہوئے جن سے صرف ایک قوم ہی نہیں بلکہ پوری نسل سیراب ہو رہی ہے، ذرا تاریخ کے اوراق پلٹئے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا امام مالک، سیدنا امام شافعی، سیدنا امام احمد بن حنبل، امام حسن بصری، امام سفیان ثوری امام اوزاعی، امام لیث سعد مصری، امام ابویوسف، امام محمد، امام حسن بن زیاد، امام زفر رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ، جیسے نابغۂ دہر پیدا ہوئے جنھوں نے شریعت اسلامی کی روح کشید کی، علوم فقہ، اصول فقہ، اسلامی تعزیرات، اسلامی قانون معاشرہ کا ایسا جامع و مدلل انسائیکلوپیڈیا تیار کر دیا جس سے نہ کوئی سربراہ مملکت بے نیاز ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی عام فرد مستغنی ہو سکتا ہے

اور حدیث و علوم حدیث، قرآن و علوم قرآن کے ماہرین علماء و مصنفین جن کی عظمت و جلالت کا سکہ آج بھی دلوں میں بیٹھا ہوا ہے اور جن کی علمی خدمات کے اعتراف میں آج بھی گردنیں جھکی ہوئی ہیں ذرا ان میں سے بعض کے مبارک ناموں پر ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ وہ کون نفوس قدسیہ ہیں اور کس درسگاہ کے فضلاء ہیں۔

سیدنا امام بخاری، سیدنا امام مسلم سیدنا امام ترمذی سیدنا امام ابوداؤد، سیدنا امام نسائی سیدنا عبداللہ بن مبارک، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ شوکانی، علامہ قسطلانی، یحییٰ بن معین، ابن حبان، امام ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن ہمام، علامہ بغوی، دارقطنی علامہ سیوطی اور دوسرے بے شمار علماء محدثین رحمہم اللہ۔

اور علوم عقلیہ منطق فلسفہ، سلوک و معرفت، نحو و صرف، بلاغت و فصاحت، تاریخ و سیر، شعر وادب کے ماہرین میں سے امام غزالی، امام رازی، ابن رشد، ابن نجیم، ابوہیثم، ذوالنون مصری، داؤد طائی، سعید بسطامی مالک بن دینار، بشر حافی، معروف کرخی، سیبویہ، مبرد، خلیل کسائی، ابوالفارس زجاج، ابن ہشام، محمد بن عربی وغیرہم یہ سب وہ آفتاب و ماہتاب ہیں جو انھیں مساجد سے کسب فیض کرکے نکلے اور تاریک دلوں میں نور بن کر چمکے، لیکن یہ قرون اولیٰ و وسطیٰ کی سرسری تاریخ ہے، آج کے اس متمدن و ترقی یافتہ دور میں جب کہ انقلاب فرانس کے بعد مسیحیت نے کلیسا و گرجا گھروں سے راہ فرار اختیار کی اور مغرب کی تقلید میں مسلمانوں نے بھی مساجد سے تعلق ختم کرلیا کہ کہیں ہم مسجد کا لوٹا بن کر ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں اور متمدن قوموں سے نہ بچھڑ جائیں، مساجد نے اپنا تاریخی کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے مردہ تن میں ایمان و یقین کی روح پھونک دی، انھیں میں سے ایک دیوبند کی مسجد چھتہ ہے جس کی تاریخ ساز حیثیت سے قرن اول کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور مسجد نبوی کا منظر نگاہوں میں گھومنے لگتا ہے۔

دارالعلوم مسجد چھتہ

انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ ہندوستانی مسلمان اپنا تشخص کھو بیٹھیں گے، انگریزوں نے مکمل تسلط و اقتدار حاصل کرلینے کے بعد مسلمانوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے تھے اور جس طرح علماء و مجاہدین کو پھانسی و جلاوطنی کی سزا دینے کا سلسلہ شروع کیا اس سے دین و مذہب کو سخت خطرہ لاحق ہوگیا تھا ایسے نازک دور میں ہندوستانی مسلمانوں کے وجود اور ان کے دینی تشخص کی حفاظت کی شدید ضرورت تھی اور عیسائی مشنریوں نے جس اعلیٰ پیمانہ پر عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز کیا تھا اس کے پیش نظر ایک ایسے مرکز کا قیام، وقت کا بنیادی تقاضہ بن گیا تھا جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی مذہبی و علمی قیادت کا حق ادا کیا جاسکے۔

لہذا حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح، عارف باللہ حاجی عابد حسینؒ اور مرشد ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح جیسے باکمال علماء نے ایک دینی و علمی مرکز قائم کرنے کا الہامی فیصلہ کیا اور قدرت نے ان کو اس عظیم کام کی ابتداء کے لئے مسجد چھتہ میں پہونچا دیا تاکہ علوم و فنون اور ایمان و یقین کا یہ چشمۂ صادق خدا کے گھر سے جاری ہو اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ

زندہ ہو، لہذا ۱۲۸۳ھ موافق ۱۸۶۶ء کو اللہ کے مبارک گھر میں، مبارک ہاتھوں سے مبارک مقصد کیلئے دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ مسجد چھتہ کا پہلا طالب علم محمود الحسن دیوبندی (۱۸۵۱ء) اخلاص نیت کا وہ شجر ثمر بار ثابت ہوا جس کی عظمتِ شان کے سامنے انگریز بھی جھکنے پر مجبور ہوئے اور جس کی خدمات کے آگے غیر منقسم ہندوستان کبھی بھی سر نہ اٹھا سکے گا

محمود الحسن دیوبندی کو دنیا و تاریخ نے شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا۔ آزادی کی جو تحریک کمزور پڑ گئی تھی اور حریت پسندوں کے جو ولولے سرد پڑ گئے تھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا اور ریشمی رومال تحریک چلائی۔ جلا وطن حکومت قائم کی "جمعیۃ الانصار" کی تشکیل کی، ترکی و کابل کے امیر و خلیفہ سے رابطہ قائم کیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذات، قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کی حسین تعبیر تھی خداوند قدوس نے مسجد چھتہ سے جاری ہونے والے چشمۂ ایمانی کا فیض دکھایا تھا۔ شیخ الہندؒ کے ایک ہاتھ میں علم جہاد تھا تو دوسرے ہاتھ میں قرآن وسنت قال اللہ وقال الرسول کے ساتھ ترانۂ آزادی بھی گونج رہا تھا۔

مسجد چھتہ سے جاری ہونے والے منبع رشد وہدایت کے اثرات ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں نظر آنے لگے ہر طرف ایمان ویقین کی شادابی پیدا ہونے لگی، شیخ الہند کے تلامذہ خاص طور پر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہ تو تحریک آزادی کی روح بن گئے۔ آج گرچہ دارالعلوم دیوبند ایک عظیم الشان پرشکوہ عمارت میں سرچشمۂ رشد وفلاح بنا ہوا ہے اور ہندوستان کے ہر علاقہ میں اسکے فضلائنے مدارس ومساجد قائم کر کے مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کا کام سنبھال لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں گلشن قاسمی کے عنادل نغمۂ توحید سنا رہے ہیں اور لاکھوں دلوں سے ضلالت وجہالت کی تاریکی ختم کر کے ایمان ویقین، علوم ومعارف کا نور پیدا کر رہے ہیں، لیکن اس دارالعلوم کا گواہ شجر رمّان (انار کا درخت) آج بھی مسجد چھتہ میں دارالعلوم کی حقیقت بیان کر رہا ہے کہ خواہ تم لوگ بے شمار عمارتیں تعمیر کر لو مگر مرکز یہی مسجد ہے، برصغیر ہند وپاک کی تاریخ اس مسجد کے تاریخ ساز رول کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکے گی، حقیقت تو یہ ہے کہ جتنی بھی اسلامی تحریکیں چلیں خواہ لیبیا کے احمد السنوسی ہوں یا

سوڈان کے محمد مہدی، خواہ الجزائر کے امیر عبدالقادر ہوں یا مصر کے امام حسن البنا الشہید، ہر ایک کی تحریک کا مرکز مساجد ہی تھیں۔ اور امام السنۃ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کا مرکز بھی ایک مسجد ہی ہے جس کو دنیا مسجد نظام الدین سے جانتی ہے۔

پہلا وہ گھر خدا کا اس زمین کو بلکہ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا کیا ہے، اور انسان کو اپنی طاعت و بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔

اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَۃِ۔	درحقیقت یہ دنیا تمھارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

چونکہ انسان کی فطرت طاعت و عبادت اور ذکر خدا ہے اس لئے زمین کے جس ٹکڑے پر انسان اپنی فطرت کے مطابق ذکر و طاعت میں مشغول ہوگا وہی حصہ سب سے زیادہ بامقصد اور عنداللہ محبوب ہوگا، یہی سبب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی تخلیق فرمائی تو سب سے پہلے اپنے گھر خانہ کعبہ کا تعمیر کیا کیونکہ اسی کو مرکز طاعت و ذکر بننا تھا، اسی کو منبع رحمت وہدایت اور محور امن و امان بننا تھا، اس خاکی مخلوق کو اسی مقام سے اپنی طاعت و بندگی کا آغاز کرنا تھا اور اسی منبع عرفان سے کسب فیض کرنا تھا اور اسی بیت الحرام کو عالمی سطح پر ابدالآباد کے لئے تمام مراکز عبادات و طاعات کے لئے محور بننا تھا، لہذا اس دنیا کی ابتداء وہیں سے ہوئی اور اس مبارک گھر کو سبحانہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ملائکہ کے قبلہ بیت معمور سے ایک خاص مناسبت ہے کہ عین اسی کے نیچے قائم اور نور و رحمت کا نزول ہمہ وقت ہوتا رہتا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔	سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں بڑی برکت والا ہے اور دنیا والوں کیلئے سرچشمہ ہدایت ہے

بیت اللہ کی تعمیر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کی جو تعمیر فرمائی تھی وہ کوئی نئی تعمیر نہیں تھی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت کی اساس پر قائم کی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس جگہ کی تعیین رب جلیل کے حکم سے کی تھی کیونکہ امتداد زمانہ اور مرور ایام

کے باعث اس کے آثار مٹ چکے تھے۔ محمد بن اسحاق نے مشہور تابعی حضرت مجاہد سے روایت کی ہے جس کو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں مذکورہ بالا آیت کے تحت نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کو آباد کرنے کا حکم دیا تو وہ حضرت ہاجرہ اور لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو لے کر جبرئیل امین کی رہنمائی میں شام سے روانہ ہوئے، دوران سفر جس مقام سے گذر ہوتا حضرت جبرئیلؑ سے استفسار کرتے تھے کہ کیا یہی مقام ہے؟ جبرئیل امین فرماتے چلتے رہئے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہونچے، مکہ کے نواحی علاقہ میں عمالقہ آباد تھے اور خانہ کعبہ ان دونوں سرخ مٹی کا ایک ٹیلہ تھا، حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یہی جگہ ہے جس کو آباد کرنے کا حکم ہے۔

حضرت خلیل نے اس وادی غیر ذی ذرع کے بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں ڈیرہ ڈالدیا اور پیکر طاعت بن کر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا:

رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔	اے ہمارے رب! میں نے اپنے خاندان کو تیرے بیت حرام کے پاس وادی غیر ذی ذرع میں آباد کردیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیتك المحرم کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ بیت اللہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اور عبدالرزاق نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ مَوْضِعَ هٰذَا الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ شَيْئًا بِأَلْفَيْ سَنَةٍ وَأَرْكَانُهُ فِي الْأَرْضِ السَّابِعَةِ	اللہ تعالیٰ نے مقام کعبہ کو ہر چیز پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین میں ہے۔

(مختصر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۵)

کوئی مسجد منتقل نہیں ہو سکتی

اس اثر سے اس حقیقت کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ کسی مسجد کو ہٹایا نہیں جاسکتا، اسلئے کہ شریعت مطہرہ میں مسجد وہی ہو سکتی ہے جو اسلامی قبلہ (خانہ کعبہ) کی جہت میں ہو، قبلہ سے انحراف کی صورت میں اس کے ڈھانچہ پر مسجد کا اطلاق درست نہیں، اور خانہ کعبہ چونکہ تحت الثریٰ تک ہے اس لئے مسجد کی مواجہت بھی اسی اعتبار سے ہوگی، لہذا جب کسی جگہ کی نسبت سے قبلہ قائم ہوگئی پھر صرف عمارت کا

ڈھانچہ ہی نہیں بلکہ یہ جگہ زمین کے ساتوں طبقہ تک مسجد ہوگی اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان اس کو منتقل کرسکے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس مقام کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوگئی اس لئے اس کو کسی دوسرے مقصد میں استعمال کرنا بھی محال ہے (فتویٰ کیلئے مفتیان کرام سے رجوع کرنا ہوگا)

بابری مسجد کی منتقلی کا معاملہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں بابری مسجد کا متنازعہ مسئلہ سب سے خطرناک قضیہ مانا گیا ہے، فرقہ پرست فسطائی طاقتیں منظم طور پر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوکر سامنے آئی ہیں اور بابری مسجد کو اپنی گھناؤنی سازش کا پہلا نشانہ بنایا ہے، رام جنم بھومی کہہ کر مسجد کو توڑنے کی تحریک شروع کی گرچہ اس کے پس پردہ خالص سیاسی مفاد کارفرما ہے، لیکن اس سے جنونی ذہنیت کو مسلمانوں کے خلاف متحد ہونے کا موقع مل گیا ہے اور چونکہ اس موضوع پر گفتگو مقصود نہیں اس لئے تفصیل سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اتنا تحریر کرنا ہے کہ وشو ہندو پریشد اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈران بابری مسجد کے تاریخی ڈھانچہ کو متنازعہ مقام سے پانچ کلو میٹر دور منتقل کرنے کی باتیں کرتے ہیں، ان کے ذہنوں میں مندر یا گرجا گھروں کا معاملہ ہے کہ بہت سے مندر منتقل کئے گئے ہیں، لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک اجلاس میں یہ فتویٰ جاری کیا گیا ہے کہ کسی مسجد کو کسی بھی صورت میں منتقل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ویران وغیرآباد ہونے کی صورت میں اس کی مسجدیت پر کوئی فرق پڑے گا، ورنہ اترپردیش کے وزیراعلیٰ شری کلیان سنگھ تو برابر یہ کہتے رہتے ہیں کہ جہاں بارہ سال تک قرآن کی تلاوت نہ ہو وہ مسجد نہیں رہتی، اور اس سلسلہ میں کسی اسلامی ملک کے کردار کو بھی دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ پاکستان، مصر، لیبیا وغیرہ میں مسجد کو اس کی جگہ سے ہٹایا گیا ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو یہ خلاف شرع ہے، اور شریعت سے ہٹ کر کسی مسلمان کا کوئی عمل دلیل نہیں، دلیل صرف اسی صورت میں بن سکتا ہے جبکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دیانت کے ساتھ فتویٰ دیا گیا ہو۔

خانۂ کعبہ اور مساجد خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے قبلہ بناکر دنیا کی تمام مساجد کو اس سے جوڑ دیا ہے اس طرح دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک محور ومرکز کے تابع بنادیا ہے اور اسلام چونکہ تمام انسان کو توحید کی اساس پر متحد کرنے اور ان کو طاعت وبندگی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کرنے کے لئے آیا ہے اس لئے اس نے ایسا طریقہ کار اختیار کیا جس کے ذریعہ تمام

مسلمان اپنے کو فرد واحد کی شکل میں ڈھال لیں، جسد واحد بن جائیں اور یہ مساجد اس کی تکمیل کا سب سے موثر ذریعہ ہیں،

دین اسلام میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا مطالبہ کیا گیا ہے اور نماز کے لئے مسجد کا انتخاب کیا گیا ہے، انسان اپنی فطرت وطبیعت کے لحاظ سے مائل بہ پستی ہے اس لئے کہ اس کا خمیر عنصر خاک ہے اور پستی خاک کی خاصیت ہے پس جھکنا انسان کی فطرت ہے لہٰذا وہ بہر صورت جھکیگا اور اپنے سر کو جھکانے کیلئے وہی مقام سب سے بہتر ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور وہ مساجد ہیں، یہی وہ مقامات ہیں جہاں ذکر ہوتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مساجد اسلامی چوکیاں ہیں جن کا ربط ایک مرکز سے قائم ہے، جس طرح فوج ملک کے دفاع اور دشمنان قوم سے حفاظت کے لئے مختلف مقامات پر چوکیاں قائم کرتی ہے جن کا رابطہ ایک مرکزی ہیڈ کوارٹر سے ہمہ دم قائم رہتا ہے وہیں سے احکامات ملتے ہیں، اسی طرح خانہ کعبہ، ایمان ویقین، رحمت وہدایت اور انوار وبرکات کا مرکز ہے، جہاں سے مساجد کا روحانی رابطہ رہتا ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس آیت پاک کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ نے اس حدیث سے فرمادی

اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)	جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو اللہ کی مسجدوں سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہے

نماز اور مساجد

مساجد سے تعلق ایمان کی دلیل ہے، اور یہ تعلق کئی طرح کا ہو سکتا ہے، مسجد کی دیکھ بھال، مسجد کی تعمیر وتنظیف اور اس کی تولیت وغیرہ، اور جہاں تک نماز اور مسجد کا ربط ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جسم وروح کا تعلق، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کلمہ توحید کے بعد نماز فرض کی ہے، جس کی ادائیگی کے لئے مساجد کو خاص کیا ہے، حالانکہ امت اسلامیہ کیلئے زمین کا ہر حصہ مسجد ہے، لیکن شرعی طور پر جس خاص جگہ کو نماز کے لئے منتخب کر لیا گیا اور اللہ

تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کر دی گئی تو پھر اس مقام کا مرتبہ و درجہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اگر نماز کا
مسجد سے نہ ہو تو پھر وہ عام جگہ ہے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ایمان کی علا
فرمایا ہے گویا ایمان ایک دعویٰ ہے اور دعویٰ بلا دلیل ناقابل قبول ہوتا ہے۔ اس لئے جب بندہ
اللہ کی وحدانیت والوہیت کو تسلیم کرنے اور اپنی عبدیت وطاعت کا اعلان لا الہ الا اللہ کے
لیا۔ تو حکم ہوا کہ جب تم دعوائے ایمان کر رہے ہو تو شرک وکفر سے برأت کا ثبوت ہمارے سام
کرو کیونکہ تمہاری فطرت ہے اور صرف ہمارے آگے جھکنا ہی ایمان ہے اور سر
کرنے کے لئے ہم نے روئے زمین کے اس مقام کو پسند کیا ہے جو ہمارے نزدیک سب سے ز
محبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا
وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا
(رواہ مسلم)

روئے زمین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب
زیادہ پسندیدہ اللہ کی مسجدیں ہیں۔ اور ر
زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض

زمین کا وہ ٹکڑا جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ جہاں انسان اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل کرتا
جہاں انسانیت کو معراج نصیب ہوتی ہے جہاں بندۂ مومن اپنے خالق ومالک سے سرگوشیاں
ہے۔ اگر وہ مقام عنداللہ مقبول ومحبوب نہ ہوگا تو کیا وہ بازار جہاں دنیا کی باتیں ہوتی ہیں وعدہ
اور دھوکا دہی ہوتی ہے جہاں دنیا کی چمک دمک انسان کو آخرت کی فکر سے غافل کر دیتی ہے۔
دولت وثروت کی محبت اس کو خدا کے قرب سے دور کر دیتی ہے، عنداللہ محبوب ہوگا۔

چونکہ نماز ہی ایسی عبادت ہے جس میں ایک مومن ایمان کی بلندیوں پر فائز ہوتا ہے ا
بعد اس کو کسی خوف وہراس کی فکر نہیں ہوتی اس لئے کہ اس نے بارگاہ ذوالجلال میں سربسجود
خدا کا وہ قرب حاصل کر لیا ہے کہ اب اس کے لئے دوسرے ارکان کی ادائیگی آسان تر ہو جاتی
معمولی بات ہے کہ کسی امر کی ادائیگی سے انکار اس صورت میں ہوتا ہے جب انسان اپنے کو کچھ
لیتا ہے اور کبر وغرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ زمین پر پیشانی رکھ کر بے
مومن نے اپنے کو پستی کی انتہا میں پہونچا دیا ہے، اسی پستی سے اس کی معراج کا آغاز ہوتا
الصلوٰۃ معراج المؤمنین کی سند تاحاصل ہوتی ہے۔

مسجد کی تعمیر کا اجر

خدا کے نزدیک جس مقام کا مرتبہ اتنا بلند ہو اور مسلمانوں کا جس جگہ سے ایمانی ربط ہو اور جس کو مسلمانوں کا مرکز ہونے کا شرف حاصل ہو تو پھر اس کی تعمیر میں یقیناً اجر عظیم کا ذریعہ ہوگی رحمت و مغفرت کا باعث ہوگی. بخاری و مسلم نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ:

مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ» — جس نے اللہ کیلئے مسجد تعمیر کی اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر تعمیر کریں گے۔

کتنا بڑا اجر ہے اور وہ جنت میں گھر کی صورت میں ہے تعمیر کی کئی صورتیں ہیں (۱) یا تو کوئی مسجد تعمیر کرے (۲) یا اس کی تعمیر میں شریک ہو خواہ مال دے کر تعمیراتی سامان دے کر، زمین دے کر مزدوری کر کے، مزدوروں کی اعانت کر کے. تعمیر کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کر کے یہ وہ اعمال ہیں جن سے اسکے ایمان کا اظہار ہوتا ہے اور جنت میں وہی جائے گا جو صاحب ایمان ہو۔

اللہ کے گھر کی عظمت کے پیش نظر اسکے کچھ آداب ہیں. کچھ حقوق ہیں جس طرح بادشاہوں کے دربار کے آداب ہوتے ہیں. پارلیمنٹ کے آداب ہوتے ہیں تو پھر مسجد سے بڑھ کر کون دربار ہوگا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ نے فرمایا کہ جب مسجد میں داخل ہو تو اللھم افتح لی ابواب رحمتک کہو اور جب نکلو تو اللھم انی اسئلک من فضلک کہو مسجد میں دنیا داری کی باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے. لڑائی جھگڑا کرنے سے باز رہنے کو کہا ہے اور فرمایا ایک دور وہ بھی آئے گا جب لوگ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں گے. اور ہمارا دور وہ دور ہے مسجدیں اختلافات کے مراکز بن گئیں ہیں. ہمارے دلوں سے ان کا احترام ختم ہو گیا ہے ہم نے ان ایمانی و روحانی مراکز سے تعلق ختم کر لیا ہے. اور جب کوئی قوم اپنے مرکز سے دور ہو جاتی ہے تو اس کا جو انجام ہوتا ہے اس کے تجربے سے ہم گذر رہے ہیں. بیان کرنے کی ضرورت نہیں بس اتنا ہی کہنا ہے کہ ان مساجد سے ربط کے بغیر مسلمان کسی بھی صورت میں نہیں پنپ سکتے۔

تاریخ انسانی پر جب ہم ایک غائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو بہت سے فاسد خیالات، لاتعداد نظریے اور زہریلے افکار کے آہن پوش لشکر ہمیں باہم برسر پیکار نظر آتے ہیں، کہیں فرعونیت کا چرچا ہے تو کہیں قارونیت کے ڈنکے بج رہے ہیں، کسی جگہ قیصریت کا شہرہ ہے تو کہیں سے ... یت کی آوازیں آرہی ہیں۔

اگرچہ تاریخ انسانی کے پورے سفر میں اسی اتھل پتھل اور شورشرابے کا ماحول گرم ہے لیکن انیسویں صدی اس لحاظ سے کچھ زیادہ ہی اہمیت کی حامل ہے کہ ذہنی پراگندگی، فکری انتشار سیاسی و مذہبی کش مکش اس صدی میں اپنے شباب کو پہونچ رہی ہے اور باطل جماعتوں نے پوری قوت سے عالم اسلام پر شب خون مارا ہے۔

ایک مؤرخ فکروتدبر، ذہانت وفراست اور دوربینی کے ساتھ دنیا کی تاریخ کا جائزہ لے کر حالات کا صحیح موازنہ کرے تو یقیناً وہ اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ یہ صدی اپنے باغیانہ افکار ملحدانہ خیالات اور منافقانہ نظریات کی پرورش میں دیگر تمام صدیوں پر بازی لے گئی ہے۔

سرمایہ داری کا ظہور بھی اسی میں ہوا ہے، تحریک الحاد بھی یہیں سے اٹھی ہے اور دنیا میں عدل ومساوات کا پُرفریب نعرہ لگا کر انسانیت کا خون چوسنے والے اشتراکیت وکمیونزم جیسے ناپاک نظریے بھی اسی صدی کی پیداوار ہیں، لیکن اس صدی کا سب سے اہم نظریہ وہ فکر ہے جس کو دنیا آج سیکولرزم کے معروف نام سے جانتی ہے۔ یہ نام اگرچہ نیا نہیں پرانا ہے اور دنیا کا بچہ بچہ پوری

طرح اس سے واقف ہے، لیکن اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ اس تحریک کے پس منظر، اس کے اغراض ومقاصد اور اس کے مزاج سے عوام تو کیا بعض دانشوران قوم بھی پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ اسی کے پیش نظر ہم نے اس مقالہ میں جہاں اس نظریے کی پوری تاریخ قلم بند کی ہے وہیں ایک آفاقی اور ہمہ گیر فکر کے تحت اپنی نگاہ کو کسی ایک خطہ کے بجائے پوری دنیا پر مرکوز رکھا ہے۔

اگر ہم ابتدا ہی میں سیکولرزم کے اس مفہوم پر بحث کرنے لگتے جو ہندوستان میں عموماً مراد لیا جاتا ہے تو اس سے مقالہ کی توخانہ پوری ہو جاتی، لیکن جہاں اس عنوان کی وسعت کو صدمہ پہونچتا اس کی آفاقیت متأثر ہوتی ـــــ وہیں ہمارا یہ وسیع موضوع ہندوستان ہی میں سمٹ کر رہ جاتا اور اس کا پورا حق بھی ادا نہ ہو پاتا۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے بغیر کسی خوف وجھجک کے اس موضوع پر بہت بے باک ہو کر قلم اٹھایا ہے اور اسکے ایک ایک پہلو، ایک ایک زاویہ کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ سامعین جہاں اس کی ماہیت سے واقف ہوں، اس کے ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں وہیں ان تمام اسباب وعوامل کا بھی مطالعہ کرتے چلیں جو اس نظریہ کے تخلیق کا باعث بنے ہیں۔ تو اس طرح یہ مقالہ مختلف ہمہ گیر پہلوؤں کو سمیٹنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کی ایسی مستند دستاویز بن گیا ہے جو ہر دور میں تاریخ کے طالب علم کی رہنمائی کرتی رہیگی یہاں پر ہم اس امر کی بھی وضاحت کردیں کہ سیکولرزم پر بے لاگ تبصرہ کرنے اور اس کی متعدد توجیہات کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لینے میں ہم نے ذرا سخت موقف اختیار کیا ہے (جس سے سامعین کو کچھ نہ کچھ غلط فہمی ہو سکتی ہے) لیکن لائحہ عمل کے باب میں آکر یکایک اپنی پوزیشن بدل دی ہے۔ اور ایک وقت مقررہ تک ہم نے اس سے سمجھوتہ کرلیا ہے، کیونکہ مختلف مصلحتوں کے پیش نظر ہم بھی ہندوستان میں سیکولرزم ہی کو مفید سمجھتے ہیں

سیکولرزم کا تاریخی پس منظر:۔

رومی سلطنت نے اپنے آبائی مذہب بت پرستی کو چھوڑ کر (۳۰۵) عیسوی میں جب عیسائیت کو قبول کیا تو اس بے یار ومددگار مذہب کو اپنی شان وشوکت، رعب ودبدبہ قائم کرنے اور عالمگیر پیمانے پر مذہبی اشاعت کا وہ موقع مل گیا جس کا وہ برسوں سے آرزومند تھا ورنہ

اس سے پہلے وہ محض بوریا نشین زاہدوں اور جنگل میں روپوش راہبوں کا ایسا مذہب تھا جو صرف فلسطین کی گلیوں تک محدود تھا، لیکن جب ایک بڑی طاقت نے اس پر دست شفقت رکھا تو وہ آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا اور بحر اٹلانٹک کے تمام ساحلی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا پورے یورپ پر چھا گیا اور اس کی اشاعت کے لئے سرکاری ذرائع ابلاغ اور مملکت کی پوری مشینری حرکت میں آگئی تو اس طرح چھٹی صدی عیسوی تک مسیحیت نے نہ صرف یہ کہ یورپ میں اپنے قدم جمالئے بلکہ کلیسائی نظام اور محکمہ احتساب کا گھنا جال بچھا کر یورپی عوام کو پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا، یہ وہ وقت تھا جبکہ یورپ اپنے خودساختہ فلسفوں تاریک نظریوں اور کلیسائی نظام کی بنیادی تعصب میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، علم و حکمت، صنعت و حرفت کی اس کو ہوا تک نہ لگی تھی لیکن جب ساتویں صدی کے اوائل میں اسلام کا روشن آفتاب طلوع ہوا اور اس کی نورانی کرنیں عرب کے ریگزاروں سے نکل کر افریقہ اور یورپ تک پہونچیں تو وہاں کی فضاؤں سے وہ کہرا چھٹنے لگا جو مسیحیت کی تاریک دنیا پر ایک زمانہ دراز سے چھایا ہوا تھا، آٹھویں صدی عیسوی میں جب عرب کے ان جیالے سپوتوں نے عیسائیت کو بیت المقدس سے بے دخل کر دیا اور بے خوف و خطر ایشیا و افریقہ کو روندتے ہوئے فرانس کی وادی پیرنیز تک جا پہونچے تو ان کی سانسوں کی آواز سنکر عیسائیت کا وہ قصر لرزنے لگا جو یورپ کو اپنی آبائی جاگیر سمجھ رہا تھا، نیز مسلمانوں کے پے در پے حملوں اور ان کی جرأت مندانہ پیش قدمی کو دیکھتے ہوئے عیسائی دنیا یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ اگر عربوں کی فتوحات کا یہی حال رہا تو مسیحیت کی تاریخ میں وہ دن ضرور آئے گا جب وہ کلیساؤں اور شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور ویرانوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگی۔ اس بھیانک انجام کو سوچ کر پادریوں کے بدن تھرا گئے، دل و دماغ لرز اٹھے، ان کی عقلیں جواب دینے لگیں، اور جب کچھ نہ بن پڑا تو جور و تشدد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے دبے اور کچلے عوام کی عقل و فراست پر پہرے بٹھا دئے اور ان تمام لوگوں کو مجرم قرار دیا جو علمی ضیاپاشیوں سے مستفید ہوکر کلیسائی نقطہ نظر سے اختلاف کرنے لگے تھے۔

یہ طریقہ اگرچہ ایک حد تک کامیاب رہا اور مسیحیت جزوی طور سے اپنا تخت و تاج بچانے میں کامیاب ہوگئی لیکن سولہویں صدی تک پہونچتے پہونچتے جب پاپاؤں کے ظلم و ستم حدود سے تجاوز

کرنے لگے تو سالہا سال سے پسے عوام کے صبر کا پیمانہ بالآخر لبریز ہوگیا اور انھیں کے درمیان سے ملحدوں کی ایک بڑی اکثریت مذہب سے بغاوت کرتے ہوئے عیسائیت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی یہ ردِ عمل چونکہ برسہا برس کی زیادتیوں کا نتیجہ تھا اس لئے اس کے اندر اتنا غلو اور تیزی آتی گئی کہ مذہبی طبقہ گھبرا گیا۔ اسے زمین تنگ اور آسمان گرتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ ملحدین ان خونخوار بھیڑیوں کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لئے بھی تیار نہ تھے جنھوں نے مذہب کا سہارا لے کر صدیوں ان کے آباؤ اجداد کی رگوں سے لہو نچوڑا تھا۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ملحدوں نے باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کرکے نہ صرف یہ کہ عیسائیت کے خلاف مورچہ بندی شروع کردی بلکہ زندگی کے ہر میدان میں مذہب کو للکارتے ہوئے اس کے خلاف زبردست جنگ چھیڑ دی، میدان میں کیونکہ دونوں حریف ٹکر کے تھے اور کلیسا اتنا کمزور بھی نہ تھا کہ آسانی سے ہتھیار ڈال دیتا، چنانچہ اس نے اپنی قیادت کو بچانے کے لئے ہر ہر طریقہ اختیار کرتے ہوئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن اس کے باوجود ظالموں کا یہ تھکا ہوا ٹولا اس تازہ دم طاقت کا مقابلہ نہ کرسکا جو مظلوموں کی آواز بن کر پورے یورپ میں گونج رہی تھی، عیسائیت آخر آخر تک معاشرہ پر اپنی بالادستی چاہتی تھی جب کہ فریق مخالف اسے زندہ رہنے کا حق دینے کا بھی روادار نہ تھا، اسی نقطہ پر یہ دونوں تحریکیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے زمانۂ دراز تک گھمسان کی جنگ لڑتی رہیں، اور طویل قربانیوں کے بعد جنگ کو اس منزل پر لے ہی آئیں جس میں ایک کی فتح اور دوسرے کی ہار یقینی تھی، لیکن عین وقت جب کہ فیصلہ کن معرکہ گرم تھا مسیحیت ملحدوں کے سامنے سپر ڈالنے کی تیاری کر رہی تھی کہ اچانک "جارج جیک ہولی اوک" کی قیادت میں ایک منافق گروپ بیچ میں کود پڑا، اور اس نے مذہب کو پرائیوٹ معاملا قرار دینے کی آواز اٹھا کر سالہا سال تک چلنے والی جنگ کی بساط ہی الٹ دی، یہی وہ نظریہ تھا جس کو ہم آج "سیکولرزم" کے معروف نام سے جانتے ہیں

تحریک الحاد چونکہ مذہب سے نفرت کے ساتھ ساتھ اسے ایسا شکنجہ بھی قرار دیتی تھی، جس سے انسان کو نجات دلانا اس کے نزدیک اولین فرض تھا، اس لئے اسے ان لوگوں کی حمایت حاصل نہ ہوسکی جو مذہب کے لئے ذرا بھی نرم گوشہ رکھتے تھے جب کہ

عیسائیت اپنے ظلم وستم، جور وتشدد اور زیادتیوں کی وجہ سے اس مذہبی طبقہ کی حمایت سے محروم رہی، اور سیکولرزم نے اپنی منافقانہ روش کی بنا پر نہ صرف یہ کہ اکثریت کی تائید حاصل کرلی بلکہ عیسائیت کو بھی مجبور ہوکر سیکولرزم سے سمجھوتہ کرنا پڑا، ملحد تو یوں سیکولرزم کی پشت پناہی کرنے لگے کہ وہ حکومت وسلطنت اور اجتماعی طور سے مذہب کو معاشرہ سے نکالنے میں ان سے کامل طور پر اتفاق کرتے تھے جب کہ عیسائیت اپنے خطرناک اور بھیانک انجام کو دیکھ رہی تھی کہ ملحدین کی جماعت عنقریب اُسے دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کردے گی، اس لئے الحاد کے بالمقابل سیکولرزم جیسی تحریک اسے بروقت نصرت خداوندی محسوس ہوئی جو انسانوں کو اجتماعی طور پر نہ سہی انفرادی طور پر تو کم از کم مذہبی رواداری کا حق دیتی ہے، اسی کو سوچ کر عیسائیت نے ملحدوں کو شکست دینے کے لئے اپنی بچی کھچی طاقت کا وزن سیکولرزم کے پلڑے میں رکھدیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اُسے قیادت کے منصب کو سونپ کر عیسائیت کلیسا تک محدود ہو گئی۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ایک مؤرخ یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ میدان مبارزہ میں اگر چہ الحاد وکلیسا ہی برسرپیکار ہیں لیکن میدان سیکولرزم کے ہاتھ رہا ہے۔ (جاری)

نمونہ لوح تواریخ

ایوان رفیع قبر مولانا معراج الحق صاحب

۱۴۱۲ھ

نحمدُ المعزّ العظیم ونصلی علی النبیّ الکریم

۱۹۹۱ء

اعوذ باللہ الکبیر الحلیم من الشیطٰن الرجیم (۱۹۹۱ء) ○ بسم اللہ الوھاب المقیت الرحمٰن الرحیم (۱۴۱۲ھ)

قال الوکیل. وسقاھم ربھم شرابا طھورا (۱۴۱۲ھ) ○ اکرام الجامع الجلیل علیکم ادخلوا الجنۃ (۱۴۱۲ھ)

مولانا معراج الحق آھ صدر المدرسین دیوبند (۱۴۱۲ھ) ○ غفرلہ الوکیل (۱۴۱۲ھ)

رحمۃ الخالق القدوس المقتدر (۱۹۹۱ء) — بر دمضجعہ المحصی الحکیم (۱۴۱۲ھ) — علیہ رحمۃ اللہ الحسیب العظیم (۱۹۹۱ء)

قطعۂ تواریخی

۱۴۱۲ھ

معراجِ حق تھا صدرِ دارالعلوم ایسا — چشمِ فلک نے اب تک دیکھا نہیں تھا ویسا

کیا شان تھی کہ نازاں علم وادب تھے جس پر — تاروں کی انجمن میں بدرِ تمام جیسا

تھا تجربہ کا پختہ اکیاسی سال کا وہ — خادم پچاس سال دارالعلوم کا تھا

فائق بفقہ حنفی، علم ادب کا ماہر — اخلاق کا دھنی تھا، اک منتظم تھا اعلا

اس کی ہوئی ہے رحلت یکشنبہ چھ صفر کو — چودہ سو بارہ ہجری ہے سال رنج افزا

ماہِ اگست کی بھی تاریخ تھی اٹھارہ — سنہ ہے انیس سو اور اکیانوے الم کا

معراجِ حق کو حاصل بہجت مکان معراج (۱۴۱۲ھ) — عثمان کہہ دے مقصد، خلد بریں میں پہنچا (۱۹۹۱ء)

محمد عثمان معروفی کان اللہ الباسط لہ

۱۴۱۲ھ

مسجد جدید، دارالعلوم دیوبند
جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے
دارالعلوم دیوبند کے ہمدردان ومعاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً ہر سال بڑھتے ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دارالعلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دارالعلوم سے متصل ایک آراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔
الحمدللہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے اس مسجد سے طلبۂ دارالعلوم اور دیگر مسلمانوں کیلئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کیلئے جگہ ہو جائیگی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقۂ جاریہ ہوگا اور وہ انشاءاللہ اجر عظیم کے مستحق ہونگے ــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے۔
تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اسوقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے
اس لئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دارالعلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دارالعلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہو سکے۔
پتہ
ڈرافٹ وچیک کے نئے } "دارالعلوم دیوبند"
اکاؤنٹ نمبر 30076
اسٹیٹ بینک آف انڈیا۔ دیوبند
منی آرڈر کیلئے } حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند پن ۲۴۷۵۵۴

نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

سالانہ بدل اشتراک غیر ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ	۱۸۰/- روپے
پاکستان سے ہندوستانی رقم "	۱۰۰/- "
بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم "	۵/- "

یہاں اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

فہرست

ختم خریداری کی اطلاع

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے وی، پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس اختر سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ کمیل گاؤں ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان اور پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ (مدیر)

تیسری قسط

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبے است

(۷ــ۸) اس کے بعد موصوف اپنے مدعا ومقصود کے اثبات میں "مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کا دور" اور "مولانا محمود الحسن صاحب کا دور" دو عنوان قائم کر کے جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۱۹۹۱ء کے صفحہ پر لکھتے ہیں

"مولانا محمد قاسم صاحب کا دور بالکل غیر سیاسی تھا اس کے بعد ان کے خطاب یافتہ وفادار سرکار بیٹے شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب کا دور بھی غیر سیاسی بلکہ انگریزوں سے وابستگی کا دور تھا۔ (احسن نانوتوی ص۲۱۶)

مولانا محمود الحسن صاحب کا دور جو تقریباً چالیس سال پر محیط ہے اس میں بھی دیوبند کو بچانے کی ہمیشہ مسلمانوں کی تحریکات میں غیر جانب دار رہا اور سرکاری سرپرستی میں ترقی کرتا رہا اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی لیفٹننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد نے اس مدرسہ کا معاینہ کیا تو بڑے اچھے خیالات کا اظہار کیا، یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد ومعاون سرکار ہے، یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔" (احسن نانوتوی ص۲۱۷)

"یہ ہے مختصر ترین تعارف دیرتاسیس دیوبند اور اس کے اراکین ومنتظمین کا۔

آں موصوف کے پیش کردہ دونوں حوالے ایجاد بندہ کے قبیل سے ہیں "احسن نانوتوی" مولفہ جناب محمد ایوب قادری میں ان کی پیش کردہ عبارت قطعاً نہیں ہے، دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے میں موصوف کو کمال حاصل ہے، عبارت کا اختراع تو خود کر رہے ہیں اور سر منڈھ رہے ہیں مرحوم ایوب قادری کے، اس جسارت بے جائی کی بھی کوئی حد ہے! جماعت دیوبند سے اپنے نفسانی بغض و عناد کی وجہ سے نفسیاتی یہ گوارہ نہیں ہے کہ کوئی خوبی اور قابل تعریف بات ان کی جانب منسوب ہو جائے اس لئے استخلاص وطن کے سلسلے میں اکابر دارالعلوم کی مجاہدانہ سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ تاریخ کو مسخ کرنے کے درپے ہیں، اور اپنی ذہنی اپج اور دماغی اختراع کو لائق، عقلہ بنانے کی ناکام ہوس میں اسے کسی معروف و مشہور مورخ و محقق کی جانب غلط طور سے منسوب کر دیتے ہیں، ان کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے کی اس چھوٹے سے مضمون میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

ہاں دوسرے حوالے میں "اس مدرسے نے یوماً فیوماً ترقی کی" سے " ایک کو دوسرے سے کوئی واسطہ نہیں" تک کی عبارت "احسن نانوتوی" کی ہے، یہی عبارت اپنے مضمون کی ابتدا میں بھی نقل کر چکے ہیں، ناظرین کرام دونوں جگہوں کی عبارتوں کا مقابلہ کر کے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موصوف حوالوں کے پیش کرنے میں کتنے محتاط ہیں، اس حوالے سے متعلق گفتگو گذر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

موصوف کو دیوبندیت و حنفیت سے اس درجہ کد ہے کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے مدارس کی کثرت بھی ان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے، چنانچہ اسی مضمون میں انھوں نے اس پر بھی واویلا مچایا ہے حالانکہ موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ انھیں مدارس اور اس کے علماء نے ظلمت کدۂ ہند میں اسلامی اقدار اور دینی علوم کی نہ صرف حفاظت و صیانت کی بلکہ جب پوری دنیائے اسلام میں دینی علوم باد زوال کے تیز و تند تھپیڑوں سے مرجھا گئے تھے تو ان مدارس کے علماء و فضلاء کی علمی سرگرمیوں کی بدولت ہندوستان کے چمنستان علم میں بہار انگڑائیاں لے رہی تھی، چنانچہ عالم اسلام کے منتخب عالم، نامور صاحب قلم اور یگانۂ روزگار مصنف علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں۔

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فى مصر و الشام و العراق و الحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف فى اوائل القرن الرابع

العشر (مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ "ص ق" مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ)

اگر علمائے ہند کی توجہ اس زمانہ میں علم حدیث کی جانب نہ ہوتی تو بلاد مشرق سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر، شام، عراق، اور حجاز میں علم حدیث کا زوال دسویں صدی ہجری سے شروع ہو کر چودہویں صدی کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

(۹) ـــــ اپنے مدعا کے اثبات میں صدیقی صاحب ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔

• مولانا محمد میاں صاحب "علماء ہند کا شاندار ماضی ص۱۸۰" میں فرماتے ہیں: "دارالعلوم دیوبند جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد، مظاہر علوم سہارنپور کے حلقے قائم کئے گئے جنھوں نے سیاست سے علیحدگی کا اعلان کردیا"

اس جگہ بھی عبارت کے مطابق حوالہ نا تمام اور صفحات غلط دیئے ہیں، یہ عبارت علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۲۸۰ کی ہے مگر مقصد براری کیلئے اس عبارت کے اول جملوں کو حذف کردیا ہے، آپ پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں اور آں موصوف بزعم خود اہل حدیث صاحب کی دیانت داری کی داد دیں۔

• حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد منیر صاحب اور ان کے برادر محترم مولانا محمد مظہر صاحب کو ہندوستان چھوڑا گیا اور ابھی شہیدوں کا خون خشک ہونے نہیں پایا تھا کہ ان بزرگوں نے تحریک کی نشاۃ ثانیہ کے لئے دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد، مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ کے حلقے قائم کردیئے جنھوں نے سیاست سے علیحدگی کا اعلان کیا مگر دین و مذہب جس کی تعلیم کو نصب العین بنایا تھا اس کی ہمہ گیر تفسیر میں ان بزرگوں کے عقیدے کے مطابق وطنی سیاست اور جدوجہد آزادی ایک فرض کی حیثیت تھی اسی احساس فرض کا نتیجہ تھا کہ جیسے ہی ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کی گئی اس جماعت کے سربراہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز اور آپ کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے لئے شرکت کانگریس کا فتویٰ صادر کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر بیسویں صدی کے شروع میں موتمر الانصار، اور جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک نظام قائم کیا گیا اس نظام کا اندرونی رخ یہ تھا کہ بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی "۱۹۰۵ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز نے

ریشمی خط کی تحریک شروع کی اور ۱۹۱۴ء تک اسے اس حد تک پہنچا دیا کہ اگر کچھ ملک کے خائن خیانت نہ کرتے تو اسی وقت ہندوستان آزاد ہوچکا ہوتا۔

(شاندار ماضی ج ۴ ص ۸۸ ـــ ۲۸۷)

مولانا محمد میاں صاحب کیا لکھ رہے ہیں اور آں موصوف اپنے مسموم ذہن سے اسے کیا سمجھ رہے ہیں، سچ ہے " ہرچہ گیرد علتی علتے شود "

(۱۰) ـــــ صفحہ ۱۱ کالم ۱ پر آگے لکھتے ہیں انھیں اسباب کی بناء پر مولانا عبیداللہ سندھی مدرسہ دیوبند سے مایوس ہوگئے کہ یہاں سے تحریک آزادی کا کام نہیں ہوسکتا۔

" دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد کے محتاط انتظام میں سیاست سے پاک صاف رہا۔ اس کے مدرسوں معلموں متعلموں نے سیاست میں مطلق دلچسپی نہ دکھائی چنانچہ دیوبند کو اپنے مشن کی تربیت گاہ بنانے میں ناکام ہوکر عبیداللہ سندھی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دہلی میں اس مقصد کیلئے قائم کریں (تحریک شیخ الہند ص ۲۸۵)

یہی عبارت بحوالہ تحریک شیخ الہند ص ۲۷۲ جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۹۱ء کے صفحہ ۵ کالم ۲ میں نقل کرچکے ہیں جسے ہم نے بعینہٖ پانچویں نمبر پر درج کر دیا ہے۔ موصوف کی مغالطہ اندازی دیکھئے اس جگہ تو حوالہ میں ۲۷۲ تحریر کیا (جو غلط تھا) اور اس موقع پر حوالہ ۲۸۵ کا دے رہے ہیں اور یہ بھی بالکل غلط ہے، پھر دونوں تحریروں کا مقابلہ کرکے دیکھ لیں کہ اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے کس طرح دجل وفریب کیا جا رہا ہے۔ "تحریک شیخ الہند" کی اصل عبارت میں اپنے مفتریات کو کس طرح داخل کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں گذشتہ صفحات میں موصوف نے خود حافظ احمد صاحب پر یہ الزام چسپاں کیا تھا کہ ریشمی تحریک کو ناکام کرنے کے لئے انھوں نے مولانا سندھی کو دارالعلوم سے الگ کر دیا، اور یہاں لکھ رہے ہیں کہ مولانا عبیداللہ سندھی مدرسہ دیوبند سے مایوس ہوگئے کہ یہاں سے تحریک آزادی کا کام نہیں ہوسکتا ...... چنانچہ دیوبند کو اپنے مشن کی تربیت گاہ بنانے میں ناکام ہوکر عبیداللہ سندھی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دہلی میں اس مقصد کیلئے قائم کریں۔ " دروغ گورا حافظہ نباشد " کی اس سے بہتر مثال اور کہاں ملے گی۔

(۱۱) ـــــ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کے خلاف اپنے بغض وحسد کی ظلمت سے صفحہ قرطاس کو سیاہ کرنے کے بعد وہابی مدارس کی قصیدہ خوانی ومدح سرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"وہابی تحریک کے مدرسوں سے ایسے ایسے سرفروش پیدا کئے جاتے تھے جو وہاں سے نکل کر تحریک حریت میں شامل ہوں۔ یہ وہابی مدرسے تحریک حریت کے مرکز تھے اور ان مدارس کے معلمین و متعلمین مجاہدین کو روپیہ اور اسلحہ فراہم کرتے تھے، ۱۸۶۳ء میں امیرالمجاہدین مولانا عبداللہ نے جنگ انبیلہ لڑی جس میں انگریزوں کو منہ کی کھانی پڑی، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہابی کے ادارے اور علماء ہی اصل مجاہدین کو روپیہ اور اسلحہ سپلائی کرتے ہیں، پورے ملک میں پٹنہ سے صوبہ سرحد تک زیر زمین تحریک کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اس وقت صرف بنگال میں اسی ہزار مدرسے اس قسم کے موجود تھے (جریدہ ترجمان ۱۰/۹/۹۱ ص۵)

اس سلسلے میں عرض ہے کہ وہابی مجاہدین کی جانبازی و جانسپاری سرآنکھوں پر ان سرفروش کے مجاہدانہ کردار کی ہر ذی فہم ملت کا دردمند مسلمان دل و جان سے قدر کرتا ہے، لیکن ان کے کارناموں سے اہل حدیث پارٹی کو کیا واسطہ، جس پر جناب تحزدمباہات کا گیت گارہے ہیں، جماعت اہل حدیث کے نزدیک تو یہ محبان حریت بدخواہ، دشمن، فسادی، اور شریر تھے، اپنے امام السنۃ، خاتم المحدثین مجدد فی الہند عالی جاہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی کی درج ذیل تحریر پڑھیے۔

"گورنمنٹ ہند کے دیگر فریق اسلام نے یہ دل نشین کردیاہے کہ فرقہ موحدین (اہل حدیث) ہند مثل وہابیان ملک ہزارہ ایک بدخواہ فرقہ ہے اور نیز یہ لوگ ویسے ہی دشمن و فسادی ملک گورنمنٹ کے ہیں جیسے کہ دیگر شریر اقوام سرحدی بمقابلہ حکومت ہند شرارت سوچا کرتے ہیں" (ترجمان وہابیہ ص۱۶)

آپ کی جماعت اہل حدیث تومن حیث الجماعت وہابیوں اور ان کی تحریک سے نفرت اور اظہار بیزاری کرچکی ہے، حتی کہ وہابی نام سے موسوم ہونا بھی اسے گوارا نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے آپ کی جماعت اہل حدیث کے مربی نواب صاحب ہی لکھتے ہیں۔

"چنانچہ لیفٹننٹ گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ "موحدین ہند (اہل حدیث) پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ ہند عامۃً نہ ہو خصوصاً جو لوگ کہ وہابیان ملک ہزارہ سے نفرت رکھتے ہوں اور گورنمنٹ ہند کے خیرخواہ ہیں ایسے موحدین مخاطب بہ وہابی نہ ہوں" (ترجمان وہابیہ ص۶۳)

لہٰذا ان وہابی مجاہدین کی انگریز مخالف سرگرمیوں پر آپ کی یہ شیخی قطعاً بے محل ہے۔ جوبات کی جناب نے وہ نا جواب کی۔ آپ کی جماعت تو اپنے برطانوی آقا کی خوشنودی میں فریضۂ الٰہی جہاد کو منسوخ کر چکی ہے چنانچہ عزت مآب جناب نواب صاحب رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد" مؤلف ترجمان اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی جس کے ذریعہ جہاد کو منفق طور پر کالعدم کیا گیا تصویب وتصدیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"پھر مولوی محمد حسین نے اپنے اس دعویٰ اور جواب کی تصدیق میں کل علمار ملک پنجاب واطراف ہند کے پاس اپنے فتویٰ جواز کو بھیج دیا اور اچھی طرح سے مشتہر کیا اور کل علمار ہند وملک پنجاب سے اس بات کی تصدیق میں اقرار مہری و دستخطی کرا لیا کہ عموماً مسلمانان ہند کو ہتھیار اٹھانا اور جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کرنا خلاف سنت وایمان موحدین ہے اور نیز کل علمار پنجاب وہند نے تائید قول مولوی محمد حسین کو اس فتویٰ میں بہت سچا اور پکا کہا ہے اور سب نے اپنی اپنی رضامندی سے اسلامی وایمان سے اس فتویٰ کو قبول کیا ہے اور جانا و مانا ہے کہ بمقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین اہل حدیث کو ہتھیار اٹھانا خلاف ایمان واسلام ہے۔"

(ترجمان وہابیہ ص ۱۲)

جس جماعت کا یہ عقیدہ ہو کہ برطانوی سامراج کے مقابلہ میں جہاد خلاف اسلام وایمان ہے کیا آج اس جماعت کے کسی فرد کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ وہابی تحریک اور وہابی مجاہدین کی مجاہدانہ خدمات کو اپنی جانب منسوب کرکے اس پر شیخی بگھارے؟ اس موقع پرستی اور بے غیرتی کی بھی کوئی حد ہے۔

علاوہ ازیں وہابی تحریک اہل حدیث کی تحریک سمجھ کر آں جناب کا اس پر فخر کرنا تاریخ سے عدم واقفیت کی کھلی دلیل ہے کیونکہ اس زمانہ میں لفظ وہابی حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء پر بولا جاتا تھا جو حنفی المسلک تھے نہ کہ غیر مقلد۔ چنانچہ تاریخ ہند کے نامور محقق جناب خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

• جس نے ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی" پڑھی ہے اس سے انکار نہ کرے گا کہ وہابی کا لفظ اس زمانہ میں سید صاحبؒ اور ان کے ہم خیال علمار کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور بقول ہنٹر وہابی اور غدار ہم معنی الفاظ تھے۔

(مقدمہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ خلیق نظامی)

(۱۲) —— اس بیجا لاف زنی پر تقریباً ایک کالم سیاہ کرنے کے بعد دارالعلوم اور اس کے اکابر کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں۔

• کیا ملک کی آزادی کے مقابلے میں ایک مدرسہ کی قربانی بھاری تھی؟ ملک آزاد ہوجانے کے بعد ایسے کتنے دارالعلوم بن کر تیار ہوجاتے لیکن اگر دارالعلوم کو سیاسی مرکز بناتے تو مدرسہ کو مالی تعاون نہ ملتا، وظیفہ خوروں کے وظیفے بند ہوجاتے، یاران حکومت پنشن سے محروم ہوجاتے، عیش وعشرت کدے سرد پڑ جاتے اور جیل میں حسرت موہانی کی طرح چکیاں چلانی پڑتیں (جریدہ ترجمان ۱۱/۹/۱۹۹۱ء ص ۲ کالم ۲)

آں موصوف سے گذارش ہے کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے اور اپنے امام السنہ، مجدد فی الہند عالیجاہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے کردار وعمل کو گوشۂ چشم سے ہی دیکھ لیجئے کہ موصوف محض دنیوی نفع ونمود کے لئے مجاہدین حریت کے خلاف انگریزوں کی نہ صرف مالی مدد فرما رہے ہیں بلکہ ان کی فوجیں چار سال تک برطانوی افواج کے دوش بدوش مجاہدین کے مقابلہ میں ڈٹی رہیں جس کے صلہ میں آنجناب کو پرگنہ بیرسیہ کی جاگیر اور ایک لاکھ نقد حاصل ہوا، جس کی تفصیل نظر نواز ہوچکی ہے، کیا وطن عزیز کی آزادی کے مقابلہ میں ایک پرگنہ کی جاگیر اور ایک لاکھ کی قربانی بھاری تھی؟

اپنے شیخ الکل فی الکل، مجدد اعظم اور آیت من آیات اللہ مولانا سید میاں نذیر حسین سورج گڑھی ثم دہلوی کے رویے پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیجئے جو سرفروشان وطن کی ہمت شکنی اور اپنے آقا انگریزوں کی رضاجوئی میں جہاد حریت کو غدر، ہلڑ اور مجاہدین کو باغی کہتے رہے جس کے صلہ میں انھیں انگریزی سرکار سے شمس العلماء کا خطاب، وفاداری کی سند، امن کا پروانہ اور تیرہ سو روپے نقد وصول ہوئے، کیا آزادئ ملک کے مقابلہ میں شمس العلماء کے خطاب، سند وفاکیشی، پروانہ امن اور تیرہ سو روپے کی قربانی بھاری تھی؟

رہا معاملہ دارالعلوم دیوبند کی قربانی کا! تو دارالعلوم کا قیام ہی اس غرض سے ہوا تھا کہ یہاں سے ایسے رجال کار تیار کئے جائیں جن کے ذریعہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جاسکے اگر اسے بھی بھینٹ چڑھا دیا جاتا تو پھر یہ اسکیم کس طرح بروئے کار لائی جاتی۔

ادا شناس نئی دل را خطا ایں جاست

چنانچہ منصوبہ کے مطابق اس تربیت گاہ حریت سے بانی تحریک ریشمی رومال شیخ الہند مولانا محمود حسن، مجاہد جلیل مولانا عبیداللہ سندھی، بطل حریت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا عزیر گل، مولانا حکیم نصرت حسین، مولانا منصور انصاری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ ایسے ایسے جانباز مجاہدین تیار ہوکر نکلے جن کے مجاہدانہ کارناموں نے سرفروشی وجانبازی کی تاریخ میں ایک جدید باب کا اضافہ کردیا۔ اپنی وفاداریوں کے مرکز، انگریزی سامراج کے محکمہ خفیہ کی رپورٹ کے یہ جملے ملاحظہ کیجئے اس سے کچھ اندازہ ہوجائے گا کہ دارالعلوم دیوبند کی آغوش تربیت میں سنور کر عزیمت واستقامت کے کیسے کیسے پیکر نکلے۔

"۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن صدر مدرس تھے جو ریشمی خطوط کے مکتوب الیہ ہیں ستمبر ۱۹۱۵ء میں وہ ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے، ریشمی خطوط کی سازش میں جو مولوی شامل ہیں تقریباً وہ سب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں۔

(تحریک شیخ الہند، کون کیا تھا، ص ۵۲)

علمائے دیوبند کو قید وبند سے فرار کا طعنہ اپنے بغض وعناد کا اظہار یا جہالت کا اقرار ہے کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا خلیل احمد صاحب بذل المجہود، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا حکیم نصرت حسین، مولانا عزیر گل، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد علی لاہوری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی وغیرہ سیکڑوں علمائے دیوبند نے استخلاص وطن کی جدوجہد میں مردانہ وار اس سنت یوسفی کو ادا کیا ہے رہا مالی تعاون، وظیفہ خوری، اور عشرت کدوں کے سر پڑ جانے کا طنز، تو یہ ایک خالص طنز ہی ہے جس کا بزعم خود اہل حدیث صاحب اپنی حیات کی آخری شام تک ایک ثبوت بھی فراہم نہیں کرسکتے۔ دراصل وہ ان خودساختہ الزامات کے چھینٹوں سے اپنی جماعت اور اپنے علمائے نامدار کے دامن سے حریت دشمنی اور انگریز دوستی کے سیاہ خست آمیز داغوں کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کی یہ سینہ کاوی خود ان کے لئے مہلک ہے کیونکہ یہ داغ تو جماعت اہل حدیث کی پیشانی کا جھومر اور گلے کا ہار ہے جس کے زائل ہوجانے کے بعد اس کے پاس بچے گا ہی کیا۔

(جاری)

قسط پنج دھم: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

سورہ بقرہ کے رہنما اشارات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ
يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ
اَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ
حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۗ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ
بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا
اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ
اَجَلَهٗ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ
اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ
قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ
يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ
وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَى

الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

ترجمہ

اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ﴿۲۲۴﴾ نہیں پکڑتا تم کو اللہ بیہودہ قسموں پر تمہاری لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ﴿۲۲۵﴾ جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۲۶﴾ اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۲۲۷﴾ اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا، اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا ﴿۲۲۸﴾ طلاق رجعی ہے دو بار تک اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جب کہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے، یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، سو ان سے آگے مت بڑھو، اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم ﴿۲۲۹﴾ پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا، پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جائیں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو واسطے جاننے والوں کے ﴿۲۳۰﴾ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے

یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرح سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کیلئے تاکہ ان پر زیادتی کرو اور جو ایسا کریگا وہ بے شک اپنا ہی نقصان کرے گا، اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے (۲۳۱) اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو، تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کرلیں اپنے انہی خاوندوں سے جب کہ راضی ہوجاویں آپس میں دستور کے موافق، یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۳۲) اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دیجاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جاوے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے، پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں، اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ حوالہ کردو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے، اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے (۲۳۳) اور جو لوگ مرجاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن، پھر جب پورا کرچکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے (۲۳۴) اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں، اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کروگے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہدو کوئی بات رواج شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو، اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے (۲۳۵) کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق، جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے، لازم ہے نیکی کرنے والوں پر (۲۳۶)

اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگذر کریں عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگذر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے (۲۳۷) خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے (۲۳۸) پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے (۲۳۹) اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کردیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے، پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۴۰) اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق لازم ہے پرہیزگاروں پر (۲۴۱) اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمھارے واسطے اپنے حکم کو تاکہ تم سمجھ لو (۲۴۲)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ــــــ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
(۲۲۴) ــــــ (۲۴۲)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت و کبریائی کا لحاظ :

۲۲۴:۔ ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم:۔ شریعت میں حلف، قسم کی بڑی اہمیت ہے، اسلامی معاشرہ قول وقسم کا پابند ہوتا ہے، لہذا مسلمانوں کو قسم کے سلسلہ میں احتیاط برتنی چاہئے، نیکی تقویٰ، اصلاح احوال اچھے کام ہیں اس طرح کے اچھے کاموں سے دور رہنے کی قسم کھانا اور قسم کو بھلائیوں کے لئے رکاوٹ بنانا ہرگز جائز نہیں، ایسی قسم کا کفارہ واجب اور مطلوبہ امور کا انجام دینا ضروری ہے آنحضرتؐ کا ارشاد ہے من حلف بیمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیکفر عن یمینہ و لیفعل الذی ھو خیر (رواہ مسلم)

نیز اللہ کے مقدس وباعظمت نام کو اپنی قسموں کا نشانہ مت بناؤ کہ بات بات پر قسم کھاتے رہو، یہ طریقہ اللہ کی عظمت شان کے خلاف ہے۔ اسی لئے مکارم اخلاق کے خدائی معلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت قسم سے منع کرنے کے لئے فرمایا۔ الحلف حنث او ندم (رواہ الحاکم بسند صحیح والبخاری فی تاریخہ)

۲۲۵۔ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ الخ

تمھاری جو قسمیں لغو اور بے معنی ہیں وہ مؤثر نہیں، خدائے غفور وحلیم اسے معاف کرتا ہے، البتہ جھوٹی قسم جس کو تم نے بقصد وارادہ کیا قابل گرفت ہے۔

قسم تین طرح کی ہیں (۱) غموس۔ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، یہ محض کذب وافترا ہے جو اعلیٰ درجہ کا گناہ ہے جس میں توبہ واستغفار واجب ہے کفارہ سے کام نہیں چلے گا۔ (۲) منعقدہ نیت وارادہ کے ساتھ یوں قسم کھانا کہ یہ کام کروں گا یہ کام نہیں کروں گا، اس میں قسم کے خلاف کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں آئے گی (۳) لغو۔ کسی گذشتہ بات سچ اور صحیح سمجھ کر قسم کھالینا مگر واقع میں اسکے خلاف ہو یا عرف وعادت کے موافق بے ساختہ اور بے ارادہ منھ سے قسم نکل گئی، اس کا کوئی اعتبار نہیں نہ گناہ ہوگا نہ کفارہ عائد ہوگا۔

۷۔ ایلاء میں حدبندی:

(۲۲۶ - ۲۲۷) للذین یؤلون من نسآئھم ۔

دور جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی اپنی بیوی سے ناخوش ہوتا تو یہ قسم کھالیتا کہ اب تم سے صحبت نہ کروں گا اس طرح وہ عورت معلق ہوکر رہ جاتی، نکاح سابق میں باقی رہنے کی وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی تھی اور شوہر کی اس قسم کی وجہ سے وظیفۂ زوجیت سے محروم رہتی تھی، عورتوں کے ستانے کا یہ خاص طریقہ تھا اس غیر منصفانہ عمل سے گھر کا سارا نظام اور سکون وچین درہم برہم ہوجاتا اسلام نے ایک حد مقرر کردی یعنی چار ماہ۔ اس کے اندر ملاپ کرلیا تو نکاح باقی ورنہ طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور عورت کو آزادی مل جائے گی کہ وہ کسی اور سے رشتۂ ازدواج استوار کرے۔ اس آیت میں اسی حدبندی کا ذکر ہے، تفصیلات علماء سے معلوم کرلی جائیں۔

۸:۔ طلاق، عدت، اور رجعت کے قوانین:۔

(۲۲۸) والمطلقٰت یتربصن بانفسھن الخ

اس آیت میں مطلقہ عورت سے متعلق حسب ذیل احکام بیان ہوتے ہیں۔

(۱) تین حیض تک نکاح ثانی سے رکی رہیں (بشرطیکہ ان سے صحبت یا خلوت ہو چکی ہو اور انھیں حیض آتا ہو اور آزاد ہوں)

(۲) زمانۂ انتظار یعنی عدت میں حیض یا حمل کو پوشیدہ نہ کریں (کیونکہ اس چھپانے سے عدت کا حساب غلط ہو جائے گا

(۳) ان عورتوں کے شوہر عدت کے اندر رجعت کا حق رکھتے ہیں (بشرطیکہ طلاق رجعی ہو)

(۴) رجعت اسی وقت مناسب ہے جبکہ اصلاح و اتفاق کا ارادہ ہو، عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے رجعت بہتر نہیں اگرچہ درست ہو جائے گی۔

(۵) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ الخ عورتوں کے بھی اسی طرح سے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں، جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، آیت کا یہ جملہ عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق اور ان کے درجات کے بیان میں ایک شرعی ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، عورتوں کے متعلق قرآن کا یا علان ایسا انقلاب آفریں اعلان ہے جس نے عورت کو معاشرہ میں اتنا بلند مقام عطا کر دیا جس کا عورتیں اس وقت کی فضا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں، مناسب ہوگا کہ اس موقع پر اس وقت کی عورت کے حال زار کا ایک سرسری جائزہ پیش کر دیا جائے، تاکہ اسلام کے اس تاریخ ساز فیصلہ کی اہمیت کا اندازہ آسان ہو جائے۔

اسلام سے پہلے معاشرہ میں عورت کا مقام :-

ظہور اسلام سے پہلے دنیا اس حقیقت سے یکسر نا آشنا تھی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہو سکتے ہیں۔ "منو" کے قانون نے عورت کو صرف اس شکل میں پیش کیا تھا کہ وہ مرد کے لئے پیدائش اولاد کا ایک ذریعہ ہے، اس کی نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ مرد کی خدمت میں اپنی زندگی فنا کر دے۔ شوہر کی وفات کے بعد اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، یہودی قانون عورت کو مرد کی جائیداد سمجھتا تھا، مسیحی کلیسا کا فیصلہ تھا کہ انسان ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت یکساں نہیں ہیں انسان تو صرف مرد ہیں، رومی قانون نے عورت کی جگہ مردوں سے بدرجہا نیچے مقرر کی، ماں، بہن بیوی اور بیٹی کے لئے خاندان میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ۵۸۶ء میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد اور نبوت سے پہلے فرانس نے ایک طویل بحث و تمحیص کے بعد عورت پر اتنا احسان کیا کہ اسے انسان تو مان لیا مگر اسی

کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کیا کہ یہ صرف مردوں کی خدمت کیلئے پیدا ہوئی ہے، عرب تہذیب میں عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی چیزوں سے زیادہ نہیں تھی۔

اسلام میں عورت کا موقف:-

عورت کے بارے میں اقوام عالم کے اس وحشیانہ رویے کے بالمقابل اسلام نے اعلان کیا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ۔ حقوق کے لحاظ سے مرد اور عورت کا درجہ یکساں ہے، عورت اپنے جان و مال کی اسی طرح مالک ہے، جس طرح مرد، اپنے رشتہ دار کی میراث میں وہ بھی حقدار ہے جس طرح مرد حقدار ہے، عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح لازم ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ لازم ہیں، شوہر اس کے حقوق ادا نہ کرے تو وہ اسلامی عدالت کے ذریعہ ادائے حقوق ورنہ طلاق پر اسے مجبور کر سکتی ہے، عورت کو راضی و خوش رکھنے کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔ لیکن حقوق و فرائض میں اس مساویانہ درجہ رکھنے کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عورت اپنی افتادِ طبع نزاکت مزاج اور جسمانی ساخت کے لحاظ سے کارگاہ حیات میں مطلق العنان اور بے سہارا نہیں رہ سکتی، کھلی مہار آزادی اور بے سہارا زندگی نہ عورت کے حسب حال ہے اور نہ ہی معاشرہ اور سوسائٹی کے مصالح کے مطابق و مناسب، کیونکہ یہ صنفِ نازک جسے قدرت نے اپنی حکمت سے بقائے عالم کا ذریعہ بنایا ہے، اگر خدانخواستہ بے قابو ہوگئی تو تباہیٔ عالم کا سرچشمہ بھی بن سکتی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے عورت کے حقوق واجبہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے، درجے کی یہ فوقیت کس نوعیت کی ہے قرآن نے اسے بھی صاف کر دیا۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ۔ مرد کی حیثیت عورت کے نگراں و سرپرست کی ہے کیونکہ خاندانی زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اگر کوئی فرد اس نظام کا قوام اور بند و بست کرنے والا نہ ہو چونکہ معیشت کی فراہمی کا کام نظام معاشرت میں مردوں کے ذمہ ہے لہذا وہی اس نظام کا رئیس و سرپرست ہے، دینی اور آخرت کی فضیلت اور بڑائی پر اس تفوق کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہے، یہ ہے عورت کے سلسلہ میں اسلام کا عادلانہ موقف جس کی نظیر باہمہ ادعائے علم و آگہی آج تک دنیا پیش نہیں کر سکی ہے اور نہ پیش کر سکتی ہے۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

(۲۲۹-۲۳۰) الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الخ اس آیت میں طلاق رجعی کے مسائل بیان ہوئے ہیں جو یہ ہیں

(۱) طلاق جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے دو ہی بار ہے۔

(۲) اس طلاق کے بعد شوہر کے لئے صرف دو راستے ہیں حسن معاشرت اور ادائے حقوق کے خیال سے رجوع کرلینا یا حسن سلوک کے ساتھ الگ کردینا۔

(۳) شوہر کے لئے جائز نہیں کہ طلاق کے معاوضہ میں عورت سے اپنا دیا ہوا مال اور مہر وغیرہ واپس لے۔

(۴) عورت محسوس کرتی ہے کہ طبیعتوں میں بعد و مخالفت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہیں کرسکتی اور مرد بھی یہی سمجھ رہا ہے تو اس صورت میں جائز ہے مہر کی واپسی یا معافی کے بدلے طلاق دی یا لی جائے

(۵) دو طلاق کے بعد شوہر تیسری طلاق دیدے تو اب رجعت کا اختیار نہیں تاوقتیکہ عورت نکاح ثانی نہ کرے اور شوہر ثانی وظیفۂ زوجیت پورا کرکے طلاق نہ دیدے۔ شوہر ثانی کی طلاق کے بعد اب پہلا شوہر پھر نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

(۲۳۱) واذا طلقتم النساء الخ اس آیت میں رجعت سے متعلق خاص ہدایات دی گئی ہیں اور احکام پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱) طلاق رجعی میں جو رجعت کا اختیار دیا گیا ہے وہ اس لئے نہیں کہ نکاح میں روک کر عورت پر ظلم کرو جو ایسا کرے گا خود اپنے اوپر ظلم کرے گا۔

(۲) اللہ کے عائد کردہ احکام کی خلاف ورزی کرکے نکاح و طلاق کو کھیل اور مذاق نہ بناؤ۔

(۳) اللہ کی نعمتوں بالخصوص کتاب و حکمت کی نعمت کا یہی تقاضا ہے کہ اس کی حکم عدولی سے ڈرو یاد رکھو اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں۔

(۲۳۲) واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن الخ اس آیت سے اس ظالمانہ سلوک کا انسداد کیا گیا ہے جو عام طور پر مطلقہ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان کو دوسرا نکاح کرنے سے روکا جاتا ہے، آیت کریمہ نے صراحت کردی کہ مطلقہ کو اپنی مرضی کی شادی سے بلاوجہ شرعی روکنا حرام ہے — ذٰلکم ازکیٰ لکم الخ سے اس ممانعت کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ اس حکم کی پابندی تمھارے لئے پاکی اور صفائی کا ذریعہ ہے اور اس کی مخالفت کا نتیجہ گناہوں میں آلودگی اور فتنہ و فساد میں مبتلا ہونا ہے کیونکہ جوان لڑکیوں کو بلاوجہ نکاح سے روکا گیا تو ایک طرف ان پر ظلم ہوگا، دوسری طرف

ان کی عفت وعصمت کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

۱۰۔ احکام رضاعت:-

والوالدٰت یرضعن اولادھن الخ اس سے پہلی اور بعد کی آیات طلاق سے متعلق ہیں، درمیان میں رضاعت کے احکام اس مناسبت سے ذکر کئے گئے ہیں کہ عموماً طلاق کے بعد بچوں کی پرورش اور رضاعت کے معاملات الجھ جاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت کے ذریعہ ایسی معتدل اور قابل عمل ہدایات دی گئی ہیں جو عورت اور مرد دونوں کے حسب حال ہیں چاہے یہ معاملات قیام نکاح کے زمانہ میں پیش آئیں یا طلاق کے بعد۔ دودھ پلانے سے متعلق اس آیت میں چھ احکام ہیں۔

(۱) والوالدات یرضعن:۔ دودھ پلانا دیانۃً ماں کے ذمہ ہے، لہذا بلا عذر نہ پلائے تو گنہ گار ہوگی، اور جب تک نکاح میں ہے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لے سکتی۔

(۲) مدت رضاعت پورے دو برس ہے، جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو بچے کا حق ہے کہ یہ مدت پوری کی جائے

(۳) ماں کا کھانا کپڑا باپ کے ذمہ ہے، باپ پر یہ ذمہ داری اس وقت تک ہے جب تک کے بچے کی ماں اس کے نکاح میں ہے یا عدت میں، طلاق اور عدت پوری ہوجانے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہوجائے گا مگر رضاعت کا معاوضہ باپ کے ذمہ پھر بھی لازم رہے گا

(۴) ماں اگر کسی ضرورت سے دودھ پلانے سے انکار کرے، تو باپ کو اسے مجبور کرنا جائز نہیں البتہ اگر بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیتا تو پھر ماں کو مجبور کیا جائے گا۔

(۵) اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچے کی رضاعت کا انتظام اس شخص کے ذمہ ہے جو بچہ کا وارث ہو یعنی بچہ کے مرجانے کی صورت میں جن کو اس کی وراثت پہنچتی ہے وہی اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۶) اگر بچہ کے ماں باپ باہم مشورہ سے دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں خواہ ماں کی معذوری سے یا بچے کی بیماری سے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۷) کسی مصلحت سے ماں کے بجائے کسی انّا سے دودھ پلوانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جس انّا کو دودھ پلانے پر رکھا جائے اس سے اجرت کا معاملہ پوری صفائی سے کرلیا جائے اور طے شدہ اجرت دیدی جائے، اجرت ماری گئی تو اس کا گناہ ہوگا۔

۱۱:۔ شوہر کی وفات پر عدت اور اس زمانہ کے احکام :۔

(۲۳۴) والذین یتوفون منکم ویذرون اَزْوَاجًا۔ اس آیت میں متوفی عنہا زوجہا (یعنی وہ عورت جس کا شوہر وفات پاجائے) کی عدت وغیرہ کے حسب ذیل احکامات ہیں۔

(۱) شوہر کی وفات کی صورت میں عورت پر چار ماہ دس دن کی عدت ہے بشرطیکہ حمل سے نہ ہو اس مدت میں وہ اپنے آپ کو نکاح وغیرہ سے روکے رکھیں بعد میں نکاح کی اجازت ہے۔ عدت وفات کے دوران عورت کیلئے خوشبو استعمال کرنا۔ زیب و زینت کرنا، بلاضرورت سرمہ اور تیل لگانا مہندی لگانا رنگین کپڑے پہننا رات کو دوسرے گھر میں رہنا درست نہیں ہے، نکاح ثانی کی صریح گفتگو بھی جائز نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

(۲) ۲۳۵۔ ولاجناح علیکم الخ عدت وفات کے اندر اشارہ کنایہ میں خطبہ دینا جائز ہے۔ کھلے لفظوں میں پیغام دینا درست نہیں۔

(۳) دوران عدت نکاح کرنا حرام ہے۔

۱۲:۔ صحبت سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر کے وجوب و عدم وجوب کا بیان

(۲۳۶) لاجناح علیکم ان طلقتم النساء الخ زیر نظر آیت میں اس عورت کے مہر کا بیان ہے جس کو صحبت و خلوت سے پہلے طلاق دیدی گئی ہو، اس کی کل چار صورتوں میں سے دو صورت کا حکم یہاں مذکور ہے۔

(۱) نہ مہر مقرر ہو نہ خلوت و صحبت واقع ہوئی ہو، اس صورت میں مہر کچھ واجب نہیں البتہ شوہر پر لازم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عورت کو کچھ نفع بخش چیز دیدے، کم از کم ایک جوڑا کپڑا ہی سہی۔

(۲) مہر مقرر ہو مگر خلوت و صحبت سے پہلے طلاق ہوگئی، اس صورت میں مقررہ مہر کا نصف شوہر کے

ذمہ واجب ہوگا مگر یہ کہ عورت اپنا حق معاف کردے اور کچھ نہ لے یا شوہر نصف کے بجائے پورا مہر دیدے تو یہ اختیاری عمل ہے۔

وان تعفوا الخ سے شوہر کو سبقت کی ترغیب دلائی گئی ہے تاکہ انقطاع تعلق بھی احسان و سلوک کے ساتھ ہو جو شریعت کا بنیادی مقصد ہے اور ثواب عظیم کا باعث ہے۔

۱۴- محافظت صلوٰۃ :-

(۲۳۹) حافظوا علی الصلوات الخ احکامات تدبیر منزل کے درمیان محافظت صلوۃ کا حکم دیکر اس بات کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ جس طرح تم پر نماز کی پابندی لازم ہے اور تم دین سمجھ کر اس کی محافظت کرتے ہو، اسی طرح گھریلو امور سے متعلق احکامات بھی جو ان آیات میں بیان ہورہے ہیں، دین ہی ہیں جن کا بجا لانا بھی ضروری ہے۔ گھر، خاندان کے دنیاوی معاملات سمجھ کر انھیں نظرانداز کردینا درست نہیں ہے ــــ اس آیت میں درج ذیل احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) تمام نمازوں کو بالخصوص بیچ والی نماز یعنی عصر کی محافظت کرو انھیں جملہ شرائط وارکان کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے رہو

(۲) اللہ کے حضور ادب کے ساتھ کھڑے رہو، حسب تصریح فقہا اسی آیت سے نماز میں کلام اور گفتگو ممنوع ہوئی۔

(۳) دشمن وغیرہ کے اندیشہ سے اگر باقاعدہ ادا کرنے کا موقع نہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے جس طرح بن سکے ادا کرلو۔

(۴) جب اطمینان میسر ہوجائے تو اوپر مذکور حکم کے مطابق باقاعدہ نماز ادا کیا کرو۔

۱۴:- بیوہ کی سکونت کی وصیت :-

(۲۴۰) والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً الخ زمانۂ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی، اسلام میں اسے چار مہینے دس دن کردیا گیا جیسا کہ گذشتہ آیت سے معلوم ہوچکا ہے مگر ابھی تک میراث کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے میت کے ترکہ میں حقدار ہونے کا مدار مردے

کی وصیت پر تھا۔ اس وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر بیوہ اپنی مصلحت سے متوفی خاوند کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق ہے اور خاوند کے ترکہ سے اس مدت میں اس کو نان ونفقہ بھی دیا جائے، اس آیت میں اسی کا بیان ہے، کہ شوہر کو حکم دیا گیا ہے کہ وفات کے وقت وہ اس قسم کی وصیت کر دیا کریں۔ پھر یہ حق عورت کا اپنا تھا اس لئے اس کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن متوفی شوہر کے دیگر وارثوں کے لئے جائز نہیں تھا کہ عورت کو سال بھر سے پہلے گھر سے نکال دیں ہاں خود بیوہ کے لئے جائز تھا کہ اس گھر میں نہ رہے اور اپنا حق چھوڑ دے بشرطیکہ ایام عدت چار مہینے دس دن پورے ہو چکے ہوں، اسی طرح عدت گذرنے کے بعد مگر سال پورے ہونے سے پہلے نکاح ثانی کر لینا بھی عورت کے لئے جائز تھا۔ پھر جب آیت میراث نازل ہو گئی، گھر بار سارے ترکہ میں سے بیوہ کو بھی بقدر حصہ مل گیا تو اس وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا (معارف القرآن ج ۱ ص ۵۹۱)

۱۵:- متعہ کا حکم :-

(۲۴۱) وللمطلقات متاع بالمعروف الخ مطلقہ عورت کو متعہ یعنی فائدہ پہنچانے کا بیان اس سے پہلی آیات میں بھی آ چکا ہے مگر وہ صرف دو مطلقات کے لئے تھا، ایک کا فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ پورا مہر دیا جائے اور دوسری کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا جائے، اب وہ طلاق والیاں رہ گئیں جن کو صحبت وخلوت کے بعد طلاق دی گئی ہو تو ان میں سے جس کا مہر مقرر ہوا س کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دیا جائے اور جس کا مہر مقرر نہ ہو اس کے لئے بطور فائدہ کے مہر مثل واجب ہے، یہ متاع بمعنی مطلق فائدہ پہنچانا اس تفصیل سے واجب ہے۔ اور اگر متاع سے مراد فائدہ خاص یعنی تحفہ یا جوڑا دینا تو ایک مطلقہ کو تو دینا واجب ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور باقی سب اقسام میں مستحب ہے، آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

(۲۴۲) کذٰلک یبین اللہ الخ سے روح قانون کی طرف اشارہ ہے کہ ان قوانین واحکام کے بیان و اظہار کی حقیقی روح اصل مقصد تک فہم وبصیرت کے ذریعہ پہنچنا ہے یعنی بیان کردہ اصول کو سامنے رکھ کر ان کے نظائر وامثال کو معلوم کرنا، واللہ اعلم۔

تدبیر منزل کا بیان یہاں مکمل ہو گیا، اب پھر اصل مقصد یعنی جہاد کا بیان ہوگا۔

مدینہ منورہ کی مجلس القلادہ

قاضی اطہر مبارکپوری

عہد صحابہ و تابعین میں مدینہ منورہ میں علمی اور دینی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں جن میں مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو ہوتی تھی، اور ان میں شریک ہونے والے علماء، فقہاء، محدثین اور اعیان و اشراف اظہار رائے کرتے تھے، بعض اوقات مسائل حاضرہ اور وقتی سیاست پر بھی بحث ہوتی تھی، یہ مجلسیں مسجد نبوی کے مختلف حصوں اور گوشوں میں عام طور سے رات میں منعقد ہوتی تھیں، ان ہی میں ایک مجلس القلادہ تھی جو مسجد نبوی کے اسطوانۂ وفود کے پاس ہر رات نماز عشاء کے بعد جمتی تھی اور اس میں اجلہ صحابہ و تابعین، قریش کے اعیان و اشراف اور انصار و مہاجرین کے سربرآوردہ حضرات پابندی سے شریک ہوتے تھے۔ اس مجلس کی اہمیت و افادیت کے بارے میں مورخ مدینہ علامہ سمہودی لکھتے ہیں۔

وكانت تعرف ايضاً بمجلس القلادة، و يجلس اليها سروات الصحابة و افاضلهم رضوان الله عليهم -

یہ مجلس قلادہ کے نام سے مشہور تھی اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے علماء و فضلاء اور سربرآوردہ حضرات شریک ہوتے تھے۔

دوسرے مورخ مدینہ ابن زبالہ نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

وانه المجلس الذی يقال له مجلس القلادة وكان يجلس فيه سروات الناس قديماً

اسی مجلس کو مجلس قلادہ کہا جاتا تھا پہلے زمانہ میں اسکے اندر نامی گرامی لوگ بیٹھا کرتے تھے۔

اور علامہ مجد الدین صاحب قاموس نے المغانم المطابہ میں لکھا ہے

وانما سمى القلادة لشرف من كان يجلس اليها من بنى هاشم وغيرهم [1]

اس میں بنو ہاشم وغیرہ کے معزز و شریف لوگوں کے بیٹھنے کی وجہ سے اس کو مجلس قلادہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱ ص ۴۴۹، ۴۵۰ -

یہ مجلس مدینہ منورہ کے اہل علم وفضل اور اعیان واشراف کی المجمع العلمی تھی، اور یہاں کے علمی و دینی یواقیت وجواہر کا یہ حلقہ مدینہ منورہ کے گلے کا ہار تھا، محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المنمق میں اس کو یوں ذکر کیا ہے۔

وکان ذالك المجلس یسمی مجلس القلادۃ یشبه بالقلادۃ المنظومة بالجوهر لحسنه وجماله وشرف اهله[1]	یہ مجلس اپنے حسن وجمال اور شریف شرکاء کی وجہ سے موتیوں سے گندھے ہوئے ہار کے مانند تھی اسی لئے اس کا نام مجلس قلادہ پڑ گیا۔

اس پاکیزہ علمی ودینی مجلس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی پابندی سے شریک ہوتے تھے، اور اس کو بڑی اہمیت دیتے تھے، ملک شام جانے کے بعد بھی اس کو یاد کرتے تھے، اور جب کوئی شخص مدینہ منورہ سے ان کے پاس جاتا تو اس کے بارے میں سوال کرتے اور کہتے تھے

لن تبرح المدینة عامرۃ مادام مجلس القلادۃ	جب تک مجلس قلادہ باقی رہے گی مدینہ آباد رہے گا

اس کے شرکاء میں چند حضرات کے نام یہ ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت حسن بن علی (۳) حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار (۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابو ربیعہ مخزومی (۵) حضرت ابو یسار بن عبدالرحمٰن بن عبید اللہ (۶) حضرت موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ (۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عبدقاری، رضی اللہ عنہم، ان کے علاوہ بنو ہاشم، بنو امیہ، انصار، مہاجرین کے اہل علم وفضل اور اعیان واشراف ہر رات اس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے، مذکورہ بالا شرکاء مجلس کے ناموں سے اس مجلس کی عظمت واہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ابن ابو عتیق نامی ایک بزرگ[2] بھی اس مجلس میں شریک ہوتے تھے، ان کے اوپر ایک تاجر کا چھ ہزار درہم قرضہ ہو گیا تھا، تاجر نے تقاضا کیا تو ابن ابو عتیق نے کہا کہ میرے پاس قرضہ کی ادائگی کا انتظام نہیں ہے، البتہ تم کو ایک ترکیب بتاتا ہوں جس سے میں قرض سے سبکدوش ہو سکتا ہوں جب میں مجلس القلادہ میں جاکر بیٹھوں تو تم میرے پاس آکر مجھ سے قبیلہ بنی عبدمناف والوں کے بارے میں سوال کرنا، اس گفتگو کے بعد ابن ابو عتیق رات کو مجلس قلادہ میں جاکر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے، وہ تاجر بھی طے شدہ بات کے مطابق وہاں آکر بیٹھ گیا اور ابن ابو عتیق

---

[1] کتاب المنمق ص۴۴۴ [2] یہ بزرگ محمد بن عبداللہ بن ابو عتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابو بکر الصدیق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سے کہا کہ ابومحمد آپ مجھے خاندان بنو عبد مناف کے بارے میں کچھ باتیں بتائیے، انھوں نے بتایا کہ بنو عبد مناف کی شاخ آل حرب نے شرک کیا تو دوسرے لوگوں نے بھی شرک کیا اور انھوں نے اسلام قبول کیا تو دوسرے لوگ بھی مسلمان ہوگئے تاجر نے پوچھا کہ اس کے بعد اس خاندان کے دیگر اشخاص کیسے ہیں؟ ابن ابوعتیق نے کہا کہ بنو عاص میں شہدار اور اشراف سب سے زیادہ ہیں، تاجر نے سن کر کہا کہ سبحان اللہ! اس صورت میں آپ بنو عبدالمطلب کو کس درجہ پر رکھیں گے، ابن ابوعتیق نے تاجر سے غصہ ہوکر کہا۔

یا احمق! انما سألتنی عن بیوت الآدمیین ولو سألتنی عن وجوہ الملائکۃ لاخبرتک عن بنی عبدالمطلب فیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فیھم اسد اللہ، و فیھم الطیار فی الجنۃ۔

ارے احمق! تونے آدمیوں کے خاندان کے متعلق مجھ سے سوال کیا ہے، اگر معزز ملائکہ کے بارے میں مجھ سے سوال کرتا تو میں تم کو بنو عبدالمطلب کے بارے میں بتاتا کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ اسداللہ اور حضرت جعفر طیار ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ابوعتیق کی زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی کہا کہ ابومحمد! میں تمکو قسم دے کر کہتا ہوں کہ کوئی حاجت ہو تو بیان کرو، ابن ابوعتیق نے کہا کہ ہاں اس شخص کا چھ ہزار درہم میرے ذمہ باقی ہیں، حضرت حسن نے فرمایا۔

قد قضاھا اللہ عنک ھی علینا دونک

اللہ تعالیٰ نے یہ قرض تمھاری طرف سے ادا کردیا وہ ہمارے ذمہ ہے۔

حسب معمول ایک رات مجلس قلادہ میں یارانِ باصفا مختلف موضوعات پر باتیں کر رہے تھے اسی درمیان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف کا تذکرہ ہونے لگا، اور عبیداللہ بن عدی بن خیار نے کہا، بلاغت اور فقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا، یہ سنکر ابویسار بن عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ گویا آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا ہے، خدا کی قسم معاویہ کی شخصیت اور ان کے قلب کو انسان ہی دیکھ سکتا ہے۔

مجلس میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بھی موجود تھے، انھوں نے ابویسار سے کہا کہ گویا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور کمالات کو نہیں دیکھا۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابو ربیعہ نے ان باتوں کو سن کر سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ گویا آپ لوگ صرف مہاجرین میں فضیلت و برتری دیکھ رہے ہیں، ان کے مسلمان ہونے کے علاوہ اور کون سی خاص بات ان میں ہے؟ کیا آپ نے حارث بن ہشام کو نہیں دیکھا ہے؟ (حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ ابوجہل کے بھائی ہیں، فتح مکہ کے وقت اسلام لائے اور یرموک کی جنگ میں شہید ہوئے۔)

اس پر موسیٰ بن طلحہ نے کہا کہ آپ اس مجلس میں حارث بن ہشام وغیرہ کا تذکرہ مہاجرین کے ساتھ کر رہے ہیں، حالانکہ وہ لوگ مہاجرین کے غلام تھے جنھوں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لینے کے بعد آزاد کر دیا تھا۔

اس بحث و تکرار نے اتنا طول پکڑا کہ عبدالرحمٰن اور موسیٰ آپس میں الجھ پڑے اور حاضرین نے بیچ بچاؤ کر کے اس وقت معاملہ رفع دفع کر دیا، مگر عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں اس واقعہ کو امیر مدینہ مروان بن حکم سے بیان کر کے کہوں گا کہ موسیٰ نے آپ کو اور معاویہ کو غلام بتایا ہے۔ عبدالرحمٰن کی بات سنکر موسیٰ کو مروان بن حکم کی سخت گیری سے خطرہ محسوس ہوا اور اسی وقت مجلس سے اٹھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہونچے وہ موسیٰ کی رضاعی خالہ تھیں۔

خادمہ بریرہ رض نے دروازہ کھولا، معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ سو رہی ہیں، اس لئے موسیٰ بغیر کچھ کہے سنے واپس چلے گئے۔ ادھر عبدالرحمٰن نے رات ہی میں مروان کو سارا واقعہ سنا دیا تھا، اور مروان صبح کی نماز کے بعد منبر پر بیٹھا اور کہا کہ وہ شخص کہاں ہے جو کہتا ہے کہ امیرالمؤمنین آزاد کردہ غلام ہیں، پھر طرح طرح کی دھمکی دی۔ حضرت عائشہ رض حجرہ کے اندر مصلّی پر بیٹھی مروان کی باتیں سن رہی تھیں، ان کا معمول تھا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے بات چیت نہیں کرتی تھیں، دن نکلنے کے بعد بریرہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے، مروان کیا کہہ رہا ہے؟ موسیٰ وہیں موجود تھے، فوراً سامنے جا کر کہا کہ مروان مجھے یہ سب کچھ کہہ رہا ہے اور رات کی مجلس کا پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عائشہ رض نے تمام ماجرا سن کر کہا کہ افسوس کہ مروان اس حقیقت کا انکار کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم نے فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں کو اپنے سایہ میں لینے کے بعد ان کی جان ان ہی کو ہبہ کر دی، اس وقت حضرت عائشہ کی آواز کچھ تیز ہو گئی تھی، اس کے بعد موسیٰ سے کہا کہ تم اپنے مکان پر چلے جاؤ۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ مجھے مروان کی طرف سے خطرہ ہے۔ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ کیا مروان کی ہمت ہے کہ تم کو گزند پہونچائے؟

یسن کر موسیٰ اپنے مکان چلے گئے۔

اس کے بعد مروان نے حضرت عائشہ کی پوری بات ملک شام حضرت معاویہؓ کے پاس لکھی۔ حضرت معاویہ نے مروان کا خط پڑھ کر کہا۔

فسد واللہ، مجلس القلادۃ، لعن اللہ مروان   واللہ مجلس قلادہ ختم ہوگئی، تف ہے مروان پر اور مروان کو لکھا کر تم پر، تمھارے خطبہ پر، اور تمھارے منبر رسول پر بیٹھنے پر تف ہے، ہم تم کو خبر دے رہے ہیں کہ کس نے کہا ہے کہ ہم غلام ہیں ہمیں اس خط کے بعد اس بارے میں کوئی گفتگو نہ کرنا اور نہ کوئی کارروائی کرنا

اس واقعہ کی رات میں لوگ مجلس قلادہ سے نکلے تو پھر اس میں نہیں گئے اور اس واقعہ کے بعد یہ مجلس بند ہوگئی[1]

مدینہ منورہ کے ہر مورخ نے مجلس القلادہ کا شاندار طریقہ پر تذکرہ کیا ہے، مگر اس کے علمی و دینی مباحث کی تفصیل کسی نے بیان نہیں کی ہے حالانکہ اس مجلس کے علمی و دینی، ادبی نوادرات پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی تھی، صرف ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی کتاب المنمق میں دو واقعات نقل کئے ہیں، جو اس کے فکری اور مذہبی ترجمان ہیں، ادب و تاریخ پر اس کی چھوٹی بڑی سینتالیس کتابیں ہیں جن میں سے کتاب المحبّر اور کتاب المنمق حیدر آباد میں چھپی ہیں، محمد بن حبیب بغدادی تشیع کی طرف مائل تھا جس کا اظہار مذکورہ بالا دونوں واقعات کے نقل کرنے میں کیا ہے۔ پہلے واقعہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے جود و سخا اور حضرت ابوبکر صدیق کے خاندان پر ان کے احسانات کو ظاہر کیا ہے اور دوسرے واقعہ میں حضرت معاویہ رضؓ اور بنوامیہ کی حیثیت کو کم کیا ہے یفتنہ و تشیع کا ذہن بڑی باریکی اور چالاکی سے کام کرتا ہے۔

---

[1] کتاب المنمق ص ۴۳۵ تا ص ۴۳۹

سیکولرزم پر ایک اجمالی نظر:-

سیکولرزم دراصل یورپ کے ایک باشندے، جارج جیکب ہولی اوک کے فاسد خیالات کا پلندہ اور اس کے گمراہ قیاس کا نتیجہ ہے، یہ شخص ۱۸۱۷ء میں برطانیہ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا، اس کے آباؤ اجداد مذہبی ہونے کی بنا پر کلیسا سے قریبی مراسم رکھتے تھے، اس لئے اس نے زمانۂ طفولیت سے ہی مذہبی لباس میں پوشیدہ کلیسائی درندوں کو غریب عوام کا خون چوستے اور مردوں کی ہڈیاں جھنجوڑتے دیکھا تھا، پادریوں کے ان ہولناک مظالم کی بنا پر اس کا دل مذہب سے اتنا بیزار ہوگیا کہ ۱۸۴۲ء میں اس نے خدا کا انکار کرتے ہوئے عیسائیت سے کھلے عام بغاوت کردی، معاشرہ پر چونکہ کلیسائی گرفت مضبوط تھی اس لئے اس کی تحریک کو نہ صرف ناکامی کا سامنا ہوا بلکہ اس جرم کی پاداش میں اس کو مختلف ایذائیں، طرح طرح کی سزائیں اور قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں، مگر وہ شخص طویل مشقتوں کے باوجود عیسائیت کی جانب لوٹ کر نہ آیا جس کا دل بچپن ہی میں مسیحیت سے کھٹا ہوگیا تھا، لیکن ان تلخ تجربات کی بنا پر وہ یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوگیا کہ ملحدوں کی طرح وہ بھی خدا و مذہب کا بالکلیہ انکار کرتا رہا تو جہاں وہ مذہبی لوگوں کی حمایت سے محروم رہے گا وہیں پاپاؤں کا طبقہ اس کی راہ کا روڑا بن جائے گا اور اسے منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا، اس منزل پر آکر اس نے نفاق کا چولا پہنا اور ۱۸۵۱ء میں سیکولرزم کی اصطلاح گھڑ کے مذہب و الحاد کے درمیان ایسی راہ نکالی جو بظاہر تو مذہب سے بیزار نہ تھی لیکن حقیقۃً مذہب کو مٹانے کے لئے الحاد کی تمہید تھی، اور اس کا فائدہ بالآخر تحریکِ الحاد کو پہونچنا تھا، کیونکہ مذہب کو جب پرائیویٹ زندگی میں محدود کردیا جائے تو تاریخ

تھا وہ دن دور نہ رہ گیا جب مذہب پرائیویٹ زندگی سے بھی رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوگا۔

جمہوری حکومت ہو کہ شاہی تماشا ہو!
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس طرح جہاں وہ تحریک الحاد کو ہمنوا بنانے میں کامیاب ہوا وہیں مذہب کو پرائیویٹ زندگی میں جگہ دے کر ان پادریوں کے نزدیک بھی ہیرو بن گیا جو ملحدین کے حملوں کی تاب نہ لاکر شہر قیادت سے کوچ کرنے کی تیاری کر چکے تھے۔ ع

باغباں بھی خوش رہا راضی رہا صیاد بھی

اس سے پہلے کہ ہم مزید آگے بڑھتے ہوئے سیکولرزم کے ہر پہلو کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیں ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک نظر ان کلمات پر بھی ڈالتے چلیں جو سیکولرزم پر ایمان رکھنے والوں نے اس کی تعریف میں نقل کیے ہیں۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مصنف سیکولرزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

DOCTRINE THAT THE MORALITY BE NON RELIGIOUS POLICY OF EXCLUDING RELIGIOUS TEACHING FROM SCHOOLS UNDER STATE CONTROL[1]

یعنی یہ اصول کہ اخلاق کی بنیاد غیر مذہبی ہو اور مملکت کی زیر نگرانی چلنے والے مدارس و یونیورسٹیوں سے مذہبی تعلیم کو خارج کردینے کی پالیسی پر سیکولرزم کا اطلاق ہوتا ہے۔

پھر لفظ سیکولر کے معنی بیان کرتے ہوئے مصنف رقم طراز ہے

CONCERNED WITH AFFAIRS OF THIS WORLD

وہ نظریۂ حیات جس کا تعلق صرف اس دنیا کے معاملات سے ہو۔

مزید آگے بڑھ کر وہ سیکولرزم کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے

SECULARISM IS THE TEKM APPLIEDINGENE RALTO SEPARATION OFSTATE POLITIOS

---

[1] سیکولر تعلیم، ڈاکٹر اقبال ص ۱۱۵ ۔ [2] ایضاً۔

CR ADMINISTRATION FROM RELIGIOUS OR CHURCH MATTER.[1]

یعنی مملکت کے نظم ونسق کو اگر بالکلیہ مذہب سے جدا کر دیا جائے تو اس نظام کو سیکولرزم کہا جاتا ہے، جبکہ "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" میں سیکولر تعلیم کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں۔

SECULAR EDUCATION IS A SYSTEM OF TRAINING FROM WHICH DEFINITE RELIGIOUS EDUCATION IS EXCLUDED[2]

کہ سیکولر تعلیم وہ طریقۂ تربیت ہے جس سے مذہبی تعلیم خارج کردی گئی ہو

سیکولرزم کے پس منظر، اس کے بانی کے فکر وشعور اور اس کی لغوی واصطلاحی تعریفوں کے پیش نظر ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ سیکولرزم کی عمارت مندرجہ ذیل چار ستونوں پر ٹکی ہے

(۱) دیگر نظاموں اور متعدد ازموں کی طرح وہ بھی عقل انسانی کو معیار قرار دے کر محض اس مادی دنیا پر نگاہ رکھتا ہے، اور اجتماعی طور پر ایسا ماحول بنانے پر زور دیتا ہے، جو انسانوں کی توجہ غیبی دنیا سے پھیر کر اس مشاہداتی دنیا پر مرکوز کردے

(۲) وہ اخلاقیات وسماجیات کو مذہب سے جدا کرکے لادینی بنانے کا متمنی ہے۔

(۳) مملکت وسلطنت اور سیاست سے مذہب کو دور رکھنا چاہتا ہے۔

(۴) طریقۂ تعلیم کو مکمل لادینی بنانے کا آرزومند ہے۔

سیکولرزم کی نقل کردہ تعریفوں سے یہ تو ہمارے اخذ کردہ اصول تھے جبکہ اس نظریہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک ہندوستانی مفکر انگریزی جریدے (FRONTLINE) میں اس کی مزید پانچ توجیہ نقل کرتا ہے۔

۱۔ حکومت محض نام کے اعتبار سے سیکولر ہو اور اس نظریہ کے مطابق تمام ملک میں پھیلے مذاہب کی سرپرستی کرکے اس مذہب کو غالب کرنے کی کوشش کرے جو ملک کی اکثریت کا مذہب ہو لیکن اس کے ساتھ ہی اقلیت کے مذہب کا استحصال بھی نہ ہو۔

---

[1] سیکولر تعلیم اور علامہ اقبال ص۱۱، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص۲۲۴ ج۲۰۔

۲ ـــــ ہر مذہب کے فرقہ پرستوں کی حوصلہ افزائی کی جائے، اور حکومت ان سب کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر مصالحانہ رویہ کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے۔ پچھلے بیس برس سے ہندوستان سیکولرزم کی تقریباً اس شق پر عمل پیرا رہا ہے۔

۳ ـــــ سیکولرزم سے مراد وہ نظریہ ہے جس میں تمام مذاہب کا یکساں احترام ہو اور کسی کو دوسرے پر مذہبی حیثیت سے کوئی فوقیت نہ ہو۔ تمام لوگوں کو بلاتفریق مذہب وملت یکساں مواقع حاصل ہوں ہندوستان کے سیکولر دانشور سیکولرزم کی اسی توجیہ کو مناسب پالیسی اور ہندوستانی مزاج سے ہم آہنگ قرار دیتے ہیں۔ آزاد ہندوستان کی معمار شخصیت اور مدراس کے پہلے وزیراعلیٰ "سی راج گوپال اچاریہ" نے بھی سیکولرزم کی بابت تقریباً انھی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۴ ـــــ حکومت کے سیکولر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ غیر مذہبی تو ہو مگر مذہب کی مخالف نہ ہو، اس نظریہ کے حامی لوگ عقل انسانی کے محدود ہونے اور معاشرتی احتیاج کے پیش نظر مذہبی اعتقاد و شعائر کے حامل تو ہوتے ہیں لیکن وہ مذہب کو حکومت پر نظر انداز نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کو بالکلیہ لادینی دیکھنا چاہتے ہیں۔

۵ ـــــ پانچویں توجیہ نقل کرتے ہوئے مصنف سیکولرزم کے چہرہ سے نقاب ہٹاکر اسکے اصول ومبادی مزاج ومقاصد اور اس کے دعویداروں کی پوری تصویر اسی شق میں سمیٹ لیتا ہے اور کھل کر یہ کہتا ہے کہ سیکولرزم کے معنی "لادینیت" ہے اور اس کے سرخیل وہی لوگ ہوتے ہیں جو خود کو روشن خیال تصور کرکے جہاں حکومت کو مذہب کے تئیں معاندانہ رویہ پر اکساتے ہیں وہیں اس کو تمام جھگڑوں کی بنیاد بتاکر ایک طرح کا ڈھکوسلہ قرار دیتے ہیں۔

یہ تو "راجیو بھارگوا" کے اپنے خیالات تھے جب کہ جامعہ ملیہ کے مشہور مورخ اور عظیم دانشور پروفیسر "مجیب" اپنی کتاب "ہندوستانی سماج پر اسلامی نقوش" میں سیکولرزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیکولرزم اس اعتقاد وایقان کو کہتے ہیں کہ ہم اپنی ساری توجہات اس مادی دنیا پر مرکوز کردیں۔

یہاں پہونچ کر ہم ان چار امور کی قدرے وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو سیکولرزم کے بنیادی اصول کہے جاسکتے ہیں جب کہ مندرجہ بالا توجیہات پر مقالہ کے دوسرے باب میں ہم تفصیل سے کلام کریں گے

دنیا پرستی و عقل پرستی

عیسائیت اپنے مزعومہ خیالات اور فرسودہ عقائد کی بنا پر عقل اور جدید علوم کی شدید دشمن ہے کیونکہ عقل کو معیار تسلیم کر لینے کے بعد کلیسائی نظام کی پوری عمارت اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ زمین پر آگرتی ہے اس لئے مسیحیت نے عقل کو مطعون و ملعون ٹھہرا کر ہر دور میں اسے محبوس کرنے کی انتھک کوشش کی ہے جب کہ تحریک الحاد اس کی مخالف سمت کی پیروی کرتے ہوئے عقل کو اپنا امام قرار دیتی ہے، سیکولرزم جو مکمل غیر جانب داری کا دعویٰ کرتا ہے یہاں مذہب کی راہ چھوڑ کر الحاد کی پیروی کرتے ہوئے نہ صرف عقل کو اپنے سر کا تاج بنا رہا ہے بلکہ انسانی عقل کو عیوب و نقائص سے مبرا قرار دیکر حسن و قبح کا معیار بتاتا ہے، اس کے نزدیک انسانی عقل اتنی صلاحیت و لیاقت رکھتی ہے کہ وہ حقیقت کے ساتھ ساتھ کائنات کے تمام اسرار و رموز کا مکمل طور سے ادراک کر سکتی ہے اس کا بنیادی اصول ہے کہ انسانی توجہات کا مرکز اور اسکی محنت و لیاقت کی تماشا گاہ صرف یہ دنیا ہونی چاہئے اور اسکی دنیاوی ترقی کیلئے تمام مادی وسائل کی افادیت و مضرت صرف عقل ہی سے جانی سکتی ہے نیز وہ دلی طور سے اس بات کا متمنی ہے کہ انسان اپنی صلاحیتیں اس دنیا پر نہ لگائے جس کے وجود کو سیکولرزم تسلیم نہیں کرتا! اگر کبھی بادل ناخواستہ اس کے وجود کو ماننے پر آمادہ ہوتا ہے تو وہاں بھی یہ تصریح کرنے سے باز نہیں رہتا کہ اس دنیا کا انسانی فلاح و بہبود اور اس کی خوش حالی سے کوئی تعلق نہیں، تو اس طرح وہ انسانیت کو ظاہر کی پرستش کرنے اور لاشعوری طور پر امور غیبیہ کا انکار کرنے کی ترغیب دے رہا ہے کیونکہ وہ صرف اس مشاہداتی دنیا پر نظر رکھتا ہے۔

اجتماعی معاملات و معاشرہ کو لادینی بنانے کی کوشش:۔

سیکولرزم دینی طبقہ کو مذہبی آزادی تو دیتا ہے، لیکن وہ اس آزادی کو دل کے نہاں خانوں اور عبادت گھروں کی چہار دیواری کے اندر اندر ہی دیکھنا چاہتا ہے، جہاں اس آزادی نے انفرادیت سے نکل کر اجتماعی معاشرہ میں قدم رکھا وہیں سیکولرزم کا مزاج برہم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اخلاقی، سماجی اور معاشرتی طور پر لادینی بنانے کا آرزومند ہے، اس لئے ہر دور میں اس کی یہ

کوشش رہی ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان عقائد و اعمال کی ان تمام دیواروں کو توڑ دے جو ان کے حاملین کے درمیان امتیاز و تشخصات کے خطوط کھینچتی ہیں، نیز وہ ایسی طرز معاشرت، مخصوص لباس اور ان تمام علامتوں کا استحصال کرتا ہے جن کے ذریعہ ایک مذہبی فرقہ دوسرے فرقوں سے الگ اور ممتاز ہونا چاہتا ہے۔ سیکولرزم جہاں قوموں کی تشکیل عقائد سے ہٹ کر وطن کی بنیاد پر کرتا ہے وہیں ایک ملک میں رہنے والے تمام حاملین مذہب کو ایک دوسرے کے قومی تہواروں، تاریخی میلوں اور عبادتی رسوم میں شریک ہونے کی دعوت دیکر ملی جلی تہذیب اور مشترکہ ثقافت بنانے پر زور دیتا ہے۔

مولانا معراج الحق ایک استاذ، ایک تاریخ

عزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری؟

مولانا نور عالم خلیل امینی
ایڈیٹر الداعی واستاذ دارالعلوم دیوبند

۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں، میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا، گو میں ایشیا کی اس عظیم دانشگاہ کے ان اساتذہ کے سلسلۃ الذہب کو دیکھنے سے محروم رہا جو اپنے علم وفضل وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، لیکن عظیم سلف کے متعدد ان جانشینوں کو دیکھنے، ان سے پڑھنے، اور ان کی کیمیا نظری سے حسب توفیق اکتساب فیض کرنے کی سعادت ملی جو ان کے علم وصلاح، ایثار وقربانی اور تعلیم وتربیت کے میدان میں انفرادیت کے بڑی حد تک امین تھے جن میں سرفہرست دارالعلوم کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (وفات ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء) شیخ الحدیث حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب (وفات ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء) مولانا فخرالحسن صاحب مرادآبادی (وفات ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء) مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم (وفات ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء) اور نائب مہتمم اور بعد میں صدر مدرس حضرت مولانا معراج الحق صاحب کا نام لیا جاسکتا ہے، جو یکشنبہ ۷/۲/۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸/۸/۱۹۹۱ء کو سوادس بجے دن میں رب کریم کے حضور پہونچ کر ہزاروں دلوں کو رنجور اور ہزاروں آنکھوں کو اشکبار کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک اصول پسند انسان

داخلہ کے بعد دارالعلوم میں چند ہی ہفتے گذرے ہونگے کہ طلبہ سے اختلاط، دارالعلوم کے نظام کار سے واقفیت اساتذہ سے دید وشنید اور دفاتر سے سابقہ پڑتے ہی مولانا معراج الحق صاحب کو اچھی طرح پہچان گیا، مولانا دارالعلوم کے نظام وقانون کی پامالی کرنے والوں کے تئیں سخت گیری، اور دارالعلوم

کے لائحۂ عمل کی تصریحات و دفعات کو دیانت دارانہ طور پر نافذ کرنے کی پابندی کے لئے اس وقت مشہور تھے، چنانچہ سارا دارالعلوم ان کی اصول پسندی کا قائل تھا، کسی "بڑے باہمت" آدمی کے علاوہ کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ اصول وضوابط کی خلاف ورزی کرے ۔ مولانا دارالعلوم کے چپہ چپہ میں اصول وضوابط کی عملداری کی علامت سمجھے جاتے تھے ۔ اس وقت مجھے اپنی ناتجربہ کاری کے باوجود اس کا خوب اندازہ ہوا کہ ایک اصول پسند شخص جس کو اپنی ذمہ داری کا مطلوبہ احساس اپنے ماتحتوں کی دار وگیر پر مجبور کرتا ہو، عموماً اپنے زیر دستوں میں مبغوض نہیں تو محبوب بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ انسانی نفس بڑا سرکش واقع ہوا ہے، وہ لامحدود آزادی اور سارے گوشہ ہائے حیات میں تمام قسم کی پابندیوں اور جکڑبندیوں سے آزاد رہنے کا دل دادہ ہے اسی لئے اس کو بدی سے عموماً رغبت اور نیکی سے عموماً نفرت رہا کرتی ہے۔

چنانچہ مولانا اس وقت سہولت پسندوں "حالات کی رعایت" اور "حقیقت حال سے مصالحت" پر ایمان رکھنے والوں کی ناوک فگنی کا نشانہ تھے۔ مولانا کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اس سطح پر اپنے آپ کو اتارلیں جس پر مذکورہ قسم کے لوگ انھیں دیکھنا چاہتے تھے، اس لئے کہ وہ خودی، خودداری اور خوداعتمادی سے سرفراز ان عظیم انسانوں میں سے تھے جو شب کے سناٹے میں (جب انسان کے ساتھ اس کی ذات اور اس کے خدا کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا) بھی کسی خلاف مروّت وشرافت عمل سے گریزاں رہا کرتے ہیں۔

مادر علمی سے مثالی وفاداری

مولانا کی اصول پسندی میرے علم وتجربہ میں، اولاً ان کی طبع سلیم کا فیضان تھی، چنانچہ اس کی جلوہ گری تمام کارہائے حیات میں نمایاں تھی، اور ثانیاً دارالعلوم کے سلسلہ میں ان کی غیرمعمولی عقیدت ومحبت اور اپنے منصب کے حوالہ سے مکمل احساس ذمہ داری کا نتیجہ تھی ۔ دارالعلوم کے لئے ان کی عقیدت ومحبت کا سرچشمہ ان کے وہ اساتذۂ گرامی تھے جو علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تھے، عقیدت ومحبت نے ہی انھیں کم وبیش پچاس سال تک مادر علمی کی خدمت کی سعادت کے حصول کے لئے صبر وشکر کے ساتھ سرگرم عمل رہنے پر مجبور رکھا، اس طویل عرصہ میں حالات کی استواری وناہمواری کی دھوپ چھاؤں سے بھی وہ گذرے، لیکن دارالعلوم سے ان کی وابستگی ووفاداری میں کوئی فرق

نہ آیا ـــــ حساس قلب وجگر رکھنے کے باوجود!

میں، مولانا سے کسی درسی کتاب کے باقاعدہ پڑھنے کی سعادت تو نہ حاصل کرسکا، لیکن دارالعلوم اور دارالعلوم سے باہر میں نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں سے سب یا اکثر مولانا کے شاگرد تھے، اور طالب علمی میں، دارالعلوم کے طلباء سے جو مولانا کے پاس آتے جاتے تھے یا ان کی خدمت میں رہا کرتے تھے، ان کے متعلق جو کچھ سنتا تھا اس سے میرے دل میں ان کی عظمت و رفعت کا احساس اور ان کے لئے احترام وعقیدت کا جذبہ بے پناہ پیدا ہوگیا تھا، طلبہ ان کے شمائل وخصائل ان کی تدریسی مہارت، بالغ نظری اور بلند خیالی کا لذت وعقیدت کے ساتھ تذکرہ کیا کرتے تھے۔

باصلاحیت منتظم

پچاس سال کا طویل عرصہ انھوں نے مادر علمی کی چہار دیواری میں گذارا تدریس کے ساتھ وقفہ وقفہ سے وہ مختلف انتظامی صیغوں سے بھی وابستہ رہے، کبھی ناظم دارالاقامہ، کبھی نائب مہتمم اور کبھی بحیثیت صدر مدرس، اس لئے دارالعلوم کے گوشہ گوشہ میں ان کے فکر وعمل کے لازوال نقوش نمایاں ہیں، انھوں نے تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں بہت سی مفید اور کارآمد اصلاحات کیں جن سے دارالعلوم کے نظام تعلیم وتربیت کو زیادہ نتیجہ خیز اور انتظامی ڈھانچوں کو زیادہ کارگر بنانے میں مدد ملی ـــ دارالعلوم کا موجودہ نظام امتحان ہر چند کہ شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے، لیکن اس کا بانکپن اور نوک پلک کی نزاکت مولانا کی دقتِ نظر کا کرشمہ ہے۔ ہماری طالب علمی میں یہاں درجہ بندی نہ تھی، مولانا نے ہی درجہ بندی کی تحریک کی اور اسے عملی طور پر برپا کرنے کے لئے سن رسیدگی کے باوجود اپنی محنت وتوانائی کا بہت بڑا حصہ صرف کیا۔

باکمال مدرس

دارالعلوم اور برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں دارالعلوم کی طرز کے ہزاروں مدرسوں میں پڑھائے جانے والے تقریباً سارے مضامین پر مولانا کو قابل ذکر دسترس حاصل تھا، لیکن چونکہ وہ شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علیؒ کے خصوصی شاگردوں میں تھے اور ان کی تعلیم وتربیت کا اثر انھوں نے گہرائی سے جذب کیا تھا، اس لئے ان پر فقہ وادب کا رنگ شوخ تھا دیوان حماسہ، اور ہدایہ اخیرین زمانۂ تدریس کے اوائل سے ان کی وفات تک تقریباً ہرسال ان کے زیر درس رہیں۔ اول الذکر کے اکثر اشعار مولانا کو ازبر تھے۔ حماسی شعراء کے حالات، مختلف قصیدوں

کا پس منظر، اشعار میں ذکر شدہ جگہوں کا جغرافیائی تناظر، ان کے الفاظ وتعبیرات کے معنی ومفہوم کی سرگذشت اور اخلاقی، اجتماعی پہلو والے اشعار جو سیرت سازی میں معین ہو سکتے ہیں مولانا کو خوب یاد تھے، اور انھیں برموقع سنایا کرتے تھے۔ ثانی الذکر کتاب، اس کے مضمون اور متعلقہ فن پر مولانا کے عبور کی غمازی کے لئے صرف یہ بتانا کافی ہے کہ ہماری طالب علمی میں طلبہ انھیں "صاحبِ ہدایہ" کہا کرتے تھے اور ان کے اس سبق میں طلبار جس ذوق وشوق سے جاتے تھے اس کی مثال اب شاید ملے گی۔

مولانا کے درس کی مقبولیت کا راز ایک طرف علم وفن میں غایت درجہ کمال میں پنہاں ہے تو دوسری طرف ان کے حسنِ بیان اور دلربا طریقہ تدریس میں جس کی وجہ سے طلبہ نہایت آسانی سے ان کے مضمون کو ہضم اور یاد کر لیا کرتے تھے، وہ درس میں بے جا تفصیل، درازبیانی، سمع خراش شور اور درس کی رونق ورعنائی میں اضافہ کی خاطر بلا ضرورت طنز ومزاح کا سہارا لینے کے قائل تھے نہ عمل۔ اب تو مدارس کے ماحول میں اس عنصر کی فراوانی اور مقبولیت فزوں تر ہے، مولانا ان نابغہ روزگار اساتذہ کے ہونہار شاگرد تھے جو تفہیم درس میں اختصار وسہولت سے کام لے کر نفسِ مسئلہ طلبار کے ذہن میں اتار دینے میں چابک دست تھے، اور بجائے ازخود سب کچھ کہنے کے طلبار کو ست جانفشانی، استخراج مسائل اور دقتِ نظر سے کام لینے کا خوگر بنادینے کی مہارت رکھتے تھے لئے ان کے شاگرد اپنی اپنی جگہ جبل علم ہوا کرتے تھے۔

محبوبیت وعقیدت کا خراج

انسان جس درجہ دوسروں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے اسی درجہ وہ مخلوق میں محبوب ہوتا ہے، مولانا کی طلبار تذہ میں غایت درجہ محبوبیت ان کی وفات کی خبر کے دارالعلوم میں پھیلتے ہی دیکھنے میں آئی، سارے طلبہ واساتذہ مغموم چہروں اور اشک آلود آنکھوں کے ساتھ ان کے کمرے کی طرف دوڑ اور جنازہ اٹھنے اور ان کی تدفین کے وقت تک ان کے دیدار کے لئے نہ ختم ہونے والے تسلسل اتھ آتے رہے، سارا دارالعلوم سوگوار اور ساری نگاہیں خونبار نظر آرہی تھیں، جنازہ کو قبرستان ن شوق وعقیدت کے ساتھ طلبا واساتذہ کا جم غفیر لے گیا وہ منظر بھی دیدنی تھا، اللہم اغفرلہ وارحمہ مولانا نے شادی نہیں کی، اور نہ ان کے اولاد تھی جو ان کے محبت کو تقسیم کر سکتی، یا ان کی

توجہات اور اوقات زندگی کا قیمتی حصہ مشغول کرلیتی، ان کا جذبۂ محبت محفوظ ان کی دلچسپیاں صحیح سلامت اور ان کے اوقات زیست خالی تھے، انھوں نے سلیقہ سے اپنے اوقات اور دلچسپیوں کو اپنی محبوب جامعہ کی خدمت میں صرف کیا، طلباء کو علم وآگہی سے اساتذہ کو فکر ونظر اور مشورہ سے اور ملازمین کو نصیحت وراہنمائی سے فائدہ پہونچایا، اور اپنی تمام محفوظ توانائیوں کو دارالعلوم کی رفتار ترقی کو تیز تر کرنے اور بزرگوں کے حسین خوابوں کی خوبصورت تعبیر برآمد کرنے کے لئے صرف کردیں۔

مہرمادری اور شفقت پدری

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان اپنے ذخیرۂ محبت کو اپنے پاس والوں میں صرف کئے بغیر زندگی نہیں جی سکتا تو یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا نے اپنی محبت وشفقت کا مرکز طلبائے دارالعلوم کو بنایا خصوصًا ان طلبہ کو جو ان سے استفادہ کی خاطر ان سے زیادہ مربوط رہے، ان طلبہ نے بہت سی دفعہ ان کی شفقت ومحبت کے ایسے مظاہر دیکھے جن کے سامنے شفقت پدری اور مہر مادری ہیچ محسوس ہوئی۔ اور جن سے ان کی سخت گیری کی تکذیب ہوجاتی ہے، جو سہولت پسندوں نے مشہور کررکھا تھا، وہ سخت گیر ضرور تھے لیکن یہ سخت گیری درحقیقت مثبت ردعمل تھی، دارالعلوم، اس کے اساتذہ، اس کے طلباء، اس کے ملازمین، اور اس کی تاریخ اور اس کے روشن دل وروشن فکر بانیوں سے سچی محبت کا۔ وہ دارالعلوم کو دیگر صاحب بصیرت فضلائے دارالعلوم کی طرح اسلام اور اسلامی دعوت وفکر کا مضبوط قلعہ اور قدرت الٰہی کے بعد اس دیار میں (حکومت مغلیہ کے زوال کے بعد) اسلامی وجود کی بقاء کا ذریعہ بننے والے ایمانی دستوں کا ہراول سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اساتذۂ گرامی کی طرح کسی ایسی کوتاہی کو برداشت کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے جو دارالعلوم کی بخشی صلاحیت کو دیر یا سویر مجروح کرسکتی تھی، اس لئے ممکن حد تک ہاتھ کی طاقت سے، ورنہ زبان کی صلاحیت سے "منکر" کے ازالہ سے دریغ نہ کرتے تھے۔ "اضعف الایمان" والے درجہ یعنی دل میں برا مان کر خاموش رہنے پر شدید مجبوری کی حالت میں ہی عمل کرپاتے تھے۔

ایک دہائی سے زیادہ دارالعلوم سے غیر حاضری کے بعد جب میں دارالعلوم میں دس گیارہ سال قبل استاذ اور پندرہ روزہ عربی جریدہ "الداعی" کے مدیر کی حیثیت سے دارالعلوم واپس آیا تو مولانا کے متعلق جو سخت گیری مشہور تھی وہ میں نے ان میں یکسر مفقود دیکھی، طالب علمی کے زمانہ میں شاید

ہی مولانا کے ہاں براہِ راست آمد و رفت کا کوئی اتفاق ہوا ہو، لیکن دورِ تدریس میں شاید ہی
کوئی ہفتہ ایسا گزرا ہو جس میں مولانا سے شرفِ ملاقات، تبادلۂ خیال اور ان کے پرسلیقہ دسترخوان
پر چائے نوشی کا موقع نہ ملتا رہا ہو، اس لئے اس دورِ ثانی میں ان کے خیالات، ان کی ترجیحات
اور ان کے مزاج کو پڑھنے کا صحیح موقع ملا۔ میں نے مولانا کو نہایت حلیم کریم شفیق، مانوس ہوجانے
والا، اور مانوس کر لینے والا پایا۔ غصہ ہوتے، چڑھتے، اور دھر پکڑ کرتے میں نے انھیں شاید ہی دیکھا
اور جانا ہو۔ البتہ آخری چند سالوں میں مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کو ایک طرح کی وحشت اور
تنہائی کا احساس دامن گیر ہے، اس شخص کی طرح جس نے اپنے سارے رفقائے حیات کھو دئے
ہوں۔ چنانچہ وہ اساتذۂ دارالعلوم خصوصاً ہم ایسے نوجوان اساتذہ کی ملاقات سے بیحد مانوس و مسرور
ہوتے، اگر ایک دو ہفتے ہم غیر حاضر ہوجاتے تو شکوہ کرتے، ہماری طویل نشست کے خواہشمند
رہتے۔ ہماری گفتگو اور عالمِ اسلامی کے مسائل پر ہم لوگوں کی ہرزہ سرائیوں سے بہت خوش ہوتے
اور اپنے تجربات اور پختہ خیالات کی روشنی میں ہمارے خیالات کی تصحیح کرتے تھے۔

مولانا کا وطن | مولانا معراج الحق بن منشی نور الحق کا وطنِ خاص "دیوبند" ہے جسے خاصانِ خدا اور عالمانِ دینِ قیم نے اسلامی قلعہ کی تعمیر کے لئے انتخاب کیا تھا۔
لانا ۱۹۱۰ء میں دیوبند کے جنوب مغربی سمت کے ایک محلہ "بیرون کوٹلہ" میں پیدا ہوئے۔
ندائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی، پھر وہ دارالعلوم دیوبند میں درجۂ متوسطات میں ۱۳۴۹ھ مطابق
۱۹۳ء میں داخل ہوئے اور پہلے سال میں مختصر المعانی اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھی، دوسرے
سال میں ہدایہ آخرین، جلالین اور مشکوۃ شریف وغیرہ اور تیسرے سال دورۂ حدیث میں صحاح
ستہ اور دیگر کتب حدیث پڑھیں اور ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں فارغ ہوئے۔ ۱۳۵۲ھ مطابق
۱۹ء میں انھوں نے دارالعلوم میں مزید ایک سال لگایا اور مختلف علوم و فنون کی امہات الکتب
یں۔ مولانا دارالعلوم کے ممتاز طلبہ میں تھے، سالانہ امتحان کے نمبرات (جو دارالعلوم کے سالانہ
داد میں ریکارڈ ہیں) کے دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیسے محنتی اور اپنے وقت کو
مصرف میں استعمال کرنے والے طالب علم تھے۔

لانا کے لائق اساتذہ | مولانا کے قابلِ ذکر اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد

مدنی (وفات ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء) حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (وفات ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء) شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی (وفات ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء) علامہ محمد ابراہیم بلیاوی (وفات ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء) مولانا مبارک علی سابق نائب مہتمم دارالعلوم (وفات ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء) اور مولانا عبدالسمیع دیوبندی (وفات ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء) جیسے آسمان علم وفضل ہیں۔

تدریسی سلسلہ

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مولانا نے کئی ایک مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دیں، چنانچہ ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۹ء کے عرصہ میں بمبئی میں زکریا مسجد کے مدرسہ میں وہ رہے۔ اس کے بعد گلبرگہ کے ایک مدرسہ میں ۱۹۴۰ء تک کام کیا۔ پھر یکم محرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم میں بحیثیت مدرس ان کا تقرر ہوا، اور انھیں شرح وقایہ، شرح عقائد نسفی، مقامات حریری، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو، اصول الشاشی اور نورالانوار وغیرہ پڑھانے کو دی گئیں، وفات کے وقت دیوان حماسہ، سبع معلقات اور ہدایہ ان کے زیر درس تھیں۔ تقریباً پچاس سال کے طویل عرصہ میں انھوں نے دارالعلوم کے نصاب میں داخل اکثر کتابوں کو حسن وخوبی سے پڑھایا اور علم وآگہی کا جام لنڈھایا۔ انھوں نے حدیث شریف کی متعدد کتابیں بھی پڑھائیں، اس کے ساتھ انھوں نے مختلف انتظامی شعبوں کی ذمہ داریاں لیاقت کے ساتھ نبھائیں ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں وہ ناظم دارالاقامہ بنائے گئے۔ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق جنوری ۱۹۷۶ء میں وہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے نائب (مہتمم) مقرر ہوئے، اس منصب جلیل پر رجب ۱۳۹۶ھ مطابق جولائی ۱۹۷۶ء تک فائز رہے ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء سے تاحین وفات وہ صدر مدرس رہے

خوش نصیب مربی

مولانا نے کسی موضوع پر کوئی تصنیف نہیں چھوڑی لیکن برصغیر اور دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہزاروں شاگرد چھوڑے ہیں جن میں علماء، مبلغین، مصنفین، فقہاء، اصحاب افتاء اور زندگی کے مختلف زمروں سے متعلق افراد موجود ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ایک کامیاب مدرس جو باصلاحیت افراد پیدا کرتا ہے اور مطلوبہ رجال کار تیار کرجاتا ہے وہ بسا اوقات ان مصنفین اور قلم کاروں سے زیادہ لائق تحسین اور لائق شکر وثواب ہوا کرتا ہے، جو نفع بخش کتابوں کی شکل میں صدقۂ جاریہ چھوڑ جاتے ہیں۔

پسماندگان

مولانا کے پانچ بھائی ہیں، ایک بھائی ان سے بڑے ہیں، باقی سبھی ان سے

چھوٹے ہیں، ایک بھائی ثنار الحق دہلی ہمدرد دواخانہ میں ملازم ہیں اور ان کا مستقل قیام گلی قاسم جان میں ہے باقی دیگر برادران تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور اب تک الحمدللہ بقید حیات ہیں، تین بہنیں تھیں ان میں سے ایک بہن پاکستان میں زندہ ہیں دو بہنیں اللہ کو پیاری ہوچکی ہیں۔

مشہور مؤرخ مصنف، مدرسہ امینیہ دہلی کے سابق صدر مفتی اور شیخ الحدیث اور شیخ الاسلام مولانا مدنی کے خصوصی شاگرد مولانا سید محمد میاں دیوبندی ثم الدہلوی (متوفی ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء) مولانا کے برادر نسبتی تھے۔ مولانا محمد میاں رہ کی اولاد بھی مولانا کے برادر خورد ثنا الحق صاحب کے ساتھ گلی قاسم جان دہلی میں مستقل طور پر متوطن ہے۔ راقم الحروف کو مولانا محمد میاں صاحبؒ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل ہے، اور ان کی بے پناہ عنایتوں اور شفقتوں سے سرفراز رہا ہے، مولانا معراج الحق صاحبؒ کو مولانا مرحوم کے ساتھ ناچیز کے اس تعلق کا بڑا خیال تھا، میرے ساتھ غیر معمولی نوازشوں کا جو معاملہ کرتے تھے یقیناً اس میں اس احساس تعلق کو بڑا دخل تھا۔

حلیہ اور اطوار و عادات مولانا خوش وضع، خوش لباس اور خوش شکل تھے، کچھ سال قبل تک کسی بھی موسم میں کمرے سے باہر شیروانی ان کے تن سے شاید ہی جدا ہوتی تھی، ان کی نستعلیقیت اور خوش وضعی تمام امور زندگی میں نمایاں تھی، مولانا کا سراپا کچھ اس طرح تھا کتابی چہرا، سرخ و سپید جسم، اونچی ناک، دراز قد، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں گھنی بھنویں، متوازن، سیدھی اور خوبصورت داڑھی، سر کا اکثر حصہ گنجی، آواز صاف، کشیدہ قامت ہونے کی وجہ سے لمبا قدم اٹھاتے اور تیز چلتے، ہاتھ میں خوبصورت سی چھڑی رکھتے، راست باز اور صائب الرائے تھے، ارادہ کے پختہ، دل کے مضبوط، صاف دل، کم گو، کم خواب اور کم خور تھے، پروقار اور پر رعب تھے۔ میں طالب علمی کے زمانہ میں اکثر دیکھتا کہ مولانا جس راہ پڑتے سے نظر آجاتے طلبہ اپنا راستہ بدل لیتے تھے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ عصر کی نماز کے بعد دارالعلوم کی مسجد کے جنوبی در میں وہ خاص انداز سے کھڑے ہو کر مسجد سے بھیڑ کے نکل جانے کا انتظار کرتے، ان کے ایک ہاتھ میں جوتے دوسری میں چھڑی اور کندھے پر رومال ہوتا، طلبہ کو ہمت نہ ہوتی کہ ان کے آگے سے نکل جائیں، دائیں بائیں سے کٹ کر اور سمٹ کر نکلتے تھے، ان کی سلیقہ مندی اور خوش وضعی کی شہرت کی وجہ سے ایسے ویسے طلبہ ان کی خدمت میں آنے جانے یا خدمت میں رہنے کی ہمت نہ کر پاتے تھے، سلیقہ مند، باادب اور مہذب

خوش نصیب ہی اس سعادت سے بہرہ مند ہو پاتے تھے۔

وہ عشاء کے بعد فوراً سو جانے اور سحر خیزی کے عادی تھے۔ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے اور اپنے معمولات سے فارغ ہو کر اپنے رب سے متوجہ ہوتے۔ فجر کی نماز کے بعد ساتھ رہنے والے طلبہ کے تعاون سے چائے ناشتہ تیار کرتے۔ وہ اپنی خدمت آپ کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ برتن دھونے چائے یا کھانا اور پان بنانے میں سلیقہ مندی نمایاں ہوتی۔ مولانا اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو پان کا خاص اہتمام کرتی تھی، چائے کا ذوق بہت لطیف تھا۔ چائے کے سلسلے میں یہ ذوقِ لطیف شرفاء کا حصہ تھا، اب صرف خال خال علماء کے یہاں باقی رہ گیا ہے۔ دارالعلوم کے متعدد اساتذہ اور شیوخ کے ہاں چائے کا جو اہتمام تاہنوز باقی ہے اس کی مثال قہوہ کے ساتھ عربوں کے عشق سے دی جاسکتی ہے میں کئی ایک عظیم ترین عصری تعلیم گاہوں کے بہت سارے اساتذہ سے ملا ہوں نیز شعراء ادباء اور صحافیوں سے سابقہ رہا ہے۔ ان کے دسترخوان پہ چائے نوشی کا موقع بھی ملتا رہا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ علماء کے طبقہ میں جو ذوقِ عالی اب تک باقی ہے وہ ان کے ہاں یکسر مفقود ہے۔

عجم کے حسنِ طبیعت کی جلوہ گری

مولانا کو نوادرات اور نفیس اشیاء کے جمع کرنے کا خاص شوق تھا۔ ان کا کمرہ (جو دارِ جدید کے جنوبی دروازہ کے اوپر تھا اور عرصہ دراز سے ان کا مسکن ہونے کی وجہ سے یہ دروازہ بھی دارالعلوم میں "معراجی گیٹ" کے نام سے معروف ہو چکا ہے)، مختلف قسم کے سیکڑوں نوادرات سے بھرا ہوتا، ہر چیز اپنی جگہ اس سلیقہ سے رکھی ہوتی کہ جیسے کسی پارک میں طرح طرح کے پھول قرینے سے کیاریوں میں لگے ہوں، ہر پھول اپنی خوشبو، رنگ اور شوخیٔ حسن میں ایک دوسرے سے مختلف۔ مولانا کے کمرہ میں داخل ہوتے ہی ایک ملاقاتی کو سامانوں کا تنوع قوس قزح کی رنگینی اور حسن امتزاج کے ساتھ اپنی طرف مائل کر لیتا ـــ ایسا لگتا کہ عجم کا حسن طبیعت اور عرب کا سوز دروں کمرے کی ترتیب میں اپنا اثر دکھا گیا ہے ـــ لیمپ کی مختلف قسمیں، انگیٹھیوں کی متعدد اقسام، چائے کے طرح طرح کے کپ، انواع واقسام کی چائے دانیاں، ان کے والد صاحب کو جہیز میں ملی ہوئی مسہری، خوبصورت قسم کی الماریاں، اعلیٰ درجہ کی قابلِ اعتبار کمپنی کی سلائی مشین، کتابوں کی مخصوص ترتیب، سونے کا ایک دو بستر فرشی اور ایک آدھ مسہری پر قرینے سے بچھی ہوئی چٹائیاں، مختلف سمتوں سے لگے ہوئے پردوں کے ذریعہ متعدد خانوں میں تقسیم شدہ

ان کا حجرہ، چھوٹے بڑے کئی عدد گاؤ تکئے اور تکئے، ایک گوشہ میں رکھا ہوا فریج، قرینہ سے سجے ہوئے برتن، اپنی مخصوص نشست پر رکھا ہوا گیس کا چولہا اور سلنڈر، مولانا کی نشست گاہ کے قریب اور سامنے رکھا ہوا پاندان اگالدان، پان کے مسالوں کی چھوٹی سی صینی اور خوبصورت سا سروتا، کپڑے ٹانگنے کی خوشنما کھونٹیاں شیروانیوں کی مخصوص جگہ اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی کی خاص وضع، بڑے چھوٹے قدرے اونچے اور کم اونچے لکڑی کے پیڑھے، متعدد تپائیاں اور ڈسک، مطالعہ کی متعین جگہ، اور ایک کونے میں بنا ہوا چھوٹا سا وضو خانہ، کمرے میں مختلف جگہ چھت کی کڑیوں میں بندھی ہوئی لٹکتی ہوئی رسیاں جن سے آخری سالوں میں ضعف کی زیادتی کے بعد اٹھتے وقت سہارا لیا کرتے تھے، اور دیگر وہ بہت ساری اشیاء جو میرے خانۂ خیال کی گرفت میں نہیں مولانا کے کمرے کو ایک خاص قسم کا حُسن سحر خیز دیتی تھیں ــــ مولانا سال چھ مہینے کے بعد سامانوں کی ترتیب اور ان کا جائے وقوع بدلتے رہتے تھے۔ کہ یک رنگی اور یکسانیت سے وہ اکتا جایا کرتے تھے۔

انہیں مرغی، بطخ، کبوتر اور بکری پالنے کا بھی شوق تھا۔ ادھر کوئی دس بارہ سال سے بکریاں تو نہ رکھتے تھے لیکن اول الذکر قسم کے پرندے ان کی وفات کے دلدوز واقعہ کے مشاہدہ سے غالباً انسانوں کی طرح یا ان سے زیادہ مغموم تھے۔ کئی ایک بطخ اب تک موجود ہیں۔ میں جب مولانا کے کمرے کے پاس سے گذرتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ اور ان بطخوں کو دیکھ کر مولانا کی یاد تازہ اور زخم دل مزید ہرا ہو جاتا ہے۔ ابھی کل یہ کمرہ شفقت و رحمت، علم و ہنر، فکر و نظر، سلیقہ و قرینہ، صلابت واصابت رائے کا گہوارہ تھا اور اس کے دیوار و در ایک "رجل رشید" کی جلوہ گری سے تابندہ و درخشندہ اور آنے جانے والوں کے تسلسل کی وجہ سے شاد و آباد تھے مگر آج ــــ اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی۔ اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

بطخوں، مرغیوں، اور کبوتروں کے لئے آرام دہ رہائش گاہ بنواتے۔ ان کی اس طرح دیکھ ریکھ کرتے جیسے انسان اپنے لخت جگر کی، جاڑے کے موسم میں ان کی رہائش گاہوں میں بجلی کا بلب بھی جلاتے تاکہ ٹھنڈک کی شدت سے ان بے زبان پرندوں کو کوئی گزند نہ پہونچے۔ انہیں بیماری آزاری سے بچانے کی تدبیریں کرتے۔ ان کے زیادہ شور کرنے پر فکرمند ہوتے کہ مبادا ان کو کوئی تکلیف تو نہیں۔

شام زندگی

خورد و نوش کے تعلق سے مولانا بڑے محتاط تھے۔ اور اکثر عام قسم کی بیماریوں کا علاج وہ دوا کی بجائے غذا سے کرلیا کرتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک بار میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ شدید نزلہ میں مبتلا تھے۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ نے کوئی دوا نہیں لی، فرمایا میں کل سے اس نزلہ کی حالت تباہ کیے ہوئے ہوں نہ کھاتا ہوں نہ پیتا ہوں۔ عزیزم! میں تو اس طرح کی بیماریوں کو اکثر اتنا پریشان کر دیتا ہوں کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔۔۔۔ لیکن خدا کی حکمت، قدرت اور مشیت کہ شعبان ۱۳۵۲ھ میں وہ تقریباً ۲۸ روز تک مسلسل پیچش میں مبتلا رہے۔ ان کے بھائی نثار الحق صاحب انہیں اپنے ہاں دہلی لے گئے، مولانا انگریزی طریقۂ علاج کے عموماً اور ایلو پیتھک کے خصوصاً مخالف تھے۔ وہ یونانی طریقۂ علاج اور ادویہ کی تاثیر اور بے ضرر ہونے کے قائل تھے۔

لیکن جب یونانی دوائیوں سے کوئی فائدہ محسوس نہ ہوا تو بھائی کے اصرار پر انگریزی دواؤں کے استعمال پر رضامند ہوئے۔ دو ایک ماہ کے علاج کے بعد افاقہ ہوا، لیکن نہایت کمزور اور نحیف ہو گئے۔ میں ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ کے اوائل میں گھر سے واپسی پر دہلی میں احاطہ کالے صاحب گلی قاسم جان میں واقع ان کے بھائی کے مکان پر ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا تو بہت خوش ہوئے مگر گفتگو کے دوران صبر و عزیمت کے اس کوہ وقار نے بار بار یہ دہرایا کہ عزیزم! میں تو اب زندگی سے مایوس ہو چلا ہوں اور میں تو اب مرض الموت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مولانا شفایابی کے بعد غالباً ذیقعدہ کے اواخر میں دہلی سے دیوبند آگئے، اور ایک آدھ ماہ بعد انہوں نے حسب معمول درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا، لیکن عرصہ تک ان کے منھ میں چھالے پڑتے رہے اور معدہ اس درجہ کمزور ہو گیا تھا کہ مرچ کا ایک ذرہ بھی ان کو ہضم نہ ہوتا تھا۔ دو ایک مرتبہ میں نے گذارش کی کہ حضرت! میں اپنے ہاں سے کوئی پسند کا کھانا بھجوا دوں، فرمایا عزیزم! مرچیں بالکل نہ ہوں، پھر شکر دانی میں سے شکر کا ایک دانہ نکال کر فرمایا دیکھو! اتنی سی مرچ بھی معدہ کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔

اس بیماری سے وہ کلی طور پر شفایاب نہ ہو سکے اور اس کا تسلسل ان کی وفات پر منتج ہوا۔ حکماء اور ڈاکٹرس مکمل طبی جانچ کے بعد کہتے کہ مولانا کو کوئی مرض نہیں ہے۔ لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر تھے کہ ان کو کھانا ہضم کیوں نہیں ہوتا جس کے نتیجہ میں ان کے جسم میں خون کی خطرناک حد تک کمی ہوتی جا رہی تھی۔

ان کی موت برصغیر کے علمی اور مذہبی حلقوں کا عمومی خسارہ ہے، اور حالات و واقعات کے تناظر میں مولانا جیسے فاضل کے خلا کا پُر ہونا مشکل ہے، یوں تو خدائے ذوالجلال ہر چیز پر ہر وقت قادر ہے، کسی بزرگ ہستی کے چلے جانے سے سب سے بڑا نقصان ان کے تجربات، خیالات اور اکتسابات سے محرومی کی شکل میں سامنے آتا ہے، بزرگوں کے ہم سے جدا ہو جانے کا یہی سب سے سنگین اور قابل رنج و ملال پہلو ہے۔

مسجد جدید دار العلوم دیوبند

جو اپنی تکمیل کیلئے اہل خیر حضرات کی توجہات کی منتظر ہے

دار العلوم دیوبند کے ہمدردان ومعاونین حضرات کو جیسا کہ معلوم ہے کہ تقریباً چار سال ہوئے طلبہ کی کثرت تعداد کی بنا پر دار العلوم میں ایک بڑی جدید مسجد کا کام اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرتے ہوئے دار العلوم سے متصل ایک اراضی خرید کر شروع کر دیا تھا۔

الحمد للہ مسجد کا تعمیری کام بہت آگے بڑھ گیا ہے اور اس وقت فضل خداوندی اور اہل خیر حضرات کی توجہ سے تیسری منزل پر تعمیری کام جاری ہے۔ اس مسجد سے طلبہ دار العلوم اور دیگر مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں مسقف (چھت والے) حصہ میں جہاں چار ہزار نمازیوں کے لئے جگہ ہو جائے گی وہیں اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی طرف سے ایک صدقہ جاریہ ہوگا اور وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر عطا فرمائیں گے۔

تعمیری کام جاری رکھنے کیلئے اس وقت سرمایہ کی شدید ضرورت ہے

اس لئے تمام اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ دار العلوم کی اس مسجد کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مسجد دار العلوم کے شایان شان جلد تعمیر ہو سکے۔

پتہ

ڈرافٹ وچیک کیلئے } دار العلوم دیوبند — اکاؤنٹ نمبر 30076 اسٹیٹ بینک آف انڈیا، دیوبند

منی آرڈر کیلئے } حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند — پن کوڈ نمبر ۲۴۷۵۵۴

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ "کتاب الآثار" سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب ابواب پر مرتب نہ تھی، کتاب الآثار تصنیف ہوئی تو حدیث کی تبویب کا رواج ہوا، اور چونکہ اس میں تبویب کے ساتھ ساتھ صحیح روایات کے درج کرنے کا التزام تھا اس لئے بعد کو ابواب پر تصنیف کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جہاں تک ہوسکے صحیح تر روایات درج کتاب کی جائیں، چنانچہ حافظ سیوطی "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں

ان المصنف علی الابواب انما یورد	ابواب پر تصنیف کرنے والا اس مضمون کی صحیح تر
اصح مافیہ لیصلح للاحتجاج[1]	روایت کو لاتا ہے جو استدلال کے لائق ہو

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حسنِ ترتیب، جودتِ تالیف، صحت روایات اور ان کے انتخاب کے بارے میں کتاب الآثار نے بعد کی تصنیفات پر کتنا عمدہ اثر ڈالا ہے۔

کتابُ الآثار کے نسخے

مؤطا، صحیح بخاری، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور دیگر کتب حدیث کی طرح "کتاب الآثار" کے بھی متعدد نسخے ہیں جن میں روایات کی تعداد کے لحاظ سے بھی فرق ہے، اور ابواب کی تقدیم وتاخیر کے لحاظ سے بھی، چنانچہ بعض نسخوں میں بہت سی روایات ایسی ملتی ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں پائی جاتیں، اسی طرح کسی نسخہ میں کوئی روایت کہیں مذکور ہے اور کسی میں کہیں، اس قسم کا اختلاف کتب مذکورہ میں بھی پایا جاتا ہے اور ایسا ہونا لازمی تھا کیونکہ امام ابوحنیفہ کے تمام شاگردوں نے "کتاب الآثار" کو ایک ہی وقت میں امام موصوف سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ مختلف شاگردوں نے مختلف اوقات میں اس کا سماع کیا تھا، اس زمانہ میں دستور تھا کہ استاد اپنے حفظ سے احادیث کا املا کراتا اور شاگرد اس کو لکھ لیا کرتے، اس اختلافِ اشخاص اور اختلافِ اوقات کی بنا پر ناگزیر تھا کہ روایات کی تعداد اور ابواب کی تقدیم وتاخیر میں کسی قدر اختلاف ضرور ہو، علاوہ ازیں نظرثانی کے وقت اکثر اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا چنانچہ امام عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں فرماتے ہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص۵۶ طبع مصر۔